# علوم القرآن

ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر

نشریات

Marfat.com

# علوم القرآن

## فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

DATA ENTERED

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ
یونیورسٹی آف سرگودھا

نشریات
الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون: 0321-4589419

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۷ء

نام کتاب: ............ علوم القرآن (فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ)

مصنف: ............ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

اہتمام: ............ نشریات

مطبع: ............ عثمان، عمیر، شفیق پریس

صفحات: ............ ۶۸۸

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

نضلی کتاب
فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

# ترتیب


◆ پیش لفظ ۲۳

◆ باب اول: وحی اور متعلقات وحی ۳۱

◆ فصل اول: معنی ومفہوم، ضرورت واہمیت اور (متلو اور غیر متلو) اقسام ۳۱

◆ وحی کی لغوی تعریف ۳۱

◆ وحی کی اصطلاحی تعریف ۳۱

◆ لفظ وحی کا مختلف معانی میں استعمال ۳۳

◆ وحی کی اقسام ۳۵

◆ وحی کی معروف اقسام ۳۶

◆ وحی جبلی رطبعی یا فطرتی الہام ۳۷

◆ وحی جزئی ۳۷

◆ وحی شرعی ۳۷

◆ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت ۳۷

◆ نزول وحی کے اوقات ومقامات اور منشاء رسول ﷺ ۳۸

◆ وحی کی ضرورت واہمیت (مختلف سکالرز کے نزدیک) ۳۸

◆ وحی اور کشف والہام ۵۵

◆ کشف کی اقسام ۵۶

◆ الہام ۵۷

◆ حوالہ جات ۵۸

◆ فصل دوم: نزول وحی کے طریقے ۶۰

◆ (۱) صلصلۃ الجرس ۶۰

◆ (۲) تمثیلِ ملک ۶۲


Marfat.com

- (۳) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا ۶۳
- (۴) رؤیائے صادقہ ۶۳
- (۵) کلام الٰہی ۶۳
- (٦) نفث فی الروع ۶۴
- حاصل بحث ۶۴
- حوالہ جات ٦٦

**فصل سوم: وحی پر شبہات واعتراضات وجوابات** ٦٧

- نزول وحی کے بارے اعتراضات ٦٧
- وحی کی حقیقت ۷۲
- وحی کے سچ ہونے کے دلائل ۷۳
- حوالہ جات ۷٦

**باب دوم: تدوین علوم القرآن** ۷۷

**فصل اول: علوم القرآن وتدوین علوم القرآن کا تعارف** ۷۷

- علوم القرآن کا مفہوم ۷۷
- علوم القرآن کے اہم عنوانات ۷۷
- فوائد علوم القرآن ۷۸
- تدوین علوم القرآن کا مفہوم اور مختصر تاریخ ۷۹
- تدوین سے قبل کا عہد ۷۹
- تدوین عہد اور اس کا آغاز ۸۰
- دوسری صدی ہجری اور علوم القرآن کے مباحث کا آغاز ۸۲
- علوم القرآن کے عنوانات کی ابتدائی کتب اور مولفین ۸۲
- تیسری صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۳
- چوتھی صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۴
- پانچویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۵
- چھٹی صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸٦
- ساتویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۷


Marfat.com

- آٹھویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۸
- نویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۸۹
- دسویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۰
- گیارہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۰
- بارہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۰
- تیرہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۱
- چودھویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۱
- پندرہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن ۹۲
- علوم القرآن پر مشتمل جامع کتب کا تاریخی وارتقائی جائزہ ۹۲
- حوالہ جات ۹۶

**فصل دوم : برصغیر میں علوم القرآن** ۹۷

- الفوز الکبیر اور مضامین قرآن ۹۷
- اردو میں علوم القرآن پر لکھی گئی کتب کا اجمالی تعارف ۱۰۲
- عیون العرفان فی علوم القرآن از قاضی مظہر الدین بلگرامی رحمہ اللہ ۱۰۲
- منازل العرفان فی علوم القرآن از مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ ۱۰۲
- علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی ۱۰۲
- مطالعہ قرآن از مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ ۱۰۲
- معارف القرآن از قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ ۱۰۳
- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات از سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ۱۰۳
- علوم القرآن از ڈاکٹر محمد میاں صدیقی ۱۰۳
- علوم القرآن از علامہ شمس الحق افغانی ۱۰۳
- حدائق البیان فی علوم القرآن از مولانا عبدالغفور فاروقی رحمہ اللہ ۱۰۴
- علوم القرآن از جناب (خان بہادر) مرزا سلطان احمد رحمہ اللہ ۱۰۴
- علوم القرآن از مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ ۱۰۴
- علوم القرآن از مولانا منظور احمد شاہ رحمہ اللہ ۱۰۵
- مطالعہ قرآن حکیم از خواجہ عبیداالرحمٰن، تدوین: خواجہ محمد صدیق ۱۰۵


Marfat.com

- سفرنامہ ارض القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی، تحریر: محمد عاصم حداد ۱۰۵
- تاریخ تفسیر و مفسرین از پروفیسر غلام احمد حریری (ترجمہ التفسیر والمفسرون للذھبی) ۱۰۵
- اصول تفسیر سوالاً جواباً از مولانا ابونعمان بشیر احمد ۱۰۶
- جمع القرآن والاحادیث از مولانا ابوالقاسم محمد خان صاحب سیف بنارسی ۱۰۶
- قرآن فہمی کے بنیادی اصول از حافظ حسن مدنی ۱۰۶
- محاضرات قرآنی از ڈاکٹر محمود احمد غازی ۱۰۷
- تفسیر قرآن کا مفہوم آداب اور تقاضے از ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر ۱۰۸
- قرآن مجید کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج ۱۰۸
- برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ از ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی ۱۰۸
- جواہر القرآن (مباحث فی علوم القرآن) از چودھری غلام رسول چیمہ ۱۰۹
- علم تفسیر عہد بہ عہد از ڈاکٹر محمد سعد صدیقی ۱۰۹
- علوم القرآن از ڈاکٹر صبحی صالح، مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری رحمہ اللہ ۱۰۹
- برصغیر میں مطالعہ قرآن از محمد رضی الاسلام ندوی ۱۱۰
- التفسیر (ششماہی) علمی و فکری و تحقیقی مجلّہ، کراچی ۱۱۰
- تاریخ مفسرین و محدثین از افادات: مولانا قاضی زاہد الحسینی، سید احمد رضا بجنوری، مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی ۱۱۱
- علوم القرآن، کوڈ ۴۵۵۱، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۱۲
- مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن، مرتبہ پروفیسر اختر واسع ۱۱۲
- تفسیر قرآن کے اصول و مسائل، الطاف احمد اعظمی ۱۱۲
- مقدمہ فی اصول تفسیر از ابن تیمیہ ۱۱۳
- تحریر فی اصول التفسیر از سرسید احمد خان ۱۱۳
- التکمیل فی اصول التاویل از مولانا حمید الدین فراہی ۱۱۳
- اصول تفسیر و تاریخ تفسیر، ڈاکٹر افتخار احمد ۱۱۳
- حوالہ جات ۱۱۵

- باب سوم : قرآن: تعارف و مباحث ۱۱۷
- فصل اول: تعارف قرآن ۱۱۷
- لفظ قرآن مجید کی لغوی تعریف ۱۱۷


Marfat.com

- لفظ قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف 119
- قرآن مجید کے نام 119
- حروف مقطعات 119
- لفظ سورت کی وجہ تسمیہ اور تعریف 121
- آیت کے لغوی اور اصطلاحی معنی 122
- آیات کی تعداد 123
- رکوعات 123
- تحریر قرآن کے لیے مستعمل اشیاء 125
- تسہیلِ تلاوت کے اقدامات 126
- نقطے 126
- حرکات 127
- احزاب یا منزلیں 127
- اجزاء یا پارے 128
- اخماس اور اعشار 128
- رموز اوقاف 129
- قرآن کریم کی طباعت 130
- علم مصاحفِ مبارکہ 131
- قراءت اور ان کی تدوین 131
- رسم عثمانی کا تعارف 136
- حوالہ جات 143

فصل دوم : مباحث قرآنی (۱) 147

- حفاظت و تدوین قرآن 147
- حفاظت و تدوین قرآن عہد نبوی ﷺ میں 147
- کاتبین وحی کے نام 150
- تدوین قرآن عہد صدیقی میں 153
- تدوین قرآن عہد عثمانی میں 159


Marfat.com

| | |
|---|---|
| ♦ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن (دوسرا مرحلہ) | ۱۶۵ |
| ♦ اعجاز قرآن | ۱۶۷ |
| ♦ اعجاز کا لغوی مفہوم | ۱۶۷ |
| ♦ اعجاز کا اصطلاحی مفہوم | ۱۶۸ |
| ♦ قرآنی اصطلاح میں اعجاز کا مفہوم | ۱۶۹ |
| ♦ معجزہ، جادو اور کرامت | ۱۷۲ |
| ♦ معجزہ اور جادو میں فرق | ۱۷۳ |
| ♦ معجزہ اور کرامت میں فرق | ۱۷۳ |
| ♦ استدراج | ۱۷۳ |
| ♦ نبوت کی علامات | ۱۷۴ |
| ♦ معجزہ کی ضرورت واہمیت | ۱۷۵ |
| ♦ وجوہ اعجاز قرآن (تاریخی جائزہ) | ۱۷۷ |
| ♦ دلائل اعجاز | ۱۸۲ |
| ♦ تاریخ اعجاز القرآن | ۱۹۰ |
| ♦ نزول قرآن | ۲۰۰ |
| ♦ نزول کا مفہوم | ۲۰۰ |
| ♦ تاریخ نزول قرآن | ۲۰۱ |
| ♦ پہلا نزول | ۲۰۲ |
| ♦ دوسرا نزول | ۲۰۲ |
| ♦ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات | ۲۰۳ |
| ♦ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیات | ۲۰۴ |
| ♦ مکی اور مدنی آیات | ۲۰۸ |
| ♦ مکی سورتوں کے مضامین اور بنیادی خصائص | ۲۰۱ |
| ♦ مدنی سورتوں کے بنیادی مضامین اور اہم خصائص | ۲۰۱ |
| ♦ مکی و مدنی آیتوں کی خصوصیات | ۲۱۱ |
| ♦ نزول کا وقت اور مقام | ۲۱۳ |

Marfat.com

- قرآن کریم کا تدریجی نزول ۲۱۴
- ترتیب نزول اور موجودہ ترتیب ۲۱۶
- اسباب نزول ۲۱۷
- شان نزول کی اہمیت اور اس کے فوائد ۲۱۸
- اسباب نزول اور شاہ ولی اللہ ۲۲۲
- سبب نزول اور احکام کا عموم وخصوص ۲۲۴
- سبب نزول اور اختلاف روایات ۲۲۶
- تکرار نزول اور اس کی حقیقت ۲۳۱
- اختلاف قراءت وسبعۃ احرف ۲۳۳
- سبع قراءت ۲۳۳
- قراء صحابہ رضی اللہ عنہم ۲۳۴
- سبعۃ احرف ۲۳۵
- سات احرف کی حکمت ۲۳۶
- حوالہ جات ۲۳۹
- فصل سوم: مباحث قرآنی (۲) ۲۴۷
- ناسخ ومنسوخ کا مفہوم ۲۴۷
- نسخ کا مفہوم باعتبار قراءت ۲۴۹
- نسخ کی پہچان اور اہمیت ۲۴۹
- ناسخ اور منسوخ کی پہچان کے ذرائع ۲۵۰
- نسخ کے بارے میں مختلف آراء اور دلائل اور اس کی موجودگی کے دلائل ۲۵۰
- نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق ۲۵۲
- نسخ کے مختلف انداز ۲۵۳
- مقامات نسخ ۲۵۵
- نسخ اور بدا میں فرق ۲۵۷
- نسخ کی شرائط ۲۵۸
- حکمت نسخ ۲۶۰

Marfat.com

- آیات منسوخہ کی تعداد ٢٦١
- نسخ کی اقسام ٢٦٤
- مضامین قرآن ٢٦٨
- عقائد (ایجابی پہلو) ٢٦٨
- عقائد (سلبی پہلو) ٢٦٩
- احکام ٢٧٤
- شان نزول ٢٧٥
- قصص ٢٧٦
- امثال ٢٧٩
- اقسام القرآن ٢٨٠
- حوالہ جات ٢٨٣

◆ **باب چہارم : مباديات ترجمہ قرآن** ٢٨٥

◆ **فصل اول: تعارف ترجمہ وارتقا** ٢٨٥

- ترجمہ کا مفہوم واقسام ٢٨٥
- قرآن حکیم کے ترجموں کی ضرورت واہمیت ٢٨٧
- قرآن کا لفظی ترجمہ ٢٩٠
- قرآن کا تفسیری ترجمہ ٢٩٢
- تفسیر اور تفسیری ترجمہ کے مابین فرق ٢٩٤
- تفسیری ترجمہ کی شرائط ٢٩٤
- ترجمہ و تفسیر میں فرق ٢٩٥
- ترجمہ قرآن کی شرعی حیثیت ٢٩٦
- حوالہ جات ٢٩٨

◆ **فصل دوم: اردو تراجم قرآن کا آغاز** ٢٩٩

- ابتدائی اردو تراجم قرآن ٢٩٩
- برصغیر میں اہم ترجمہ نگاری ٣٠٠
- فتح الرحمن کی تدوین ٣٠٠


Marfat.com

- اردو کے تراجم کا سنہری دور ۳۰۱
- انیسویں صدی عیسوی کے مکمل اور مطبوع تراجم ۳۰۳
- بیسویں صدی عیسوی کے مکمل اور مطبوع تراجم ۳۰۸
- حوالہ جات ۳۱۴

◆ **فصل سوم:** قرآن مجید کے اردو تراجم کے چند نمونے ۳۱۷

◆ **فصل چہارم:** مستشرقین اور مختلف مکاتیب فکر کے قرآنی تراجم ۳۲۱

- مستشرقین (Orientalist) کے قرآنی تراجم ۳۲۱
- مسلم قرآنی تراجم ۳۲۵
- غیر مسلم قادیانی تراجم ۳۳۱
- نومسلم قرآنی تراجم ۳۳۳
- اہل تشیع کے قرآنی تراجم ۳۳۴
- حوالہ جات ۳۳۵
- برصغیر کے مسیحی اردو تراجمہ قرآن (تعارفی جائزہ) ۳۳۶
- حوالہ جات ۳۴۳

◆ **باب پنجم:** مبادیات علم تفسیر ۳۴۷

◆ **فصل اول:** ضرورت تفسیر ۳۴۷

- قرآن مجید اور جدید علوم ۳۵۶
- قرآن مجید کے وضاحت طلب مقامات ۳۵۷
- غریب القرآن ۳۵۸
- تفسیر قرآن میں احتیاط ۳۵۹
- حوالہ جات ۳۶۱

◆ **فصل دوم:** تفسیر اور تاویل کا مفہوم ۳۶۶

- تفسیر کے لغوی معنی ۳۶۶
- تفسیر کا اصطلاحی مفہوم ۳۶۷
- تفسیر کے لفظ کا قرآن مجید میں استعمال ۳۶۹
- تفسیر کے لفظ کا حدیث میں استعمال ۳۷۰


Marfat.com

♦ تاویل کا لغوی مفہوم ۳۷۱
♦ تاویل کا اصطلاحی مفہوم ۳۷۲
♦ علما کے نزدیک تفسیر اور تاویل کے معنی کا تعین ۳۷۴
♦ حوالہ جات ۳۷۷
♦ فصل سوم: مفسر قرآن کے لیے ضروری علوم ۳۷۹
♦ تفسیر القرآن بالقرآن ۳۷۹
♦ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۳۸۰
♦ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ۳۸۲
♦ کلام عرب ۳۸۳
♦ مکی اور مدنی کی معرفت ۳۸۴
♦ اسباب نزول ۳۸۵
♦ علم الناسخ والمنسوخ ۳۸۷
♦ علم التاریخ ۳۸۹
♦ علم تجوید و قراءت ۳۹۰
♦ علم المحکم والمتشابہ ۳۹۲
♦ علم لغت ۳۹۴
♦ علم نحو ۳۹۴
♦ علم صرف ۳۹۵
♦ علم الاشتقاق ۳۹۵
♦ علم بلاغت ۳۹۶
♦ علم اصول فقہ ۳۹۶
♦ حوالہ جات ۳۹۸
♦ فصل چہارم: مفسر قرآن کے آداب وشرائط ۴۰۱
♦ صحت الاعتقاد ۴۰۱
♦ حسن نیت ۴۰۱
♦ نفسانی خواہشات سے پرہیز ۴۰۲

Marfat.com

- حسن خلق ۴۰۲
- عملی نمونہ ۴۰۴
- عزت نفس ۴۰۴
- اظہار حق ۴۰۶
- احترام علماء ۴۰۶
- تفکر و تدبر ۴۰۷
- انداز بیاں ۴۰۷
- حوالہ جات ۴۰۸
- فصل پنجم: تفسیر قرآن کی اقسام ۴۰۹
- ① تفسیر بالماثور ۴۰۹
- تفسیر بالماثور کی مشہور کتب ۴۱۲
- تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ۴۱۲
- جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف تفسیر الطبری ۴۱۵
- تفسیر بحر العلوم ۴۱۵
- الکشاف والبیان عن تفسیر القرآن ۴۱۶
- معالم التنزیل ۴۱۷
- المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ۴۱۸
- تفسیر القرآن العظیم ۴۱۸
- الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن ۴۱۹
- الدر المنثور فی التفسیر الماثور ۴۲۰
- فتح القدیر ۴۲۱
- ② تفسیر بالرائے ۴۲۲
- تفسیر بالرائے کی مشہور کتب ۴۲۳
- تفسیر قاضی عبد الجبار المعروف تنزیہ القرآن عن المطاعن ۴۲۴
- الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ۴۲۴
- تفسیر مفاتیح الغیب ۴۲۵


Marfat.com

- الجامع لاحکام القرآن ۴۲۶
- انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی ۴۲۷
- مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف تفسیر النسفی ۴۲۷
- لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن ۴۲۸
- البحر المحیط المعروف تفسیر ابی حیان ۴۲۹
- غرائب القرآن ورغائب الفرقان ۴۳۰
- تفسیر الجلالین ۴۳۰
- السراج المنیر ۴۳۱
- ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ۴۳۱
- روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۴۳۱
- حوالہ جات ۴۳۳

**فصل ششم: ابتدائی مکاتب تفسیر اور مشہور مفسرین کرام** ۴۴۱

- مکہ کا تفسیری مکتب ۴۴۱
- سعید بن جبیر ۴۴۱
- مجاہد ۴۴۳
- عکرمہ ۴۴۴
- طاؤس بن کیسان یمانی ۴۴۶
- عطاء بن ابی رباح ۴۴۷
- مدینہ کا مدرسہ تفسیر ۴۴۸
- ابو العالیہ ۴۴۹
- محمد بن کعب القرظی ۴۵۰
- زید بن اسلم ۴۵۰
- عراق کا مکتب تفسیر ۴۵۱
- علقمہ بن قیس ۴۵۱
- مسروق ۴۵۲
- اسود بن یزید ۴۵۲


Marfat.com

- مرہ ہمدانی ۴۵۳
- عامر شعبی ۴۵۳
- حسن بصری ۴۵۴
- قتادہ ۴۵۵
- حوالہ جات ۴۵۷

- باب ششم : تفاسیر و مفسرین کا تعارف ۴۵۹
- فصل اول : مشہور عربی تفاسیر و مفسرین کا تعارف ۴۵۹

- جامع البیان عن تاویل آی القرآن لابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) ۴۵۹
- بحر العلوم تفسیر سمرقندی (م ۳۷۵ھ) ۴۶۴
- النکت والعیون تفسیر الماوردی (م ۴۵۰ھ) ۴۶۴
- معالم التنزیل للبغوی (م ۵۱۶ھ) ۴۶۶
- زاد المسیر لابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) ۴۶۸
- المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز لابن عطیہ غرناطی (م ۵۴۱ھ) ۴۶۹
- الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (م ۶۷۱ھ) ۴۷۱
- تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر (م ۷۷۴ھ) ۴۷۲
- الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن للثعالبی (م ۸۷۵ھ) ۴۷۴
- الدر المنثور فی التفسیر الماثور للسیوطی (م ۹۱۱ھ)، جلال الدین سیوطی کا مختصر تعارف ۴۷۵

- تدبر اور تفکر کے ذریعے تفسیر کرنے والے مفسرین اور ان کی تفسیریں ۴۷۷

- مفاتیح الغیب المعروف بتفسیر کبیر للامام الرازی (م ۶۰۶ھ) ۴۷۷
- انوار التنزیل واسرار التاویل معروف بتفسیر بیضاوی للبیضاوی (م ۶۹۱ھ) ۴۸۲
- مدارک التنزیل وحقائق التاویل للنسفی (م ۷۰۱ھ) ۴۸۴
- لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بتفسیر خازن (م ۷۴۱ھ) ۴۸۵
- البحر المحیط لابی حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) ۴۸۸
- غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیسابوری معروف بتفسیر نیشاپوری ۴۹۱
- اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل دمشقی (م ۸۸۰ھ) ۴۹۳
- جلالین لجلال الدین المحلی (م ۸۶۴ھ) ولجلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ۴۹۳


Marfat.com

♦ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم معروف بتفسیر ابی السعود لابی السعود (م ۹۸۲ھ) ۴۹۵
♦ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی لآلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) ۴۹۶
♦ آیات الاحکام کی تفسیریں ۵۰۰
♦ احکام القرآن للجصاص الحنفی (م ۳۷۰ھ) ۵۰۰
♦ احکام القرآن للکیا الھراسی (م ۵۰۴ھ) ۵۰۷
♦ احکام القرآن لابن العربی (م ۵۴۳ھ) ۵۰۹
♦ حوالہ جات ۵۱۲
♦ فصل دوم: اردو زبان میں قرآن مجید کی تفسیریں ۵۱۵
♦ بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (م ۱۹۴۳ء) ۵۱۵
♦ معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (م ۱۹۷۶ء) ۵۱۵
♦ تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ (م ۱۹۷۹ھ) ۵۱۶
♦ تفسیر تفہیم القرآن کا تعارف ۵۱۷
♦ تفسیر حقانی از علامہ ابومحمد عبدالحق حقانی رحمہ اللہ (۱۹۱۶ء) ۵۱۸
♦ تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ (۱۹۷۸ء) ۵۱۸
♦ تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۱۹۴۹ء) ۵۱۹
♦ تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ (۱۹۹۷ء) ۵۲۱
♦ احسن التفاسیر از مولوی حافظ سید احمد حسن رحمہ اللہ (۱۹۱۹ء) ۵۲۲
♦ تفسیر ثنائی از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (۱۹۴۸ء) ۵۲۴
♦ خلاصۃ التفاسیر از قاری محمد علی ۵۲۸
♦ تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ (۱۹۹۸ء) ۵۳۰
♦ تفسیر انوار القرآن از مولانا محمد نعیم رحمہ اللہ ۵۳۳
♦ کنز الایمان از مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی (۱۹۲۱ء)، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی ۵۳۶
♦ موضح الفرقان مولانا محمود الحسن و مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء) ۵۳۸
♦ تفسیر احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف ۵۴۰

Marfat.com

- تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ۵۴۲
- حافظ عبدالسلام بن محمد کے ترجمہ قرآن کا تعارف ۵۴۵
- معروف مفسرین قرآن کے نام ۵۴۷
- حوالہ جات ۵۵۳

◆ فصل سوم: برصغیر ہندوپاکستان میں تفسیر کا ارتقاء ۵۵۵
- حافظ ابو محمد عبد بن حمید بن نصر (م ۲۴۵ھ) ۵۵۵
- شیخ محمد بن احمد تھانیسری (م ۶۸۴ھ) ۵۵۵
- سید محمد حسن گیسودراز ۵۵۵
- شیخ جلال الدین علی بن احمد المہامی ۵۵۶
- حاجی عبدالوہاب بخاری ۵۵۶
- حسن محمد بن میانجو ۵۵۶

◆ ۱۰۰۰ھ سے ۱۱۳۰ھ تک کی عربی تفاسیر کے مفسرین ۵۵۶
- شیخ مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ھ) ۵۵۶
- ابوالفیض (م ۱۰۰۴ھ) ۵۵۶
- شیخ عیسی بن قاسم سندھی ۵۵۶
- شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب گجراتی ۵۵۶
- ملاجیون ۵۵۷

◆ ۱۱۴۰ھ تا ۱۳۵۶ھ میں عربی تفاسیر کے مفسرین ۵۵۷
- علی اصغر بن عبداللہ قنوجی ۵۵۷
- شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی ۵۵۷
- امیر عبداللہ محمد بن قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) ۵۵۷
- قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۵۵۷
- نواب صدیق حسن خان قنوجی ۵۵۷
- مولانا ثناء اللہ امرتسری ۵۵۷

◆ برصغیر ہندوپاکستان میں اردو تفاسیر ۵۵۸

◆ (الف) بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری کے اہم مفسرین اور ان کی تفاسیر ۵۵۸


Marfat.com

◆ (ب) چودھویں صدی ہجری کے نصف دور اول میں اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین ۵۵۹
◆ (ج) چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین ۵۶۰
◆ (د) پندرھویں صدی ہجری میں اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین ۵۶۱
◆ باب ھفتم : مستشرقین اور مطالعہ قرآن ۵۶۳
◆ فصل اول : قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات و جوابات ۵۶۳
◆ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب ۵۶۴
◆ کیا قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں؟ ۵۶۸
◆ حفاظت قرآن کریم پر اعتراض اور جواب ۵۷۰
◆ کتابت قرآن کریم پر اعتراض اور جواب ۵۷۳
◆ قرآن کریم میں جدت کا فقدان اور جواب ۵۷۶
◆ قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے اور اس کا جواب ۵۷۷
◆ قرآن اور الکتاب دو علیحدہ چیزیں اور جواب ۵۸۴
◆ تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض اور جواب ۵۸۶
◆ آسمان وزمین کے سات طبق پر اعتراض اور جواب ۵۸۷
◆ قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض اور جواب ۵۸۹
◆ قرآن قصص اور تاریخی واقعات پر اعتراض اور جواب ۵۸۹
◆ حوالہ جات ۵۹۱
◆ فصل دوم: علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (ا) ۵۹۳
◆ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد پر اعتراض اور جواب ۵۹۳
◆ جمع قرآن کریم پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۵۹۴
◆ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں کتابت قرآن کریم کی روایت پر اعتراض اور اس کا جواب ۶۰۰
◆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتابت قرآن کریم پر اعتراض اور جواب ۶۰۵
◆ قرآن کریم کی مختلف قراتوں پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۶۰۷
◆ مختلف قرائتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی کو پڑھنے کی بناء پر پیدا ہوئیں؟ ۶۰۹
◆ معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۶۱۲

Marfat.com

◆ حوالہ جات ۶۱۷
◆ علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۲) ۶۱۹
◆ اعجاز قرآن کریم پر اعتراضات اور جوابات ۶۱۹
◆ بعض قرآنی واقعات پر اعتراضات اور جوابات ۶۱۹
◆ حوالہ جات ۶۲۶
◆ فصل سوم: مستشرقین کا تصور نسخ ۶۲۷
◆ نسخ کا مفہوم ۶۲۷
◆ نسخ کو نبی ﷺ کی طرف سے ذاتی تبدیلی قرار دینا ۶۲۹
◆ نسخ اور ارادہ الٰہی میں تبدیلی، ابداء ۶۳۰
◆ کیا قرآن کے احکامات عارضی ہیں؟ ۶۳۳
◆ احکامات میں تعارض ۶۳۶
◆ قرآن اور مصحف میں فرق ۶۴۳
◆ حوالہ جات ۶۵۱
◆ فصل چہارم: قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف ۶۵۴
◆ پادری مستشرقین ۶۵۴
◆ جرمن مستشرقین ۶۵۵
◆ اٹالوی مستشرقین ۶۵۹
◆ فرانسیسی مستشرقین ۶۶۱
◆ برطانوی انگریز مستشرقین ۶۶۴
◆ امریکی مستشرقین ۶۶۶
◆ روسی مستشرقین ۶۶۷
◆ پولینڈی مستشرقین ۶۶۹
◆ سویڈش مستشرقین ۶۷۰
◆ اسپینی مستشرقین ۶۷۰
◆ پرتگالی مستشرقین ۶۷۱
◆ ہالینڈی مستشرقین ۶۷۲

Marfat.com

- لاطینی مستشرقین ۶۷۳
- کچھ دوسرے مستشرقین ۶۷۴
- عہد حاضر کے مستشرقین ۶۷۵
- حوالہ جات ۶۷۷
- منتخب مصادر و مراجع ۶۷۸

۱۲۵۷۰۵
Marfat.com

# پیش لفظ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ ہر دور میں اس کی حفاظت ہوتی رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" قرآن مجید ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اس کتاب کی خود رب ذوالجلال نے تفسیر بیان کی، قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ایک چیز مجمل بیان ہوئی ہے اور دوسری جگہ مفصل بیان آیا ہے۔ پھر صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ نے اس کی زبانی تفسیر بیان فرماتے رہے اور خود عملی نمونہ پیش کرتے رہے۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب ان سے آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا "کان خلقه القرآن" کتب حدیث میں کتاب التفسیر بھی موجود ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا تھا۔ ایک قرآن مجید وہ ہے جو بین الدفتین ہے اور ایک قرآن مجید وہ تھا جو مکہ مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا۔ کئی آیات صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سمجھیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام قرآن مجید کے مفسر تھے ان میں بھی درجہ بندی ہے، صحابہ کرام میں سب سے زیادہ قرآن کا فہم رکھنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی "اذا جاء نصر الله والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا فسبح بحمدربك واستغفره انه کان توابا" یہ خوشی کی خبر تھی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگ گئے اور پوچھنے پر فرمایا اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ہے۔

اسی طرح جب رسول اللہ کی وفات ہوئی، تو صحابہ کرام اس صدمے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر محض غشی کی حالت طاری ہوئی ہے آپ نے تو ابھی بہت سے کام کرنے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہی جذبات کے ساتھ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے اسی حالت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آ کر انھوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفا ن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیأ۔۔﴾

"محمد اللہ کے رسول ہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، کیا اگر وہ وفات

Marfat.com

پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے، اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل لوٹے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکے گا۔''

اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿من کان منکم یعبد محمداً ﷺ فان محمداً قد مات ومن کان یعبدالله فان الله حی لا یموت﴾

''جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ زندہ ہے۔ اور اللہ زندہ ہے اس کو موت نہیں آئے گی۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے اوپر کی آیت کو سن کر صحابہ کرام نے یقین کیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

اس کتاب کی زبانی تشریح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور عملی نمونہ پیش فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ان الله یرفع بهذاالکتاب اقواماً ویضع به اٰخرین﴾

''بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعے بعض اقوام کو بلندی نصیب کرتے ہیں اور اس کو پس پشت ڈالنے والی بعض اقوام کو پستی پر لے آتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿علیکم بالقرآن فاتخذوه اماماً﴾

''قرآن کو تھام لو اور اس کو امام بنا لو۔''

اور فرمایا:

﴿خیرکم من تعلم القرآن وعلمه﴾

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

اور فرمایا:

﴿اهل القرآن هم اهل الله وخاصه﴾

''قرآن والے اللہ کے اہل اور اس کے خاص ہیں۔''

صحیح مسلم کی حدیث ہے قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں پر قلبی سکون اور طمانیت نازل ہوتی ہے اللہ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ملائکہ مقربین میں فرماتے ہیں۔ اس کی تاثیر کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿لو انزلنا هذاالقرآن علی جبل لرائیته خاشعامتصدعامن خشیة الله﴾

Marfat.com

''اگر ہم یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتے۔''

اس کتاب کی خدمت سے انسان اس گروہ میں شامل ہو جاتا ہے جو بڑے صاحب علم وعمل تھے۔ اس کی خدمت کرنا ایک شرف ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

ما ان مدحت محمداً بمقالتی

ولکن مدحت مقالتی بمحمد

ابتدا سے لے کر اب تک اس موضوع پر بڑے بڑے سکالرز لکھتے رہے ہیں۔ کسی نے علوم القرآن پر لکھا، کسی نے علوم القرآن کے کسی ایک پہلو پر لکھا، کسی نے اصول تفسیر پر لکھا، کسی نے بعض مفسرین کے بارے میں لکھا، کسی نے خود تفسیر لکھی، غرض اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے ہر اسکالر نے اپنا حصہ ڈالا۔

میں نے ۱۹۹۱ء میں ایک مختصر کتاب ''تفسیر قرآن کا مفہوم آداب اور تقاضے'' لکھی جو کہ مجلس التحقیق الاثری جہلم سے شائع ہوئی، اب وہ بھی اس کتاب کا حصہ ہے۔ اس میں تفاسیر پر مختصر لکھا گیا، بعد میں اگلے باب میں تفاسیر پر مفصل لکھا گیا ہے، بہت عرصے سے خواہش تھی اور بعض احباب کا تقاضا بھی تھا کہ جس طرح میں نے حدیث رسول پر ''علوم الحدیث: فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ'' کتاب لکھی۔ اور جس طرح سیرت النبی پر ''اسوہ کامل'' اور ''اطراف سیرت'' لکھی ہیں۔ علوم القرآن پر ایسی ہی ایک کتاب لکھی جائے۔ کافی عرصہ سے اس میں سستی ہوتی رہی پھر آخر اس کتاب کو شروع کیا۔ اس میں کئی وقفے آئے کئی دفعہ ردوبدل کی گئی۔ کئی اضافے کیے گئے۔ کئی دفعہ غلطیوں کو درست کیا گیا۔ ایک دفعہ ۲، ۳ ماہ کی کوشش اور محنت سے لکھا ہوا تمام حصہ کمپیوٹر کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد ۳، ۴ ماہ یوں ہی گزر گئے پھر کمر ہمت باندھی اور کام شروع کر دیا۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید سے متعلق عام معلومات کا احاطہ کیا جائے۔

''علوم القرآن: فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ'' کل سات ابواب پر مشتمل ہے، ''باب اول: وحی اور متعلقات وحی'' کے نام سے ہے اس میں تین فصلیں ہیں پہلی فصل: وحی کی لغوی و اصطلاحی تعریف، لفظ وحی کا مختلف معانی میں استعمال، نزول وحی کی کیفیات، وحی کی ضرورت واہمیت، اقسام اور کشف والہام وغیرہ میں فرق پر مشتمل ہے، فصل دوم میں نزول وحی کے طریقوں کو زیر بحث لایا گیا ہے اور فصل سوم: وحی پر شبہات واعتراضات اور جوابات کی مناسبت سے ہے۔

''باب دوم: تدوین علوم القرآن'' کے نام سے ہے، اس میں کل دو فصلیں ہیں۔ فصل اول: علوم القرآن وتدوین علوم القرآن کے تعارف پر مشتمل ہے، اس میں علوم القرآن کا مفہوم، علوم القرآن کے اہم عنوانات، فوائد، تدوین علوم القرآن کا مفہوم اور تاریخ کا ذکر ہے پھر اس کے بعد پہلی صدی ہجری سے لے کر پندرہویں صدی ہجری تک کی مشہور کتب علوم القرآن کو باعتبار صدی رقم کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں برصغیر میں علوم القرآن کے

Marfat.com

موضوع کی مناسبت سے لکھی جانے والی تقریباً پینتیس کے قریب مختلف کتابوں کا اجمالی تعارف کروایا گیا ہے۔

''باب سوم: قرآن۔تعارف ومباحث'' کے عنوان سے ہے، اس میں کل تین فصلیں ہیں۔فصل اول: تعارف قرآن پر ہے جس میں قرآن مجید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، قرآن مجید کے نام، حروف مقطعات کا تعارف، آیت اور سورت کی وجہ تسمیہ، آیات، رکوعات اور احزاب کی تعداد، تحریر قرآن کے لیے مستعمل اشیاء، تسہیل تلاوت کے اقدامات، قرآن کریم کی طباعت اور قراءت اور اس کی تدوین وغیرہ جیسے اہم عنوانات کو زیر بحث لایا گیا ہے، فصل دوم اور سوم میں قرآن اور علوم القرآن کے اہم عنوانات مثلاً حفاظت وتدوین علوم القرآن کے اہم ادوار، اعجاز قرآن، معجزہ اور جادو وکرامت وغیرہ میں فرق، نزول قرآن، مکی ومدنی سورتوں کا تعارف اور بنیادی خصوصیات، اسباب نزول، اختلاف قراءت وسبعہ احرف، ناسخ ومنسوخ، مضامین قرآن اور اقسام القرآن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

''باب چہارم: مبادیات قرآن'' کے نام سے ہے اس میں کل چار فصلیں ہیں۔فصل اول: تعارف ترجمہ وارتقاء کی مناسبت سے ہے جس میں ترجمہ کا مفہوم اور اقسام کا ذکر ہے پھر ترجمہ کی ضرورت واہمیت اور ترجمہ قرآن کی شرعی حیثیت وغیرہ کے حوالے سے مختلف عنوانات کو رقم کیا گیا ہے۔فصل دوم: اردو تراجم قرآن کے آغاز کے نام سے ہے جس میں ابتدائی اردو تراجم، برصغیر میں اہم ترجمہ نگاری، اور انیسویں وبیسویں صدی عیسویں کے مکمل اور مطبوع تراجم کو زیر بحث لایا گیا ہے۔فصل سوم میں قرآن مجید کے اردو تراجم کے چند نمونوں کا تعارف کروایا گیا ہے اور فصل چہارم مستشرقین اور مختلف مکاتب فکر کے قرآنی تراجم کے اجمالی تعارف پر مشتمل ہے ان میں بالخصوص مستشرقین کے قرآنی تراجم، مسلم قرآنی تراجم، قادیانی تراجم، نومسلم قرآنی تراجم، اہل تشیع کے قرآنی تراجم اور برصغیر کے مسیحی اردو تراجم قرآن کا تعارفی جائزہ لیا گیا ہے۔

''باب پنجم: مبادیات علم تفسیر'' کے عنوان سے ہے۔یہ دراصل راقم کی کتاب ''تفسیر قرآن کا مفہوم آداب اور تقاضے'' ہی ہے جس کو یہاں ضم کیا گیا ہے اس میں کل چھ فصلیں ہیں۔فصل اول: ضرورت تفسیر، فصل دوم: تفسیر اور تاویل کا مفہوم، فصل سوم: مفسر قرآن کے لیے ضروری علوم، فصل چہارم: مفسر قرآن کے آداب و شرائط، فصل پنجم: تفسیر قرآن کی اقسام اور فصل ششم: ابتدائی مکاتب تفسیر اور ان کے مشہور مفسرین کے اہم عنوانات کو محیط ہے۔

''باب ششم: تفاسیر ومفسرین کا تعارف'' کے نام سے ہے، اس میں کل تین فصلیں ہیں۔فصل اول: مشہور عربی تفاسیر ومفسرین کے تعارف پر مشتمل ہے جس میں دس کے قریب ماثور تفاسیر، دس کے قریب تفسیر بالرائے اور تین احکام والی تفاسیر کا تعارف کروایا گیا ہے۔فصل دوم: اردو زبان کی مشہور تفاسیر پر مشتمل ہے، اس میں برصغیر کے مشہور مفسرین قرآن کی تقریباً اٹھارہ تفاسیر کا مختصر تعارف کروایا گیا ہے۔فصل سوم: برصغیر ہندو پاکستان میں تفسیر کے ارتقاء کی مناسبت سے ہے، اس میں برصغیر کے اہم مفسرین قرآن کے تعارف کو باعتبار صدی

Marfat.com

زیر بحث لایا گیا ہے اور بالخصوص گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں صدی ہجری کے مفسرین اوران کی خدمات تفاسیر کا اجمالی تعارف کروایا گیا ہے۔

''باب ہفتم: مستشرقین اور مطالعہ قرآن'' کے عنوان سے ہے، اس میں کل چار فصلیں ہیں۔ فصل اول: قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات وجوابات کی مناسبت سے ہے جس میں مستشرقین کے قرآن پر گیارہ کے قریب اہم اعتراضات کو جوابات سمیت رقم کیا گیا ہے، فصل دوم: علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جس میں علوم القرآن کے اہم عنوانات پر کیے جانے والے اعتراضات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ فصل سوم: مستشرقین کے تصور نسخ کے حوالے سے ہے، فصل چہارم: قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف ہے، اس فصل میں مختلف ممالک کے مشہور مستشرقین نے قرآن یا علوم القرآن کے حوالے سے جس طرح کی بھی تحریریں رقم کی ہیں ان کا اجمالی تعارف کروایا گیا ہے۔

اس کتاب میں اس سے پہلے لکھی گئی کتب سے بھر پور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں صبحی صالح کی علوم القرآن، مولانا شمس الحق افغانی کی علوم القرآن، مولانا گوھر الرحمٰن کی علوم القرآن، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی کتب خاص کر عزیزم ڈاکٹر ثناء اللہ حسین کی کتاب، ڈاکٹر باقر خاکوانی کی کتاب اور مولانا تقی عثمانی کی علوم القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت میں مد میرے خاندانی پس منظر بھی ہیں۔ میرے نانا جان مولانا عبدالقادر عارف حصاری صاحب جو بڑے معروف عالم تھے ان کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ''نبوی جواہر در ذکر کبائر'' کو میں نے ایڈٹ کیا تھا اور فاروقی کتب خانہ ملتان سے شائع ہوئی۔ ان کے فتاویٰ جات '' فتاوی حصاریہ'' کے نام سے مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور سے سات جلدوں میں شائع ہوئے۔ وہ باعمل عالم تھے۔ میرے دیگر نانا جان مولانا عبدالخالق اور نانا عبدالواحد جن کے ہاتھوں میں پروان چڑھا۔ اور میری تقریروں کو وہ شوق سے سنا کرتے تھے۔ میرے ماموں جان عبدالرزاق کا بھی میں شیدائی تھا۔ میری تربیت میں ان کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا، میرے والد محترم مولانا عبدالغفار اور میرے تایا عبدالحق جن کی محنت اور دعاؤں سے میں اس مقام تک پہنچا۔ یہ سب لوگ عالم آخرت کو سدھار چکے ہیں۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

اب میری والدہ صاحبہ دعا دیتی ہے اوران کی نیک خواہشات میرے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شفاء کاملہ و عاجلہ عنایت فرمائے۔ میرے ماموں جان پروفیسر میاں عبدالمجید صاحب بہت بڑے خطیب ہیں۔ مولانا محمد شریف صاحب حصاری بھی عالم دین ہیں اور کراچی میں توحید وسنت کا پرچار فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ میرے ماموں ثناء اللہ ہمارے گاؤں ۴ نجکوسی ضلع بہاول نگر میں طالبات کا بہت اچھا دینی

Marfat.com

ادارہ چلا رہے ہیں، میرے برادر خورد عبد القیوم ایڈووکیٹ، عبد القہار راشد پی۔آر۔او پنجاب اسمبلی، اور ابوبکر ڈائریکٹر بہاولنگر کیمپس اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کو اللہ تعالیٰ دین میں استقامت عطا فرمائے۔آمین۔

میرے تین بچے ہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی، بڑا بیٹا ڈاکٹر حافظ عبد الخالق دیانتداری سے اپنے پیشے سے وابستہ ہے اور اس کی بیوی میری بڑی بہو بھی اس کے ساتھ ہے۔اللہ نے ان کو دو پھول عنایت فرمائے ہیں مریم اور محمد احمد، جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔دوسرا بیٹا حماد ظفر یونیورسٹی آف سرگودھا میں ایم۔بی۔اے کا استاد ہے۔اس کی نیک سرشت بیوی کو میں نے خود قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر پڑھائی۔اللہ تعالیٰ ان کی محبت کو لازوال بنائے۔اور ان کو بھی نیک اولاد عنایت فرمائے، وماذلک علی اللہ بعزیز۔اللہ ان کو قرآن وحدیث پر عامل بنائے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی زرخیز ہے ساقی

میری بیٹی ڈاکٹر میمونہ تبسم لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور، شعبہ علوم اسلامیہ کی اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، قرآن مجید کی حافظہ ہیں اس کو عربی زبان، تفسیر قرآن اور بعض کتب حدیث میں نے خود پڑھائیں انھوں نے احسن التفاسیر کا منہج از سید احمد حسن محدث دہلوی کے عنوان پر کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ میرا داماد عزیزم محمد علی بھی الحمدللہ دینی لحاظ سے شریعت کا پابند ہے ان کا بڑا بیٹا محمد سعد ہمارے پاس ہے۔اس سے مجھے بہت اُنس ہے بلکہ ہمارا لخت جگر اور آنکھوں کا تارا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو شفائے کاملہ عنایت فرمائے۔ان کے ہاں عزیزہ رمیصاء، فردوس اور حمزہ علی کی رونقیں بھی ہیں۔میری اس کتاب میں میرے اہل خانہ کی طرف سے مجھے ہمیشہ ہی سکون اور اطمینان ملا، اس وجہ سے اللہ نے اس کام کو کرنے کی توفیق دی، میری اللہ سے دعا ہے کہ میری اولاد کو اپنے دین پر قائم رکھے۔اور اس راہ میں مشکلات کو دور کرے اور ان کو توفیق دے کہ دین کو ہر معاملہ میں ترجیح دیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اور

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اس کی کتابت ابتدا میں عزیزم وقاص احمد نے کی جو کہ میرے ساتھ یونیورسٹی آف سرگودھا میں کام کرتا رہا۔بعد ازاں سارا کام عزیزم حافظ جمشید اختر نے کیا۔اس کتاب میں دراصل محنت میرے عزیز حافظ جمشید اختر سکالر پی۔ایچ۔ڈی کی ہے اس نے اس کی پروف ریڈنگ سے لے کر حوالہ جات اور مباحث میں ہر چیز پر نظر کی۔اللہ اسے جزائے خیر دے اس میں میری ایک شاگرد حمیرا صفی، ڈاکٹر فرزانہ اقبال اور انعم نثار نے بھی کمپیوٹر میں کام کیا۔

Marfat.com

قرآن مجید کے سلسلے میں چند باتیں ضروری ہیں۔ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں مذہبی افکار ونظریات اور تہذیب وتمدن کا شدید حملہ ہوتا جارہا ہے۔ بہت سے مسلمانوں پر مغرب کی بہت گہری چھاپ ہے بلکہ ان کی سوچ ہی مغرب کی ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں کے دلوں اور ذہنوں سے مغرب کے ان اثرات کو ختم کیا جائے اور ان کے ذہنوں کو صاف کر کے ان میں قرآن کی بصیرت پیدا کی جائے۔غیر اسلامی ملحد قوتوں نے ہماری تہذیب، ہمارا معاشرہ اور ہمارا رہن سہن حتی کہ عائلی زندگی کو بھی بہت متاثر کیا ہے۔حتی کہ معصوم بچوں کے مونہوں سے بھی امی اور ابا کی بجائے پاپا، ڈیڈی اور مما کے الفاظ سننے میں آتے ہیں۔علامہ اقبال نے بتایا کہ مغربی تہذیب سے متاثر ذہن، مذہب اخلاقی اور روحانی اقدار کی تباہی کا باعث ہے انھوں نے فساد قلب ونظر کو اس تہذیب کی روح کی ناپاکی کا ثمرہ بتایا ہے، جس نے اس سے قلب سلیم کی دولت چھین لی۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب ۔۔۔ کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ۔۔۔ ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

علامہ اقبال نے مغرب پر کاری ضرب لگاتے ہوئے فرمایا ہے۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے ۔۔۔ حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں ۔۔۔ گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت ۔۔۔ پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
وہ قوم جو فیضان سماوی سے ہے محروم ۔۔۔ حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

مغربی افکار اور نظریات کے منفی حملہ کا سد باب اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کے سامنے ایک مکمل اسلامی متبادل ضابطہ حیات پیش کر دیا جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے گھروں میں اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید اور دوسرے علوم کے مطالعہ میں فرق کیا جائے۔قرآن کے خصوصی مطالعہ کا ہمیں شعور ہونا چاہیے۔اس کے لیے قرآن مجید کی افہام وتفہیم ہو اور انسان دماغی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو بھی شامل کیا جائے۔جب تک انسان قرآن کی طرف مکمل رجوع نہیں کرے گا اور عزم کے ساتھ کتاب اللہ کے ساتھ رابطہ نہیں رکھے گا اور یہ نہ سمجھے گا کہ اللہ کے کلام کو سمجھنے کے بعد اس پر عمل بھی ضروری ہے۔اس وقت تک قرآن مجید اپنے دروازے کسی پر نہیں کھولتا خواہ بڑی بڑی تفاسیر ہی پڑھ لی جائیں۔ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ۔۔۔ گرہ کشاہ ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ قرآن پڑھنے سے اس کی عظمت کا احساس پیدا کیا جائے اور خود کو اس کتاب کے رنگ میں رنگا جائے۔اس کے مطالعہ سے بلند فکری پیدا ہوتی ہے اور ایمان بڑھتا جاتا ہے، گہرائی میں جانے سے نئے علوم کا انکشاف ہوتا ہے، یہ زندہ جاوید کتاب ہے، جو انسان کو آخرت اور دنیاوی سعادتوں سے بہرہ ور

Marfat.com

کرتی ہے، زندگی کے جس شعبے کے متعلق اس سے معلومات حاصل کرلی جائیں وہ فوراً نظر آنے لگے گا، یہ کتاب توحید کا درس دیتی ہے اس کے مطالعہ سے خودداری اور خوداعتمادی ملتی ہے، عزت نفس بھی بحال ہوتی ہے، اقبال فرماتے ہیں:

اپنے رزاق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک　　اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت　　فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

میری پہلی دونوں کتب سیرت اور حدیث کے عنوان پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب رحمہ اللہ نے تجویز کیے تھے آج وہ نہیں ہیں لیکن ان کی یادیں تازہ ہیں۔ اللہ نے ان کی اولاد کو توفیق دی کہ وہ اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ ان کا شکر گزار ہوں۔

میرے بزرگوں محترم ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی (سابق سربراہ ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اور معروف سیرت شناس محترم حکیم محمود احمد ظفر کی علمی رہنمائی ہمیشہ مجھے میسر رہی۔

میرے دوستوں کا مشورہ بھی شامل رہا، عزیزم ڈاکٹر ساجد اسد اللہ چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد فیصل آباد، پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، عزیزم ڈاکٹر فیروز شاہ، عزیزم ڈاکٹر حافظ افتخار، ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، ڈاکٹر شمس العارفین، اور اسسٹنٹ پروفیسر محمد عبداللہ نے اس کتاب کو ملاحظہ کیا اور فوراً شائع کرنے کا مشورہ دیا، پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری وائس چانسلر یونیورسٹی آف سرگودھا ہمیشہ ہی علمی کاموں پر تعریف کرتے ہیں، اور ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت قرآن مجید کی قبولیت بخشے اور ہمارے مرحومین کی بخشش کا باعث بنائے، اور میرے خاندان کو قرآن کے رنگ میں رنگ دے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ
یونیورسٹی آف سرگودھا

Marfat.com

# باب اول:

# وحی اور متعلقات وحی

## فصل اول:

## معنی ومفہوم، ضرورت واہمیت اور (متلو اور غیر متلو) اقسام

### وحی کی لغوی تعریف:

وحی اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے وہ کلام جو وحی کیا گیا اور ایحاء مصدری معنی میں ''وحی کرنا'' مستعمل ہے اور اس کا مادہ (و ح ی) ہے۔(۱) '' وحیٌ'' اور ''اِیْحَاءٌ'' عربی زبان کے الفاظ ہیں، اور لغت میں ان کے معنی ہیں ''جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا'' خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے، خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر، خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر، یا تحریر و نقوش استعمال کر کے، ہر صورت میں لغۃً اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔(۲)
اور اسی بات کی طرف امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی مفردات القرآن میں اشارہ کیا ہے:

''أصل الوحی الاشارة السريعة لتضمن السرعة قيل امر وحی ذاك يكون بالكلام على سبيل الرمز والتعريض وقد يكون بصوت مجرد عن التركيب وباشارة ببعض الجوارح وبالكتابة'' (۳)

''وحی کے اصل معنی میں اشارہ سریعہ اسے سرعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ امر وحی یعنی جلد ظاہر ہونے والی بات اور یہ کبھی تو گفتگو سے ہوتی ہے، کبھی اشاروں، کنایوں میں محض آواز ہوتی ہے جو صرف الفاظ کی ترکیب و ربط سے خالی ہوتی ہے، کبھی اعضاء کے اشاروں سے ہوتی ہے اور کبھی تحریر کے ذریعے سے۔''

### وحی کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں ''وحی'' کی تعریف یہ ہے:

''كلام الله المنزل علىٰ نبی من انبيائهٖ'' (٤)

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل ہو۔''

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ ''وحی'' اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "وحی" اور "ایحاء" دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، "ایحاء" کا مفہوم عام ہے، اور انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کے برخلاف ''وحی'' صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ "ایحاء" کا استعمال تو انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لیے کیا ہے، لیکن لفظ ''وحی'' سوائے انبیاء کے کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ (۵)

بہر کیف! ''وحی'' وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے اور رسول تک پہنچاتا ہے، اور اس رسول کے ذریعہ تمام انسانوں تک اور چونکہ ''وحی'' اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس علمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کا مشاہدہ صرف انبیاء کو ہوتا ہے، اس لیے ہمارے لیے اس کی ٹھیک ٹھیک حقیقت کا ادراک بھی ممکن نہیں۔

واضح رہے کہ وحی اپنے لغوی معانی اور مختلف اطلاقات کے اعتبار سے اب بھی جاری ہے مگر اپنے اصطلاحی مفہوم اور اس معنی میں جو وحی نبوت کے لیے مختص ہے وہ سلسلہ اب قرآن مجید کی تکمیل کے بعد تا قیامت منقطع ہو چکا ہے لہٰذا اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس پر یہ وحی نازل ہوئی ہے وہ کذاب اور مفتری ہے کیونکہ وحی نبوت، نبی اور رسول کے ساتھ خاص ہے۔ خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ساتھ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مختلف اطلاقات اور لغوی معانی کی مناسبت سے جاری رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا بھی ہے: "لم یبق من النبوۃ الا المبشرات" (۶) نیز واضح رہے کہ وحی اپنے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں پہلے نبی سے لے کر آخری رسول تک یکساں ہی مستعمل ہے کوئی انوکھی اور نئی چیز نہیں تھی۔

علماء اسلاف نے وحی کی جو اصطلاحی تعریف درج کی ہے اس کے برعکس مستشرق ڈاکٹر جارج پوسٹ نے اپنی کتاب قرآن کریم کی ڈکشنری میں وحی کی اصطلاحی تعریف یہ نقل کی ہے: ''وحی کا مطلب ہے کہ لکھنے والے کو کسی بات کا اس طرح الہام ہو کہ خدا کی روح اس میں حلول کر جائے اور وہ روحانی حقائق اور غیبی خبروں سے بخوبی آگاہ و آشنا ہو جائے۔ مگر اس وحی کے باوصف اس کی انسانی شخصیت بھی قائم رہے اور وہ اپنے اسلوب و انداز کے مطابق کام کرتا رہے۔'' (۷)

یہ تعریف مسلمہ اصول سے کئی پہلوؤں سے متضاد ہے، مثلاً: قرآن مجید کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہی نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے تھے۔ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے۔ نیز یہ تعریف تو شعراء اور غلام احمد

Marfat.com

قادیانی کے دعووں میں ملتی ہے کہ خدا ان میں حلول کر جاتا ہے اور اس کی مزید بدترین انواع واقسام جو شیطان کے زیر اثر ہو کر حاصل ہوتی ہیں وہ کاہنوں اور نجومیوں کے ہاں دیکھنے میں آتی ہیں، جو جھوٹے اور دجال لوگ ہیں وہ غیبی خبروں میں چکنی چپڑی باتیں لگانے کے عادی ہوتے ہیں اور اسی اسلوب وانداز سے کام کرتے ہیں۔

## لفظ وحی کا مختلف معانی میں استعمال:

(۱) وحی بمعنی اشارہ کرنا:

اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾(۸)

''چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے، اور ان کو اشارے سے ہدایت دی کہ تم لوگ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو۔''

(۲) وحی بمعنی جبلت:

ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے، اس لیے لفظ ''وحی'' اور ایحاء'' دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں یہی معنی مراد ہیں، مثلاً:

﴿وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾(۹)

''اور تمھارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ: ''تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اٹھاتے ہیں، ان میں اپنے گھر بنا۔''

(۳) وحی بمعنی وسوسہ:

یہاں تک کہ شیاطین دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نِبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾(۱۰)

''اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دشمنی کر رہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لیے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو بڑی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے رہتے تھے۔''

Marfat.com

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾(١١)

''(مسلمانو!) شیاطین اپنے دوستوں کوورغلاتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے بحث کریں۔''

(۴) وحی بمعنی پیغام الٰہی:

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جوخطاب فرماتے ہیں اس کو بھی ''ایحاء'' کہا گیا ہے:

﴿إِذْ يُوحِىْ رَبُّكَ إِلَى الْمَلآئِكَةِ أَنِّىْ مَعَكُمْ﴾(١٢)

''وہ وقت جب تمھارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔''

(۵) وحی بمعنی فطری الہام:

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے اس کو بھی اسی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيْهِ﴾(١٣)

''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ أَنْ آمِنُواْ بِىْ وَبِرَسُولِىْ﴾ (١٤)

''اور جب میں نے (مسیح علیہ السلام کے) حواریوں کی طرف الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔''

(۶) وحی بمعنی امر:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جامد چیزوں کو حکم ہونے کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا٥بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا﴾(١٥)

''اس دن زمین اپنی خبریں بتائے گی کیونکہ تیرے رب نے اس کو الہام کیا ہے۔''

خلاصہ بحث یہ ہے کہ: ابن منظور نے لسان العرب میں، امام راغب اصفہانی نے المفردات فی غریب القرآن میں اور زبیدی نے تاج العروس من جواہر القاموس میں کلام عرب کے حوالے سے وحی کے یہی مذکورہ اطلاقات والے چھ معانی بیان کیے ہیں:

(۱) الاشارۃ: اشارہ کرنا (۲) الکتابۃ: لکھنا (۳) الرسالۃ: پیغام بھیجنا (۴) الھام: دل میں بات ڈالنا (۵) الکلام الخفی: خفیہ طریقے سے کلام کرنا (۶) کل ما القیتہ الی غیرك: ہروہ بات جو تم دوسروں کو القاء کرو۔

Marfat.com

نوٹ: ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم نے اپنی کتاب محاضرات قرآنی میں تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے اوپر وحی کا نزول چوبیس ہزار مرتبہ ہوا، ان کی نوعیت اور کیفیات کے بارے میں فرق ہے۔(۱۶)

## وحی کا فائدہ:

(ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم رقمطراز ہیں: ''وحی کے ذریعے حاصل ہونے والا علم انتہائی قطعی اور یقینی ہوتا ہے اس لیے کہ وحی علم کا انتہائی قطعی اور یقینی مصدر و ماخذ ہے۔ وحی کے نتیجے میں علم حضوری عطا ہوتا ہے علم حصولی حاصل نہیں ہوتا''۔)(۱۷)

## وحی کی اقسام:

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وحی کی ابتدائی تین قسمیں ہوتی ہیں: (یہ تین قسمیں بنیادی طور پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی فیض الباری ص۱۴ تا ۱۸ سے ماخوذ ہیں تشریح و تفصیل اور تینوں قسموں کے نام ہماری ذاتی اختراع ہیں)۔

وحی قلبی: اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے، اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا، لہٰذا اس میں کوئی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا تھا۔

کلام الٰہی: اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے، اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا، لیکن نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں۔

وحی کی اس قسم میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے(۱۸) اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْماً﴾(۱۹)

''اور موسیٰ سے تو اللہ براہ راست ہم کلام ہوا۔''

وحی ملکی: اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتہ کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے، اور وہ فرشتہ پیغام پہنچاتا ہے،

Marfat.com

پھر بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ وہ کسی انسان کی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو اپنی اصلی صورت میں نظر آجائے، لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (۲۰)

"اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کا پیغام پہنچا دے۔"

اس آیت میں وحیاً (دل میں بات ڈالنے) سے مراد پہلی قسم یعنی وحی قلبی ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

## وحی کی معروف اقسام:

واضح رہے کہ وحی کی مشہور و معروف دو اقسام ہیں:

(۱) وحی متلو (قرآن)　　　(۲) وحی غیر متلو (حدیث)

**وحی متلو:** وہ وحی جو اپنے معانی، الفاظ اور کلام کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور معجزہ ہے اس کو بطور معجزہ کے رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جس کے معجزہ ہونے کا بار بار ذکر ہے۔

**وحی غیر متلو:** وہ وحی ہے جو الٰہی الفاظ میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کے معنی اور مفہوم کو رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا۔ (۲۱)

وحی کی اقسام (متلو اور غیر متلو) کو ابو ہشام نے یوں بیان کیا ہے:

① وہ وحی جو جبرائیل امین علیہ السلام نے حروف و حرکات سمیت بغیر کسی کمی و بیشی کے آپ ﷺ کو پہنچائی، جسے آپ ﷺ نے بھی جبرائیل امین علیہ السلام سے حاصل کرنے کے بعد من و عن آگے پہنچایا۔ اسے وحی متلو کہتے ہیں اس سے مراد قرآن مجید کی وحی ہے کیونکہ اسے تلاوت کیا جاتا ہے، اسے وحی جلی بھی کہتے ہیں۔

② دوسرا انداز وحی یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام امین نے آپ ﷺ تک اسے بالمعنی پہنچایا یا براہ راست آپ ﷺ کو وحی کر دی گئی جیسے جبرائیل امین علیہ السلام کا انسانی شکل میں حاضر خدمت ہونا یا خواب اور الہام کی صورت میں آپ کو براہ راست وحی کر دینا وحی کی یہ تمام صورتیں آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات میں ملتی ہیں۔ جنھیں وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ یہ وحی تمام تر سنت رسول کی عملی صورت ہے اسے وحی خفی بھی کہتے ہیں۔ (۲۲)

Marfat.com

مولانا شمس الحق افغانی نے اپنی کتاب علوم القرآن میں وحی کی اقسام کے یہ نام درج کیے ہیں:

① فطری ② ایجادی ③ عرفانی ④ وحی شرعی۔ (۲۳)

وحی کی اقسام کی مناسبت سے یہ تین اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

① وحی جبلی رطبعی رفطری ② وحی جزئی ③ وحی شرعی

## وحی جبلی رطبعی یا فطرتی الہام:

جس کے ذریعے اللہ ہر مخلوق کو کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتا ہے جیسے شہد کی مکھی کو چھتہ بنانے اور شہد جمع کرنے کی تعلیم، مچھلی کو تیرنے، پرندے کو اڑنے، اور نوزائیدہ بچے کو دودھ پینے کی تعلیم۔ یہ وحی انسان، جنات، ملائکہ، حیوانات، نباتات و جمادات سب کو ہوتی ہے۔

## وحی جزئی:

جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خاص معاملے میں اپنے کسی بندے کے دل میں کوئی ہدایت، علم یا تدبیر القا کرتے ہیں اور اسے غور وفکر اور تحقیق وتجسس کے بغیر صحیح تدبیر سجھائی جاتی ہے۔ یہ وحی عام انسانوں پر بھی ہوتی ہے اور اللہ کے مقرب بندوں پر بھی۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کرنا اسی وحی کے زیر اثر تھا۔ بڑی بڑی سائنسی ایجادات اور علمی انکشافات کے پس پردہ اس وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

## وحی شرعی:

یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی سے مخصوص ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو فرشتے کے توسط سے یا براہ راست خواب یا بیداری میں حقائق غیبیہ پر مطلع کرتے اور الٰہی ہدایت سے باخبر کرتے ہیں اور انبیاء کو اس کی دعوت دینے پر مامور کرتے ہیں۔ (۲۴)

## نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت:

نزول وحی کے وقت آپ ﷺ با کمال ہوش وحواس اور روحانی طور پر نہایت چاق و چوبند اور چوکس ہوا کرتے۔ حاضرین سوائے چند ظاہری آثار کے اسے محسوس نہ کر پاتے۔ مثلاً آپ ﷺ کے جسم مبارک کا بوجھل ہو جانا، پسینہ بہنا خواہ سردی ہو، جب وحی آتی تو آپ ﷺ نہ کسی عصبی تکلیف میں مبتلا ہوتے اور نہ بیماری کا دورہ پڑتا، اس کا مبدا اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ اس وحی میں کلام نفسی کا شائبہ تک نہ ہوتا اور نہ دوسرے احتمالات کا اس میں دخل، فرشتہ جب وحی نازل کر کے چلا جاتا تو آپ ﷺ تھوڑی دیر بعد طبعی حالت میں لوٹ آتے۔ (۲۵)

Marfat.com

## نزول وحی کے اوقات و مقامات اور منشاء رسول ﷺ:

ڈاکٹر صبحی صالح رقم طراز ہیں: ''نزول وحی اور عدم نزول میں آپ ﷺ کے اختیار کو کوئی دخل نہ تھا۔ بعض اوقات وحی کثرت سے نازل ہوتی اور بعض اوقات شدید ضرورت کے وقت وحی رک جایا کرتی تھی جیسے واقعہ افک میں ہوا تھا۔ نزول وحی کے لیے کوئی وقت اور مقام خاص نہیں تھا بلکہ شب و روز کے کسی بھی لمحہ میں اور حضر و سفر کے کسی بھی مقام پر وحی نازل ہو جاتی تھی''۔(۲۶) خلاصہ کلام یہ کہ وحی کا آنا اور اس کا رک جانا ذات خداوندی کی صوابدید پر تھا، اگر اللہ چاہتا تو وحی جاری رہتی اور اگر چاہتا تو رک جاتی آپ ﷺ کے جذبات و احساسات آسمانی امور کو نہ آگے بڑھا سکتے اور نہ پیچھے دھکیل سکتے تھے۔''

## وحی کی ضرورت و اہمیت (مختلف سکالرز کے نزدیک)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کے احکام کو مدنظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے، جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو ''علم'' کی ضرورت ہے، اس لیے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند فرماتا ہے، اس وقت تک اس کے لیے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ باتوں کا علم ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پیر، دوسرے عقل، اور تیسرے وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعہ، اور بہت سی باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعہ، مثلاً اس شخص کے بارے میں عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

Marfat.com

اس کے ذمہ خدا کی طرف سے کیا فرائض ہیں؟ اس کا کونسا کام اللہ کو پسند ہے اور کونسا ناپسند؟ سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس مل کر بھی ان کا جواب نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لیے جو ذریعہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحی'' ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ''وحی'' انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کی بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لیے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

اسی ضرورت واحتیاج کی وجہ سے اللہ نے اپنے بندوں کو ان کی عقل بے مایہ کے حوالے نہیں کیا بلکہ ان کی راہنمائی کے لیے ارسال رسل اور انزال کتب کا سلسلہ انسان اول کو خلافت ونبوت کا منصب دے کر شروع کیا تھا اور خاتم النبیین پر ختم کر دیا ہے اس لیے کہ دین اسلام کی تکمیل اور اس کی حفاظت کے وعدے کی وجہ سے اب وحی اور نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اللہ حکیم اور رحیم ہے اس کی حکمت ورحمت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں کی عقل کو اوہام وظنون کی وادیوں میں بھٹکنے کے لیے آزاد چھوڑ دے۔ وحی کی ضرورت کا ذکر قرآن کی درج ذیل آیات میں ہوا ہے۔

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً﴾ (۲۷)

''ہم نے انھیں رسول بنایا، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيْ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (۲۸)

''ہم نے ہر ایک نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔ اب اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھا دے، وہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔''

Marfat.com

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ﴾ (۲۹)

''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ رسول آ چکا ہوتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے، اوران پر ظلم نہیں کیا جاتا۔''

﴿مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولاً﴾ (۳۰)

''جو راہ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔''

﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلاَ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولاً فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ﴾ (۳۱)

''اور اگر ہم اس سے پہلے ہی انھیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے۔''

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولاً يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾ (۳۲)

''تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے، اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم وستم پر کمر کس لیں۔''

ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم نے محاضرات قرآنی میں وحی کا تعارف کرواتے ہوئے اس کی اہمیت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ وحی تین بنیادی عناصر سے عبارت ہے۔

① سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ وحی ایک ایسا ذریعہ علم ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور جس ذریعہ سے آتا ہے وہ عام انسانوں کو میسر نہیں، وہ ذریعہ صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ گویا یہ وہ ذریعہ علم ہے جو ایک مابعد الطبیعی نوعیت رکھتا ہے۔

② دوسری بنیادی چیز وحی کی حقیقت میں یہ ہے کہ وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے۔ اس کا یقین اور قطعیت دنیا کی ہر قطعی اور یقینی چیز سے بڑھ کر اور ہر قسم کے شک اور ظن وتخمین سے ماوراء ہے۔ قطعیت اور یقین وحی الٰہی کے بنیادی عناصر اور خصائص میں سے ہے۔ قطعیت پر زور اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ وحی کو

Marfat.com

دوسرے ذرائع علم سے ممیّز کیا جاسکے۔

(۳) تیسرا بنیادی عنصر جو وحی کی حقیقت میں شامل ہے وہ یہ کہ وحی اپنے وصول کرنے والے کے لیے اور دوسرے انسانوں کے لیے واجب التعمیل ہوتی ہے۔ نزول وحی کے بعد کسی انسان کے پاس یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ وحی کے احکام اور ہدایات پر عمل کرنا لازمی ہے۔ (۳۳)

مولانا شمس الحق افغانی اپنی کتاب ''علوم القرآن'' میں وحی کی ضرورت واہمیت کو انتہائی موثر انداز سے عقلی دلائل کی روشنی میں یوں بیان کرتے ہیں: ''انسان کی سعادت وشقاوت کے اصول بتلانے کے لیے عقل انسانی کافی نہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ عقل کے معلومات سائنس کے اصول کے تحت تجربات اور مشاہدات کے تجزیہ وتحلیل سے ماخوذ ہیں اور سعادت وشقاوت کے اصول عقائد اخلاق اور اعمال کی خصوصیات کی معرفت سے ماخوذ ہیں جو کہ تجربات، مشاہدات اور محسوسات کے دائرہ سے خارج ہیں۔ دوم اس وجہ سے کہ عقل کے فیصلوں میں وہم کی مداخلت ہوتی ہے جس کی وجہ سے عقل کے فیصلوں میں غلطی واقع ہوجاتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عقول متفاوت ہیں۔ عقل صحیح کی صورتیں کم اور عقول فاسدہ کی صورتیں ان امور سے متعلق زیادہ ہیں۔ چوتھی یہ کہ عقل کے فیصلے بسا اوقات جذبات کے تحت ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے فیصلے اکثر غلط ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی عقلوں کے فیصلے معرفت الٰہی، دریافت حقیقت نبوت، مجازات اعمال، امور آخرت اور صحیح اور غلط اعمال کے متعلق متضاد ہیں۔''

## (ا) ضرورت الوحی کی دلیل بقائی:

فطرۃً ہر انسان کی خواہش ہے کہ اس کو دوام وبقا حیات حاصل ہو۔ کیونکہ انسان کی کل نعمتیں وابستہ حیات ہیں، اگر حیات نہ ہو تو کل نعمتیں (مال، جاہ وجلال، اقتدار، خوراک، پوشاک) بیکار ہیں۔ اس فطری جذبے کی دلیل یہ ہے کہ ہر انسان کی بقا حیات پر اگر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ حب ذات اور حب بقا کے جذبے کے تحت مدافعت کی کوشش کرتا ہے اور حیات وبقا کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اب دوام بقا کے لیے اس دنیا میں جو عالم تغیرات ہے ایسی چیزیں موجود ہیں جو جلد از جلد بگڑ جانے والی چیزوں کے ساتھ لگ جائے تو ان کے ربط وتعلق سے اس کو ایک محدود زمانے تک بقا حاصل ہوجاتی ہے۔ مثلاً تازہ مچھلی کو نمک لگا کر اور خشک کر کے ایک مدت تک باقی رکھا جاسکتا ہے۔ تو کیا جب عالم تغیر میں اضافہ بقا کا یہ سامان موجود ہے تو ابدی اور لافانی اشیا میں ایسا کوئی مصالحہ نہیں جس کا ربط وتعلق انسان کی روح سے حاصل ہو کر اس کو دوام بقا اور استمرار حیات کے وصف سے متصف کردے۔ ابدی اور لازوال چیزیں اللہ اور اس کی صفات ہیں جن سے انسان کے ساتھ قابل اتصال چیز صرف اللہ کا وصف کلام یا وحی الٰہی ہے جو اپنی ابدیت کی وجہ سے انسان کے لیے دوام حیات اور بقا مستمر کا سامان بن سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی ارسال فرما کر انسان کو دوام حیات جو اس کا فطری مطلوب ہے عطا فرمایا۔

Marfat.com

## (۲) دلیل قانونی:

انسان میں فطرۃ دو قوتیں شہویہ (نزوعیہ) وغضبیہ موجود ہیں۔قوت شہویہ قدرت نے اس کو اس لیے عطا کی ہے کہ اس کے ذریعے اپنے فوائد کے لیے جدوجہد کرے اور غضبیہ اس لیے کہ اگر کوئی دوسری قوت ان کے ساتھ ان فوائد کے حصول میں مزاحمت اور مقابلہ کرے تو قوت غضبیہ کے ذریعہ مدافعت کر کے اس کا مقابلہ کرے۔انسانی فوائد کے کلیات ماکول، مشروب، ملبوس، مسکن ہے اور بعد بلوغ منکوح یعنی بیوی ہے۔یہی تمام انسانوں کے محبوب مقاصد ہیں۔ یہ سب جسمانی مقاصد ہیں، یعنی کھانے کا سامان، پینے کا سامان، پوشاک اور مکان رہائش اور روحانی اور معنوی مقاصد دو اور ہیں۔ دین اور جاہ یعنی وہ دین اور عزت کی طلب بھی کرتا ہے اور اگر کوئی مزاحمت کردے تو قوت غضبیہ کے ذریعہ اس مزاحم سے مقابلہ بھی کرتا ہے جب یہ سب چیزیں تمام انسانوں کے مقاصد ہیں تو ہر ایک ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے حصول کی راہ میں جو بھی مانع وحائل بنے گا تو اس کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ کرے گا۔جن کی وجہ سے ان امور میں افراد انسانی کے درمیان جھگڑے اور منازعات اور مخاصمات قائم ہوں گے اور دیوانی وفوجداری مقدمات برپا ہوں گے جو ہر ملک اور ہر قوم میں ہمیں صاف نظر آ رہے ہیں۔اس لیے ان سات حقوق کی حفاظت کے لیے قانون عادلانہ کی ضرورت فطرتاً ناگزیر ہے تاکہ ان میں انصاف ہو اور نزاع ختم ہو۔اب وہ قانون کس کا ہو؟ انسان کا یا خدا کا۔تو یہ ظاہر ہے کہ اس قانون عادلانہ کے بنانے والے کے لیے مندرجہ ذیل چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

① علم محیط ② رحمت کاملہ ③ قدرت تامہ ④ غیر جانبداری

علم محیط اس لیے ضروری ہے کہ انسانی حقوق کے ہر پہلو کا علم رکھتا ہو اور انسانی فوائد وحقوق کے متعلق اس کی انسان کے تمام ادوار حیات پر نظر ہو یعنی دنیا، قبر، آخرت تاکہ اس کا عادلانہ فیصلہ انسانی زندگی کے ان تمام منزلوں میں درست ہو، ایسا نہ ہو کہ ایک دور کے لیے درست ہو اور باقی کے لیے غلط ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فیصلہ انسان کے انفرادی نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور اجتماعی لحاظ سے بھی، اور ظاہری نتائج کے لحاظ سے بھی اور گہرے اور عمیق نتائج کے لحاظ سے بھی۔

رحمت کاملہ اس لیے ضروری ہے کہ قانون عادلانہ کی تدوین کے وقت غفلت نہ برتی جائے اور دیدہ و دانستہ قانون میں ایسے اجزاء شامل نہ کردے جو خلاف انصاف ہوں۔

قدرت کاملہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی دباؤ میں آکر راہ عدل سے انحراف نہ کردے یا مجرم کو سزا دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔

غیر جانبداریت یعنی قانون ساز کے لیے غیر جانبدار ہونا اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہم قوم، ہم وطن، ہم رنگ اور ہم زبان لوگوں کی طرفداری نہ کرے اور قانون سازی میں ان کی رعایت کر کے اوروں کو نقصان نہ

Marfat.com

پہنچائے، جیسے کہ اہل یورپ آج کل ایسا کرتے ہیں۔

یہ چاروں صفات جو قانون عادلانہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں وہ صرف ذات خداوندی میں موجود ہیں نہ اس کے برابر کسی کا علم محیط ہے نہ اس کے برابر کسی کی رحمت۔

## (۴) ضرورۃ القرآن کی دلیل غذائی:

انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جس میں روح جسم کی نسبت اعلیٰ اور اشرف ہے اور بدن اس کی نسبت ادنیٰ اور خسیس ہے یہی وجہ ہے کہ جب موت کے ذریعہ بدن سے روح نکل جاتی ہے تو بدن بیکار ہو جاتا ہے اور روح کی یہ برتری اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ حیوانات جمادات تک اس سے باخبر ہیں۔ مثلاً اگر روح بدن میں موجود ہو اور وہ کئی دن کسی جگہ سویا ہوا ہو تو کوئی چیز اس پر حملہ آور نہیں ہوتی۔ نہ کیڑے مکوڑے پاس پھٹکتے ہیں نہ کوے گدھ اس کا گوشت نوچتے ہیں، نہ زمین اس کے بدن کو کھاتی ہے اور نہ ہوا اور سورج کی دھوپ اس کو بدبودار کر سکتی ہے۔ لیکن اسی انسان کے بدن سے جب جان اور روح نکل جاتی ہے تو جمادات اور حیوانات اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں حالانکہ مرنے سے پہلے وہ کائنات کا حاکم تھا نہ محکوم۔ ﴿وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض﴾ (۳۴)۔ پھر زمین اس کے جسم کو کھاتی ہے اور دھوپ بدبودار کرنا شروع کرتی ہے اور کیڑے مکوڑے ناک اور منہ میں گھسنا شروع ہو جاتے ہیں اور کوے گدھ اس کا گوشت نوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں جو پہلے انسان سے مغلوب تھیں موت کے بعد کیوں غالب آگئیں، اسی وجہ سے کہ وہ الہام الٰہی کے ذریعہ اس امر سے واقف ہیں کہ انسان میں قوت و غلبے کی علت اس کی روح ہے۔ موت سے جب وہ جدا ہوئی تو اب وہ غالب نہیں رہا بلکہ ان سب چیزوں سے مغلوب ہو گیا جو روح کی برتری کی دلیل ہے۔ اب جب بدن کم تر اور روح برتر ہے اور کمتر کی غذا کے لیے قدرت نے انتظام کیا ہے، یہاں تک کہ گندم کا دانہ جس کو انسان کھاتا ہے تو اس کا پودا جب بنتا ہے کہ یہ وسیع کارخانہ عالم اس میں اپنا کام کرے، زمین اور پانی تخم گندم سے پودا اگاتے ہیں، ہوا اس کو تازہ و تر رکھتی ہے، ستاروں کی کشش اس کی نشوونما کی خدمت کرتی ہے، سورج اس فصل اور دانے کے پکا کر دینے میں مددگار ہے۔ اس طرح یہ وسیع کارخانہ عالم بدن انسان کی تیاری میں لگا ہوا ہے یہاں تک کہ سورج سمندروں سے بخارات اڑا کر بادل میں تبدیل کرتا ہے تاکہ پانی برسے اور اس حقیر جز انسانی یعنی بدن کی غذا کی تکمیل ہو۔ اب یہ ضروری ہے کہ قدرت نے ضرور انسان کے اس اعلیٰ اور برتر جز کی غذا کا بھی انتظام کیا ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں اور حکمت خداوندی کے خلاف ہے کہ کمتر جز کی غذا کا انتظام کیا جائے اور اعلیٰ جز کی غذا کو نظر انداز کیا جائے۔ یہ تو ایسا ہوگا کہ کوئی گھوڑے پر سوار رئیس کسی کا مہمان ہو جائے وہ گھوڑے کے کھانے پینے کا انتظام کر دے لیکن خود گھوڑے کے سوار یعنی اس رئیس کو نظر انداز کر دے نہ کھانے کا بندوبست نہ پینے کا۔ یہاں بھی بدن سواری کی طرح ہے، اور روح اس پر سوار ہے۔ اگر بدن اور سواری کی غذا کا انتظام قدرت کی طرف سے ہوا ہے تو روح کی غذا کا

Marfat.com

انتظام بھی ضروری ہے کیونکہ نہ گھوڑا غذا کے بغیر اپنے فرائض سرانجام دے سکتا ہے نہ گھوڑے کا سوار فرائض پورے کرسکتا ہے اس لیے کہ غذا کی ضرورت دونوں کو ہے دونوں یعنی بدن اور روح اسی عالم تغیر میں رہائش رکھتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں غذا کے محتاج ہیں، ورنہ گھوڑا چل سکے گا اور نہ سوار، جو کئی دن سے غذا سے محروم ہو گھوڑے کے لگام کو قابو میں رکھ سکے گا اور ممکن ہے کہ ٹھوکر لگنے سے دونوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بدن زمینی ہے اور اس کی غذا بھی زمینی ہے لیکن روح امر ربی ہونے کی وجہ سے عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اس کی غذا بھی لطیف اور عالم بالا سے ہونی چاہیے اور وہ غذا وحی ربانی اور کلام الٰہی یا قرآن ہے۔

## (۴) دلیل دوائی:

اس عالم تغیر میں بدن انسانی اور روح انسانی دونوں کو تغیرات پیش آتے رہتے ہیں جن کے اسباب بدن کے لیے یا مخالف آب و ہوا یا فاسد غذا کا کسی غیر موزوں فعل و حرکت کا ارتکاب، یا کوئی اور حادثہ ہوتا ہے۔ اسی طرح روح کے لیے گندہ، فاسقانہ، ملحدانہ، مشرکانہ ماحول، بری تعلیم، بری تربیت، برا قانون اور برے افعال روحانی امراض کے اسباب ہیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر یا حکیم کی طرف علاج کے لیے رجوع کیا جاتا ہے۔ قدرت نے جب انسان کو اس عالم تغیر میں بسایا ہے تو ساتھ ہی اسی عالم کون و فساد میں اس نے ان کے امراض اور بدنی تغیرات کے علاج کے لیے قدرتی دوائیں بھی رکھی ہیں تاکہ ان کے استعمال سے وہ صحت یاب ہو۔ بدن اور اس کی دوا چونکہ دونوں مادی چیزیں ہیں اس لیے انسان اپنے تجربہ و تحلیل و تجزیہ کے ذریعہ ان کی خاصیات کو دریافت کر کے بدنی امراض کے ازالہ کے لیے ان کو استعمال کرسکتا ہے اور مسلسل تجربہ کے ذریعہ ایک جسمانی طب کے قوانین کو مرتب کرنے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن روح انسانی اور اس کے صفات اور امراض تجربہ انسانی کے دائرہ سے خارج ہیں، اس لیے اس کے متعلق نہ انسان کوئی تجربہ کرسکتا ہے نہ اس کے امراض کی تشخیص کرسکتا ہے اور نہ موثر ادویہ کو متعین کرسکتا ہے۔ روح خود امر ربی اور عالم بالا سے متعلق حقیقت ہے۔ لہٰذا اس کی دوا بھی عالم بالا سے ہوگی جس سے اس کے امراض کا ازالہ ہوگا۔ وہی انتظام وحی الٰہی اور کلام ربانی ہے جو صحت روحانی کا علاج مجرب اور نسخہ بے خطا ہے۔ اس لیے قرآن کے سوا اس وقت ازالہ امراض روحانی و فیضان صحت روحانی کے لیے اور کوئی علاج اور نسخہ کائنات میں موجود نہیں۔

## (۵) دلیل نوری:

اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مبصرات جو آنکھوں سے نظر آتی ہیں جیسے زمین سے آسمان تک کی چیزیں، دوم غیر مبصرات بلکہ معقولات جیسے ایمان، کفر، معصیت، اعمال انسانی کا حسن و قبح۔ پہلی قسم کی چیزوں کے لیے قدرت نے دو نور پیدا کیے ہیں۔ داخلی نور اور خارجی نور۔

Marfat.com

داخلی نور یعنی آنکھ کی روشنی جو داخل انسان میں ہے۔ اگر کسی کی آنکھ اندھی ہو اور بینائی کے نور داخلی سے محروم ہو تو وہ سانپ اور رسی میں فرق نہیں کر سکتا۔ دوم نور خارجی جو انسان سے باہر ہے۔ مثلاً سورج یا خاص مثلاً بجلی، لالٹین، چراغ وغیرہ جو انسانی بدن سے خارج اور باہر ہے۔ اگر یہ خارجی روشنی نہ ہو تو چاہے داخلی روشنی یعنی آنکھ کی بینائی درست ہو، جب بھی تاریکی میں وہ سانپ اور رسی میں فرق نہیں کر سکتا۔ دونوں نور خارجی اور داخلی جمع ہوں تو تب علم و امتیاز حاصل ہوگا۔

اسی طرح دوسری قسم کی چیزوں کے لیے بھی داخلی اور اندرونی روشنی یعنی عقل کی روشنی اور خارجی یعنی آسمانی روشنی کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایمان و کفر، نیک و بد، خیر و شر میں فرق کر سکے۔ وہ خارجی روشنی روحانی امور کے لیے کلام الٰہی ہے جو سورج کی طرح آسمانی نور ہے۔

﴿وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِیَ أُنزِلَ مَعَهُ﴾ (۳۵)

''پیروی کرو اس روشنی کی جو اس (حضور ﷺ) کے ساتھ نازل کی گئی ہے)۔''

## (۶) دلیل حُبّی:

انسان بدن اور روح کا مجموعہ ہے وہ بدن اور جسم کے لحاظ سے جسمانی محبوبات مثلاً کھانے، پینے پوشاک، مکان اور جو ان محبوبات کی تحصیل کا ذریعہ ہو مثلاً مال کا خواہاں ہے یعنی ان سے فطرۃً محبت کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی خواہش کے فطری تقاضا کے تحت وہ فطرۃً خالق کائنات اور خدا سے بھی محبت کرتا ہے، جو اس کا فطری تقاضا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی پوری تاریخ میں اسی حب الٰہی کے تقاضا سے خالی نہیں رہا خواہ اس نے اس فطری تقاضا کا صحیح اظہار کیا ہے جیسے موحدین و مومنین نے، یا غلط اظہار کیا ہے جیسے مشرکین اور بت پرستوں نے کہ انھوں نے غیر اللہ کو اللہ کا مظہر سمجھ کر اس کی عبادت کی، لیکن ان دونوں صحیح اور غلط طریقوں کی پرستش کا اصلی متحرک یہی حب الٰہی کا فطری جذبہ رہا یہاں تک کہ روس اور چین کے منکرین خدا بھی اسی جذبہ کی وجہ سے مجبور ہوئے، کہ چونکہ اس فطری جذبہ حب الٰہی کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس لیے انھوں نے اس فطری جذبہ کی تسکین کے لیے لینن اور ماؤزے تنگ کی تصویریں اور مجسمے قدم قدم پر نصب کر دیئے جن کی پرستارانہ تعظیم انھوں نے عملاً جاری کی۔ موصوف نے کمیونزم اور اسلام نامی اپنی کتاب میں کمیونسٹوں کا یہ قول نقل کیا کہ خدا کی جگہ پر لازم ہے کہ ہم ایک مصنوعی خدا لوگوں کے لیے بطور بدل تجویز کر دیں تاکہ اس فطری جذبے کی تسکین کا سامان ہو چنانچہ انھوں نے اشتراکیت کے ممتاز لیڈروں کو یہ مقام دیدیا۔ بہر حال اس سے ثابت ہوا کہ محبت الٰہیہ فطری جذبہ ہے اور ہر جذبے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اس حب الٰہی کے لیے مظہر ہونا ضروری ہے اور وہ مظہر خدا کی پسند اور ناپسند کی پیروی کرنا ہے کیونکہ ہر محبوب کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو امور اس کو پسند ہوں محبّ اس کو بجالائے اور جو ناپسند ہوں ان سے اجتناب کرے تاکہ جذبہ محبت کی تکمیل ہو لیکن اس امر کا فیصلہ کہ خدا کی پسند اور ناپسند چیزیں کونسی ہیں

Marfat.com

تاکہ اس کی مرضیات اور لامرضیات کا پتہ لگ سکے یہ اس وقت ممکن ہے کہ خدا خود اپنے کلام کے ذریعہ اپنی پسند اور ناپسند امور کا تعین کر دے خدا تو بہت بلند ہے۔ اپنے جیسے انسانوں کی مرضی اور لامرضی اور پسند اور ناپسند کا پتہ ہمیں نہیں لگ سکتا، تاوقتیکہ وہ اپنے کلام کے ذریعے سے اس کی وضاحت نہ کرے یہاں تک کہ میزبان کے پاس اگر مہمان آ جائے تو اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم کس قسم کا کھانا پسند اور کونسا ناپسند کرتے ہو تاکہ اس کے مطابق انتظام کیا جائے۔ جب مہمان قول وکلام کے ذریعہ بتلا دے تب اس کے پسند کے کھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ خدا کی محبت کی تکمیل کے لیے وہ ہمیں بتلا دے کہ فلاں عقائد و اخلاق و اعمال اس کو پسند ہیں اور فلاں ناپسند۔ جب جا کر اس کی رضامندی کی راہ کھل سکتی ہے اور محبت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے اور یہ بتلانا بغیر کلام الٰہی کے ناممکن ہے اس لیے وحی اور کلام الٰہی کی ضرورت ہے تاکہ اس کی مرضیات اور لامرضیات کا علم حاصل کیا جا سکے اور وہ کلام قرآن ہے جس سے ضرورت قرآن ثابت ہوئی۔

## (۷) دلیل اتباعی:

دنیا میں اتباع اور تابعداری موجود ہے۔ اولاد والدین کی اطاعت کرتی ہے۔ تلامذہ اور شاگرد اپنے اساتذہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ رعیت حکومت کی اطاعت گزار ہے، ماتحت عملہ اپنے افسران کا تابع فرمان ہے۔ زیر احسان افراد اپنے محسن کے وفا شعار ہیں۔ یہ صورتیں اور ان صورتوں کے علاوہ تابعداری کی جس قدر شکلیں ہیں وہ سب فطری اور معقول ہیں اور اسی اطاعت کی وجہ سے نظام تمدن قائم ہے۔ اگر اولاد اپنے والدین کی اطاعت نہ کرے تو عائلی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ شاگرد استاد کا کہنا نہ مانے تو نظام تعلیم درہم برہم ہو جائیگا۔ رعیت میں حکومت کے لیے اور ماتحت عملے میں افسران کی اطاعت نہ ہو تو نظام مملکت ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح جس پر احسان کیا جائے وہ اگر محسن کا تابع فرمان نہ ہو تو دنیا سے احسان کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے لہٰذا اس دنیا میں ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی علت اور سبب کا ہونا ضروری ہے۔ وہ سبب اطاعت کیا ہے وہ خود ان امور میں غور کرنے سے نمایاں ہے اور وہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک احسان دوم اقتدار۔ ان دونوں صورتوں کا سبب ایک ہی چیز ہے وہ حسن یعنی خوبی ہے خواہ ظاہری حسن ہو جیسے معشوق کا حسن عاشقوں کی نظر میں یا باطنی اور معنوی حسن ہو جو علماء دین اور بزرگان دین میں موجود ہے۔ لہٰذا اطاعت کی تمام صورتوں کے علل و اسباب صرف تین ہیں۔

① قدرت ② احسان ③ حسن

یعنی تین اسباب میں جہاں کہیں ایک سبب بھی موجود ہوگا اس کا فطری تقاضا ہوگا کہ وہاں اطاعت کی جائے گی۔ اب ہم اسی معیار پر انسان اور خالق کائنات کا تعلق پرکھتے ہیں۔ اگر خدا میں اسباب اطاعت موجود ہوں تو اس کی اطاعت بھی انسان کے لیے لازمی ہوگی ورنہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان میں جو قدرت ہے یا احسان

Marfat.com

جس کا معنی بخشش نعمت ہے یا حسن وہ سب خالق کائنات کا عطیہ اور بخشش ہے کہ وہی ہر قدرت و نعمت و حسن کا اصلی مرکز ہے۔ اس کی قدرت کے برابر کسی حاکم اور انسانی بادشاہ کی قدرت نہیں نہ اس کے برابر کوئی احسان کر سکتا ہے اور نہ اس کے برابر کسی میں حسن ہے کہ ہر حسین ظاہری و باطنی کا حسن اسی ذات کا عطیہ ہے۔ انسانوں میں یہ تین اسباب ضعیف ہیں اور خدا میں قوی تر۔ پھر انسان میں ان تین اسباب ضعیفہ میں سے صرف ایک سبب موجود ہے اور خدا میں تینوں کے تینوں جمع ہیں، اور قوی تر درجے میں۔ تو کیا پھر فطرۃً اس کی اطاعت لازمی اور ضروری نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ لہٰذا خدا کی ہستی عقلا کے لیے واجب الاطاعت ٹھہری، اور اطاعت نام ہے حکم ماننے کا۔ لہٰذا اس فطری اتباع اور اطاعت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسی خدا کے احکام کا مجموعہ بشکل کلام اور وحی انسانوں کو پہنچے تا کہ اتباع و اطاعت کے لیے اس فطری جذبے کی تکمیل کا سامان ہو۔ وہی کلام قرآن ہے جو ابد تک محفوظ ہے۔ لہٰذا قرآن کی نوع انسانی کے لیے ضرورت ثابت ہوئی۔

## (۸) دلیل نفسیاتی:

انسان اگر اپنے نفس اور روح کے آئینہ پر نظر ڈالے تو کلام الٰہی یا قرآن کی ضرورت خود اس کے دل و دماغ اور ضمیر کی خاموش آواز ہے۔ ایک سلیم الفطرت انسان خواہ صحرائے افریقہ میں ہو یا آزاد قبائل کے کوہستان میں، جب وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے خواہ زنا ہو یا قتل ناحق تو اس کا دماغ اور ضمیر اس کے جرم کے ارتکاب سے ضرور متاثر ہوتا ہے اور وہ خود اپنے ضمیر کے اندر اس جرم کے اثر سے ایک قسم کا انفعال تاثر اور تکدر و انقباض محسوس کرتا ہے اگر چہ اس کے اس فعل پر کوئی گرفت کرنے والا موجود نہ ہو اور نہ کوئی حکومت موجود ہو اور نہ کوئی عدالت یا پولیس اور نہ اس جگہ کوئی ضابطہ قانون نافذ العمل ہو بلکہ وہ علاقہ جس میں یہ جرم عمل میں آیا ہے، ہر قانون سے آزاد ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں اس تاثر، تکدر قلب اور انقباض دماغ کا سبب کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ یہ تاثر اس وجہ سے ہے کہ اس نے جرم کیا یعنی قانون کو توڑا ہے تو مفروضہ صورت میں کوئی انسانی قانون موجود نہیں اور نہ سزا کا اندیشہ ہے پھر تاثر پیدا ہوا؟ ظاہر ہے کہ چاہے غیر شعوری طور پر سہی لیکن مذکورہ جرم کے ضمیر نے محسوس کیا کہ اس نے کسی قانون کی خلاف ورزی ضرور کی ہے۔ اگر وہاں انسانی قانون ناپید ہے تو ایک حقیقی اور الٰہی ضابطہ انسانی اعمال کے متعلق ضرور موجود ہے، کہ اس جرم سے اسی ضابطہ کو توڑا گیا ہے اور وہی حقیقی اور الٰہی قانون جس کی خلاف ورزی نے اس مجرم کے ضمیر میں تاثر پیدا کیا وہ کلام الٰہی ہے۔ یا بالفاظ دیگر قرآن ہے جس سے قرآن کی ضرورت نفسیاتی تاثر سے ثابت ہوئی۔

## (۹) دلیل تخلیقی:

عالم یعنی ماسوا اللہ صرف دو چیزوں کا نام ہے، انسان اور خادم انسان، اور ان دونوں کا نام عالم ہے۔ عالم چونکہ تخلیق الٰہی اور فعل خداوندی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی تخلیق میں کوئی حکمت ہوگی جب کہ انسان

Marfat.com

حقیر کوئی فعل بلا منفعت وحکمت نہیں کرتا تو خالق حکیم کیونکر بے فائدہ اور بے مصلحت کام کرے گا۔ مشہور ہے: "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" اب مخلوقات الٰہیہ میں عقلاً وجود حکمت ضروری ٹھہرا، خواہ انسان ہو یا خادم انسان۔ مؤخر الذکر یعنی خادم انسان کی حکمت کی دریافت بالکل ظاہر ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک کل کائنات خادم انسان ہے جن سے انسان کی پرورش ہوتی ہے خواہ انسان اس کو جانے یا نہ جانے۔ زمین، معدنیات، نباتات، حیوانات، آگ، ہوا، سمندر سب سے انسان کی منفعت وابستہ ہے۔ سورج کی گرمی اور روشنی، ستاروں کی چمک اور کشش سب انسان کی فائدہ رسانی میں مصروف ہیں۔

خالق کائنات نے زمین وآسمان کو تمھاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا دیا ہے اور ایسی زبردست تسخیری اور جبری ڈیوٹی میں ان سب کو جکڑ دیا ہے کہ کسی نگران کی ضرورت نہیں اور نہ ادائے خدمتِ انسان میں سستی اور غفلت کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ماسوائے انسان جو مخلوقات ہیں ان کی حکمت تخلیق واضح ہے کہ انسان کی خدمت گاری اور اس کی تربیت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان اشیاء میں ایک بھی موجود نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی زندگی کو قائم رکھنا ان تمام چیزوں کی تخلیق کا مقصد ہے۔ لیکن یہ چھوٹا سا انسان جس کی خدمت گزاری کے لیے قدرت نے اس قدر کائنات کا عظیم الشان کارخانہ پھیلا رکھا ہے اس کی تخلیق کس حکمت کے لیے ہوئی ہے؟ کارخانہ کائنات کا مقصد تو خود انسان ہے لیکن خود انسان کی تخلیق کس مقصد کے لیے ہوئی؟ وہ مقصد ظاہر ہے کہ کارخانہ عالم سے متعلق نہیں، کیونکہ عرش سے فرش تک کی کائنات کو انسان کی تخلیق اور وجود سے کوئی فائدہ نہیں البتہ انسان کو ان سے فائدہ ہے۔ جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ کارخانہ نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ معدوم ہو گا لیکن اگر انسان نہ ہو اور باقی کارخانہ موجود ہو تو وہ قائم رہ سکتا ہے اور اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ انسان سب سے اشرف ہے لہٰذا اس کا مقصد بھی اشرف ہو گا۔ وہ مقصد تخلیق انسانی اس کے بغیر کچھ نہیں کہ جہان انسان کے لیے ہے اور انسان خالق جہان یعنی خدا کے لیے ہے کہ وہ نائب اور خلیفہ خدا ہونے کی حیثیت سے وہ کام کرے جو اس کے آقا کا منشاء ہے۔ اسی منشاء الٰہی پر خود عامل ہو اور دوسروں کو عامل بنائے۔ اس بندگی اور منشاء الٰہی کی تکمیل میں خدا کا کوئی نفع نہیں، بلکہ خود انسان کا فائدہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کر کے حیات ابدی کی مسرتوں سے بہرور ہو جائے گا۔ اب مقصد تخلیق یا منشاء الٰہی معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود خدا اپنے منشاء کی وضاحت کر دے اور وہ وضاحت اللہ کے کلام اور وحی الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا کلام الٰہی کی ضرورت ثابت ہوئی جو قرآن حکیم ہے۔

## (۱۰) دلیل ترحمی:

رحمت وشفقت صفات کمال اور خوبی ہے اور رحمت کا نہ ہونا نقص ہے جس سے اللہ کی ذات پاک ہے اس لیے قرآن میں جگہ جگہ رحمت الٰہی کا تذکرہ موجود ہے اور دیگر کتب سماویہ میں بھی اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے

Marfat.com

کہ خالق کائنات میں رحمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ عالم کائنات کا موجودہ نقشہ اس کی رحمت کے مشاہدے کا آئینہ ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں۔

① مرحوم ومنعم: یعنی جس پر رحمت اور انعام ہوا ہو، وہ انسان ہے۔

② رحمت ونعمت: وہ تمام مخلوقات علوی وسفلی کا نام ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے لیے نعمت ہے اور اس کے لیے سامان رحمت ہے۔

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (۳۶)

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے بے شک انسان بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

جب اللہ کی رحمت کا یہ حال ہے تو اب قیاس کرو کہ انسانی اعمال میں نہ سب مفید ہیں، نہ مضر بلکہ کچھ مفید اور نفع مند ہیں اور کچھ مضر اور تباہ کن ہیں اس پر اقوام عالم کا اتفاق ہے۔ مثلاً عدل اچھا ظلم برا، لیکن اعمال ایسی اشیاء ہیں جن کی مضرت اور منفعت کسی لیبارٹری کے ذریعہ تحلیل وتجزیہ کے ذریعہ معلوم نہیں کی جا سکتی۔ خواہ وہ اعمال وعقائد ہوں یا اخلاق وعبادات ومعاملات لہٰذا اگر ان امور کے متعلق جن تک انسانی فکر وعقل کی رسائی ناممکن ہے، اگر خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کا سامان موجود نہ ہو اور انسان تباہ کن اور زہر آلود عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جائے اور خالق کائنات صرف تماشائی بن کر رہے تو یہ اس کی شان رحمت کے خلاف ہے۔ اگر ایک انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس طعام میں زہر ملا دیا گیا ہے اور دوسرا بے خبر انسان اس کو کھا رہا ہو اور باخبر انسان خاموش رہے اور اس کو نہ بتلائے تو یہ خاموشی اس خاموش انسان کی بے رحمی کی دلیل ہوگی۔ اس طرح اگر اندھا کنوئیں یا کھڈے میں پاؤں رکھ رہا ہو اور بینا انسان اس کو اطلاع دینے سے چپ رہے تو یہ بھی بے رحمی ہوگی۔ جب ایک انسان باخبر کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے بے خبر انسان کو مضر امر کی مضرت کی اطلاع دے تو احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین کے لیے کب یہ شایان شان ہے کہ وہ مضر ومہلک وتباہ کن اور زہریلے اعمال کی اطلاع ان انسانوں کو نہ دے جو ان کی تباہ کاریوں اور مضرت رسانیوں سے بے خبر ہیں اور ان کے پاس مضرت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہدایت نامہ موجود ہو جس میں نجات دہندہ اور مہلک عقائد واعمال کی تشریح کی گئی ہو۔ یہی ہدایت نامہ کلام الٰہی یا قرآن ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے۔'' (۳۷)

وحی کی ضرورت واہمیت پر جواہر القرآن کے مصنف نے بعض نکات درج کیے ہیں۔ جن کو اختصار سے ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے:

## پہلی ضرورت:

انسان کی عقل کوتاہ اور ناقص ہے اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں پر وحی نازل کرتا ہے۔ تاکہ یہ آسمانی نور انسانی عقل کی راہبری کرے قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی

Marfat.com

عقل فطری کمزوری کی وجہ سے شیطانی وسوسہ سے مغلوب ہوگئی وہ سکون قلب کی جنت سے محروم ہو گئے جب آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے وحی کے ذریعے کچھ کلمات سیکھے تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ جو ان میں نقص تھا دور ہو گیا گویا فطری کمزوری کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا۔ بندہ کی روحانی تربیت کا سامان وحی الٰہی میں ہے اگر عقل کے ذریعے ہی انسان کو اپنی تمام مشکلات کی گرہ کشائی کرنا پڑتی ہے تو وہ عقل کی کمزوری کی وجہ سے ٹھوکریں کھا کر ہلاکت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا رہتا ہے۔

وحی الٰہی زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی کے لیے ضروری ہے۔ تا کہ وہ ہر قسم کی لغزشوں اور ٹھوکروں سے محفوظ و مصئون رہ کر جادۂ صواب پر گامزن رہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی ہے جس کو ہر ایک مسلمان پنجگانہ نماز میں دہراتا ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

''مجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے راستہ ان لوگوں کا جو صواب پر گامزن ہوتے ہیں۔''

## دوسری ضرورت:

انسان کی طبعی فطرت ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا ہاں انسان اس کا فرمانبردار بن کر نقش قدم پر چلے گا جس کے متعلق اس کا ایمان ہو کہ وہ ایسی قادر اور توانا ہستی سے تعلق رکھتا ہے اور وہ عظیم ہستی اس کی پشت پر ہے اس کے انکار سے دین و دنیا میں خسران اور گھاٹا ہے اور ایمان لانے سے فلاح۔ اس امر کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا کا ایک طالب علم اس کا خادم تھا۔ جو شیخ الرئیس کے فلسفہ اور علم سے بہت متاثر تھا اور وہ تعجب کیا کرتا تھا کہ ان کا مخدوم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کیسے مانتا ہے جبکہ وہ خود ان سے علم و حکمت میں بڑھا ہوا ہے اس خیال کا اظہار وہ کئی دفعہ بوعلی سے بھی کر چکا تھا۔ شیخ اس سے روگردانی کر لیتا اور ڈانٹ دیتا ایک مرتبہ دونوں اصفہان کے شہر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات کو سخت سردی تھی اور برف باری ہو رہی تھی شیخ الرئیس نے نماز کے وقت اپنے خادم کو جگایا اور وضو کے لیے پانی طلب کیا اس پر اس نے سخت سردی اور صبح نہ ہونے کا عذر تراشا اس کے بعد بوعلی سینا نے صبح کی اذان کے وقت اپنے خادم کو جگایا اور پانی طلب کیا۔ اس وقت بھی برف باری کا عذر کیا اتنے میں مؤذن نے کہا۔ واشھد ان محمداً رسول اللہ شیخ نے اپنے خادم سے کہا: سنو مؤذن کیا کہتا ہے اس نے کہا وہ کہہ رہا ہے: واشھد ان محمداً رسول اللہ۔ شیخ الرئیس نے اس کی گمراہی کو دور کرنے کا موقع غنیمت جانا اور کہا دیکھو تم میرے خادم ہو پھر تم مجھے سب سے زیادہ پسند کرتے ہو اور سب سے زیادہ میری عزت اور احترام کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل گردانتے ہو اور میرا ان کی پیروی کرنا ناپسند کرتے ہو ان تمام باتوں کے باوجود میرا حکم بجا لانے کے سلسلے میں سردی اور برف باری کا بہانہ تراشتے ہو۔ مگر یہ مؤذن علی الصبح برف باری اور سردی کے عالم میں مسجد کی طرف آیا ہے اور مینار

Marfat.com

پر پڑھا ہے اور محمد عربی ﷺ کی رسالت کا بلند آواز سے اقرار کیا ہے یہ ایمان اور یقین کا محکم جذبہ ہے جس نے مجھے محمد عربی ﷺ کی غلامی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ دیا ہے اور اس مثال سے قارئین وحی الٰہی کے علم اور حکمت کا فرق سمجھ جائیں گے۔ وحی الٰہی کا حامل ہونے کی وجہ سے انسان نبی کی پیروی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے نزول کا سلسلہ اس وجہ سے جاری کیا تھا تا کہ لوگ ایک برتر علیم وخبیر اور قادر وتوانا ہستی کا کلام سمجھ کر اس پر عمل کریں اور ذہنی اور عملی انتشار سے بچ جائیں نبی اور رسول پر ایمان لا کر وحدت اور اتحاد کی لڑی میں منسلک ہو جائیں۔

## تیسری ضرورت:

انسان کی فطرت اس قسم کی ہے کہ جس ہستی کی عظمت کا احساس اس کے دل میں پیدا ہو اس کی مخالفت کے خیالات دل میں پیدا ہی نہیں ہوتے اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے رنگ میں رنگین ہونے کی سعی بلیغ کرتا ہے وحی الٰہی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا کرتی ہے جس وجہ سے انسان خدا کی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس زمین پر چلتا پھرتا مظہر قدرت الٰہی بن جاتا ہے اس کی عمدہ مثال رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں قرآن وحی کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں سے گناہوں کی میل کو اس طرح دھویا کہ ان سے خدا کی صفات منعکس ہونے لگیں۔

## چوتھی ضرورت:

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''رب العالمین'' بیان ہوئی ہے اس صفت میں ضرورت وحی کی طرف اشارہ ہے رب کے معنی تاج العروس اور ایڈورڈ لین (Lanan) نے پیدا کرنا، پرورش کرنا، کمال تک پہنچانا تنظیم وتکمیل دینا لکھے ہیں امام راغب نے لکھا ہے کہ رب وہ ذات ہے جو تدریجاً ایک چیز کو کمال تک پہنچاتی ہے پس اسم رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق کو اپنے کمال تک پہنچائے جسمانی ربوبیت کے لیے عالم مادی میں ہر قسم کی چیز پیدا کر دی ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارا وجود گوشت اور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی نہیں بلکہ اس میں ایک لطیف چیز روح بھی مقید ہے اس کا کمال صرف جسم کی پرورش تک محدود نہیں بلکہ اس کی ترقی کے لیے روحانی اصول اور تعلیم ہے جس طرح جسمانی ربوبیت کے لیے خارج میں ہر قسم کا سامان مہیا کیا ہے۔ اسی طرح روح کی پرورش کے لیے عالم روحانی میں وحی الٰہی ہے جو انسان کی روح کی صفائی اور کمال کا ذریعہ ہے۔

## پانچویں ضرورت:

جس طرح انسان کے جسم کے امراض ہیں اور ان کا علاج اللہ تعالیٰ نے خارجی دنیا میں پیدا کیا ہے اسی طرح روحانی امراض ہیں جن سے انسان کی روح میں نقص لازم آتا ہے ان روحانی امراض کو دور کرنے کے لیے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری کیا ہے یہی بات قصہ آدم علیہ السلام میں بیان ہوئی ہے جب آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی اور وہ اطمینان قلب سے محروم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیماری کو دور کرنے کے لیے چند کلمات سکھائے یہ وحی الٰہی تھی قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (۳۸)

''پھر اس (آدم علیہ السلام) نے اپنے رب سے (کچھ) باتیں سیکھیں۔ پس اس نے اس پر (رحمت سے) توجہ کی۔ بے شک وہ (رحمت) سے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

وحی الٰہی نے اس روحانی بیماری کا علاج کر دیا اور وہ دوبارہ اطمینان قلب کی دولت سے متمتع ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۳۹)

''پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ہبوط انسانی کے بعد سے اس کی روحانی امراض کا علاج وحی الٰہی ہے جو نسل انسانی میں وقتاً فوقتاً آتی رہے گی اور اس کی پیروی سے انسان روحانی امراض سے نجات پائے گا اور انسان اس ارفع مقام تک پہنچ جائے گا جہاں سے روحانی تنزل نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۴۰)

''کہ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں۔''

یہ وہی بندے ہیں جو وحی الٰہی کی اتباع کرتے ہیں۔

## چھٹی ضرورت:

(وحی ذریعہ علم ہے) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے وحی نازل نہ کرتا تو عقلیں مردہ ہو جاتیں ان سے علم کے سوتے نہ پھوٹتے دنیا میں جو بھی علم کی رعنائیاں نظر آتی ہیں وہ وحی کی بدولت ہیں حصول علم کے تمام ذرائع انسان کو زیادہ سے زیادہ عین الیقین تک پہنچاتے ہیں اور علم کے مخفی در مخفی پہلوؤں پر کامل روشنی نہیں ڈالتے۔ وحی الٰہی ہی ان مخفی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اور علم کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہے قرآن مجید کی رو سے انسان کے علم کا ذریعہ صرف وحی ہے وحی کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی نعمت سے نوازا ہے ارشاد الٰہی ہے:

Marfat.com

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ (٤١)

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (وحی کے ذریعے) تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ انسانی ضرورت کے لیے جس قسم کے علم کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو وحی کے ذریعے سکھا دیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (٤٢)

''جس نے آدمی کو قلم کے ذریعے سکھایا انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ حصول علم کا سب سے بڑا ذریعہ وحی ہے جس کا آغاز ابتدا آفرینش سے ہوگیا تھا انسان تسخیر کائنات کے لیے جو کچھ کر رہا ہے وہ سب وحی الٰہی کی بدولت کر رہا ہے اور وحی کی روشنی میں ہی انسانی عقل آگے بڑھتی ہے اور طبعی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ علم کی جتنی بھی شاخیں ہیں وہ وحی کی بدولت ہی وجود میں آئی ہیں اگر انسانی عقل کو وحی کی روشنی میسر نہ ہوتی تو اندھیروں میں بھٹکتی رہتی۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم کے تمام راستے کھولے ہیں جن پر چل کر انسان نے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کو حل کیا ہے عائلی رشتوں کی حلت وحرمت کا بنیادی مسئلہ ہے اگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آگاہی نہ کرتا اور انسان کو اپنی عقل سے کام لے کر اس گرہ کی کشائی کرنا پڑتی تو گرہ کشائی نہ کر پاتا۔ اس طرح زندگی کے دیگر مسائل ہیں جن کی راہنمائی وحی نے ہی کی ہے۔ خصوصاً علم الٰہیات تو بالکل ہی انسان کے دوسرے ذرائع حصول علم یعنی عقل کو علم الٰہیات سے آگاہ کیا انسان ان دیکھی حقیقتوں سے واقف ہوا۔

پس وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں۔ بلکہ وحی حصول علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور عقل کی روشنی کا ایک ذریعہ ہے۔ درحقیقت عقلیت پسند وحی کی ماہیت کیفیت، نوعیت اور اس کی اقسام سے لاعلم ہیں۔ وحی کی اعلیٰ صورت تو وحی نبوت ہے جو خارج سے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ وحی کی ایک ادنیٰ صورت وحی ایجابی ہے۔ جب ایک انسان کسی چیز کے بارے میں سوچ وبچار میں غرق ہو جاتا ہے۔ تو اس سوچ وبچار کے نتیجہ میں جب انسان اپنا حقیقی مقصد پالیتا ہے۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غور وخوض کرنے والے کے دل میں القا ہے اسی لیے اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے انسان کو سوچ بچار کرنے کی تلقین کی ہے۔ سوچ وبچار کے نتیجہ میں جو انسان کے دل میں القا ہوتا ہے۔ وہ وحی ایجابی ہے دنیا میں زندگی کے تمام شعبوں میں جو ترقی ہو رہی ہے وہ اسی نعمت الٰہیہ کا نتیجہ ہے۔ اگر وحی نبوت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ تھی تو وحی ایجابی (الہام، القا، رؤیاء کشف وغیرہ) بھی ایک نعمت ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں لفظ وحی کو مختلف انداز اور وسیع معنی میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی طرف وحی کی گئی ہے اسی سے وحی کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی ہے یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے الغرض جب تک اس کائنات

Marfat.com

میں انسان کا وجود ہے خدا کی یہ غیر مترقبہ نعمت ''وحی ایجابی'' اس کی راہنمائی کرتی رہے گی۔ اس نعمت سے آگاہ صرف اسلام نے کیا ہے یہ وحی انسانی پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (٤٣)

''جو ہمارے بارے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستہ کی ہدایت کر دیتے ہیں۔''

سورہ آل عمران میں یہ بشارت دی ہے:

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ (٤٤)

''وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

تاریخ، قرآن مجید کی اس صداقت پر مہر ثبت کرتی ہے کہ جس قوم نے بھی اپنی فکری استعدادوں کو زیادہ سے زیادہ کام لگایا ہے۔ وہی قوم بام عروج تک پہنچی ہے۔ (۴۵)

مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں:

''علماء علم الکلام نے بھی وحی اور نبوت و رسالت کی ضرورت کو اسی دلیل سے ثابت کیا ہے کہ بندوں کو آزاد بے کار چھوڑنا اللہ کی حکمت و رافت سے بعید ہے اور عقل انسانی حسن و قبیح کی معرفت میں خود کفیل اور مستقل نہیں ہے بلکہ راہنمائی کی محتاج ہے۔''

علامہ ابوالشکور سالمی رحمہ اللہ (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء) لکھتے ہیں:

"لا يجوز من الله من طريق الحكمة ان يعطل عبيده من الاوامر والنواهى مع احتياجهم الىٰ ذلك --- ثم لما وجب الامر والنهى من طريق الحكمة فانه لا يكون بدون الخطاب والخطاب لا يكون بدون السفراء وهم الرسل والانبياء" (٤٦)

''حکمت کے اعتبار سے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اوامر و نواہی کی پابندی سے آزاد و بے کار چھوڑ دے حالانکہ وہ ان احکام کے محتاج ہیں --- جب حکمت کے اعتبار سے امر و نہی ضروری ہے تو یہ امر و نہی خطاب کے بغیر نہیں ہوسکتا اور خطاب اللہ کے سفیروں اور نمائندوں کے بغیر نہیں ہوسکتا اور سفراء یہی انبیاء و رسل ہیں۔''

قاضی فضل اللہ تورپشتی رحمہ اللہ نے (۶۳۰ھ/۱۲۳۳ء) نے فارسی زبان میں عقائد کی وضاحت کے لیے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے "المعتمد فی المعتقد" اس میں وحی اور نبوت کی ضرورت واضح کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

"بدانکه حق تعالیٰ چوں خلق رابیا فرید و شکر احسان اوبتوحید و عبادت برایشاں واجب کرد۔ وایشاں بر کیفیت ادائے شکر او واقف نبودند بزبان

Marfat.com

پیعمبران ایشان رابر کیفیت ادائے شکر خود واقف گردانید وبامر ونهی ایشان راتکلیف کرد۔۔۔وحق تعالیٰ اگرچه در جبلت انسان عقل نهاده است که ویرابشناسد وچوں بشناخت شکر انعام آفرید گار هر خود واجب داند اما از خود راه بکیفیت ادائے شکر اونمی برد۔۔۔ ونیزمی هینم که عقلها بر تفاوت اندوادراکات آن مختلف پس فرستادن انبیاء از برائے ایں معانی حکمت محض بود و اگر وجود ایشاں نبودے تکلیف بنودے ونیك وبداز همه دانسته نشدے" (٤٧)

''جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احسانات کا شکر ادا کرنا ان پر واجب کیا تو وہ ادائے شکر کے طریقے سے واقف نہیں تھے اس لیے اس نے انبیاء کے ذریعے ان کو اپنے احسانات و انعامات کا شکر ادا کرنے کے طریقے بتا دیئے اور امر و نہی سے مکلّف کر دیا۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں عقل رکھی ہے تا کہ وہ اسے پہچان سکے اور پہچاننے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے کے احسانات کا شکر ادا کرنا اپنے اوپر واجب سمجھ لے لیکن وہ از خود ادائے شکر کا طریقہ معلوم نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عقل کے ادراکات میں اختلاف اور تفاوت ہے تو ان وجوہات کی بنا پر انبیاء کا بھیجنا حکمت کا تقاضا ہے اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو انسان مکلّف ہی نہ ہوتا اور سب لوگ نیک و بد کی پہچان نہ کر سکتے۔''

## وحی اور کشف والہام:

وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور کسی بھی غیر نبی کو خواہ وہ تقدس اور ولایت کے کتنے بلند مقام پر ہو، وحی نہیں آسکتی، البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو کچھ باتیں بتا دیتا ہے، اسے کشف یا الہام کہا جاتا ہے، کشف اور الہام میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ کشف کا تعلق حسیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آ جاتا ہے، اور الہام کا تعلق وجدانیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی، صرف دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے، اسی لیے عموماً الہام کشف کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ (۴۸)

وحی کی آخری صورت یعنی ''نفث فی الروع'' بظاہر الہام سے بہت قریب ہے کیونکہ دونوں کی حقیقت یہی ہے کہ دل میں کسی بات کا القا کر دیا جاتا ہے، لیکن دونوں میں حقیقت کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ وحی میں جو صرف نبی کو ہوتی ہے، ساتھ ساتھ یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ یہ بات کس نے دل میں ڈالی ہے؟ چنانچہ حاکم رحمہ اللہ کی مذکور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً بتلا دیا کہ ''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے۔''

Marfat.com

لیکن الہام میں ڈالنے والے کی تعیین نہیں ہوتی، بس یہ محسوس ہوتا ہے کہ دل میں کوئی ایسی بات آ گئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ (۴۹)

اسی بناء پر انبیاء علیہم السلام کی وحی سو فیصد یقینی ہوتی ہے، اور اس کی پیروی فرض ہے، لیکن اولیاء اللہ کا الہام یقینی نہیں ہوتا، چنانچہ نہ وہ دین میں حجت ہے، اور نہ اس کا اتباع فرض ہے، بلکہ اگر کشف، الہام یا خواب کے ذریعہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جو قرآن وسنت کے معروف احکام کے مطابق نہیں ہے تو اس کے تقاضے پر عمل کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (۵۰)

## کشف کی اقسام:

کشف، یہ خالصتاً صوفیانہ اصطلاح ہے۔ جس کا تعلق حسیات سے ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز یا واقعہ کو آنکھوں کے لیے کھول دینا۔ متاخرین نے اس کی دو قسمیں بنائی ہیں۔

① کشف القلوب:

اس سے مراد کسی کے دل کا ارادہ ونیت دوسرے پر کھل جانا۔ صوفیاء اس کے قائل ہیں۔

② کشف القبور:

اس سے مراد کسی کی قبر میں کیا ہو رہا ہے اور مردہ کس عالم میں ہے، اس کا انکشاف کسی بزرگ پر ہو جائے۔ اس کا دعویٰ بھی صوفیاء کرتے ہیں۔

ہر انسان کا وجدان اور اس کی قلبی واردات دوسرے سے مختلف ہے۔ نیز عقل کا بھی۔ ایک عقل مند کسی واقعہ سے جو نتیجہ نکال سکتا ہے اسے ایک کمزور ذہن والا نہیں نکال سکتا۔ یہی حال وجدان کا ہے عقل، انسان کے میلانات، تصورات اور تجربات کو متعین کرتی ہے۔ اسی طرح صاحب کشف کے میلانات وتصورات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کشف میں اصحاب کشف کا اتفاق ناممکن ہے۔ اس کی مثال چار اندھوں کا ہاتھی کو ٹٹول کر یہ بتانا ہے کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ کشف کے یہ دعوے تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتے ہیں کہ وہ علیم بذات الصدور ہے اور ﴿ولکن لا تشعرون﴾ کہے۔ خدائی میں ضم ہونے اور انا الحق جیسی گمراہ کن کیفیات اسی وجہ سے تو پیدا ہوتی ہیں۔ مگر اس قسم کے دعوے رسول اکرم ﷺ نے کیے اور نہ ہی آپ ﷺ کو زیبا تھے۔ ایک یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو زہر دیا مگر آپ ﷺ کے لیے اس کا کشف القلب نہ ہو سکا۔ منافق آتے آپ ﷺ ان کی دلی حالت نہ جان سکتے۔ اسی طرح میدان بقیع میں آپ ﷺ جاتے تو سب کے لیے دعائے مغفرت فرماتے مگر کسی کے لیے آپ ﷺ نے دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی قبر ایسی ہے یا یہ اس عالم میں ہے۔ وغیرہ۔ الا یہ کہ فرشتہ آپ ﷺ کو بتا دے۔

Marfat.com

## الہام:

اس کا تعلق وجدانیات سے ہے یعنی دل میں کوئی بات بغیر کسی چیز دکھائے ڈال دی جاتی ہے۔ یہ الہام جانوروں کو بھی حاصل ہے اور انسانوں میں مسلم وغیر مسلم کو بھی۔ جیسا کہ ہم اوپر وحی کے لغوی معنی میں پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے بعض عیسائی حضرات بھی وحی، کشف اور الہام میں فرق کو جاننے کے بعد یہ ماننے پر مجبور ہوئے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ مگر آپ ﷺ کی رسالت نہ صرف اہل عرب کے لیے تھی بلکہ تمام دنیا کے لیے۔ یہودی بھی آپ ﷺ کی رسالت کا انکار اس وحی کی بنیاد پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت امیوں کے لیے ہے۔ ہم تو خواندہ اور پڑھے لکھے اہل کتاب ہیں۔ لہٰذا اس رسالت کی ہمیں ضرورت نہیں۔ (۵۱)

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ زبیدی، سید مرتضی، تاج العروس من جواہر القاموس، (دار لیبیا) ۱/ ۳۸۴۔ ۲۔ ایضاً
۳۔ اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، (نور محمد کتب خانہ، کراچی) ص: ۵۱۵۔
۴۔ بدر الدین العینی رحمہ اللہ: عمدۃ القاری لشرح صحیح البخاری، (دار الطباعۃ العامرۃ، استنبول ۱۳۰۸ھ) ۱/ ۱۸۔
۵۔ کاشمیری، مولانا انور شاہ، فیض الباری، (مطبعہ حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ) ۱/ ۱۹۔
۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) رقم الحدیث: ۶۹۹۔
۷۔ ڈاکٹر جارج پوسٹ، قرآن کریم کی ڈکشنری، (بیروت، ۱۹۹۴ء) ص: ۲۹۔
۸۔ مریم (۱۹) ۱۱۔ ۹۔ النحل (۱۶) ۶۸۔ ۱۰۔ الانعام (۶) ۱۱۲۔
۱۱۔ الانعام (۶) ۱۲۱۔ ۱۲۔ الانفال (۸) ۱۲۔ ۱۳۔ القصص (۲۸) ۷۔
۱۴۔ المائدہ (۵) ۱۱۱۔ ۱۵۔ الزلزال (۹۹) ۴۔۵
۱۶۔ غازی، محمود احمد۔ ڈاکٹر، محاضرات قرآنی (الفیصل ناشران، لاہور ۲۰۰۴ء) ص: ۵۴۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، مدارج السالکین (مطبعہ السنہ المحمدیہ، مکہ مکرمہ ۱۳۷۵ھ) ۱/ ۳۷۔
۱۹۔ النساء (۴) ۱۶۴۔ ۲۰۔ الشوریٰ (۴۲) ۵۱۔
۲۱۔ غازی، محاضرات قرآنی، ص: ۵۴۔
۲۲۔ ابو ہشام، قرآن کریم اور اس کے چند مباحث (الھدیٰ پبلیکیشنز، اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۹ء) ص: ۷۰۔
۲۳۔ افغانی، شمس الحق، علوم القرآن (المیزان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۱۵ء) ص: ۹۷-۹۸۔
۲۴۔ ڈاکٹر ازکیہ ہاشمی، مضمون: تعارف وحی، (علوم القرآن، کوڈ نمبر: ۴۵۵۱، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد) ص: ۱۷۔ افغانی، علوم القرآن، ص: ۹۷-۹۸۔
۲۵۔ ابو ہشام، قرآن کریم اور اس کے چند مباحث: ص: ۷۴۔
۲۶۔ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، مترجم: غلام احمد حریری، (ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۷ء) ص: ۶۳۔

Marfat.com

۲۷۔ النساء(۴)۱۶۵۔ ۲۸۔ ابراہیم(۱۴)۴۔ ۲۹۔ یونس(۱۰)۴۷۔
۳۰۔ بنی اسرائیل(۱۸)۱۵۔ ۳۱۔ طہٰ(۲۰)۱۳۴۔ ۳۲۔ القصص(۲۸)۵۹۔
۳۳۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، ص:۴۹۔
۳۴۔ الجاثیہ(۴۵)۱۳۔ ۳۵۔ اعراف(۷)۱۵۷۔ ۳۶۔ ابراہیم(۱۴)۳۳۔
۳۷۔ افغانی، شمس الحق، علوم القرآن (المیزان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۱۵ء) ص:۴-۱۹۔
۳۸۔ البقرہ(۲)۳۷۔ ۳۹۔ البقرہ(۲)۳۸۔ ۴۰۔ الحجر(۱۵)۴۲۔
۴۱۔ البقرہ(۲)۳۱۔ ۴۲۔ العلق(۹۶)۴۔۵۔ ۴۳۔ العنکبوت(۲۹)۶۹۔
۴۴۔ آل عمران(۳)۱۰۳۔
۴۵۔ چیمہ، غلام رسول، جواہر القرآن (چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز لاہور، ۲۰۱۳ء) ص: ۱۷ تا ۲۳۔
۴۶۔ عبدالعلی، التمہید فی بیان التوحید (مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۹ھ) ص: ۶۸-۶۹۔ بحوالہ گوہر الرحمن، علوم القرآن، ۷۶/۱۔
۴۷۔ قاضی فضل اللہ تورپشتی۔ المعتمد فی المعتقد (مطبع مظہر العجائب، مدراس، ۱۲۸۸ھ) ص: ۵۶-۵۸۔ بحوالہ گوہر الرحمن، علوم القرآن، ۷۶/۱۔
۴۸۔ کاشمیری، فیض الباری شرح صحیح بخاری، ۱۹/۱۔
۴۹۔ رشید رضا: الوحی المحمدی، (مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۵۴ھ) ص: ۳۸۔
۵۰۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الاعتصام، (مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۳۱ھ) ۳۵۱/۱۔
۵۱۔ ابوہشام، قرآن کریم اور اس کے چند مباحث، ص: ۸۴۔

Marfat.com

## فصل دوم:

# نزول وحی کے طریقے

رسول اللہ ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ (آپ رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں سے ہیں، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، اور ۱۵ھ/۶۳۶ء میں شام کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے) (۱) نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احیاناً یأتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت ماقال واحیاناً یتمثل لي الملك رجلا (۲)

"کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک انسان کی صورت میں آ جاتا ہے۔"

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں:

### (۱) صلصلۃ الجرس:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی کہ جیسی گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے، حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے، اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، البتہ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی، بعض کا خیال ہے کہ فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا تھا، اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی، اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہاں تشبیہ آواز کے ترنم میں نہیں بلکہ اس کے تسلسل میں ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے، اور کسی جگہ ٹوٹتی نہیں، اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی، (۳) لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض قیاسات ہیں، اور ان کی بناء پر کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، البتہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ سے نقل کر کے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ مذکورہ تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ تشبیہ صرف دو اعتبار سے ہے کہ گھنٹی جب مسلسل بج رہی ہو تو

Marfat.com

عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، کلام الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی، بلکہ ہر جہت سے آتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دیدی ہے۔(۴)

بہر کیف! اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے، یا اس کے رسول ﷺ کو، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے اس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی، ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔

اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ ''وھو اشدہ علی'' (یہ طریقہ میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا لیکن گھنٹیوں کی آواز والا طریقہ سب سے زیادہ بھاری ہوا کرتا تھا، وجہ یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طرح مناسبت پیدا ہونی تو ضروری ہے، اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آ جائے تو حضور ﷺ پر کوئی غیر معمولی بار نہیں پڑتا تھا، صرف کلام الٰہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا، اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے، بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی، اور اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں آپ ﷺ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔(۵)

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں:

ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا (٦)

''میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔''

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کی سانس رکنے لگتی، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ ﷺ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔(۷)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپ ﷺ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ آپ ﷺ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا زانوئے مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی، اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ محسوس ہوا کہ وہ ٹوٹنے لگی ہے۔(۸)

مسند احمد کی ایک روایت میں آپ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ جب یہ وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس

Marfat.com

ہوتا ہے جیسے میری روح کھنچ رہی ہے۔(۹) بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔(۱۰)۔

## (۲) تمثیلِ ملک:

وحی کی دوسری صورت جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے، اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے،(۱۱)

البتہ بعض مواقع پر دوسری صورتوں میں بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آنا ثابت ہے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے(۱۲) کیونکہ وہاں مقصد ہی یہ تھا کہ حاضرین ایک اجنبی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر اچھنبے میں پڑ جائیں۔

بہر حال اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ جو فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لاتا تھا وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، قرآن کریم کی آیت:

﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾(۱۳)

”(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دو کہ اگر کوئی شخص جبرئیل کا دشمن ہو (تو ہوا کرے) اس نے یہ کلام اللہ کی اجازت سے آپ کے دل پر اتارا ہے۔“

اس سے یہ بات واضح ہے کہ عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی وحی لایا کرتے تھے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں امام شعبی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”ابتداءِ نبوت میں تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لاتے رہے ہیں (۱۴)۔ لیکن ان کے ذریعہ قرآن کریم نازل نہیں کیا گیا، قرآن تمام تر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لائے ہیں۔“ علامہ واقدی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس روایت کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوا کوئی فرشتہ وحی نہیں لایا، علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔(۱۵)۔ اور کسی مرفوع حدیث یا کسی صحابی کے قول میں اس روایت کی بنیاد بھی نہیں ملتی، لیکن ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو قبول کرنے کی طرف مائل ہیں، اور اسے زمانہ فترت کا واقعہ قرار دیتے ہیں(۱۶)

بہر کیف! وحی کی اس صورت میں فرشتہ انسان کی شکل میں آیا کرتا تھا، اور وحی کے اس طریقے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث میں تو وحی کے صرف یہ دو طریقے بیان کیے گئے ہیں، لیکن دوسری احادیث سے اس کے علاوہ بھی کئی طریقے معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ علامہ حلیمی رحمہ اللہ (ابو عبداللہ حسین بن الحسن الحلیمی الجرجانی (م ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء)، جن کی کتاب "المنہاج" اصول دین پر ایک جامع کتاب ہے) نے تو لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی چھیالیس طریقوں سے نازل ہوتی تھی (۱۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حامل وحی (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے شمار کر کے تعداد چھیالیس تک پہنچادی ہے ورنہ تعداد اتنی نہیں۔(۱۸)

تاہم دوسری احادیث سے جو نزول وحی کے اہم طریقے ثابت ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

## (۳) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا:

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔(۱۹)

## (۴) رؤیائے صادقہ:

وحی کی چوتھی صورت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے، جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحى الرؤيا الصالحة فى النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاء ت مثل فلق الصبح ۔ (۲۰)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔"

اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا، اس سحر کی اطلاع اور اسے دفع کرنے کا طریقہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب ہی میں بتایا گیا۔(۲۱)

## (۵) کلام الٰہی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا

Marfat.com

ہے، بیداری کی حالت میں یہ واقعہ صرف معراج کے موقعہ پر پیش آیا ہے، اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (۲۲)

## (۶) نفث فی الروع:

وحی کا چھٹا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر آپ ﷺ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان روح القدس نفث فی روعی الخ" (۲۳)

''روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی، الخ۔''

مستدرک حاکم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

ان جبرئیل علیه السلام القی فی روعی ان احدا منكم لن يخرج من الدنيا حتى يتكمل رزقه۔ (٢٤)

''جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا، تاوقتیکہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔''

## حاصل بحث:

حاصل بحث یہ ہے کہ نزول وحی کی مذکورہ بالا اقسام مختصراً یہ ہیں:

① رویائے صادقہ:

انبیائے علیہم السلام کے خوابوں کے وحی ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور انبیاء پر باقاعدہ نزول وحی سے قبل یہی سلسلہ جاری ہوتا تھا۔

② القاء فی القلب یا نفث فی الروع:

یعنی فرشتے کے سامنے آئے بغیر قلب میں کسی شئی کا وارد ہونا۔

③ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا:

عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔

④ صلصلۃ الجرس:

نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کو گھنٹیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

⑤ فرشتے کی حقیقی اور اصلی شکل میں آنا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل اختیار کیے بغیر کبھی اپنی اصلی صورت میں بھی وحی لاتے تھے، جیسے فترۃ الوحی کے بعد اور معراج کے موقع پر اصل شکل میں نمودار ہوئے۔

Marfat.com

⑥ بلاواسطہ وحی:

اللہ تعالیٰ کسی فرشتے یا آواز کے توسط کے بغیر براہ راست قلب نبی پر وحی نازل فرمائے۔

⑦ بلاواسطہ کلام:

فرشتے کے توسط کے بغیر کلام کرنا جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقع پر ہوئی تھی۔

Marfat.com

# حوالہ جات


١۔ القسطلانی، احمد بن محمد، ارشاد الساری، (بولاق مصر ١٣٢٣ھ) ١/٥٧۔
٢۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، ٢٠٠٠ء) رقم الحدیث: ٢٣٣٣۔
٣۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح بخاری (المطبعۃ البهیۃ قاہرہ، ١٣٤٨ھ) ١/١٦۔
٤۔ کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری شرح صحیح بخاری (قاہرہ ١٣٥٧ھ) ١/١٩۔
٥۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ١/١٦۔
٦۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ٢٣٣٣۔
٧۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، (قاہرہ ١٣٦٨ھ) ١/٤٦۔
٨۔ ابن القیم، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، (المطبعہ المیمنیۃ مصر) ١/١٨۔
٩۔ احمد بن عبد الرحمٰن البناء، الفتح الربانی شرح مسند احمد (قاہرہ ١٣٧٥ھ) ٢٠/٢١١۔
١٠۔ ایضاً، ٢٠/٢١٢۔
١١۔ عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری، (استنبول ١٣٠٨ھ) ١/٤٧۔
١٢۔ خطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، (اصح المطابع کراچی) ١/١١۔
١٣۔ البقرہ، (٢): ٩٧۔
١٤۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ١/٤٦۔
١٥۔ عینی، عمدۃ القاری، ١/٤٧۔
١٦۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ١/٢٢۔
١٧۔ جرجانی، حسین بن الحسن الحلیمی، ابو عبد اللہ، المنہاج بحوالہ حاجی خلیفہ، کشف الظنون نمبر: ١٨٧١۔
١٨۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ١/١٦۔
١٩۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ١/١٩۔
٢٠۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ٣۔
٢١۔ ایضاً
٢٢۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ١/٤٦۔
٢٣۔ ایضاً
٢٤۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، (دائرۃ المعارف، دکن ١٣٤٠ھ) ٢/٤۔


Marfat.com

فصل سوم:

# وحی پر شبہات واعتراضات وجوابات

## نزول وحی کے بارے اعتراضات

وحی ان معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کی ایک شکل ہے، جن کا ادراک صرف عقل سے نہیں ہوسکتا، اور چونکہ وحی کا مشاہدہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتا، اس لیے اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیات کا اندازہ بھی دوسروں کے لیے ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا جو مغربی افکار کے ہمہ گیر سیلاب سے مرعوب ہے، اسے یہ باتیں نامانوس اور اجنبی معلوم ہوتی ہیں، اور وہ انھیں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے، پھر بعض لوگ کھل کر وحی والہام کا انکار کر کے اسے معاذ اللہ قصہ کہانی سے تعبیر کرتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو اس کا کھل کر انکار تو نہیں کرتے، لیکن ''سائنٹفک ترقیات'' کے اس دور میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتے ضرور ہیں، اس لیے یہاں مختصراً یہ بھی سمجھ لیجئے کہ خالص عقلی اعتبار سے وحی کی کیا حیثیت ہے؟

ہمارے نزدیک وحی کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے سب سے پہلے طے کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق و مالک ہے یا یہ خود بخود بغیر کسی کے پیدا کیے ہوئے وجود میں آگئی ہے؟ جہاں تک ان مادہ پرست لوگوں کا تعلق ہے جو سرے سے اللہ کے وجود ہی کے منکر ہیں ان سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، جو شخص اللہ کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ وحی کی حقیقت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے اسے دل و جان سے تسلیم کر لے، اس لیے اس سے تو سب سے پہلے اللہ کے وجود پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، رہے وہ لوگ جو اللہ کے وجود کے قائل ہیں سو ان کے لیے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔

اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو بروئے کار لاسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش وحواس سلامت ہوں ایسا کرسکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو

Marfat.com

ایک خاص مقصد کے تحت سفر پر بھیج دے، اور اسے چلتے ہوئے اس کے سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے، اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی قسم کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے، جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں؟ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضروری بنایا ہے، رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی ورسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ ''وحی'' محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار در حقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے، رہی یہ بات کہ وحی کے جو طریقے اوپر ذکر کیے گئے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے، یہ وحی کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے، جس چیز کی عقلی ضرورت اور اس کا وقوع ناقابل انکار دلائل سے ثابت ہوا سے محض اس بناء پر رد نہیں کیا سکتا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا، آج سے چند سو سال پہلے اگر کسی شخص کے سامنے یہ ذکر کیا جاتا کہ عنقریب انسان ہوائی جہاز میں پرواز کر کے ہزاروں میل کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر لیا کریں گے تو وہ یقیناً اسے پریوں کا افسانہ قرار دیتا، لیکن کیا اس کے مشاہدہ نہ کرنے سے ہوائی جہاز کی حقیقت ختم ہوگئی ہے؟ آج بھی پسماندہ علاقوں کے ہزارہا افراد ایسے ہیں جو اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے، لیکن کیا ان کے انکار کرنے سے یہ واقعہ غلط ثابت ہو گیا ہے؟ دیہات میں جا کر کسی آدمی سے کمپیوٹر سسٹم کی تفصیلات بیان کیجئے اور اسے بتائیے کہ کس طرح ایک مشین انسانی دماغ کا کام کر رہی ہے، وہ آپ کے بیانات پر آخر تک شک وشبہ کا اظہار ہی کرتا رہے گا، لیکن کیا ان شکوک وشبہات سے کمپیوٹر کے وجود کا خاتمہ ہو گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو وہ وحی جس کی عقلی ضرورت مسلّم اور ناقابل انکار ہے، اور جس کا مشاہدہ دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق ترین انسانوں نے کیا ہے (علیہم السلام) اسے محض ان شکوک وشبہات کی بنا پر کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے؟

آخر وحی کے ان طریقوں میں عقلی بُعد کیا ہے؟ کیا معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو وحی کے ان طریقوں پر قدرت نہیں؟ اگر دنیا کے سائنسدان محض اپنی محدود عقل کے بل پر پیغام رسانی کے لیے ٹیلیفون، تار، ٹیلی پرنٹر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے حیرت انگیز آلات ایجاد کر سکتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) اتنی بھی قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا سلسلہ قائم فرمادے جو ان تمام ذرائع مواصلات سے زیادہ مستحکم اور یقینی ہو؟

وحی کی حقیقت یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام کسی واسطے کے ذریعہ یا بلاواسطہ اپنے کسی پیغمبر پر القا فرما دیتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس بات کو درست تسلیم کر لینے میں عقلی قباحت کیا ہے؟ وحی کے ثبوت میں کسی انسانی ایجاد یا عمل کے مثال پیش کرتے ہوئے ہمیں تامل ہوتا ہے، لیکن بات کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم ایک ایسے انسانی

Marfat.com

عمل کو بطور نظیر پیش کرتے ہیں جس میں ایک انسان دوسرے کے قلب و دماغ کو مسخر کر کے اس میں جو خیال چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

اس عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''تصرف خیالی'' کہا جاتا ہے، صوفیائے کرام کے تذکروں میں اس عمل کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، جس کے ذریعہ ایک شخص اپنی خیالی قوت کے زور سے دوسرے کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ اس سے جو چاہتا ہے کہلاتا ہے، اور جو چاہے کرواتا ہے، مادہ پرست لوگ ایک مدت تک اس ''تصرف'' کی قوت کا بھی انکار کرتے رہے، اور انھیں کی تقلید میں بہت سے مسلمانوں نے بھی اسے قصہ کہانی سے تعبیر کیا، یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی کے وسط میں سوئٹزرلینڈ کا مشہور ماہر طبیعیات میسمر (Mesmer) پیدا ہوا۔ (اس کا پورا نام فریڈرک اینٹون میسمر ہے، یہ سوئٹزرلینڈ کی ایک جھیل کانسٹنس کے قریب ۱۱۴۶ھ/مئی ۱۷۳۳ء میں پیدا ہوا، اور میرسبرگ کے مقام پر ۱۲۳۱ھ/مارچ ۱۸۱۵ء میں وفات پائی، ابتداء میں اس نے طب کو اپنا موضوع بنایا تھا، بعد میں مقناطیسی عمل تنویم کا ماہر بلکہ اس کا بانی کہلایا، اور (ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا، ص ۳۴۲۵ ج ۱۲ مطبوعہ مشی گان امریکہ ۱۹۵۷ء مسمر یزم کا علم اسی کی جانب منسوب ہے)۔ اس نے انسانی دماغ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں اپنے ایک مقالے کے ذریعے یہ انکشاف کیا کہ ایک مقناطیسی عمل کے ذریعے انسان کے دماغ کو مسخر کیا جاسکتا ہے، اس عمل کو وہ مقناطیسی عمل تنویم Anima Masnetism کہتا تھا، اور فرانس میں مقیم رہ کر اس نے کامیاب عملی تجربے بھی کیے، لیکن وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو پوری طرح مطمئن نہ کرسکا، پھر ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں انگلینڈ میں ایک اور شخص جیمس بریڈ (James Braid) پیدا ہوا جس نے اس عمل تسخیر کو سائنٹفک بنیادوں پر از سر نو ثابت کر کے اس کا نام عمل تنویم یا ہپناٹزم (Hypnotism) تجویز کیا۔

جیمس بریڈ کے تجویز کردہ ہپناٹزم میں مختلف مدارج ہوتے ہیں، اس کا انتہائی درجہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس شخص پر یہ عمل کیا جائے یعنی معمول (Hypnotised) کے جسم کے تمام عضلات واعصاب بالکل جامد اور بے حس ہو جاتے ہیں، اور اسی کے ساتھ حواس ظاہرہ و باطنہ معطل ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا ایک درمیانی درجہ بھی ہے، جس میں جسم بے حس و حرکت نہیں ہوتا، اس کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

''اگر تنویم کا عمل ذرا ہلکا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا تصور کر سکے، مثلاً اس حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ (عامل کی ہدایت کے مطابق) اپنے آپ کو کوئی اور شخصیت یقین کر لے، اسے کچھ خاص چیزیں (جو وہاں فی الواقعہ موجود نہیں ہیں) نظر آنے لگیں، یا وہ غیر معمولی حس اپنے اندر محسوس کرنے لگے، اس لیے کہ وہ اس وقت عامل کی ہدایت کا تابع ہو جاتا ہے۔'' (۱)

جیمس بریڈ کی تحقیقات اور تجربات کے بعد ہپناٹزم کو ان مادہ پرست لوگوں نے بھی مان لیا جو پہلے اس کے قائل نہ تھے، اور آجکل تو یہ مغربی عوام کی دلچسپی کا بہت بڑا موضوع بنا ہوا ہے، سینکڑوں عامل اس کے ذریعہ روپیہ کما رہے ہیں، مریضوں کے علاج میں بھی اس سے کام لیا جا رہا ہے، اور وہ ''تصرف خیالی'' جس کا ذکر مسلمان

Marfat.com

صوفیاء کرام کے یہاں صدیوں سے چلا آتا تھا اور جن کو لوگ محض توہم پرستی کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے، اب ہپناٹزم کے نام سے ایک حقیقت بن گیا ہے اور اب ہمارے زمانے کے وہ نام نہاد ''عقلیت پسند'' بھی اسے تسلیم کرنے لگے ہیں جنھیں مسلمانوں کی ہر غیر معمولی بات تو ہم پرستی اور مغرب کی ہر دریافت سائنٹفک حقیقت نظر آتی ہے۔

بہر کیف! مسمریزم ہو یا ہپناٹزم، اس کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنی باتیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جس خدا نے انسان کے تصرف خیالی یا عمل تنویم میں اتنی قوت دی ہے کہ وہ معمولی معمولی مقاصد کے لیے بلکہ بعض اوقات بالکل بیکار دوسرے کے دماغ و دل کو مسخر کر لیتا ہے، کیا وہ خود اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انسانیت کی ہدایت کی خاطر ایک پیغمبر کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈالے دے؟

وحی کی ضرورت اور اس کی حقیقت کے بیان کے بعد مادہ پرستوں کے اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی انسان کا عالم بالا سے ایسا تعلق قائم ہو جائے کہ مادی اسباب و ذرائع کے بغیر اللہ کا پیغام وصول کر سکے؟ اگر یہ ممکن ہی نہیں ہے تو پھر ایک ناممکن اور عقلاً مستبعد چیز پر کیسے ایمان لایا جا سکتا ہے اور اسے کس طرح منوایا جا سکتا ہے؟ یہ سوال صرف آج کل کے مادہ پرستوں نے نہیں اٹھایا بلکہ امم ماضیہ کے مشرکین نے بھی یہ سوال اٹھایا تھا۔ ان کو ستاروں کی پرستش، ارواح کی پرستش، جنات کی پرستش اور فرشتوں کی پرستش تو عقل سے بعید بات نظر نہیں آتی تھی مگر کسی انسان کا رسول ہونا اور اس پر وحی کا اترنا خلاف عقل بات نظر آتی تھی اور وہ تعجب اور حیرت کے ساتھ کہا کرتے تھے:

﴿فَقَالُوا أَبَشَراً مِّنَّا وَاحِداً نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذاً لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾ (۲)

''اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم اپنی طرح کے ایک انسان کی پیروی کریں ہم تو پھر بے عقلی اور جنون میں مبتلا ہو جائیں گے۔''

﴿فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (۳)

''پس وہ کہنے لگے کیا انسان ہم کو راستہ بتائیں گے؟ انھوں نے انکار کیا اور منہ موڑ دیا اور اللہ نے بھی ان کی کوئی پرواہ نہ کی وہ تو بے نیاز ہے اور حمد کے لائق ہے۔''

﴿أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ﴾ (٤)

''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ تمھارے رب کی جانب سے تم ہی میں سے ایک انسان مرد پر نصیحت اتری ہے تاکہ وہ تمھیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرے۔''

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ﴾ (٥)

Marfat.com

''کیا ان لوگوں کو اس پر تعجب اور حیرت ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ہے ایک انسان کے پاس جو انہی میں سے ہے اس پیغام کے ساتھ کہ لوگوں کو عذاب سے خبردار کرو۔''

مشرکین اور مادیین کے اس استبعاد و استعجاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل موجود ہے جس سے بشر پر وحی آنے کا امتناع اور عدم امکان ثابت ہوتا ہے اور یہ امتناع عقلی ان کے ایمان کے راستے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ نہیں! امتناع اور عدم امکان کی کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ ان کی دلیل اندھی تقلید ہے جب ان کے آباؤ اجداد نے کہا کہ کسی بشر پر اللہ کی وحی نہیں آسکتی اور اسے ہماری عقل نہیں مانتی تو تقلید الآباء والاجداد کی بنا پر انھوں نے بغیر سوچے سمجھے انکار کر لیا حالانکہ وحی کے ممکن بلکہ ضروری ہونے پر خود عقل انسانی شہادت دیتی ہے۔

سورہ یٰسین کے آغاز میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

﴿لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ٥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ ٥ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلاَلاً فَهِيَ إِلَى الأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ ٥ وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لاَ يُبْصِرُونَ﴾(٦)

''تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، جس سے ان کے سر اوپر کو الٹ گئے ہیں۔ اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی، جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح اللہ کو حاکم اور مقتدر اعلیٰ تسلیم کرنے والے شخص کے لیے وحی کی ضرورت سے انکار کرنا مشکل ہے اسی طرح اللہ کو علی کل شیءٍ قدیر ماننے والے شخص کے لیے وحی کے امکان کو تسلیم کرنا کوئی تعجب اور اچنبھے کی بات نہیں ہے بلکہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کائنات کو عدم سے وجود میں لانے کو تو یہ لوگ اللہ کی قدرت کا کارنامہ مانتے ہیں مگر پیغام رسانی کا ایک خفیہ نظام قائم کرنے کو ناممکن اور مستبعد قرار دیتے ہیں۔ آخر اس سے زیادہ نادانی اور بے عقلی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی ذات کو خالق، مالک، حاکم اور قدیر و علیم تو تسلیم کیا جائے مگر وحی بھیجنے اور احکام و ہدایات پہنچانے کے خفیہ نظام کو ناممکن اور بعید از عقل قرار دے کر اس سے انکار کیا جائے۔ وحی اور پیغام رسانی کی جن کیفیات سبعہ کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان کے عدم امکان پر اگر منکرین وحی کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے تو اسے پیش کیا جائے لیکن اب تک کسی نے ایسے دلائل پیش نہیں کیے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی ہے یا آج کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کسی بشر پر وحی بھی آسکتی ہے مگر حکماء قدیم و جدید دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عدم علم عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتا۔ یعنی ''نہ

Marfat.com

جاننا" "نہ ہونے" کا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح "عدم مشاہدہ" یعنی کسی چیز کا دکھائی نہ دینا اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ جس چیز سے مانوس نہ ہو اور جو اس کے تجربے میں نہ آئی ہو تو وہ چیز اسے حیرت زدہ کر دیتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی لیکن محیر العقول ہونا ممتنع اور ناممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

سقراط (م ۳۹۹ ق م) کا ایک مرتبہ کسی دہریہ کے ساتھ مباحثہ ہوا تھا منکر خدا نے لاجواب ہو کر آخری سوال یہ کیا تھا کہ اگر خالق موجود ہے تو ہم اسے دیکھتے کیوں نہیں ہیں؟ سقراط نے جواب دیا تھا کہ تم تو اپنی روح کو بھی نہیں دیکھ سکتے حالانکہ وہ تیرے جسم کے اندر موجود ہے۔(۷)

اگر سائنسدان اپنی عقل اور اپنے تجربے سے پیغام رسانی کے لیے ٹیلی فون، ٹیلی گراف، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور فیکس کے حیرت انگیز آلات ایجاد کر سکتے ہیں تو خالق کائنات کے لیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے بندوں تک اپنے پیغامات و ہدایات پہنچانے کا ایسا سلسلہ قائم فرما دے جو ان تمام مصنوعی ذرائع مواصلات سے زیادہ مضبوط بھی ہو اور زیادہ یقینی بھی ہو؟ ممکن اور ناممکن کی تقسیم انسان کے افعال میں تو ہو سکتی ہے اللہ کے افعال میں ممکن اور ناممکن کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ وحی کا انکار کرتے ہیں انھوں نے اللہ کو پہچانا نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

وَمَا قَدَرُواْ اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُواْ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ(۸)

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی انھوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جس طرح کے پہچاننے کا حق ہے۔"

## وحی کی حقیقت:

انسانی حواس کے لیے اولاً اس کی حقیقت کو پانا ممکن نہیں کیونکہ کائنات میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی حقیقت کا ادراک ہمارے حواس کے بس میں نہیں مگر وہ بلا شبہ موجود ہیں۔ ہاں انسانی حواس ایک حد تک ان کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ آج جدید آلات کے ذریعے بغیر کسی تگ و دو کے دنیا کے دوسرے کنارے بیٹھے شخص سے بآسانی ویڈیو گفتگو کرنا، ان کی تصاویر دیکھنا ممکن ہو گیا ہے جس کا بظاہر کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح حشرات الارض اور بعض جانوروں کو انسان سے بڑھ کر مختلف صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ مثلاً انسان کے مقابلے میں کتے کے سونگھنے کی صلاحیت سات سو گنا زیادہ ہے، دیمک کی ملکہ کئی میل پھیلے اپنے کارکنوں کو بغیر کسی ظاہری واسطے کے پیغام دیتی ہے جو اس پیغام کو سننے کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں جبکہ دیمک اندھی ہوتی ہے۔ پتنگوں کی سینکڑوں اقسام کئی فرلانگ سے اپنے نر و مادہ کی مخصوص آواز یا بو سونگھ لیتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ مانا جاتا ہے تو اس بات کے ماننے میں کیا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیغام کو اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے ان سے بھی زیادہ مخفی طریقہ استعمال کرنے پر قادر ہے جسے وحی کہتے ہیں۔

Marfat.com

## وحی کے سچ ہونے کے دلائل:

وحی پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی آنے کا کوئی امکان نہیں اور جو بھی آپ ﷺ نے وحی کے نام پر کہا وہ آپ ﷺ کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں تھیں (نعوذ باللہ)۔ یہ الزام ونظریہ بالکل غلط ہے جس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہیں:

① نبی اکرم ﷺ پہلے نبی نہ تھے کہ جس پر وحی نازل ہوئی ہو۔ بلکہ آپ ﷺ انبیاء کے طویل سلسلے کی آخری کڑی تھے اگر پہلے انبیاء پر وحی آسکتی ہے تو آپ ﷺ پر کیوں نہیں آسکتی؟

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ﴾(۹)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس قوم کی زبان میں ہی بھیجا تا کہ وہ انھیں وحی کی باتیں واضح کردے۔''

② عرب نزول وحی کے منکر نہ تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ قرآن آپ ﷺ کی بجائے کسی اور پر کیوں نہ اتارا گیا۔

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ (۱۰)

''اور انھوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں کے کسی عظیم شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔''

③ امکان وحی کی تیسری دلیل سچے خواب ہوا کرتے ہیں جو بمطابق ارشاد نبوی نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ خواب تسلیم کیے جاسکتے ہیں تو وحی کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔

④ امکان وحی کی دلیل خود قرآن پاک کا معجزہ ہونا ہے کیونکہ اس جیسی مثال کوئی بھی نہ لا سکا۔ لہٰذا یہ ایک انسانی تخلیق نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے جو بذریعہ نبی اکرم ﷺ کو دیا گیا۔

⑤ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے مختلف پہلو بھی امکانات وحی پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نبوت سے پہلے پورے عرب معاشرے میں صادق وامین کے القاب سے معروف تھے۔ آپ ﷺ سے اس قسم کی بات کی توقع کرنا بھی ناممکن ہے کہ آپ ﷺ نے از خود قرآن گھڑا ہو اور پھر (نعوذ باللہ) اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ آپ ﷺ نے جب کسی چھوٹی سے چھوٹی بات میں غلط بیانی سے کام نہیں لیا اور کبھی کسی کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کی تو آپ ﷺ کے بارے میں کسی بڑے اور اہم معاملے میں غلط بیانی کا گمان رکھنا بیوقوفی، جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں بلکہ آپ ﷺ نے قرآن کی صورت میں جو کچھ اپنی قوم تک پہنچایا وہ سراسر وحی الٰہی پر مبنی ایک امانت ہے جس کا حق آپ ﷺ نے ادا کیا ہے۔

⑥ نبی کریم ﷺ نہایت شفیق اور نرم مزاج تھے جبکہ دوسری طرف آپ ﷺ اپنے مقصد میں اتنے مضبوط تھے کہ فرماتے تھے اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دو تو بھی میں پیچھے نہ ہٹوں گا۔ آپ ﷺ

Marfat.com

کا مقصد حصول دنیا یا تعیّشات زندگی نہ تھا بلکہ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے یا بعد میں کبھی بھی دنیا کی خواہش نہ کی تھی۔ اپنے مقصد میں اتنا مخلص اور مضبوط وہی شخص ہوسکتا ہے جس کی بنیاد کسی بہت بڑی حقیقت پر مبنی ہو۔ وہ حقیقت وحی الٰہی کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔

(۷) رسول کریم ﷺ تجارتی مقاصد کے علاوہ کبھی جزیرۃ العرب سے باہر گئے اور نہ ہی تجارتی سفر بذریعہ سمندر کیا جبکہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر سمندر کی ایسی باریک تفاصیل ملتی ہیں جو وحی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

(۸) نبی ﷺ نے وحی کی روشنی میں ایسی بستیوں کے حالات بتائے جن کو عرب جانتے تھے اور نہ ہی نبی ﷺ نے خود کبھی ان بستیوں کے آثار دیکھے تھے۔

﴿ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ○ وَثَمُودَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ○ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴾ (۱۱)

”(ارم جو بلند ستونوں والے تھے جن کی مانند شہروں میں کوئی پیدا ہی نہیں کیا گیا اور ثمود جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں اور میخوں والا فرعون۔“

آپ ﷺ تو کبھی ان بستیوں میں نہیں گئے پھر ان کی اتنی مکمل تصویر کشی کیسے ممکن ہوئی؟ اس کا جواب وحی کے سوا کچھ نہیں۔

(۹) آپ ﷺ کی گفتگو اور وحی کے الفاظ میں بہت فرق تھا۔ قرآن اور حدیث اپنے انداز و بیان میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ قرآن کا اپنا منفرد اسلوب ہے جو نظم ہے نہ نثر۔ جبکہ احادیث کا اپنا اسلوب بیان ہے۔

(۱۰) قرآن مجید میں ”قل“ بیسیوں مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کلام نبی کا اپنا نہیں بلکہ آپ ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ (۱۲)

(۱۱) بیشتر مقامات پر قرآن کا اسلوب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ کلام نبی نہیں۔ مثلاً: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ﴾ (۱۲)

”آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف نبی ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی بلکہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی مرضی یا خواہش کے خلاف بھی نازل ہو جاتی۔ یعنی وحی پر نبی ﷺ کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ تھا۔

(۱۲) واقعہ افک، ام المومنین، رسول اکرم اور صحابہ کرام کو ایک ماہ تک تڑپاتا و گرماتا رہا۔ غیب دان تو اللہ کی ذات تھی اس لیے آپ ﷺ کوئی حتمی فیصلہ نہ کر پائے اور نہ ہی آپ ﷺ وحی کے بغیر کچھ گھڑ کر اسے اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے۔ ورنہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اس واقعہ کے آغاز میں ہی کوئی اعلان برأت کر

Marfat.com

دیتے اور تکلیف دہ کیفیت سے بچ جاتے، لیکن اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ پر وحی ایک طویل وقفے کے بعد نازل ہوئی۔ اس دوران نبی ﷺ نے کسی قسم کی من گھڑت بات کا سہارا نہیں لیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خود بذریعہ وحی حقیقت واضح فرمادی۔ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا طویل انتظار ان پر نزول وحی کا ایک ثبوت تھا۔

(۱۳) قرآن میں جا بجا نبی ﷺ کو وحی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ (١٤)

''آپ پیروی کیجئے اس وحی کی جو آپ ﷺ کی طرف نازل کی جاتی ہے۔''

گویا آپ ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بحیثیت انسان وحی کی پیروی کے پابند تھے۔

(۱۴) قرآن مجید میں ہے کہ نبی ﷺ ایک انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔ اگر یہ نبی ﷺ کا کلام ہوتا تو کیا وہ اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرتے۔ تو کیا آپ ﷺ نے ایسا کیا؟

"قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ" (١٥)

''کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا محض ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔''

(۱۵) قرآن میں نہ صرف گزشتہ اقوام کے حالات وواقعات ہیں بلکہ کئی ایسی حقیقتوں کا ذکر بھی ہے جن سے اہل عرب بالکل نابلد تھے اور آج وہ ثابت شدہ ہیں، پھر بھی کلام الٰہی کی بجائے یہ انسانی تصنیف ہے؟۔

(۱۶) ہمارے دور میں انسان نے اپنی بات بہت تیزی اور مخفی انداز سے دوسرے تک پہنچانے کے آلات ایجاد کر لیے ہیں۔ جو ہزاروں میل دور بیٹھے چند سیکنڈ میں آواز وتحریر کو دوسرے تک بآسانی پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں الیکٹرانک ویڈیو میل و کانفرنس اور fax و سیٹلائٹ کمیونیکیشن، جی پی ایس، سیٹلائٹ فونز وغیرہ کا کردار نمایاں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی بات تیزی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ناممکن تھا۔ کہ جس کا بہت کم فہم صدیوں بعد انسان کو جا کر حاصل ہوا۔

(۱۷) وحی میں تضاد ملا اور نہ ہی آپ ﷺ کی گفتگو میں کہ جسے کسی نے آپ ﷺ کو باور کرایا ہو۔

(۱۸) اہل جاہلیت نے آپ ﷺ کو ساحر، کاہن، مجنون اور کذاب تک کہا۔ یہ تابڑ توڑ حملے آپ ﷺ کے خلاف ایک ایسا ماحول تیار کرنے کا حصہ تھے کہ کوئی بھی اسلام قبول نہ کر سکے۔ مگر کیا وہ کسی ایک الزام پر خود قائم رہ سکے یا انھیں اپنے الزام پر یقین تھا؟ نہیں! اس کے برعکس آپ ﷺ کو یقین تھا اور آنکھوں دیکھی نزول وحی کی کیفیات نے ایمان صحابہ کو عین الیقین دلا دیا تھا۔ مگر یہ نام اور پروپیگنڈے آپ کو اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکے۔ نہ ہی صحابہ کرام کا ایمان متزلزل ہوا۔ کفار یہ بھی جانتے تھے کہ جو مجنون ہے اس کے کذاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو کذاب ہے اس کا مجنون ہونا بھی ناممکن ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ The world family encyclopedia Unabridged Delux ,(1957),12/3426,
۲۔ القمر(۵۴)۲۴۔
۳۔ التغابن(۶۴)۶۔
۴۔ الاعراف(۷)۶۳۔
۵۔ یونس(۱۰)۲۔
۶۔ یٰس (۳۶)۷تا۹۔
۷۔ سید سابق،العقائد الاسلامیہ،(دارالکتاب العربی،بیروت)ص:۴۶۔
۸۔ الانعام(۶)۹۱۔
۹۔ ابراہیم(۱۴)۴۔
۱۰۔ الزخرف(۴۳)۳۱۔
۱۱۔ الفجر(۸۹)۷-۱۰۔
۱۲۔ الاخلاص(۱۱۲)۱۔۲۔
۱۳۔ الاحزاب(۳۳)۳۷۔
۱۴۔ الانعام(۶)۱۰۶۔
۱۵۔ الکہف(۱۸)۱۱۰۔

Marfat.com

## باب دوم:

# تدوین علوم القرآن

## فصل اول:

# علوم القرآن و تدوین علوم القرآن کا تعارف

### علوم القرآن کا مفہوم:

علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام، مفسرین اور مفکرین ملت نے گزشتہ چودہ سو سال کے دوران میں قرآن مجید کے حوالہ سے مرتب فرمائے ہیں۔(۱)

قرآن مجید میں واقع مختلف مباحث، مثلاً: نزول قرآن، وحی کا بیان، مصاحف میں اس کی کتابت، جمع اور تدوین، محکم و متشابہ آیات، مکی و مدنی سورتیں، اسباب نزول، قرآن کے الفاظ کی تفسیر و ترجمہ، ان کی اغراض و خصوصیات وغیرہ سے متعلق گفتگو کو ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ ان کا مقصد قرآن مجید کی تمام جزئیات، کلیات اور تصورات کو واضح کرنا اور سمجھنا ہے۔ اس علم کو اصول التفسیر بھی کہتے ہیں۔

### علوم القرآن کے اہم عنوانات:

امام زرکشی رحمۃ اللہ نے اپنی معروف کتاب البرہان میں علوم القرآن کے تینتالیس موضوعات شمار کر کے ان پر تفصیلی گفتگو چار ضخیم اجزاء میں کی ہے۔ علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی رحمۃ اللہ نے ان کی تعداد اسی (۸۰) شمار کی ہے اور ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے جبکہ کلام اللہ میں اور بھی بے شمار علوم ہیں جن کی تعداد تین سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان علوم میں سے چند کے نام یہ ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ① علم تجوید | ② علم محکم و متشابہ | ③ علم قراءت |
| ④ علم اسباب نزول | ⑤ علم رسم قرآنی | ⑥ علم اعجاز قرآن |
| ⑦ علم اعراب قرآن | ⑧ علم ناسخ و منسوخ | ⑨ علم مکی و مدنی |
| ⑩ علم غریب قرآن | ⑪ علم تفسیر | |

Marfat.com

## فوائد علوم القرآن:

علوم القرآن کے بے شمار فوائد ہیں۔مثلاً:

رسم قرآن کا علم بتاتا ہے کہ قرآن کی تحریر بتدریج اپنے کمال تک کن کن مراحل سے ہو کر پہنچی۔اس کی تشکیل کب اور کیسے ہوئی؟ اسی طرح احزاب، منازل، اجزاء اور ہر سورۃ کے نام وغیرہ کب، کیوں اور کیسے متعین ہوئے۔مصحف قرآنی کے مختلف خطوط کا تعین اور پھر کتابت جیسی دلچسپ باتیں یہی علم کرتا ہے۔

علم تجوید قرآن کریم کے طالب علم کو حروف کے صحیح مخارج و نطق کی معرفت دیتا ہے اور اس کی مشق کے بعد تلاوت قرآن یا سماع قرآن کی صحیح معرفت اور خاص ذوق قاری میں پیدا کر دیتا ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ تجوید کے بغیر قرآن کی تلاوت غیر مؤثر رہتی ہے۔

علم قراءت پر دسترس قاری قرآن کو اس تلاوت کا خوگر بناتی ہے جو ہادی برحق نے ترتیل سے کی تھی۔ اور جس کے مختلف طرز ادا تھے۔

اسباب نزول: آیات و سور کے پس منظر سے آگاہ کرتا اور ان کی تشریح و توضیح میں بھرپور معاونت کرتا ہے۔

ناسخ و منسوخ کا علم: قرآنی آیات میں بیان کردہ مخصوص حکم کی پہلی اور آخری نزولی ترتیب کا تعین کرتا ہے۔وہ ذات اپنی حکیمانہ تدبیر سے جو حکم چاہے، ابتداء میں نازل کر دے اور بعد میں اس حکم کو اٹھا لے اور اس کی جگہ زیادہ بہتر حکم نازل کر دے یا ویسا ہی حکم لا کر ہمارے ایمان کا امتحان لے۔عقل انسانی کو شاہد بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آیات و الفاظ میں سے جتنا چاہے باقی رکھے اور جو چاہے محو کر دے۔

مکی و مدنی آیات و سور کے علم سے اس تقسیم کی حکمتیں اور فوائد ظاہر ہوتے ہیں، قرآن مجید کیوں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا؟ عقائد اور احکام کے نزول میں تدریجی پہلو کیوں پیش نظر رکھے گئے؟ یہ علم روایات مختلفہ کو چھانٹنے اور ان کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔خاص طور پر دعوت اسلامی کے مراحل کو سمجھنے میں، تاکہ ہر علاقے اور ہر زمانے میں دعوت دین کے دوران داعی حضرات کو ان سے استفادہ کا موقع ملے۔یہ علم سیرت نبوی سے بھی آگاہ کرتا ہے۔نیز آیات اور الفاظ کے معنی و مفہوم میں امکانی تحریف کو یہی علم ہی کھنگالتا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے عربی زبان کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔وہ عربی زبان جو قرآن فہمی میں مدد دے۔ اس کی مددگار قرآن مجید و احادیث کی لغات، گرامر صرف و نحو اور احادیث نبویہ ہیں۔

تفسیر قرآن کے لیے یہ علوم کنجی کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ علوم طالب علم کو قرآن کے افہام و تفہیم میں اعتماد دیتے اور درست منہج عطا کرتے ہیں۔وہ نہ صرف ان سے عملاً مستفید ہوتا ہے بلکہ تعلیم و تعلم کا جذبہ بھی بیدار کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میری ہمت و قوت میں اضافہ کا سبب نہ صرف یہ پاک کلام ہے بلکہ فہم و عقل کو جلا بخشنے والی

Marfat.com

یہی مقدس کتاب ہے۔ اسی معنی میں قرآن کو آسان کتاب کہا گیا ہے۔ طالب علم کو یہی علوم، قرآن پر کیے گئے اعتراضات، تحریفات اور شبہات کا مدلل جواب دینے کی صلاحیت عطا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے اسرار و رموز، عقائد و احکام کا علم اور ان کی حکمتیں انہی علوم کی مرہون منت ہیں۔

## تدوین علوم القرآن کا مفہوم اور مختصر تاریخ:

قرآن کریم کے علوم کی بنیاد دور رسالت میں ہی رکھ دی گئی تھی جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہادی فہم سے استوار کیا اور بعد کے علماء نے اس کو مزید نکھارا۔ جس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

## تدوین سے قبل کا عہد:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا، سینوں میں محفوظ ہوا اور لکھا بھی گیا۔ اس عہد کے عرب حضرات کے لیے قرآن کا سمجھنا اور سمجھانا اس لیے آسان تھا کہ قرآن انہی کی زبان میں اترا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرب اور مخاطب قوم بھی عرب تھی۔ قرآن نے غیر عربوں کے لیے اپنے پیغام میں خاصی کشش رکھی جسے سمجھنا ان کے لیے بھی چنداں مشکل نہ تھا۔ یہود، نصاریٰ اور غیر عرب حضرات بھی دور رسالت میں قرآن کی سماعت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے بہتر انداز سے سمجھتے، پڑھتے، عمل کرتے اور سمجھاتے تھے۔ مثلاً:

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَـئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُوْنَ﴾ (۳) اتری تو ہم پریشان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ہم نے عرض کی، کہ اللہ کے رسول أینا لم یظلم نفسه؟ (ہم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مفہوم آیت کا تم سمجھ رہے ہو یہاں وہ مراد نہیں بلکہ یہ وہی ہے جو لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا تھا ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (۴)۔ (بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا یقیناً شرک کرنا بڑا ظلم ہے) یعنی ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ جانتے تھے کہ فلاں آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی، اس کا معنی و مفہوم کیا ہے کون سی آیت منسوخ ہو چکی ہے اور کن آیات متشابہات پر ہم نے صرف ایمان رکھنا ہے اور ان کی تاویل نہیں کرنی۔ اگر کوئی مشکل پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے جن سے وہ دریافت کر لیتے۔ اس لیے اس دور میں علوم قرآن متعارف کرانے یا انھیں مدون کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اور بھی کئی وجوہات تھیں۔ جن میں چند اہم درج ذیل ہیں:

- ...... اس دور میں اگرچہ قرآن سے متعلق علوم موجود تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے واقف بھی تھے لیکن ان

Marfat.com

علوم نے ابھی تک کوئی ایسی واضح شکل اختیار نہ کی تھی کہ ان کو باقاعدہ طور پر ضبطِ تحریر میں لایا جاتا۔

- ...... اس دور میں نزول قرآن کے ساتھ کتابت کا کام بھی ہو رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ تدوین میں مصروف تھے کہ کسی اور موضوع پر کوئی کام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
- ...... قرآن عربی زبان میں قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جو عربوں کی اپنی زبان تھی۔ اس لیے انھیں قرآن سے متعلق علوم مثلاً: علم التجوید، علم الاعراب، علم غریب القرآن وغیرہ سے بخوبی واقفیت حاصل تھی لہٰذا انھیں ان تمام علوم کو مدون کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔
- ...... ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن ان کے سامنے نازل ہوا تھا۔ انھیں بخوبی علم تھا کہ کونسا حصہ کس موقع پر اور کس پسِ منظر میں نازل ہوا اور یوں وہ علم تفسیر، ناسخ ومنسوخ، علم مکی و مدنی، علم وحی، علم اسباب نزول وغیرہ کے باب اچھی طرح جان چکے تھے۔
- ...... اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل زبان ہونے اور نزول قرآن کا شاہد ہونے کے باوجود کوئی مشکل پیش آ جاتی تھی تو وہ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل دریافت کرلیا کرتے تھے۔
- ...... علوم قرآن کو احاطہ تحریر میں لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے علاوہ کسی بھی قسم کی کتابت سے منع کیا تھا کیونکہ اس سے یہ احتمال تھا کہ وہ قرآن میں شامل ہو جائے گا۔ لہٰذا نہ صرف علوم القرآن کی کتابت بلکہ کسی بھی موضوع کی کتابت کی طرف توجہ نہ دی گئی۔

## تدوین کا عہد اور اس کا آغاز:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کے سلسلے میں جو علمی و تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں ان کا بنیادی مقصد، خدمت قرآن، اس کے صحیح فہم کی اشاعت کرنا اور کسی بھی کج فہمی کی ممکنہ شرارتوں سے قرآن مجید کو محفوظ رکھنا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی فضائل قرآن، علم تفسیر، علم رسم قرآن اور علم اعراب القرآن پر بہت کچھ کہا بھی گیا اور لکھا بھی گیا۔

## خلافت صدیقی و فاروقی رضی اللہ عنہما:

اس عہد میں علوم قرآن کی نشرواشاعت محض زبانی نہ رہی بلکہ تدوین کی ابتدا اس عہد میں ہی شروع ہوئی۔ صحابی رسول حضرت ابو المنذر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں میں قرآن مجید کی عظمت کو جاگزیں کرنے کے لیے فضائل قرآن پر ایک کتاب لکھی۔ اس میں دلوں کو نرمانے اور قرآن کی طرف مائل کرنے کے لیے اہم علمی نکات تھے۔ اسی طرح غیر عربی اقوام کو اصول دین سے آگاہ کرنے اور قرآن کے معنی و مفاہیم سے روشناس کرانے کے

Marfat.com

لیےعلم التفسیر کی تدوین بھی انھوں نے شروع کی۔ان کا انتقال عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں ہوا تھا۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ یا عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کی کتابیں ہیں۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا بھی علوم قرآن میں ایک قابل قدر حصہ ہے جوان کے ارشد تلامذہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ اور ابو العالیہ الریاحی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات سے تفاسیر میں سموئی جا چکی ہے۔ترجمان القرآن کا لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا۔

## خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ:

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی خلافت کی حدود جب غیر عربوں تک پھیلیں اور لوگ مسلمانوں کے کردار، اخلاق اور نیکی و پاکیزگی سے متاثر ہوکر اسلام میں جوق در جوق داخل ہوئے تو انھیں بھی قرآن مجید کو پڑھنے سمجھنے کا شوق ہوا۔یہ نئے لوگ عربی زبان سے نابلد، قرآن مجید کے نزول کی اہمیت سے ناآشنا اور جو حالات نزول قرآن کے دوران میں پیش آئے ان سے بھی ناواقف تھے۔انھیں شوق تلاوت تو تھا مگر عربی لہجہ کے نہ ہونے سے ان کا غیر عربی لہجہ تلاوت کلام پاک میں آہستہ آہستہ عام ہوگیا۔نیز اس وقت جو قرآن لکھا ہوا تھا اس کا رسم الخط بھی کچھ ایسا تھا جو تلاوت قرآن میں اختلاف کو عام کرنے کا سبب بنا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جس لغت اور خط کو اس امت کے لیے پسند فرمایا اسے رسم عثمانی کہا جاتا ہے جو علوم قرآن کی ایک قسم ہے۔اسے علم رسم القرآن بھی کہا جاتا ہے۔اس طرح اس علم کا پہلا تعارف ہوا۔

## خلافت علی رضی اللہ عنہ:

عربی زبان ولہجہ کی حفاظت اور قراءت قرآن میں لحن سے بچاؤ اور صحیح نطق کے لیے چند پیشگی اقدامات اٹھانے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی مجبور ہوئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود الدؤلی کو بعض بنیادی اصولوں کی رہنمائی کرتے ہوئے قرآن مجید کے اعراب سمجھائے۔اس رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دؤلی نے نقط مصاحف پر ایک مختصر رسالہ لکھا۔جو علم اعراب القرآن کا نقطۂ آغاز تھا جس کے مؤسس سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔

تدریس و تعلیم کے ذریعے بھی علوم قرآن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام کیا ان میں خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔مزید ان کے چند لائق شاگردوں نے ان کی چھوڑی ہوئی اس وراثت کو خوب اشاعت دی یہ سب تابعین تھے۔ان میں سرفہرست ابن المسیب، مجاہد، عطاء، عکرمہ، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر اور زید بن اسلم رحمہم اللہ ہیں۔عہد تابعین میں پہلی تفسیر سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ان کے بعد ابو العالیہ، رفیع بن مہران الریاحی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی تفسیر لکھی۔یہ دونوں حضرات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں یحیٰ بن یعمر (۸۹ھ/۷۰۷ء) نے کتاب فی القراءت کو مرتب کیا۔

Marfat.com

## دوسری صدی ہجری اور علوم القرآن کے مباحث کا آغاز:

صحابہ وتابعین نے علوم القرآن کی بنیاد رکھ کر مزید فکر و عمل کی راہیں کھولیں۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں علوم قرآن کی تدوین پر سب سے زیادہ کام قرآن کے خاص خاص موضوع اور مختلف مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کے سلسلے سے شروع ہوا۔ ہر موضوع پر بلند پایہ ائمہ نے اپنی نگارشات پیش کیں۔ جن میں اسباب نزول، غریب القرآن، ناسخ ومنسوخ، علم قراءت، متشابہ قرآن، اعراب ومعانی قرآن اور علم تفسیر پر لاتعداد کتب تھیں۔

کتب حدیث میں آپ ﷺ کی تفسیر یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفاسیر، بذریعہ روایات معمولی جگہ پا سکیں۔ اس لیے علماء تفسیر نے علم التفسیر پر لکھنا شروع کیا۔ جن میں کسی ایک سورۃ کی یا چند آیات کی یا مکمل قرآن مجید کی تفسیر تھی۔ ان تفاسیر میں ضمناً مباحث علوم قرآن بھی آ گئے۔ کچھ علماء کے تفسیری نکات بھی مروی ہیں ان میں امام شعبہ بن الحجاج البصری رحمہ اللہ، امام مالک بن انس رحمہ اللہ، امام حجاز سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ اور یگانہ روزگار مجاہد امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ شامل ہیں۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے صرف تفسیری موضوع کو اختیار کیا اور اس پر بہت کچھ لکھا۔ ان میں سرفہرست امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ/۹۲۲ء) ہی نظر آتے ہیں جن کی تفسیر "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" تفسیر بالماثور میں ایک وقیع اور عمدہ کتاب ہے۔ ابوعمارہ حمزہ بن حبیب الزیات الکوفی (م ۱۵۶ھ) آپ نے "کتاب القراءت" لکھی۔

## علوم القرآن کے عنوانات کی ابتدائی کتب اور مولفین:

اسباب نزول پر ایک کتاب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، سیدنا عکرمہ رحمہ اللہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ (م ۱۰۷ھ/۷۲۵ء) نے لکھی۔ علم القراءت اور نزول قرآن پر حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ/۷۲۸ء) نے اور غریب القرآن پر ابومحمد عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (م ۱۱۴ھ/۷۳۲ء) نے اور کتاب الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ، عواشر القرآن قتادہ بن دعامہ السدوسی رحمہ اللہ (م ۱۱۷ھ/۷۳۵ء) نے لکھیں، اور عبداللہ بن عامر الیحصبی (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء) نے اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق رقم کی۔ عطاء بن ابی مسلم خراسانی نے الناسخ والمنسوخ لکھی، ابان بن تغلب رحمہ اللہ (م ۱۵۱ھ/۷۶۸ء) نے بھی قرآن کے غریب الفاظ کو جمع کیا اور غریب القرآن کتاب تصنیف کی۔ اس صدی میں مشہور مفسر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمان البلخی رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) نے وجوہ حرف القرآن، کتاب اللغات فی القرآن اور کتاب الجوابات فی القرآن اور علامہ حسین بن واقد المروزی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ/۷۷۳ء) نے قرآن کے ناسخ ومنسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب لکھی۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عیسیٰ رحمہ اللہ (م ۱۶۰ھ/۷۷۶ء) نے غریب القرآن پر چھ جلدوں پر مشتمل نہایت جامع کتاب لکھی۔ نقط مصاحف پر امام لغت خلیل بن احمد بصری رحمہ اللہ (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء) نے کتاب لکھی۔ قراءت کے موضوع پر ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ نے

Marfat.com

کتاب القراءت تصنیف کی۔ امام ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی رحمۃ اللہ (م ۱۸۹ھ/۸۰۴ء) نے بھی سب سے پہلے متشابہ آیات پر کتاب علم آیات المتشابہات لکھی۔

## تیسری صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- ابوعلی محمد مستنیر المعروف القطرب (م ۲۰۶ھ/۸۲۱ء) نے اعراب القرآن پر کتاب لکھی۔
- اس صدی میں ابوعبیدہ معمر بن مثنی (م ۲۱۰ھ/۸۲۵ء) نے ''اعراب القرآن'' اور ''مجاز القرآن'' تحریر کیں۔
- ابو معاذ الفضل بن خالد المروزی (م ۲۱۱ھ/۸۲۶ء) نے ''کتاب القراءت'' کو تحریر کیا۔
- علم القراءت، فضائل القرآن اور الناسخ والمنسوخ پر ابوعبیدہ القاسم بن سلام رحمۃ اللہ (م ۲۲۴ھ/۸۳۸ء) نے کتب لکھیں۔ اعراب و معانی قرآن پر سب سے جامع کتاب بھی انہی کی ہے۔
- ابوجعفر محمد بن ابراہیم سعدان بن مبارک الکوفی (م ۲۳۱ھ) نے ''کتاب القراءت'' لکھی۔
- امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ (م ۲۳۴ھ/۸۴۸ء) نے 'اسباب النزول' لکھی۔
- ابراہیم بن محمد بن سعدان بن مبارک بغدادی (م ۲۵۰ھ) نے ''حروف القرآن'' لکھی۔
- ابن قتیبہ رحمۃ اللہ (م ۲۷۶ھ/۸۸۹ء) نے تاویل مشکل القرآن اور تفسیر غریب القرآن پر کتب لکھیں۔
- ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الحربی (م ۲۸۵ھ/۸۹۸ء) نے کتاب ''سجود القرآن'' تحریر کی۔
- احمد بن یحی بن زید بن یسار النحوی (م ۲۹۱ھ) نے ''غریب القرآن'' کے نام سے کتاب لکھی۔
- ابوعبداللہ محمد بن ایوب بن یحی الرازی (م ۲۹۴ھ) نے ''فضائل القرآن'' تحریر کی۔
- محمد بن ایوب (م ۲۹۴ھ/۹۰۶ء) نے مکی و مدنی سورتوں کے بارے میں کتاب لکھی۔
- ابوالیسیر ابراہیم بن احمد البغدادی (م ۲۹۸ھ/۱۰۰۶ء) نے ''سراج الھدی فی القرآن ومشکلہ واعرابہ'' تحریر کی۔

الغرض تیسری صدی ہجری تک قرآن کے مختلف علوم پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ ابتدائی دور کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن دیگر کتابیں جو عہد قریب میں لکھی گئیں ان میں بہت سا سرمایہ ان کتب کا آ گیا ہے۔ علوم قرآن پر کام آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن ابتدائی تین صدیوں کی تصنیفات کا مقابلہ بعد کی کتب نہیں کر سکتیں۔

یہ تو تھی ایک مختصر تاریخ جس میں بتدریج ایک ایک موضوع پر علمی و فکری آراء آتی گئیں جنھیں بعد میں یکجا کر کے علوم القرآن کا عنوان دیا گیا۔

Marfat.com

## چوتھی صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- تیسری صدی ہجری کے اختتام پر اور چوتھی صدی کی ابتداء میں مشہور نحوی محمد بن یزید الواسطی رحمہ اللہ (م ۳۰۶ھ/۹۱۸ء) نے اعجاز القرآن فی نظمہ کے نام سے قرآن کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو بہت مشہور ہے۔
- ایک رائے یہی ہے کہ لفظ علوم القرآن کا سب سے پہلے استعمال محمد بن خلف بن المرزبان رحمہ اللہ (م ۳۰۹ھ/۹۲۱ء) نے الحاوی فی علوم القرآن رکھ کر کیا۔
- اس صدی میں بھی اکثر علماء نے علوم القرآن پر بے شمار کتابیں لکھیں۔ جن میں:
- ابوبکر السجستانی رحمہ اللہ (م ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) ''غریب القرآن'' کے مؤلف ہیں۔ اس کتاب کی تالیف پر انھوں نے اور ان کے استاد ابوبکر بن الانباری رحمہ اللہ نے پندرہ سال صرف کیے۔
- ابوعبداللہ ابراہیم بن محمد بن عرفہ بن سلیمان (م ۳۲۳ھ/۹۳۵ء) نے ''غریب القرآن'' لکھی۔
- احمد بن موسی بن العباس ابوبکر البغدادی (م ۳۲۳ھ/۹۳۵ء) نے ''کتاب الحجۃ فی شرح القرآء السبعہ'' لکھی۔
- امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ/۹۳۵ء) کی "المحتزن فی علوم القرآن" یہ خاصی ضخیم تصنیف ہے جو علوم القرآن کے مختلف مباحث پر مشتمل ہے۔
- ابو بکر احمد بن موسی بن عباس (۳۲۴ھ/۹۳۵ء) نے ''السبعہ فی منازل القراء'' اور ''اختلاف قراء الامصار'' کو تحریر کیا ہے۔
- ابوبکر محمد بن قاسم الانباری رحمہ اللہ (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) ''عجائب علوم القرآن'' کے مصنف ہیں۔ اپنی اس کتاب میں فضائل قرآن، حروف سبعہ، کتابت المصاحف، تعداد سور، آیات اور کلمات جیسے مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں مصاحف کی کتابت اور آیات وکلمات اور سورتوں کی تعداد بھی ذکر کی ہے۔
- احمد بن جعفر بن محمد بن عبداللہ البغدادی (م ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) نے ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' رقم کی۔
- ابوالحسین احمد بن جعفر البغدادی (۳۳۴ھ/۹۴۵ء) نے ناسخ القرآن ومنسوخہ کو تحریر کیا۔
- ابوبکر محمد بن یحییٰ الصولی (م ۳۳۵ھ/۹۴۶ء) نے ''الشامل فی علم القرآن'' کے موضوع سے کتاب لکھی۔
- ابوالحسین احمد بن جعفر بن المناوی (م ۳۳۶ھ/۹۴۷ء) نے ''متشابہ القرآن'' تحریر کی۔
- احمد بن محمد بن اسماعیل بن یونس المرادی (م ۳۳۸ھ/۹۴۹ء) نے ''تفسیر القرآن'' لکھی۔
- احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ البغدادی (م ۳۵۰ھ/۹۶۰ء) نے ''غریب القرآن'' لکھی۔

Marfat.com

- ابو محمد القصاب محمد بن علی الکرخی رحمہ اللہ (م۳۶۰ھ/۹۷۱ء) کی تالیف ''نکت القرآن'' ہے۔ اس میں قرآن مجید کے مختلف علوم، احکام اور اختلافی نکات کی وضاحت کی گئی ہے۔
- ابو بکر محمد بن حسن المقری (۳۶۲ھ/۹۷۳ء) نے ''اسبعۃ الاصغر فی القراءات'' لکھی۔
- حافظ ابو الحسین محمد بن محدم النیسابوری المقری (م۳۶۸ھ/۹۷۹ء) نے ''ناسخ القرآن ونسوخہ'' لکھی۔
- ابو علی حسن بن احمد الفارسی (م۳۷۷ھ/۹۷۸ء) نے ''کتاب الحجۃ فی تعلیل القرآءات'' لکھی۔
- ابو بکر احمد بن الحسین بن مھران المصری المالکی (م۳۸۱ھ/۹۸۲ء) نے 'الغایۃ فی القرآ ی کتاب سجود القرآن' لکھی۔
- ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی (۳۸۵ھ/۹۹۵ء) نے ''کتاب القراءت'' لکھی
- ابو عبید اللہ بن جرواسدی رحمہ اللہ (م۳۸۷ھ/۹۹۷ء) نے "الامدفی علوم القرآن" لکھی۔
- محمد بن علی اوفوئی (م۳۸۸ھ/۹۹۸ء) نے کتاب "الاستغناء فی علوم القرآن "تصنیف لکھی۔
- احمد بن علی بن احمد بن محمد بن فرج الشافعی (م۳۹۸ھ/۱۰۰۸ء) نے ''آیات القرآن علی ترتیب السور'' لکھی۔

## پانچویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

یہی سلسلہ پانچویں صدی ہجری میں بھی جاری رہا۔

- احمد بن محمد بن عبد الرحمٰن الھروی (م۴۰۱ھ/۱۰۱۵ء) نے ''جمع فی تفسیر غریب القرآن والحدیث'' لکھی۔
- قاضی ابو بکر باقلانی (م۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء) نے ''اعجاز القرآن'' کے نام سے عمدہ اور جامع کتاب مرتب کی۔
- ابو القاسم الحسن بن محمد نیشاپوری (م۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء) نے کتاب ''التنزیل وترتیبہ'' کو مرتب کیا۔
- ابی الحسن محمد بن الحسین البغدادی (م۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء) نے ''المتشابہ فی القرآن'' لکھی۔
- ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی (م۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء) نے کتاب ''الدبانہ فی الوقف والابتداء'' کو تحریر کیا۔
- ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامہ البغدادی (م۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء) نے ''ناسخ القرآن والمنسوخہ'' لکھی۔
- احمد بن عبد القادر بن سعید بن احمد المالکی (۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء) نے ''تحقیق فی القراءات السبع فی سفرین'' کتاب لکھی۔
- احمد بن رضوان بن محمد بن جالینوس البغدادی (م۴۲۳ھ/۱۰۳۲ء) نے ''واضح فی القراءات العشر من غایۃ النھایۃ'' کتاب لکھی۔
- ابو العباس احمد بن عمار المھدی (م۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) نے ''الھدایہ فی القراءات'' تحریر کی۔

Marfat.com

- کتاب اعجاز القرآن جو منظر عام پر آئی وہ علی بن ابراہیم الحوفی رحمہ اللہ (م ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) کی تھی۔ جس کا نام انھوں نے ''البرہان فی علوم القرآن'' رکھا۔ اسی طرح انھوں نے ''اعراب القرآن'' نامی ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ بعد کی صدیوں میں اعراب القرآن پر بہت سی کتب لکھی گئیں۔
- احمد بن عبداللہ بن طالب الشلمنکی (م ۴۳۹ھ/۱۰۴۷ء) نے ''الھدایہ فی القراءات'' کتاب لکھی۔
- احمد بن مسرور ابونصر البغدادی (م ۴۴۲ھ) نے ''المفید فی علم القراءات العشرۃ'' کتاب لکھی۔
- امام ابوعمرو عثمان بن یعقوب الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء) کی تصنیف ''مفردات القرآن'' لاجواب ٹھہری۔ جس کا نام " التیسیر فی القرأن السبعة" اور " الحکم فی النقط" ہے۔
- احمد بن علی بن عبداللہ المقری البغدادی (م ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) نے ''قصیدہ فی آی القرآن'' کتاب لکھی۔
- ابوعلی الحسین بن علی (م ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) نے ''الوجیز فی القرآءات الثمانیہ'' لکھی۔
- امام ماوردی (م ۴۵۰ھ/۱۰۵۹ء) نے امثال القرآن لکھی۔
- ابوالقاسم عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب القرطبی (م ۴۶۱ھ/۱۰۶۸ء) نے ''المفتاح فی القرآءات العشرۃ'' لکھی۔
- ابوالحسن علی بن فضال القیروانی (م ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء) نے ''الاکسیر فی علم التفسیر'' لکھی۔
- احمد بن علی بن سوار ابو طاہر البغدادی (م ۴۹۹ھ/۱۱۰۵ء) نے ''المستنیر فی القرآءة العشرة البواہیر'' کتاب لکھی۔

## چھٹی صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- امام ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) نے ''مفردات القرآن'' کو مرتب کیا۔
- ابوعبداللہ محمد بن یحیٰ بن مزاحم الانصاری (م ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) نے ''الناہج للقرآت باشہر الروایات'' لکھی۔
- ابوجعفر احمد بن عبد الرحمٰن بن محمد المالکی (م ۵۱۳ھ/۱۱۱۸ء) نے ''تنزیہ القرآن عما لایلیق بالبیان'' کتاب لکھی۔
- ابوعبداللہ محمد بن برکات (م ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء) نے ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' کو مرتب کیا۔
- احمد بن علی اندلسی ابوجعفر المالکی (م ۵۳۰ھ/۱۱۳۵ء) نے ''الاقناع فی القراءات سبع'' کتاب لکھی۔
- احمد بن معد بن عیسیٰ بن وکیل (۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء) نے ''حقائق الصفات والاسماء'' کتاب لکھی۔
- نجم الدین ابوالقاسم محمد بن علی النیشاپوری القزوینی (م ۵۵۳ھ/۱۱۵۸ء) نے باہر البرہان فی مشکلات معانی القرآن لکھی۔

Marfat.com

- الحسن بن احمد بن علی بن الحسن (م ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء) نے ''غایۃ الاختصار فی قرأۃ العشر لائمۃ الاعصار'' لکھی۔
- ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) نے ''مبہمات القرآن'' کے نام سے کتاب تحریر کی۔
- ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر المدینی (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) ''المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث'' لکھی۔
- علامہ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) کی کتاب ''فنون الافنان فی علوم القرآن'' اس فن کی بہت مشہور کتاب ہے۔ موصوف بہت بڑے مفسر، محدث، فقیہ اور ماہر نفسیات تھے، موصوف کی کتاب کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ موصوف نے اسی موضوع پر ایک اور کتاب ''المجتبیٰ فی علوم تتعلق بالقرآن'' بھی رقم کی تھی۔

## ساتویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- احمد بن محمد بن ابی المکارم الواسطی (م ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء) آپ نے ''کتاب الجمہرہ فی القرآت العشرۃ'' لکھی۔
- ابن الدقان ابی الحسن علی بن القاسم الدمشقی (م ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء) نے ''مفرادت القرآن'' لکھی۔
- ابو طاہر طاہر اسماعیل بن خلف انصاری (م ۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء) نے ''اکتفاء فی القرآءات کتاب'' لکھی۔
- محمد بن اسحاق القونوی (م ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء) نے ''اعجاز القرآن فی کشف بعض اسرار ام القرآن'' لکھی۔
- احمد بن محمد بن شہاب الدین ابو جعفر (م ۶۲۸ھ/۱۲۳۰ء) نے ''رقات المہرۃ فی تتمۃ القرآءات العشرۃ'' کتاب لکھی۔
- موفق الدین عبد الطیف بغدادی (۶۲۹ھ/۱۲۳۱ء) نے ''الواضحہ فی اعراب الفتحۃ'' لکھی۔
- ابو الفضل احمد بن محمد الحنفی (م ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء) نے ''اذکار القرآن فی الادعیۃ'' لکھی۔
- علم الدین السخاوی (م ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) نے ''علم القرآن'' کو قلمبند کیا اسی طرح رسم الخط کے عنوان کی مناسبت سے ''الوسیلہ الی کشف العقلیۃ'' کو تحریر کیا تھا۔
- العز بن عبد السلام (۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء) نے ''مجاز القرآن'' پر قلم اٹھایا۔
- ابو الفضائل احمد بن محمد الرازی (م ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء) نے ''لطائف القرآن'' کے نام سے کتاب لکھی۔
- ابو شامہ مقدسی (م ۶۶۵ھ/۱۲۶۶ء) نے ''المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز'' لکھی۔
- ابو عبد اللہ احمد بن عبد اللہ بن الزبیر (م ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) نے ''الدرر النضیر فی التجوید'' کتاب لکھی۔

Marfat.com

- اسماعیل بن محمد بن محمود المعروف بخواہر زادہ (م ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء) نے ''منہاج البیان فی تفسیر لغات القرآن'' تحریر کی۔

## آٹھویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- احمد بن ابراہیم بن الزبیر الثقفی (م ۷۰۸ھ/۱۳۰۸ء) نے ''البرہان فی تناسب سور القرآن'' لکھی۔
- ابوجعفر بن زبیر غرناطی (م ۷۰۸ھ/۱۳۱۰ء) کی ''البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن'' ہے۔
- احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی بن اسحاق (م ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء) نے ''ادب القاضی، تحفۃ الاصحاب'' لکھی۔
- احمد بن محمد ابو المکارم (م ۷۲۶ھ/۱۳۲۵ء) نے ''نجم القرآن فی تاویلات القرآن'' لکھی۔
- کمال الدین زملکانی (م ۷۲۷ھ/۱۳۲۶ء) کی ''البرہان فی اعجاز القرآن'' کو درج کیا۔
- ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) نے ''مقدمہ فی اصول التفسیر'' کو مرتب کیا نیز ''الاکلیل'' بھی انہی کی کتاب ہے۔
- احمد بن محمد بن جبارہ المرداوی المقدسی (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) نے ''شرح الشاطبیہ فی القرآت'' لکھی
- ابراہیم بن عمر بن ابراہیم بن خلیل دمشق (۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) نے ''حدود الاتقان فی تجوید القرآن'' لکھی۔
- برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعفری (۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) نے ''نہج الدماء فی نظم القرآءت الثلاثۃ'' لکھی۔
- شمس الدین محمد بن الجزری (م ۷۳۳ھ/۱۳۳۶ء) نے ''ھدیۃ المھرۃ فی الذکر الائمۃ العشرۃ المشتھرۃ'' لکھی۔
- یحی بن عبد اللہ (م ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) نے ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' کو مرتب کیا۔
- احمد بن احمد بن احمد بن عامر اندلسی (م ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) نے ''توسط المانزل فی الشھور بمعرفۃ وقت الفجر والسحو رمنظومۃ'' لکھی۔
- شیخ یحی بن عبد اللہ بن عبد المالک الواسطی الشافعی (م ۷۳۸ھ/۱۳۴۰ء) نے ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' لکھی۔
- محمد بن احمد الغرناطی (م ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء) نے ''التسہیل لعلوم التنزیل'' لکھی۔
- امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) نے ''طبقات القراء'' کو تحریر کیا۔
- شیخ جمال الدین قاسمی (۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء) نے ''محاسن التاویل'' کو تحریر کیا۔
- ابن قیم (۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی ''البیان فی اقسام القرآن'' بہت علمی حقائق پر مبنی ہے۔
- ابو احمد عبد الصمد البغدادی (م ۷۶۲ھ/۱۳۶۰ء) نے ''اکسیر فی التفسیر'' تحریر کی۔
- العز الدین عبد العزیز بدر الدین محمد بن ابراہیم الکنانی الشافعی (م ۷۶۷ھ/۱۳۶۵ء) نے ''نزھۃ الالباب فیما لا یوجد فی الکتاب'' تحریر کی۔
- زین الدین شرجا بن محمد (م ۷۸۸ھ/۱۳۸۶ء) نے ''نہایۃ الجمع فی القراءات السبع'' لکھی۔

Marfat.com

- ابو العباس احمد بن عمر بن محمد الشافعی (م ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) نے ''عقد البکر فی نظم غریب الذکر منظوعۃ فی غرایب القرآن'' لکھی۔
- بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی (م ۷۹۴ھ/۱۳۹۱ء) نے ''البرہان فی علوم القرآن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

## نویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- برہان الدین ابراہیم بن موسی بن بلال بالکرکی (م ۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء) نے ''الایۃ فی معرفۃ الوقف الامالۃ فی القراۃ'' لکھی۔
- احمد بن محمد بن منصور الاشمونی المصری (م ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء) نے ''تحفۃ الادبیۃ فی علم العربیۃ'' لکھی۔
- ابوالعباس احمد بن محمد الھائم (م ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء) نے ''التبیان فی تفسیر غریب القرآن'' لکھی۔
- جلال الدین البلقینی رحمہ اللہ (م ۸۲۴ھ/۱۴۲۱ء) نے زرکشی کی البرہان میں تھوڑا بہت اضافہ کر کے ''مواقع العلوم من مواقع النجوم'' کے نام سے کتاب لکھی۔
- محمد بن جزری (م ۸۳۳ھ/۱۴۲۹ء) نے ''مقدمہ جزریہ اور بقات القراء'' کو رقم کیا۔
- احمد بن علی بن عبداللہ الدلجی الشافعی (۸۳۸ھ/۱۴۳۴ء) نے ''مع زوائد فی مجلدین کتاب الفلاکۃ والمفلوسین'' لکھی۔
- احمد بن امین الدین حسین بن الحسن المقدسی (م ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) نے ''شرح طیبۃ النشر فی القرءات'' لکھی۔
- شہاب الدین احمد بن حسین رملی (م ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) نے ''نظم القرآءت الثلاث الزوائدہ علی السبع'' لکھی۔
- ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) نے ''اسباب نزول'' لکھی۔
- لفتح الدین محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد المدنی الشافعی (م ۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء) نے ''کتاب نظم القرآت العشر'' تحریر کی۔
- محمد بن سلیمان کافیجی (م ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء) نے ایک کتاب ''التیسیر فی قواعد التفسیر'' تصنیف کی اس کا ذکر امام سیوطی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔
- شہاب الدین احمد بن اسماعیل مصری (۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء) نے ''ناسخ القرآن و منسوخہ'' کو مرتب کیا۔
- برہان الدین البقاعی (م ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء) کی ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' ہے۔
- ابراہیم بن عمر بن الحسن الرباط (م ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء) نے ''کتب الاباحۃ فی شرح الباحۃ'' لکھی۔
- زین الدین ابوالفتح جعفر بن ابراہیم القرشی (م ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء) نے ''الجامع المفید فی صناعۃ التجویز'' لکھی۔

Marfat.com

## دسویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- دسویں صدی ہجری کے آغاز میں سابقہ تمام علوم قرآنی کی ایک جامع وشامل کتاب لکھنے کا شرف امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) کو حاصل ہوا۔ جس کا نام انھوں نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' رکھا۔
- احمد بن محمد بن رمضان الرومی (م ۹۳۴ھ/۱۵۲۷ء) نے ''اعراب القرآن'' لکھی۔
- علاؤالدین بن یحیی الشیرازی (م ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) نے ''اسئلۃ القرآن واجوبتھا'' تحریر کی۔
- احمد بن محمد بن عمران الباہلی (م ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء) نے ''کتب فتح الرحیم لکشف مایلبس من کلامہ القدیم فی اسئلۃ القرآن'' لکھی۔
- خطیب الروم (م ۹۵۹ھ/۱۵۵۲ء) نے ''رسوخ اللسان فی حروف القرآن'' کے نام سے کتاب لکھی۔
- زین العابدین محمد بن محمد العمری (م ۹۶۵ھ/۱۵۵۷ء) نے 'الابریز الخاص فی فضائل السجلۃ وسورۃ الاخلاص'' لکھی۔
- احمد بن محمد بن احمد بن المرزبان (م ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء) نے ''مفید فی علم التجوید'' لکھی۔

## گیارہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- علامہ سلطان محمد القاری (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے ''الفیض المعین علی جمع الاربعین فی فضل القرآن المبین'' لکھی۔
- ابوسعد زین الدین منصور طبلاوی ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے ''الشمعۃ المضیۃ'' لکھی
- مرعی بن یوسف (۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء) نے ''قلائد المرجان فی بیان الناسخ والمنسوخ فی القرآن'' لکھی۔
- محمد بن محمد المتخلص (م ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء) نے ''النظم المبین فی الایات اربعین'' لکھی۔
- ابومحمد بن عبدالعزیز بن ابی الطیب المالکی (م ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء) نے ''کتاب النوازل والاحکام'' تحریر کی۔
- ابراہیم بن محمد بن عبدالرحمٰن السوہائی الازہری (م ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء) نے ''الدر المشورہ فی قرآءۃ ابی عمرو المشہور'' لکھی۔
- ابومحمد بن عبدالواحد المعروف ابن عاشر (۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء) نے ''الخلان بتکمیل مورد الظمآن'' تحریر کی۔

## بارہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- عبدالرحمٰن بن محمد التریعی الیمنی (م ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء) نے ''کتاب المحرر فی التکبیر عقب السور'' نے لکھا۔

Marfat.com

- احمد بن محمد الدمیاطی (۱۱۱۷ھ/۱۷۰۵ء) نے ''اتحاف فضلاء البشر فی القرآت الاربعۃ عشر'' لکھی۔
- مراد بن سعید علی بن داؤد (م ۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء) نے ''مفردات القرآن'' تحریر کی۔
- احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے ''الفوز الکبیر'' لکھی۔
- شیخ احمد بن محمد السحیمی المصری الشافعی (۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء) نے ''لباب الطالبین شرح الاربعین'' لکھی۔
- ابوالحسن علی بن محمد النوری (۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء) نے ''تنبیۃ الغافلین وارشاد الجاھلین'' لکھی۔
- سعید محمد بن عبد اللہ القاضی الرومی (م ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) نے ''لب التفاسیر فی معرفۃ اسباب النزول والتفسیر'' لکھی۔
- شیخ سلیمان (۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء) نے ''تحفۃ الاطفال والغلمان فی تجوید القرآن'' لکھی

## تیرھویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- احمد بن محمد بن احمد بن ابی حامد العدوی (م ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء) نے ''رسالۃ فی متشابہات آیات القرآن'' تحریر کیا۔
- محمد بن عبد الوھاب (م ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء) نے ''فضائل القرآن'' لکھی۔
- عبد الباسط بن رستم علی القنوجی (۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) نے ''عجب البیان فی علوم القرآن'' لکھی۔
- احمد بن ادھم القسطنطینی الرومی التشریفاتی (م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) نے ''رسالۃ فی متشابہات آیات القرآن'' تحریر کی۔
- محمود بن محمود الجزائری (م ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) نے ''العلم الفرید فی علم التجوید'' تحریر کی۔

## چودھویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

چودھویں صدی ہجری میں بہت سے علماء نے علوم قرآن پر کام کیا۔

- احمد کمال باشا الوزیہ احمد اعیان وکلاء الدولۃ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) نے ''النوادر والطائف فی تفسیر آیات'' لکھی۔
- محمد بن احمد الاسکندرانی الطیب دمشق (۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) نے ''کشف الاسرار النورانیہ القرآنیہ فیما یتعلق بالاجرام السماویہ والارضیہ والحیوان والنبات والجواھر المعدنیۃ'' لکھی۔
- نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) نے ''نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام'' لکھی۔
- سرسید احمد خان (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) نے ''التحریر فی اصول التفسیر'' کو رقم کیا۔
- محمود آلوسی (۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء) نے ''ما دل علیہ القرآن مما یعضد الھیئۃ الجدیدۃ القویۃ بالبرھان'' لکھی۔
- حمید الدین فراہی (م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) کی ''الامعان فی اقسام القرآن'' اہم تصنیف ہے۔

Marfat.com

- مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (م۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) نے ''مشکلات القرآن'' رقم کی۔
- مصطفیٰ صادق الرافعی رحمہ اللہ (م۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) کی کتاب ''اعجاز القرآن'' ہے
- عبدالعظیم زرقانی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء) نے ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' لکھی۔
- محمود علی سبۃ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء) نے ''العمید فی علم التجوید'' لکھی۔
- محمود صافی (۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء) نے ''الجدول فی اعراب القرآن'' تحریر کی۔
- سید قطب رحمہ اللہ (۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) کی کتاب "التصوير الفنى فى القرآن" ہے
- محمد حسین الذھبی (۱۳۹۸ھ/۱۹۷۷ء) نے ''التفسیر والمفسرون'' لکھی۔

## پندرہویں صدی ہجری کی مشہور کتب علوم القرآن:

- محمد طاہر کردی (۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء) نے ''تاریخ القرآن الکریم'' لکھی۔
- عبدالفتاح القاضی (۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء) نے ''الفوائد الحسان فی عدآی القرآن'' لکھی۔
- صبحی صالح (۱۴۰۷ھ/۱۹۸۵ء) نے ''مباحث فی علوم القرآن'' لکھی۔
- عبدالفتاح بن السید العجمی (م۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء) نے ''ھدایۃ القاری الی تجوید کلام الباری'' لکھی۔
- مناع القطان (۱۴۲۰ھ/۱۹۹۴ء) نے ''مباحث فی علوم القرآن'' لکھی۔
- محمد بن صالح العثیمین (۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) نے ''شرح مقدمہ اصول فی تفسیر ابن تیمیہ'' لکھا۔
- محمد بکر اسماعیل (۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء) نے ''دراسات فی علم القرآن'' لکھی۔
- ڈاکٹر محمد مہر علی (۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) نے ''مزاعم المستشرقین حول القرآن الکریم'' لکھی۔
- ڈاکٹر عبدالعظیم ابراہیم (۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) نے ''المجاز عند الاعام ابن تیمیہ وتلامیذہ بین الانکار ولاقرار'' لکھی۔انھوں نے ہی ''خصائص القرآن وسمایہ البلاغیہ'' لکھی۔
- حسن محمد ایوب (۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) نے ''الحدیث فی علوم القرآن والحدیث'' لکھی۔
- منیع عبدالحلیم محمود (۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) نے ''مناہج المفسرین'' لکھی۔
- محمد احمد محمد مصید (۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) نے ''نفحات من علوم القرآن'' لکھی۔
- محمد سید طنطاوی (۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء) نے ''القرآن یتحدی'' لکھی۔
- غلام احمد پرویز (م۱۴۰۴ھ/۱۹۸۵ء) نے ''لغات القرآن'' کو تحریر کیا۔

## علوم القرآن پر مشتمل جامع کتب کا تاریخی وارتقائی جائزہ:

① الحاوی فی علوم القرآن از محمد بن خلف المرزبان (م۔۳۱۰ھ):

غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں علوم القرآن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔اس کتاب کے ستائیس اجزاء

Marfat.com

ہیں۔اس کتاب کی تالیف سے قبل ہمیں علوم القرآن کی اصطلاح کہیں نہیں ملتی۔یہ کتاب نایاب ہے۔

② عجاب القرآن از ابو بکر محمد بن قاسم النباری (م۔۳۲۸ھ):

اس کتاب کے اندر فضائل قرآن اور سبعہ احرف کی بحث موجود ہے۔یہ کتاب بھی دست بردِ زمانہ کا شکار ہوگئی اور اب نایاب ہے۔

③ التنبیه علیٰ فضل علوم القرآن از ابوالقاسم محمد حبیب نیشاپوری (م۔۳۴۵ھ):

اس کتاب میں قرآنی علوم کے سیکھنے،سکھانے پر بحث کی گئی ہے اور حصولِ علم قرآن کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

④ البرهان فی علوم القرآن از علی بن ابراهیم الخوفی (م۔۴۳۰ھ):

یہ دراصل تفسیر کی کتاب میں موجود ہے۔اس میں جابجا علوم القرآن کا تذکرہ بھی مل جاتا ہے۔

⑤ مقدمتان فی علوم القرآن:

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ دو مقدموں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو مستشرق آرتھر جیوی نے ایڈٹ کیا اور یہ ۱۹۵۴ء میں مصر سے شائع ہوئی۔اس کے دو مقدموں کے نام (۱) کتاب المبانی فی نظم المعانی اور (۲) مقدمہ ابنِ عطیہ ہیں۔

⑥ فنون الافنان فی علوم القرآن از علامه ابنِ جوزی رحمہ اللہ (م۔۵۹۷ھ):

یہ کتاب ڈاکٹر حسین ضیاء الدین عتر کی تحقیق سے چھپی۔اس میں سبعہ احراف اور وقف وابتداء کے علوم پر بحث کی گئی ہے۔

⑦ جمال القراء و کمال الاقراء از علم الدین السخاوی (م۔۶۴۳ھ):

اس کتاب میں فضائل القرآن، سبعہ احرف، ناسخ ومنسوخ وغیرہ جیسے مباحث کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔عبدالکریم دبیبی کی تحقیق سے ۱۹۹۳ء میں بیروت سے چھپی۔

⑧ المرشد الوجیز از علامه ابو شامه المقدسی (م۔۶۶۵ھ):

اس کتاب میں نزولِ قرآن، جمع وتدوین، سبعہ احرف، قراءت متواترہ وشاذہ اور دیگر مباحث پر بحث کی گئی ہے۔طیار آلتی قولاج کی تحقیق سے ۱۸۸۶ء میں انقرہ ترکی سے شائع ہوئی۔

⑨ البرهان فی علوم القرآن از علامه بدر الدین زرکشی (م۔۷۹۴ھ):

اس کتاب میں علوم القرآن کی ۴۷ انواع ذکر کی گئی ہیں۔اس کتاب کے اندر بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔ان ۴۷ انواع کے اندر بھی سیکڑوں نئے علوم کے اشارات موجود ہیں۔علامہ زرکشی ۴۷ انواع کے اندر بھی سیکڑوں نئے علوم کے اشارات موجود ہیں۔علامہ زرکشی ۴۷ انواع لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''جان لو کہ ان انواع کا احاطہ کرنے میں اگر ساری عمر بھی لگا دی جائے تو ان میں سے کسی ایک نوع کا

Marfat.com

بھی پورا احاطہ نہیں ہوسکتا۔"

یہ کتاب علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب الاتقان کا بھی مآخذِ اصلی ہے لیکن زیادہ شہرت الاتقان کو مل گئی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ علامہ سیوطی نے معمولی ترتیب کے ردو بدل سے البرہان کی پوری کی پوری نوع نقل کر دی ہے۔

⑩ مواقع العلوم من مواقع النجوم از علامہ جلال الدین البلقینی (م۔۸۲۴ھ):

اس کتاب میں تقریباً ۵۰ انواع ذکر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب نایاب ہے۔ لیکن سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان کے مقدمہ میں اس کی تعریف کی ہے۔

⑪ الاتقان فی علوم القرآن از علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م۔۹۱۱ھ):

یہ کتاب علوم القرآن پہ بڑی مشہور تالیف ہے۔ اس کے مصنف سیوطی اپنے دور کے کثیر التصانیف مصنف تھے۔ تقریباً تمام علوم پر ان کی کتابوں کی تعداد ۶۰۰ تک شمار کی گئی ہے۔ علامہ جلال الدین نے علوم القرآن پر اس سے پہلے بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام "التحبیر" رکھا تھا۔ علوم قرآن پر جب علامہ زرکشی کی کتاب انھیں ملی تو بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اپنی کتاب ۸۰ انواع میں مرتب کی اور خود فرماتے ہیں کہ:

"اِن ۸۰ انواع میں کئی علوم و معارف چھپے ہوئے ہیں۔ اگر میں ۸۰ پر ختم نہ کرتا تو ۳۰۰ سو انواع ذکر کرتا۔"

اس وقت علوم القرآن کی اس کتاب کے اُردو میں دو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

⑫ التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن علی طریق الاتقان از شیخ طاہر الجزائری (م۔۱۳۳۸ھ):

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں الاتقان کے اہم مباحث پر مزید تبصرہ اور قیمتی اضافہ جات شامل کیے گئے ہیں۔ شیخ جزائری چونکہ خود بھی قرآن کے بڑے عالم تھے اس لیے انھوں نے علوم القرآن کی بہت ساری نایاب اور گنجلک ابحاث کو ایسے انداز میں حل فرمایا ہے کہ اب تفسیر اور علوم القرآن کا کوئی بھی طالب علم اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ یہ کتاب درحقیقت انھوں نے اپنی تفسیر کی کتاب کے مقدمہ کے طور پر لکھی تھی لیکن غالباً وہ اپنی تفسیر مکمل نہ کر پائے، اسی لیے یہ کتاب الگ درمیانی درجہ کی مجلد صورت میں ۱۳۳۴ھ میں مطبعة المنار مصر سے شائع ہوئی۔

⑬ مناہل العرفان فی علوم القرآن از شیخ محمد عبدالعظیم زرقانی رحمہ اللہ:

یہ علمائے ازہر میں سے تھے اور زمانہ قریب کے تھے۔ آپ نے اس کتاب میں تاریخِ قرآن، نزولِ قرآن، مکی و مدنی دور کے حوالہ سے خوب کلام کیا ہے۔ اس طرح سبعہ احرف کی بحث بھی کتاب کے مندرجات میں شامل ہے۔

آنحضورؐ، حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانؓ میں قرآن پاک کے جمع و تدوین کے تمام مراحل کا

Marfat.com

جامع انداز میں ذکر کرتے ہوئے اس ضمن میں متعدد شبہات کا قطعی دلائل سے خاتمہ کیا ہے۔ آپ نے ترتیبِ آیات وسور، رسم مصحف، قرأت، ترتیب قرآن، مفسرین، مفسرین کے مناہج اور ان کی کتابیں، ترجمہ قرآن اور اس کا حکم، ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، اسلوبِ قرآن، خصوصیات واعجاز القرآن اور اس جیسی ابحاث پر بڑا عمدہ کلام ہے۔ کئی مرتبہ مصر سے چھپی ہے۔ مشہور اور متداول کتب میں سے ہے۔

⑭ المدخل لدراسة القرآن الكريم از ڈاکٹر محمد ابوشہبہ:

ڈاکٹر ابوشہبہ معاصر علماء میں سے ہیں۔ آپ نے کتاب کا آغاز قرآنِ کریم کی کتابت اور رسم، جمع و تدوین کے حوالہ سے جو شبہات وارد ہوئے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کا رَد کیا ہے، خصوصاً مستشرقین اور مغربی سکالرز کے شبہات کا خوب رد کیا ہے۔ (یہ کتاب ۱۹۵۸ء میں مطبعۃ الازہر مصر سے شائع ہوئی)

⑮ مباحث فی علوم القرآن از ڈاکٹر صبحی صالح (م۔۱۴۰۶ھ):

یہ لبنانی عالمِ دین تھے۔ انھوں نے اس کتاب میں علوم القرآن کو ایک نیا علمی انداز دیا۔ ان اشکالات و شبہات کا خصوصیت سے رد کیا جو قرآن کے مخالفین نے قرآن کریم اور علوم القرآن پر کیے ہیں۔ یہ کتاب بھی بہت مشہور اور متداول ہے۔ متعدد بار چھپ چکی ہے۔ (سب سے پہلی مرتبہ دمشق سے ۱۹۵۸ء میں چھپی)

⑯ علوم القرآن، مناع القطان:

انھوں نے الاتقان کو سامنے رکھا اور اس کی مختلف اہم انواع کو جدید انداز میں لکھنا شروع کر دیا اور کتاب مکمل کر ڈالی۔ (یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۱ء میں ریاض سعودی عرب سے ۴۰۰ صفحات کی ضخامت سے چھپی)

Marfat.com

# حوالہ جات

١۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، (الفیصل ناشران، لاہور، ٢٠٠٤ء) ص: ٢٨٣۔
٢۔ زرکشی، بدرالدین، البرہان فی علوم القرآن، (دارالکتب العلمیہ، بیروت) ص: ١٠
٣۔ الانعام (٦): ٨٢۔
٤۔ لقمان (٣١): ١٣۔

نوٹ: حاجی خلیفہ کی کشف الظنون اور ھدیۃ العارفین کی مکمل چھ جلدیں چیک کر کے لکھا گیا، آخری ١٦ کتابیں ڈاکٹر فیروز شاہ کی کاوش ہے۔

Marfat.com

فصل دوم:

# برصغیر میں علوم القرآن

آج سے تقریباً اڑھائی صدی قبل برصغیر میں ممتاز محدث وفقیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) نے اصول تفسیر پر فارسی زبان میں ایک انتہائی جامع و مختصر کتاب الفوز الکبیر لکھی جس میں انھوں نے قرآن کریم کے تمام مباحث سے ہٹ کر مضامین قرآن پر اپنی ایک وقیع رائے پیش کی ہے جس کا تذکرہ طلبہ کے لیے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

## ● الفوز الکبیر اور مضامین قرآن:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء - ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے اصول تفسیر کے ضمن میں بعض علوم کا خلاصہ مضامین قرآن کے نام سے اپنی معروف کتاب الفوز الکبیر میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے کل چار ابواب ہیں۔ جن میں علوم القرآن اور مطالعہ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر ایک جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔ الفوز الکبیر کے پہلے باب میں قرآن مجید کے مضامین کو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے پانچ علوم میں تقسیم کیا ہے۔ جو ان کے نزدیک قرآن مجید کا لب لباب ہیں۔ یہ علوم انھیں کے متعین کردہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

① علم الاحکام۔
② علم مخاصمات یعنی علم مناظرہ۔
③ علم تذکیر بآلاء اللہ۔ اللہ کی نعمتوں کے ذریعے یاد دہانی
④ تذکیر بایام اللہ۔ گزشتہ واقعات کے ذریعے یاد دہانی۔
⑤ علم تذکیر بالموت و مابعد الموت۔ (موت یا بعد از موت پیش آنے والی حالتوں کے ذریعے یاد دہانی)

## احکام:

احکام کے بارے میں وہ پہلی اہم بات یہ فرماتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوئے۔ اس لیے اس ملت کے احکام اور طریقوں کو باقی رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس ضمن میں بعض احکام کی چھان پھٹک بھی کی اور بعض کی اصلاح کر کے ملت ابراہیمی کو اصل صورت میں پیش کیا۔

Marfat.com

قرآنی احکام کے ذیل میں اوامر ونواہی بھی آتے ہیں۔ جن میں کچھ مجمل ہیں جن کی تفصیل جناب رسالت مآب ﷺ نے امت پر چھوڑ دی۔ مثلاً: قرآن مجید کا حکم ہے۔ اقیموا الصلاۃ نماز قائم کرو۔ آنحضور ﷺ نے اس کی وضاحت عمل اور قول دونوں سے کردی۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، طہارت وغیرہ کے احکام بھی ہیں۔ قرآن کے بعض احکام عام طرز خطاب میں اور بعض اشارۃً ہیں۔ مثلاً: مومنوں کے کام کی تعریف کردی تو حکم دیا کہ اس قسم کے کام کرنے چاہییں۔ (لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ)(۱) اور منافقوں کو اگر کسی بات پر توبیخ کی تو اشارہ یہ دیا کہ مسلمان ایسے کاموں سے بچ کر رہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے بارے میں مختصر احکام دے کر رہبانیت سے ہمیں روکا ہے۔ جن میں عبادات اور معاملات دونوں شامل ہیں۔

تدبیر منزل میں نکاح، طلاق، زوجین، والدین واولاد کے حقوق وفرائض، یتیموں کی پرورش، غلاموں، رشتہ داروں، ہمسائیوں سے حسن سلوک اور وراثت وغیرہ کے احکام ودیگر خاندانی مسائل کو قانونی اور اخلاقی شکل دے دی۔ یہ عائلی قوانین کہلاتے ہیں۔

معاملات میں تجارت، خرید وفروخت، تبادلے، ناپ تول، اقرار نامے، دستاویزات، شہادت، صدقہ و خیرات وغیرہ انفاق فی سبیل اللہ کے احکام فرما کر کاروبار اور باہمی تعاون کی سبیل نکالی۔ جنھیں موجودہ اصطلاح میں دیوانی قانون عدل کہا جاتا ہے۔

سیاست مدنی میں عدل کے قیام کے لیے حدود وتعزیرات مثلاً قصاص، دیت، چوری، راہزنی، زنا، قذف وغیرہ کی سزائیں بیان کر کے شہریت اور تمدن کی حفاظت فرمائی۔ یہ اسلام کا فوجداری قانون ہے۔

آداب معیشت میں حلال وحرام اشیاء کا تذکرہ کر کے کسب معاش کی حد بندی فرمائی اور آداب معاشرت میں پردہ، استئذان وغیرہ واضح کر کے شرم وحیا کی حدود مقرر کیں۔ اور اسلام کی تبلیغ اور جہاد کے احکام دے کر نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی۔

ان تمام احکامات کو قرآن مجید نے اصولوں کی شکل میں منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمادی۔ مگر اس کے اجمال کی تفصیل رسول اکرم ﷺ کے قول وعمل اور تقریر پر چھوڑ دی۔

## علم مخاصمہ (علم مناظرہ):

مشرکین، منافقین، یہود ونصاریٰ کے متعلق مختلف انداز سے قرآن کریم میں گفتگو کی گئی ہے۔ انھیں قائل کرنے کے لیے جن دلائل کا سہارا لیا گیا ہے انھیں علم المخاصمات یا علم الجدال کہتے ہیں۔ چونکہ انسانی فطرت میں کثرت جدال ہے اس لیے قرآن کریم نے جدال کی تین اقسام بیان کی ہیں:

Marfat.com

جدال محمود:

جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾(۲)۔

''اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے دعوت دو اور ان سے مجادلہ بھی احسن طریقے سے کرو۔''

اسی طرح یہ ارشاد:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ (۳)

''اور اہل کتاب سے مجادلہ صرف احسن طریقے سے ہی کرو۔''

جدال مباح:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللَّهِ﴾(٤)

''یقیناً اللہ نے سن لی اس خاتون کی بات جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھی اور اللہ سے اپنی شکایت بھی۔''

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوطٍ﴾ (۵)

''(جب ابراہیم علیہ السلام کا خوف ختم ہوا تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔''

اور یہ ارشاد:

﴿ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا﴾(٦)

''جس دن ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں جھگڑے گا۔''

جدال مذموم:

جیسے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِيْ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيْدٍ﴾(۷)

''کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں بغیر کسی علم کے جدال کرتے ہیں۔''

یا

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ (۸)

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ کی آیات میں صرف کفار ہی جھگڑا کرتے ہیں۔''

جدال کے ان آداب وقواعد کو پیش نظر رکھ کر قرآن چند اہم باتوں کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔ طلب حق کی غرض سے مجادلہ کرنے والا تعصب سے آزاد ہو کر دوسرے کا نکتہ نظر سنے۔ نیز طعن وتشنیع سے دور رہ کر نرم انداز کو اپنائے۔ دلیل کو وزن دے اور اس کا صحیح ہونا مانے۔ کبر ونخوت اس کے آڑے نہ آئے۔ قرآن کریم میں اولاً مختلف فرقوں کے بنیادی عقائد کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: مشرکین کی بت پرستی، مختلف توہمات، منافقین کا دوغلاپن، یہود کا نظریہ کہ ہم دین ابراہیمی کے متبع ہیں اور برگزیدہ قوم ہیں، اور نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث وغیرہ اور دونوں کا متشابہات میں پڑنا مگر محکمات سے گریز کرنا۔ ان عقائد کو بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم نے ان کے باطل ہونے کے دلائل دیے ہیں۔ ایسے جھوٹ اور فساد کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کی گئی ہے۔ اور جا بجا ان فرقوں کو مخاطب کر کے ٹھوس دلائل وشواہد کے ساتھ ان کے غلط عقائد کی نشان دہی کی ہے۔ اس ضمن میں تورات وانجیل کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ قرآن ہی ہے جس نے سب سے پہلے اس حقیقت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یہ دونوں کتابیں اب اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے پیروکاروں نے ان میں کیا کیا من مانی تبدیلیاں کر ڈالی ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نے ان تمام فرقوں کے شکوک وشبہات اور دین اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کا شافی جواب جدل محمود سے دے کر بھرپور خطابت کے ساتھ اپنی دلائل سے اسلام کا دفاع کیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے یاددہانی:

تذکیر کا مطلب ہے یاد دلانا اور آلاء اللہ کا معنی ہے اللہ کی نعمتیں۔ تذکیر بآلاء اللہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے ساتھ زندگی کا سبق یاد دلانا۔ اس علم کے ذریعے اللہ عزوجل نے تمام انسانوں کو مہذب بنانا چاہا۔ اس لیے کہ قرآن مجید سب کی فلاح کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس میں اللہ نے صرف ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جنھیں شہری، بدوی اور عرب وعجم یعنی عوام کی اکثریت یکساں طور پر مستفید ہوتی اور سمجھتی ہے۔ نفس کی باطنی نعمتیں جو اولیاء وعلماء کے ساتھ مخصوص ہیں یا ارتقائی نعمتیں جو ہیں۔ ہاں جن نعمتوں کا ذکر ضروری تھا انھیں کر دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت معرفت ربوبیت والوہیت ہے۔ اس کی پہچان سے ہی روح کی صفائی اور بالیدگی ہوتی ہے۔ شرک اور خدائی دعوے داروں سے بیزاری الگ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے متعلق بھی اہم اور مختصر باتیں قرآن حکیم میں بُیان فرمادی ہیں۔ اسی طرح زمین وآسمان کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا، پانی کے چشمے جاری کرنا، طرح طرح کے پھل اور غلے اگانا، ضروری صفات کا الہام۔ یہ سب خزانے انسانوں کے لیے وقف کر دیئے ہیں۔

مصائب کا ہونا اور ان کے دور ہونے پر لوگوں کے رویوں کا بدل جانا، اس پر تنبیہ فرمائی ہے، اس لیے کہ

Marfat.com

یہ مرض نفس میں بکثرت واقع ہوتا ہے۔ انعامات وآلاء کا ذکر اس کثرت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ آدمی اللہ کا شکر گزار بن کر رہے اور شکر گزاری یہ ہے اس کے احکام کی پیروی کی جائے۔

## گزشتہ قوموں کے اہم واقعات:

ایام اللہ سے مراد گزشتہ قوموں اور انبیاء کرام کے اہم واقعات کی مدد سے زندگی کا سبق یاد دلانا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کو اہل عرب آپ کی بعثت سے قبل سنتے چلے آرہے تھے۔ قرآن کریم نے ان واقعات کا بیان کر کے عبرت ونصیحت کے پہلو کو اجاگر کیا ہے مثلاً انبیاء کرام میں سیدنا ابراہیمؑ، سیدنا اسحاقؑ، سیدنا اسمٰعیلؑ، سیدنا یوسفؑ، سیدنا موسیٰؑ، سیدنا داؤدؑ، سیدنا سلیمانؑ، اور سیدنا عیسیٰؑ کے حالات۔ طوفان نوح کا واقعہ، قوم عاد وثمود اور بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے قصے، سیدنا ایوبؑ ویونسؑ پر شفقت الٰہی کا واقعہ، سیدنا زکریاؑ کی دعاء مستجاب اور سیدنا عیسیٰؑ کے معجزات وقصے وغیرہ۔

ان تمام قصوں کا مقصد محض افسانہ سرائی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سامعین عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور ان کرداروں کی پیروی کریں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی نہ کی اور یوں بجائے سزا و عذاب کے انعام واکرام کے مستحق بنیں۔ ان واقعات میں ضمناً لوگوں کے عقائد، اخلاق، اور معاملات میں ان کی پسند وناپسند میں صحیح وغلط کو نکھار دیا گیا اور اچھی باتیں ذہن نشین کرا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں شرح وبسط کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کی عبرت آموز کڑیوں کو لیا گیا ہے۔

## موت اور موت کے بعد کی کیفیات:

اس ضمن میں قرآن مجید میں موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ انسانی موت کی کیفیت، اس کی بے چارگی، عالم نزع، موت کے بعد جنت ودوزخ کو سامنے کرنا، عذاب ورحمت کے فرشتوں کا سامنے آنا، قبر اور عذاب قبر وغیرہ کی خوب تصویر کشی کی گئی ہے۔ جس سے دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔

علامات قیامت بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً سیدنا عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج وماجوج کا ظہور، نفخہ اولیٰ وثانیہ، حشر ونشر، سوال وجواب، میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں آنا۔ مومنین کا جنت میں جانا اور کفار کا دوزخ میں۔ یہ سب ایسی عبارات ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مومنین کا جنت میں داخلہ، دیدار الٰہی، نعمتیں، باغات، عالی شان محلات، بہتی نہریں، لباس ہائے فاخرہ، خوش جمال زوج وحور، ان کے ذکر میں ایسی دلآویزی ہے کہ دنیا کی تمام لذتیں اور آسائشیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ ان تمام قصوں کو مختلف صورتوں میں ان کے اسلوب وتقاضے کے مطابق کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

# اردو میں علوم القرآن پر لکھی گئی کتب کا اجمالی تعارف

- عیون العرفان فی علوم القرآن از قاضی مظہر الدین بلگرامی رحمہ اللہ

تعداد صفحات: ۳۲۳، ضخامت 21x14، پبلشرز: شجاعت پبلشرز فیض باغ، لاہور۔

اس کتاب میں مصنف نے جمع و تدوین قرآن، شان نزول، اسباب نزول اور محکم و متشابہ آیات جیسے موضوعات پر بحث کی ہے۔

- منازل العرفان فی علوم القرآن از مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ

تعداد صفحات: ۸۲۵، ضخامت: 17x12، ناشر: ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، لاہور۔

اس کتاب میں علوم القرآن کے متعلق ایسے مباحث کو بیان کیا گیا ہے، جو اعتقاد اور عمل کی درستگی کے لیے ضروری ہیں۔ مولانا کا شمار پاکستان کے بڑے جید علماء میں ہوتا تھا، اپنے موضوع کی مکمل کتابوں میں سے ایک ہے، اس کتاب سے مولانا کے علمی تبحر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

- علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی

سن اشاعت: ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء، تعداد صفحات: ۵۱۰، ضخامت: 21x14، پبلشرز: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

اس کتاب میں تقی عثمانی صاحب نے علوم القرآن کے مختلف موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے، مولانا پاکستان کے بہت بڑے عالم دین ہیں اور مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند ارجمند ہیں آپ نے کافی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ یہ کتاب علوم القرآن کے باب میں پاکستان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اور علماء کرام اور محققین کے لیے از حد مفید ہے۔ طلباء بھی اس کے مطالعہ سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ علوم القرآن کے متعلق ہے جبکہ دوسرا حصہ میں علم تفسیر کے متعلق ضروری مباحث شامل کیے گئے ہیں۔

- مطالعہ قرآن از مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ

سن اشاعت: ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء تعداد صفحات ۳۱۰، ضخامت 21x14، پبلشرز: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔

اس کتاب میں مولانا نے ایسے علوم القرآن کے متعلق بحث کی ہے جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں،

Marfat.com

مولانا نے علامہ زرکشی ؒ کی البرھان اور علامہ سیوطی ؒ کی الاتقان میں بیان کردہ علوم کو جدید انداز میں مختصراً بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ جو قرآن مجید کے حوالہ سے مختلف معلومات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں فہم القرآن کے حوالہ سے کوئی اصول پیش نہیں کیے، البتہ مختلف علماء و مفسرین کی کتابوں کی روشنی میں قرآن مجید اور تفسیر کے بارے میں مختلف معلومات اکٹھی کر دی ہیں۔ تفسیر کے باب میں آپ نے زیادہ تر مفسرین صحابہ کے حوالہ سے گفتگو کی جو اس فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح آپ نے تفسیر کے دو مشہور مکاتب فکر اصحاب الحدیث واصحاب الرائے کا تعارف کرایا ہے اور ان دونوں طبقوں کے نمائندہ مفسرین کے نام گنوائے ہیں۔ اہل الحدیث کی جانب سے علامہ طبری ؒ اور اہل الرائے کی نمائندگی امام رازی ؒ کے حوالے سے کی ہے۔

- معارف القرآن از قاضی محمد زاہد الحسینی

سن اشاعت: ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء، تعداد صفحات: ۲۹۵، ضخامت: 21x14 ناشر: دار الارشاد، اٹک شہر پاکستان، مصنف نے اس کتاب میں قرآنی علوم کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات از سید ابو الاعلیٰ مودودی ؒ

مولانا مودودی ؒ کی تصنیف ہے، اس کتاب پر کئی حلقوں کی جانب سے خاصی تنقید کی گئی۔ مولانا نے اس کتاب کے مقدمہ میں اس کی وجہ تصنیف یہ بیان کی ہے: ''الٰہ، رب، دین اور عبادت یہ چاروں لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی تعلیم کو سمجھنے کے لیے ان چاروں اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ الٰہ اور رب کا مطلب کیا ہے، عبادت کی کیا تعریف ہے اور دین کسے کہتے ہیں۔ تو اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔''

- علوم القرآن از ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

ڈاکٹر صاحب پاکستان کے مایہ ناز محققین میں سے ہیں بقید حیات ہیں آپ پاکستان کے عظیم عالم دین، مفسر قرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔ علوم القرآنیہ پر آپ کی تصنیفات اہل پاکستان کے لیے افتخار کا باعث ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے مختلف عنوانات پر صاحب علم لوگوں کے ۱۵ مقالہ جات اکٹھے کیے ہیں۔ ان میں تاریخ تفسیر، اعجاز قرآن، ناسخ و منسوخ، قرآن اور فلسفہ اور برصغیر میں علوم القرآن پر ہونے والے کام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ایک قاری کی تشنگی کافی حد تک پوری کر دیتی ہے اور اس موضوع میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

- علوم القرآن از علامہ شمس الحق افغانی

سن اشاعت: ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۵ء، تعداد صفحات: ۲۸۸، پبلشرز المیزان اردو بازار، لاہور

چھوٹے سائز میں درمیانہ درجہ کی کتاب ہے، پاکستان میں اس موضوع پر ابتدائی کتاب شمار ہوتی ہے،

Marfat.com

علامہ صاحب نے تمام اہم موضوعات کو بیان کیا ہے البتہ مختصر ہے، لیکن تمام موضوعات عالمانہ انداز میں بیان کیے ہیں۔ سابقہ عربی کتب کے حوالہ جات بھی دیئے ہیں۔ عنوان کی مناسبت سے مصنف نے مواد کی جمع و تدوین کا حق ادا کیا ہے اور اہل علم ہی اس کو اچھے انداز سے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس کی زبان تھوڑی سی مشکل اور ادبی ہے۔

- حدائق البیان فی علوم القرآن از مولانا عبدالغفور فاروقی

سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء تعداد صفحات ۳۴۳، ضخامت، 21x14، پبلشرز: کاشف پبلشرز، رام نگر، چوبرجی، لاہور۔

اس کتاب میں مصنف نے مختلف قرآنی علوم مثلاً وحی، سورتوں اور آیات کی تعداد، قرآن کا نزول، اسلوب قرآن اور تدوین قرآن وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

- علوم القرآن از جناب (خان بہادر) مرزا سلطان احمد

سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء تعداد صفحات: ۳۱۷، ضخامت: 21x14، پبلشرز: قادریہ بکس، سنت نگر، لاہور۔

اس کتاب میں مصنف نے علوم تفسیر، علوم القرآن، علم اخلاق، علم حیوانات اور ایسے علوم بیان کیے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔

- علوم القرآن از مولانا گوہر رحمان رحمہ اللہ

سن اشاعت: اکتوبر ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء، پبلشرز: مکتبہ تفہیم القرآن، مردان۔

مولانا گوہر رحمان پاکستان کے صوبہ سرحد میں شیخ التفسیر کے نام سے پہچانے جاتے تھے، آپ کی یہ کتاب بہت اہم پایہ کی ہے اس میں انھوں نے علوم قرآنی کے کافی عنوانات مثلاً نزول قرآن، اعجاز قرآن، آیات قرآنی اور ناسخ و منسوخ وغیرہ پر انتہائی محققانہ اور مفصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب کم و بیش ۱۲سو صفحات پر محیط، دو جلدوں میں ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن کی کتاب علوم القرآن کی جلد اول کے ۵۱۸ صفحات ہیں۔ موصوف نے اپنی کتاب کے آغاز میں وجہ تالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میں ۱۵ شعبان تا ۲۷ رمضان ہر سال اپنے مدرسہ ''تفہیم الاسلام، مردان'' میں دورہ تفسیر کروایا کرتا تھا تو اس میں طلبا کو سمجھانے اور پڑھانے کے ساتھ علوم القرآن کی اہم مباحث کو تحریر کرلیا کرتا تھا۔ پھر اس مسودہ کو ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء کے وسط میں باقاعدہ کتابی شکل دینے کا عزم کیا جو جون ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء کو کامیاب ہوگیا اور یہ کتاب مکمل ہوگئی۔ اس میں دس ابواب کے ضمن میں علوم القرآن کی مباحث و جزئیات کو رقم کیا گیا ہے۔ جلد اول چھ ابواب پر محیط ہے اور جلد دوم میں چار ابواب ہیں۔

جلد اول کے چھ ابواب کے عنوان حسب ذیل ہیں:

باب اول: تعارف قرآن

Marfat.com

باب دوم: نزول قرآن

باب سوم: قرآن کا نزول سات حرفوں میں

باب چہارم: تدوین قرآن

باب پنجم: اعجاز القرآن

باب ششم: النسخ فی القرآن

جلد دوم کے چار ابواب کے عنوان حسب ذیل ہیں:

باب ہفتم: مضامین قرآن

باب ہشتم: تفسیر اور اصول تفسیر

باب نہم: متجددین کا منہج تفسیر

باب دہم: مدون تفاسیر اور تعارف مفسرین

- علوم القرآن از مولانا منظور احمد شاہ

سن اشاعت: ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء تعداد صفحات: ۳۴۵، ضخامت: 21x14، ناشر، مکتبہ نظامیہ، ساہیوال

اس کتاب میں مصنف نے عام فہم انداز سے قرآنی علوم کو بیان کیا ہے۔

- مطالعہ قرآن حکیم از خواجہ عبید الرحمٰن، تدوین: خواجہ محمد صدیق

سن اشاعت: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء، تعداد صفحات: ۳۳۶، ضخامت: 21x14، ناشر: اردو اکیڈمی کراچی، سندھ۔

یہ کتاب یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ان طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہے جو قرآن پاک کی بنیادی تعلیمات سے ناآشنا ہیں۔ لیکن اب اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

- سفرنامہ ارض القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر: محمد عاصم الحداد

سن اشاعت: ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء، تعداد صفحات: ۳۴۸، ضخامت: 17x12، ناشر: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۰ء میں ممالک عربیہ کا سفر کیا تھا، اس سفر کی غرض وغایت تفہیم القرآن کے لیے مواد کی فراہمی اور ان تاریخی مقامات کا مشاہدہ کرنا تھا۔ جن کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

- تاریخ تفسیر و مفسرین از پروفیسر غلام احمد حریری۔ (ترجمہ التفسیر والمفسرون للذھبی)

سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء، صفحات: ۷۴۲، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد۔

موصوف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ بات درج کی ہے کہ یہ کتاب تصنیف کے بجائے اخذ و تلخیص پر مبنی ہے۔ جس کی اساس اکثر و بیشتر علامہ ذہبی کی کتاب ''التفسیر والمفسرون'' پر رکھی گئی ہے اور اس کے غیر ضروری

Marfat.com

مواد کو حذف کر کے دیگر کتب سے مفید معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

موصوف کی یہ کتاب تین ابواب اور ۴۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، انتہائی سلیس اردو زبان میں مؤلف نے موضوع کی مناسبت سے بہت ہی جامعیت کے ساتھ مواد کی جمع بندی کی ہے۔ اس کتاب کو اردو میں اس موضوع کی مناسبت سے لکھی جانے والی تقریباً تمام کتب کے مقابلے میں زیادہ شہرت ملی ہے۔ اور اکثر علماء کے زیر مطالعہ یہ کتاب رہتی۔

- اصول تفسیر سوالاً جواباً از مولانا ابو نعمان بشیر احمد

اردو میں لکھی جانے والی یہ سوالاً جواباً کتاب انتہائی جامعیت و اختصار پر اپنے مضامین کا باحوالہ احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب دار السلام، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں سورتوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

- جمع القرآن والاحادیث از مولانا ابو القاسم محمد خان صاحب سیف بنارسی

سن طبع: ۲۰۰۰ء النور انٹرنیشنل بہاول پور

یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں علوم القرآن کی اہم مباحث پر قیمتی معلومات کو باحوالہ درج کیا گیا اور باب دوم میں علوم الحدیث کی مناسبت سے کئی ایک اہم عنوانات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ کتاب النور انٹرنیشنل بہاولپور سے ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر اور محترمہ نگہت ہاشمی کی تحقیق سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔

- قرآن فہمی کے بنیادی اصول مرتب کردہ: حافظ حسن مدنی

سن اشاعت: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، صفحات ۱۶۰، پبلشر: مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور۔

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر کے مختلف مشہور مقالہ نگاروں کے مقالات کو یکجا کیا گیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

حصہ اول: فہم قرآن کے بنیادی اصول:

① فہم قرآن کے بنیادی اصول از شیخ التفسیر مفتی محمد عبدہ الفلاح رحمہ اللہ
② فہم قرآن اور لغت عرب از شیخ التفسیر مفتی محمد عبدہ الفلاح رحمہ اللہ
③ تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ از شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ
④ قرآن فہمی کے بنیادی اصول از مولانا عبدالغفار حسن

حصہ دوم: قرآن فہمی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

① قرآن فہمی میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت از مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
② قرآن فہمی میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
③ تفسیر قرآن کا اہم ذریعہ، حدیث یا لغت؛ از خطاب: شیخ محمد ناصر الدین البانی، ترجمہ حافظ حسن مدنی

Marfat.com

④ قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار (فکر اصلاحی وغامدی کا ایک تجزیہ) از ڈاکٹر محمد امین

⑤ قرآن فہمی میں تعامل امت کا کردار از ڈاکٹر سہیل حسن

حصہ سوم: قرآن نافہمی کے اسباب:

① قرآن نافہمی کے اسباب اور اس کا حل از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

② قرآن فہمی کی راہ میں موانع از مولانا محمد عبدہ الفلاح رحمہ اللہ

③ قرآن فہمی کی راہ میں موانع از مولانا عبدالغفار حسن

④ اشاریہ کتب ومضامین وفہم قرآن کریم از محمد شاہد حنیف

● محاضرات قرآنی از ڈاکٹر محمود احمد غازی

سن اشاعت: جولائی ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، صفحات: ۴۰۴، پبلشر: الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

مرحوم ڈاکٹر محمود احمد غازی نے محترمہ عذرا نسیم فاروقی صاحبہ کے توجہ دلانے پر مذکورہ عنوان پر ۶ تا ۱۸ اپریل ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء کو ۱۲ خطبات اسلام آباد میں مدرسات قرآن کو دیئے۔ جن کو بعد میں تحریری شکل دی گئی تھی۔ تحریر اور تقریر میں نمایاں فرق ہوتا ہے اس لیے یہ تحریر دراصل تقریر کی نقل ہے لہٰذا اس کا اسلوب تحریر بھی تقریر والا ہے۔ اس میں علوم القرآن کے کئی اہم مضامین کو بہت ہی عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

موصوف کے خطبات انتہائی مفید معلومات پر مبنی ہوتے ہیں جو کہ محاضرات کے عنوان سے طبع ہو رہے ہیں ریسرچ حضرات کو ان کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب کے خطبات کے عنوان درج ذیل ہیں:

خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ

خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف

خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

خطبہ چہارم: جمع وتدوین قرآن مجید

خطبہ پنجم: علم تفسیر ایک تعارف

خطبہ ششم: تاریخ اسلام کے چند عظیم مفسرین قرآن

خطبہ ہفتم: مفسرین قرآن کے تفسیری مناہج

خطبہ ہشتم: اعجاز القرآن

خطبہ نہم: علوم القرآن ایک جائزہ

خطبہ دہم: نظم قرآن اور اسلوب قرآن

خطبہ یازدہم: قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین

خطبہ دوازدہم: تدریس قرآن مجید دور جدید کی ضروریات کے تقاضے

Marfat.com

- تفسیر قرآن کا مفہوم آداب اور تقاضے از ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

سن اشاعت: اپریل ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء، صفحات ۱۲۸، پبلشر مجلس تحقیق الاثری، جہلم

راقم الحروف کی کتاب آج سے کم وبیش پچیس سال قبل طبع ہوئی تھی اب اس مذکورہ کتاب کی مباحث کو اس نئی کتاب میں ضم کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب پانچ ابواب کو محیط ہے جس میں ہر عبارت کے حوالہ جات کا اہتمام کیا گیا تھا اور انتہائی اختصار کے پیش نظر عنوانات کی جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔

باب اول: ضرورت تفسیر

باب دوم: تفسیر اور تاویل کا مفہوم

باب سوم: مفسر قرآن کے لیے ضروری علوم

باب چہارم: مفسر قرآن کے آداب وشرائط

باب پنجم: تفسیر قرآن کی اقسام

- قرآن مجید کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

سن اشاعت: فروری ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء، صفحات: ۲۸۲، پبلشر مکتبہ قاسم العلوم، لاہور۔

موصوف جامعہ کراچی میں استاذ تھے۔ آپ نے مذکورہ عنوان کے تحت جنوری ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری مکمل کی تھی اور اس مقالہ کو کتابی شکل دی گئی ہے۔ جو اردو میں علوم القرآن کی مناسبت سے بہت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کے خاص اردو تراجم کا اسلوب ومنہج اور تقابلی جائزہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

- برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ از ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی

سن اشاعت: ۱۴۲۸ھ/ستمبر ۲۰۰۷ء، صفحات: ۸۲۴، زمزم پبلشرز کراچی۔

موصوف ڈاکٹر محمد حبیب اللہ نے مذکورہ عنوان پر پی ایچ ڈی پشاور سے پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر سلیمان کی نگرانی میں مکمل کی اور اس کو بعد میں کتابی شکل میں چھپوا دیا۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تفسیر و تاویل کا تحقیقی تعارف کروانے کے ساتھ تفسیر کا آغاز وارتقاء اور ابتدائی تفاسیر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب دوم میں تفسیر کی اقسام کا جائزہ، ان کے مناہج اور مختلف مکتبہ ہائے فکر کے ہاں تفسیر کے ارتقاء پر لکھا ہے۔ باب سوم میں برصغیر میں تفسیر کی ابتداء وارتقاء مشہور مفسرین کے کارنامے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب چہارم میں برصغیر میں قرآن فہمی اور تفسیر کے میدان میں مختلف مکاتب فکر کی خدمات اور ان کے تفسیری افکار پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس میں بالخصوص شاہ ولی اللہ کے منہج تفسیر اور ان کے خاندان دیوبندی مکتبہ فکر کے مفسرین کی تفسیری خدمات، پھر مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا احمد رضا خاں، مولانا حمید الدین فراہی۔ مولانا مودودی، مولانا وحید الدین خان، سرسید احمد خان، غلام احمد پرویز، غلام احمد قادیانی اور مولوی محمد علی لاہور کے تراجم وتفاسیر کے اسلوب ومنہج اور تفسیری تفردات پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز برصغیر اہل حدیث مکتبہ فکر کے تفسیری افکار، منہج وخدمات اور خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

- جواہر القرآن (مباحث فی علوم القرآن) از چودھری غلام رسول چیمہ

سن اشاعت: ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء، صفحات: ۵۴۴، ناشر چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، لاہور۔

شعبہ علوم اسلامیہ سے وابستہ ہونے والا ہر ریسرچر اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والا موصوف چیمہ صاحب کی تصنیفات سے واقف ہے، کیونکہ موصوف نے اعلیٰ درجات کے لیے کئی تصانیف انتہائی عمدہ اسلوب سے رقم کی ہیں ان میں سے یہ کتاب بھی ہے۔

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں وحی کی مناسبت سے، باب دوم میں قرآن مجید کے نزول، تدوین کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ باب سوم میں مختلف مباحث قرآنی، باب چہارم میں قرآن کی زبان، خصوصیات اور علمی اثرات، باب پنجم میں قرآن میں غیر عربی الفاظ، باب ششم میں علم التفسیر اور مختلف اردو تفاسیر، باب ہفتم میں قرآن مجید کا سابقہ کتب سماوی سے تقابل اور باب ہشتم میں الفوز الکبیر کا خلاصہ موجود ہے۔

- علم تفسیر عہد بہ عہد از ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

سن اشاعت: جنوری ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، صفحات ۳۶۳، ناشر: کلیہ علوم اسلامیہ وشرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

موصوف مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور آج کل پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے چیئرمین بھی ہیں۔ آپ کی یہ کتاب اگرچہ حجم کے اعتبار سے مختصر ہے مگر تحقیق کا عمدہ شاہکار ہے۔ یہ کتاب دراصل موصوف کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا کچھ حصہ ہے جس کو انھوں نے کتابی شکل دی ہے، اس کو انھوں نے تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں عہد نبویؐ میں علم التفسیر، باب ثانی میں عہد تابعین میں علم تفسیر اور باب ثالث میں مشہور عربی تفاسیر کو عہد تدوین کی مناسبت سے درج کیا ہے۔

- علوم القرآن از ڈاکٹر صبحی صالح لبنان، مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری

سن اشاعت: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء، ناشر: ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد

موصوف صبحی صالح لبنان یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ اور فقہ اللغہ کے پروفیسر تھے۔ آپ نے عصر حاضر کی مناسبت سے انتہائی عمدہ کتاب مذکورہ عنوان کی مناسبت سے عربی میں مرتب کی جس کا اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری نے کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء کو منصۂ مشہود پر جلوہ گر ہوئی تھی۔ اس کتاب میں موصوف نے چار ابواب کے تحت بہت ہی محققانہ گفتگو کی ہے۔ اور قرآن و علوم القرآن پر معترضین کے سوال و جواب درج کیے ہیں۔ باب اول اسماء قرآن، وحی کے مفہوم اور قرآن کے تدریجی نزول اور اس کے اسرار پر مشتمل ہے۔ باب دوم قرآن کی جمع و تدوین اور عثمانی مصاحف تجوید و تحسین کے دور کو محیط ہے، باب سوم علوم کے تاریخی جائزہ، علم اسباب النزول، مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات، سورتوں کے آغاز کا سرسری جائزہ ہے، علم قراءت و قراء کا اجمالی تذکرہ، علم ناسخ و منسوخ، قرآنی رسم الخط اور محکمات و متشابہات پر شامل ہے۔ باب چہارم علم تفسیر اعجاز القرآن اور قرآن حکیم کے صوتی اعجاز پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

- برصغیر میں مطالعہ قرآن از محمد رضی الاسلام ندوی

سن اشاعت: ستمبر ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۸ء، صفحات، ۲۶۳، ناشر: مکتبہ قاسم العلوم، لاہور

علوم القرآن کے عنوان کی مناسبت سے اگر چہ اس کتاب کے ابواب میں مواد کم ہی ہے مگر اس موضوع سے مناسبت کی وجہ سے مذکورہ کتاب کا مختصر تعارف صاحب کتاب کی زبانی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

موصوف نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ زیر نظر کتاب در حقیقت چند مقالات کا مجموعہ ہے جن میں تفسیر اور قرآن فہمی کے میدان میں ماضی قریب کے بعض علمائے ہند کی کاوشوں کا جائزہ و مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو چند ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں سر سید احمد خاں کی تفسیر القرآن اور مابعد تفاسیر پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب دوم میں دو مقالات ہیں ایک مقالہ میں بیسویں صدی میں عربی زبان میں تفسیر و علوم قرآن کے میدان میں ہونے والے کام کا تعارف کرایا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے مقالے میں بیسویں صدی میں لکھی جانے والی تفاسیر میں حروف مقطعات کے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب سوم میں چند مشہور علماء کرام مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ اور مولانا صدر الدین اصلاحی رحمہ اللہ کی خدمات تفسیر کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھے اور آخری باب میں قرآنی موضوعات پر گزشتہ دہائیوں میں شائع ہونے والی بعض اہم تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے۔

- التفسیر (ششماہی) علمی و فکری و تحقیقی مجلّہ، کراچی

جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۲۳، جنوری تا جون ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء، ناشر جامعہ کراچی، کراچی

یہ دراصل جامعہ کراچی سے شائع ہونے والا ششماہی رسالہ ہے جو ایچ ای سی سے منظور شدہ ہے، یہ رسالہ مرحوم پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی زیر نگرانی منصۂ مشہود میں آیا تھا۔ یہ علوم القرآن کے عنوانات کو اگرچہ محیط نہیں ہے تاہم ایک باب سے مناسبت رکھنے کی وجہ سے تعارف کے لیے منتخب ہوا ہے۔ اس میں برصغیر کے نامور مفسرین کی خدمات تفاسیر، اور ان کی تفاسیر پر تقریباً ۲۵ اسکالرز کے مقالہ جات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اور تفسیر مظہری از قدیر احمد

۲۔ تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی میں کلامی بحث از محمد عبد اللہ

۳۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ بحیثیت مترجم قرآن از محمد امین

۴۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی تفسیری خدمات از ڈاکٹر عبد الغفار

۵۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اور خزائن العرفان از ڈاکٹر شاکر حسین خان

۶۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور ان کے تفردات از قرۃ العین

۷۔ مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ اور ترجمان القرآن از بشیر احمد

۸۔ تفسیر مظہر القرآن۔ تعارف و تبصرہ۔۔۔ ایک اجمالی مطالعہ از ڈاکٹر محمد شکیل اوج

Marfat.com

۹۔ ساختیاتی لسانیات۔۔۔فہم معانی کا جدید منہج اور ترجمہ قرآن پر اس کے اثرات از ڈاکٹر حافظ محمد عبدالقیوم

۱۰۔ تفسیر نعیمی (جلد اول) کی چند تفسیری خصوصیات از محمد شعیب عطاری

۱۱۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور معارف القرآن از سلمان محمود

۱۲۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور معارف القرآن از محمد حمزہ

۱۳۔ دریابادی مرحوم اور ان کی تفسیر ماجدی از عبدالمالک

۱۴۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ اور تفہیم القرآن از عنبرین عتیق

۱۵۔ تفسیر قرآن میں کتب سابقہ سے اخذ واستدلال کے اسالیب از محمد خبیب / ڈاکٹر محمد عبداللہ

۱۶۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ اور ضیاء القرآن از سید محمد احمد نقوی قادری

۱۷۔ صاحب ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ از نازیہ پروین

۱۸۔ مولانا اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ اور تسہیل البیان از محمد جنید علی خان

۱۹۔ جماعت احمدیہ کے تراجم قرآن مجید اور تعلیم قرآن پر کیے گئے کام کا علمی وتحقیقی جائزہ از محمد عمران / ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

۲۰۔ مولانا عبیداللہ الایوبی القندھاری کی تفسیر ایوبی حنفی کا تعارف و ناقدانہ جائزہ از پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالمالک آغا

۲۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی اور تبیان القرآن از محمد عاطف اسلم راؤ

۲۲۔ مولانا محمد ادریس ڈاہری اور احسن البیان از عبدالوحید میمن

۲۳۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور تفسیر منہاج القرآن از نصیر احمد

۲۴۔ کنز الایمان کے تعلق سے ایک تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کا تنقیدی جائزہ از مفتی محمد اعظم سعیدی

25. A review on the contribution of Mufti Taqi Usmani in the pool of islamic sciences as an exegete in context of his tafseer tawzih-ul-Quran, Dr. Sheikh Muhammad Ishtiaq.

- تاریخ مفسرین ومحدثین از افادات: مولانا قاضی زاہد الحسینی، سید احمد رضا بجنوری، مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی
  سن اشاعت: محرم ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۱ء، صفحات: ۶۴۰، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔

مذکورہ کتاب کے شروع میں یہ بات تحریر ہے کہ زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر پہلی جامع کتاب ہے جس میں اسلامی تاریخ کی ہر صدی کے نامور مفسرین ومحدثین کا مختصر جامع تذکرہ کیا گیا ہے اس کتاب میں مولانا زاہد الحسینی نے تاریخ تفسیر پر مفصل جو کام کیا تھا اس کو مختصر کر کے پیش کیا گیا ہے۔اسی طرح (مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلمیذ) مولانا احمد رضا بجنوری نے آپ کے افادات سے انوار الباری کے نام سے بخاری کی مبسوط شرح ترتیب

Marfat.com

دی، جس کی پہلی جلد محدثین کے تعارف اوران کے کارناموں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے دوسرے حصہ میں اسی مقدمہ انوار الباری کی تلخیص مع اضافہ دیدی گئی ہے۔

کتاب ہذا کے مقدمہ سے ہی اس کے مختصر تعارف سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں تاریخ مفسرین کو بیان کیا گیا ہے اور حصہ دوم میں تاریخ محدثین پر بات کی گئی ہے۔ حصہ اول میں کم وبیش بیالیس سو کے قریب مفسرین کا تذکرہ پہلی صدی ہجری سے لے کر پندرہویں صدی ہجری تک انتہائی اختصار سے کیا گیا ہے۔

- علوم القرآن، کوڈ ۴۵۵۱، شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- پاکستان میں قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر، کوڈ ۴۵۷۸، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- علم تفسیر اوراس کا ارتقاء، کوڈ: ۴۵۵۲، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

عنوان کی مناسبت سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی مذکورہ تینوں کتب انتہائی اہم ہیں کیونکہ علوم القرآن کے کئی اہم مضامین کو ان کتب میں بہت ہی عمدہ انداز سے درج کیا گیا ہے۔ اور پھر عصر قدیم کے ساتھ دور حاضر میں مستشرقین کے قرآن وعلوم القرآن پر اعتراضات کے ساتھ ساتھ خدمات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب میں کئی جگہ ان سے استفادہ کیا ہے اور بعض مقامات پر مستشرقین کے اعتراضات وجوابات کو بعینہ درج کر دیا ہے۔

- مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن

(پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین) مرتبہ پرویز اختر واسع البلاغ پبلیکیشنز دہلی ۲۰۱۵ صفحات ۱۴۸
اس مجموعہ میں پہلا مقالہ قرآن مجید کے انگریزی تراجم ایک تنقیدی جائزہ ہے۔ اس میں مستشرقین کے تراجم کے پس منظران کے مناظرانہ اور متکلمانہ پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ایک مضمون قرآن مجید کے متعلق مستشرقین کا علمی تعاقب کا ذکر ہے۔ ایک مقالہ ایک مستشرق کے خوشگوار انگریزی ترجمہ کا ذکر ہے۔ ایک مقالہ انگریزی تراجم قرآن مجید جدید رجحانات کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ ایک مقالہ انگریزی تراجم کی فہرست پر مشتمل ہے۔

- تفسیر القرآن کے اصول ومسائل مقدمہ تفسیر میزان القرآن

الطاف احمد اعظمی ۳۶۲ صفحات حمزہ بکس اردو بازار ۲۰۱۵ء اس کے ۹ ابواب ادب پانچوں ابواب کا تعارف ہے۔ پہلے باب میں وحی کی حقیقت، قرآن کی وجہ تسمیہ، اس کے صفاتی نام اور نظم قرآن سے متعلق ہے۔ دوسرے باب میں قرآن کے بنیادی علوم، اس کی زبان، مصطلحات اور ظواہر القرآن جیسے مباحث ہیں۔ تیسرے باب میں تفسیر ماثور اور غیر ماثور کے متعلق لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

باب چہارم میں تفسیر کا وہ طریقہ ہے جو تمام علماء کے نزدیک پسندیدہ ہے۔
پانچواں باب تفسیر کے ثانوی ماخذوں کے متعلق ہے۔

- مقدمہ فی اصول تفسیر: ابنِ تیمیہ

اس میں تفسیر بالماثور کے اصولوں کا ذکر ہے۔اس میں صحابہ کا طریقہ تعلیم ان کے فہم قرآن، اختلاف مسائل کی نوعیت عہد تابعین کے بعد تفسیری اختلافات، تفاسیری موضوع، آیات کی شمولیت، اختلاف تفسیر کے اسباب اور تفسیر بالرائے جیسے اہم مباحث کی تفصیل ہے۔

- تحریر فی اصول تفسیر

سر سید احمد خان اس رسالے میں انھوں نے ان اصولوں کو بیان کیا ہے جن کی بنیاد پر انھوں نے تفسیر لکھی۔ یہ کل ۱۵ اصول ہیں۔ آخری اصول براہ راست تفسیر کے متعلق ہیں۔ اس میں قرآن کے لسانی مسائل پر بحث کی ہے۔

- التکمیل فی اصول التاویل: مولانا حمید الدین فراہی

اس رسالے میں تاویل کے مختلف مسائل سے بحث کی ہے۔ تاویل کے ان اصولوں میں نظم قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

- اصول تفسیر و تاریخ تفسیر: ڈاکٹر افتخار احمد، قرآن اکیڈمی یزمان، ۲۰۱۳ء

اس کتاب میں علوم القرآن کے کئی اہم مضامین کو بہت ہی عمدہ انداز سے درج کیا گیا ہے۔ مستشرقین کے قرآن و علوم القرآن پر اعتراضات کے جوابات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ تفسیر ماثور اور غیر ماثور کے متعلق لکھا گیا ہے۔: تعارف قرآن، نزول قرآن، تدوین قرآن، اعجاز القرآن، قصص القرآن، اقسام القرآن، النسخ فی القرآن، تفسیر اور اصول تفسیر، اصول تفسیر اور علماء برصغیر منہج تفسیر، تفاسیر اور تعارف مفسرین، مختلف مسائل سے بحث کی ہے۔

Marfat.com

# ''یتیمۃ البیان فی شیءٍ من علوم القرآن'' مولانا یوسف بنوری

علامہ یوسف بنوری کا علمی و تصنیفی تعارف: مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (م ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۷۷ء) برصغیر کی معروف علمی شخصیت ہیں، جو بیک وقت علوم قرآن وحدیث اور دیگر متعلقہ دینی علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، آپ کا فکری افق انتہائی وسعت کا حامل تھا، عالم اسلام اور بلاد عربیہ کی دینی علمی اور سیاسی حالات پر عمیق نگاہ جمائے رکھتے تھے۔ آپ امام العصر علامہ انورشاہ کشمیری کے علمی جانشین تھے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی اکثر تصانیف عربی میں ہیں جو عربی ادب کا شاہکار مانی جاتی ہیں، آپ کی تمام تالیفات میں اسلوب تحریر نہایت دلکش اور منفرد تھا، ان تالیفات میں بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب، القصائد البنوریۃ: جس میں آپ کے تمام منظوم کلام کو یکجا کردیا گیا ہے جس میں اسلامی شاعری کی مشہور اصناف حمد، مناجات، نعت اور رثاء کے علاوہ کئی نظمیں شامل ہیں۔ المقدمات البنوریۃ: یہ مجموعہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بہار آفریں قلم سے عربی، فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں پر علمی و تحقیقی مقدمات ہیں، جن میں اپنے موضوع سے متعلق انتہائی پر مغز اور نفیس مباحث ہیں، ان میں مقدمہ "نصب الرایہ"، مقدمہ "فیض الباری"، مقدمہ "اوجز المسالک" اور مقدمہ "لامع الدراری" شامل ہیں۔ حدیث میں معارف السنن شرح سنن الترمذی: جامع ترمذی کی بے نظیر محققانہ شرح ہے۔ اسی طرح بصائر وعبر کے عنوان سے قومی وملی عصری مسائل پر آپ کے وقیع علمی و تحقیقی مضامین ماہنامہ ''بینات'' کی زینت بنتے رہے۔

یتیمۃ البیان فی شیء من علوم القرآن علوم قرآن پر مولانا کا تحریر کردہ بے نظیر علمی شاہکار ہے، جو درحقیقت علامہ انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصنیف "مشکلات القرآن" کا عربی زبان پر مشتمل مقدمہ ہے، جو الگ کتابی صورت میں ۱۹۶۳ء میں دہلی سے اور پھر بعد میں پاکستان میں " مجلس دعوت وتحقیق اسلامی " کی طرف سے شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب میں جہاں علوم القرآن کی اہم مباحث پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے وہاں برصغیر کی چند متجددانہ طرز کی تفاسیر کا علمی محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔ یتیمۃ البیان کے بعد پاکستان میں مستقل نوعیت کی کتب علوم القرآن کی تالیف وتصنیف کا ایک مثبت سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی کی علوم القرآن اور مولانا گوہر رحمان کی تصنیف بھی اسی عنوان سے دو جلدوں میں سامنے آئی، یتیمۃ البیان میں درج مستدلات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جدیدیت کے نام پر پیش کیے جانے والے مواد کی علمی تنقید اور رطب ویابس التباسات کی تنقیح و توضیح مولانا کے نزدیک ایک اہم مذہبی اور اخلاقی فریضہ کی حیثیت رکھتی تھی، کتاب کی تنقیدی اور عالمانہ نوعیت کے پیش نظر اس کے منہج واسلوب کا مطالعاتی جائزہ پاکستان میں مطالعہ قرآن کی صورتحال کی موزوں معرفت اور ادراک کے لیے ضروری ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ الصافات(۳۷)۶۱۔
۲۔ النحل(۱۶)۱۲۵۔
۳۔ العنکبوت(۲۹)۴۶۔
۴۔ المجادلة(۵۸)۱۔
۵۔ ھود(۱۱)۷۴۔
۶۔ النحل(۱۶)۱۱۱۔
۷۔ الحج(۲۲)۳۔
۸۔ المومن(۴۰)۴۔


Marfat.com

Marfat.com

**باب سوم:**

# قرآن: تعارف ومباحث

**فصل اول:**

## تعارف قرآن

### لفظ ''قرآن'' مجید کی لغوی تعریف:

قرآن قرء یقرأ کا مصدر ہے جو فعلان کے وزن پر ہے، جس کے لغوی معنی' جمع اور شامل کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا کیونکہ اس میں بھی قصص، امر، نہی، آیات اور سورتوں کو جمع کیا جاتا ہے۔(۱)

لفظ قرآن مصدر ہے، جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور عربی زبان میں مصدر کو کبھی اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس قرآن بھی اسم مفعول مقروء کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں اور لفظ قرآن کے آخر میں الف ونون مبالغے کے ہیں لہٰذا اس کے معنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں۔

بعض نے یہ وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن کریم کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا۔ وہ کہا کرتے تھے:

﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾(۲)

''تم اس قرآن کو مت سنو بلکہ اس کی تلاوت کے وقت شور کیا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔''

کفار مکہ کا نظریہ یہ تھا کہ شور مچا کر اس کی آواز کو دبا دیں گے اور کسی کو پڑھنے نہیں دیا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں اس کا نام قرآن رکھا کہ وہ یہ کتاب ہے جو ہر زمان ومکان میں ہمہ وقت پڑھی گئی اور پڑھی جائے گی۔

الفرقان: حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب۔

الذکر: اللہ کی بیان کردہ چیزوں کا اس میں ذکر ہے۔

Marfat.com

الکتاب: بمعنی مکتوب۔

التنزیل: بمعنی منزل نازل کی ہوئی کتاب۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ: قرآن مجید یا تو قرءٔ سے مشتق ہے یا قرأۃ سے یا قرن سے۔قرن کے معنی جمع کرنا ہے اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۳)

''ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے''۔

دوسری جگہ آتا ہے:

﴿ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (٤)

''ان میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں۔''

یعنی قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں نیز یہ تمام منتشر دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی ہے اس میں اتحاد بین الناس کا پیغام ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (۵)

''سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔''

اگر قرأۃ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب تو اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے جب جبرائیل علیہ السلام آتے تو پڑھ کر سناتے دوسرا مفہوم یہ بھی ہے یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی۔

اگر قرن سے مشتق ہو تو قرآن کے معنی ہیں ملنا یا ساتھ رہنا اس معنی کی رو سے اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے اس کی سورتیں اور آیات اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تخالف اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگر ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔وہ سب ایک سلک میں منسلک ہیں۔

قرآن کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں، زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے، وہ کہا کرتے تھے:

﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾(٦)

''اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تا کہ تم غالب آجاؤ۔''

ان کفار کے علی الرغم نام رکھ کر اشارہ فرما دیا گیا کہ قرآن کریم کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جا سکتا، یہ کتاب پڑھنے کے لیے نازل ہوئی ہے، اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی، چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

Marfat.com

## اصطلاحی تعریف:

قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول الینا نقلاً متواتراً بلا شبهة﴾(۷)

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا، اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتراً منقول ہے۔''

یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

## قرآن مجید کے نام:

قرآن مجید میں اس کے پانچ نام استعمال کیے گئے ہیں:

(۱) القرآن (۲) الفرقان (۳) الذکر (۴) الکتاب (۵) التنزیل

ان میں سب سے زیادہ مشہور ''القرآن'' ہے۔ قرآن مجید میں اکسٹھ جگہ پر اس کا ذکر موجود ہے۔ علامہ ابوالمعالی نے کتاب البرھان میں قرآن کریم کے پچپن نام ذکر کیے ہیں۔ (۸) اور بعض نے اس سے بھی زیادہ اکانوے تک بیان کیے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے بطور علم ہونے کے مذکورہ پانچ نام ہی ہیں۔ باقی سب صفاتی نام ہیں، مثلاً کریم، حکیم، مجید وغیرہ۔

## حروف مقطعات:

قرآن کریم کی ۲۹ سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ ان حروف کو چونکہ الگ الگ پڑھا جاتا ہے اور ان کو ایک دوسرے سے جوڑ کر کوئی کلمہ اور لفظ نہیں بنایا جاتا اس لیے ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے یعنی ایک دوسرے سے کاٹ کر الگ الگ پڑھے جانے والے حروف مثلاً الف، لام، میم یا صاد یا کاف، ہاء، یا، عین، صاد۔ یہ دراصل ان حروف کے اسماء یعنی نام ہیں لیکن مراد ان کے مسمیات ہیں مثلاً الف، لام، میم۔ ا، ل، م کے نام ہیں۔ ان حروف مقطعات کی کل تعداد ۱۴ ہے جن سے ۲۹ سورتوں کا آغاز ہوا ہے جو کل حروف ہجاء یا حروف تہجی کا نصف ہے۔ یہ چودہ حروف درج ذیل ہیں۔

ا، ل، م، ص، ر، ک، ھ، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن۔

جن کو کسی نے آسانی کے لیے اس جملے میں جمع کرلیا ہے:

نص حکیم قاطع له سر۔

Marfat.com

یعنی ''دانشمند کی عبارت قطعی ہوتی ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی راز ضرور ہوتا ہے۔''

جن ۲۹ سورتوں کا افتتاح ان ۱۴ حروف سے ہوا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

| نمبر شمار | نام سورۃ | مکی یا مدنی | حروف | تعداد حروف |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | البقرہ | مدنی | الم | تین حروف |
| ۲۔ | آل عمران | مدنی | الم | تین حروف |
| ۳۔ | اعراف | مکی | المص | چار حروف |
| ۴۔ | یونس | مکی | الرا | تین حروف |
| ۵۔ | ھود | مکی | الرا | تین حروف |
| ۶۔ | یوسف | مدنی | الرا | تین حروف |
| ۷۔ | الرعد | مکی یا مدنی بنا بر اختلاف | المرا | چار حروف |
| ۸۔ | ابراہیم | مکی | الرا | تین حروف |
| ۹۔ | الحجر | مکی | الرا | تین حروف |
| ۱۰۔ | مریم | مکی | کھیعص | پانچ حروف |
| ۱۱۔ | طہ | مکی | طہ | دو حروف |
| ۱۲۔ | الشعراء | مکی | طسم | تین حروف |
| ۱۳۔ | النمل | مکی | طس | دو حروف |
| ۱۴۔ | القصص | مکی | الم | تین حروف |
| ۱۵۔ | العنکبوت | مکی | الم | تین حروف |
| ۱۶۔ | الروم | مکی | الم | تین حروف |
| ۱۷۔ | لقمان | مکی | الم | تین حروف |
| ۱۸۔ | السجدہ | مکی | الم | تین حروف |
| ۱۹۔ | یس | مکی | یس | دو حروف |
| ۲۰۔ | ص | مکی | ص | ایک حرف |
| ۲۱۔ | المومن | مکی | حم | دو حروف |

Marfat.com

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۲۔ | حم السجدہ | مکی | حم | دوحروف |
| ۲۳۔ | الشوریٰ | مکی | حم عسق | پانچ حروف |
| ۲۴۔ | الزخرف | مکی | حم | دوحروف |
| ۲۵۔ | الدخان | مکی | حم | دوحروف |
| ۲۶۔ | الجاثیہ | مکی | حم | دوحروف |
| ۲۷۔ | الاحقاف | مکی | حم | دوحروف |
| ۲۸۔ | ق | مکی | ق | ایک حرف |
| ۲۹۔ | القلم | مکی | ن | ایک حرف |

فراء نحوی (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ھ) نے اپنی کتاب ''معانی القرآن'' میں اور ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ (م ۳۳۸ھ/ ۹۶۹ء) نے اپنی کتاب اعراب القرآن میں امام سیبویہ اور ان کے استاد خلیل نحوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن کی ۲۹ سورتوں کے آغاز میں جو ''حروف مقطعات'' ذکر ہوئے ہیں یہ اگرچہ اسماء معربہ ہیں مگر جب تک ان پر کوئی عامل داخل نہ ہوا ہو اور انھیں کسی جملے کا حصہ نہ بنایا گیا ہو اس وقت تک یہ جزم وسکون کے ساتھ پڑھے جائیں گے اور ہر حرف پر وقف کیا جائے گا۔ جار اللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ/۱۱۳۴ء) قاضی بیضاوی (م ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) قاضی ابوالسعود (م ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء) اور دوسرے محققین نے بھی فراء، سیبویہ اور خلیل کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور یہی صحیح قول ہے۔(۹)۔

## لفظ سورت کی وجہ تسمیہ اور تعریف:

جس وقت قرآن مجید نازل ہوا، اس وقت کے عرب فصحاء و بلغاء نے اپنے اجمالی و تفصیلی کلام کے الگ الگ نام مقرر کیے ہوئے تھے۔ چونکہ قرآن عربوں کے انداز کلام کے مطابق نازل ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اجمالی و تفصیلی کلام کے الگ الگ نام رکھے ہیں۔ عرب لوگ اپنے مجموئی کلام کا نام ''دیوان'' رکھتے تھے تو اللہ نے اپنے کلام کے مجموعے کا نام ''القرآن'' رکھا۔ عرب لوگ چھوٹے کلام کو قصیدہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے مجموعے کا نام ''سورت'' رکھا۔ عرب لوگ اپنے مختصر کلام کا نام ''بیت'' رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ''آیت'' رکھا۔ عرب لوگ اپنی کلام کی اختتام کو ''قافیہ'' کہتے تھے اور قرآنی آیات کے اختتام کو ''فاصلہ'' کہتے ہیں۔

## لفظ ''سورت'' کا مفہوم:

لفظ سورت مہموز (واؤ کے ہمزہ کے ساتھ) اور غیر مہموز (واؤ کے ہمزہ کے بغیر) دونوں طرح استعمال

Marfat.com

ہوتا ہے لیکن معنی اور وجہ اشتقاق میں کوئی خاص فرق نہیں۔اس کے مآخذ اور اشتقاق کے بارے میں علمائے لغت میں مندرجہ ذیل اختلاف پایا جاتا ہے:

① علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا ماخذ ''سور'' ہے جس کے معنی برتن میں بچی ہوئی چیز کے ہیں۔اس لحاظ سے سورت بھی قرآن کا کچھ حصہ ہوتی ہے۔

② بعض نے اس کو ''سورالبناء'' (عمارت کی دیوار) سے ماخوذ کہا ہے، یعنی جس طرح عمارت مختلف اجزاء کا مرکب ہوتی ہے اسی طرح قرآن بھی مختلف سورتوں سے مرکب ہے۔

③ سورت کا لفظ ''سورالمدینۃ'' (شہر کی دیوار) سے اخذ کیا گیا ہے یعنی جس طرح شہر کی دیوار تمام عمارتوں وغیرہ کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح سورت بھی اپنی تمام آیات کا احاطہ کیے ہوتی ہے۔

④ سورت کا لفظ ''سوار'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی کنگن کے ہیں۔جس طرح کنگن کلائی کو گھیر لیتا ہے اسی طرح سورت بھی اپنی تمام آیات کو گھیر لیتی ہے۔

⑤ سورت کا معنی ''مرتفع اور بلند ہونا'' بھی ہے گویا کہ سورت کلام اللہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے بہت بلند مرتبہ رکھتی ہے اس لیے اسے سورت کہتے ہیں۔

## سورت کی اصطلاحی تعریف:

سورت ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو آغاز اور خاتمہ رکھنے والی آیات پر مشتمل ہو اور اس کی کم از کم تین آیات ہوں۔(۱۰)

## آیت کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

علامہ جوہری (م۳۹۳ھ/۱۰۰۲ء) نے سیبویہ (م۱۸۰ھ/۷۹۶ء) کے حوالے سے اور ابن منظور افریقی (م۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) نے جوہری کی متابعت میں لکھا ہے کہ:

والاصل اوية بالتحريك قال سيبويه موضع العين من الآية واو (۱۱)

''آیۃ کی اصل اویۃ ہے۔حرکات کے ساتھ کیونکہ سیبویہ نے کہا ہے کہ لفظ آیت میں عین کی جگہ پر واؤ ہے۔''

لیکن ابن منظور نے آگے لکھا ہے کہ: قال ابن برى لم يذكر سيبويه ان عين آية واو كما ذكر الجوهرى وانما قال اصلها اية فابدلت الياء الساكنة الفا وحكى عن الخليل ان وزنها فعلة'' (۱۲) (عبداللہ بن بری (م۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) نے کہا ہے کہ سیبویہ نے یہ نہیں کہا کہ آیۃ کے عین کی جگہ پر اصل میں واؤ ہے جیسا کہ جوہری نے ذکر کیا ہے بلکہ اس نے یہ کہا ہے کہ آیہ کی اصل آیۃ ہے (جس کی

Marfat.com

اصل ایية بروزن فعلته ہے) اور یاء ساکن کو الف میں بدل دیا گیا ہے البتہ اس نے خلیل نحوی سے نقل کیا ہے کہ آیة کا وزن فعلة ہے۔

اکثر آئمہ لغت و تفسیر کا قول تو یہ ہے کہ اس کی اصل ایية ہے اور یہی زیادہ مشہور قول ہے لیکن اگر اصل اویة ہو پھر بھی یاء یا واو سے پہلے حرف پر جب زبر ہو تو اسے الف میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی بنا پر ایية یا اویة سے آیة بن گیا ہے اور لغت و تفسیر کے آئمہ نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اس کا بنیادی اور کثیر الاستعمال معنی ہے نشانی، علامت اور دلیل۔

انہی لغوی معنوں کی مناسبت سے ابو اسحاق جعبری (م ۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) نے آیت کے اصطلاحی معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

حد الآية قرآن مركب من جمل ولو تقديرا ذو مبدء ومطلع مندرج في سورة (۱۳)

''آیت کی تعریف یہ ہے کہ یہ مختلف جملوں سے مرکب قرآن کا وہ حصہ ہے جو مبدأ اور مطلع رکھتا ہو یعنی اس کی ابتداء اور اختتام معلوم ہو اگرچہ اس کا مرکب ہونا تقدیری ہو یعنی جملے کا ایک جزء محذوف ہو اور وہ کسی سورت میں شامل ہو۔''

## آیات کی تعداد:

قرآن کریم کی آیات کی تعداد کے بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

- اکثر علماء کے نزدیک کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سولہ آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سینتیس آیات ہیں۔

## رکوعات:

پاروں کی طرح رکوعات بھی بعد میں کسی نے وضع کیے ہیں۔ رکوع کی علامت ''ع'' ہے۔ اس کا مقصد آیات کی اس مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جا سکے اور اسے رکوع بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر بالعموم نمازی رکوع میں چلا جاتا ہے۔ رکوعات کی تقسیم میں اکثر معنی و مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی جہاں ایک مضمون ختم ہوا ہے اور بات پوری ہوگئی ہے وہاں حاشیئے پر رکوع کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ رکوعات کی تقسیم رمضان شریف میں نماز تراویح کے لیے کی گئی ہے تاکہ ہر رکعت میں ایک ایک رکوع پڑھی

Marfat.com

جائے اور ستائیسویں رات میں قرآن کریم ختم کیا جائے۔ مشہور حنفی فقیہ قاضی خان (م ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء) لکھتے ہیں:

وحکی عن المشائخ رحمهم الله تعالیٰ انهم جعلوا قرآن علی خمس مأة اربعین رکوعا اعلموا ذلك فی المصاحف حتی یحصل الختم فی لیلة السابع والعشرین لکثرة الاخبار التی تدل علی انها لیلة القدر وفی غیر هذا البلاد کانت المصاحف معلمة بعشر من الآیات وجعلوا ذلك رکوعات لیقرء فی کل رکعة من التراویح القدر المسنون۔ (١٤)

''مشائخ سے مروی ہے کہ انھوں نے قرآن کو ۵۴۰ رکوعات پر تقسیم کیا ہے اور مصاحف پر ان کی علامات لگادی ہیں تاکہ ستائیسویں رات کو قرآن ختم کیا جاسکے اس لیے کہ اکثر احادیث دلالت کرتی ہیں کہ شب قدر ستائیسویں رات کو ہے لیکن دوسرے علاقوں میں ہر دس آیات پر نشان لگادیا گیا ہے اور اسی کو رکوع بنادیا گیا ہے تاکہ تراویح کی ہر رکعت میں مسنون مقدار پڑھی جائے۔''

ہر دسویں آیت پر رکوع کا نشان لگانے کی وجہ یہ ہے کہ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں دس آیات پڑھنی چاہییں تاکہ نمازیوں پر بوجھ بھی نہ پڑے اور تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن کی فضیلت بھی مل جائے اس لیے کہ ۲۰ والوں کے لیے رمضان کی تیس راتوں میں تراویح کی رکعات کی تعداد ۶۰۰ ہے اور قرآن کی آیات کی تعداد ۶۰۰۰ سے کچھ اوپر ہے اور جب ہر رکعت میں ۱۰ آیتیں پڑھی جائیں تو نماز تراویح میں ایک ختم کی فضیلت مل جائے گی۔ (۱۵) جو بیس رکعت پڑھتے ان کے لیے مناسب ہوتا۔ جو آٹھ پڑھتے وہ اس لحاظ سے تقسیم کرلیتے۔

ایک اور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا، اور آج تک جاری ہے رکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی، جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان رکوعات کی تعیین بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں ہوچکی تھی (۱۶) لیکن روایات سے اس دعوے کی کوئی دلیل راقم کو نہیں مل سکی، البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ''رکوع'' اسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ہے:

ان المشائخ رحمهم الله جعلوا القرآن علیٰ خمسمائة واربعین رکوعا واعلموا ذلك فی المصاحف حتی یحصل الختم فی لیلة السابع والعشرون(١٧)

''مشائخ نے قرآن کریم کے رکوعات کی تعداد پانچ سو چالیس بیان کی ہے اور مصاحف پر ان کی

Marfat.com

علامات لگادی گئی ہیں تاکہ ستائیسویں رات کو قرآن ختم کیا جاسکے۔"

لیکن بقول ناشر جب ہم نے قرآن کریم کے مروجہ نسخوں میں خود گنتی کی تو رکوعات کی تعداد ۵۵۸ پائی، اور بعض اصحاب نے ہمیں خط میں لکھا کہ ان کی گنتی کے مطابق رکوعات کی کل تعداد ۵۶۷ ہے ہوسکتا ہے کہ رکوع کی علامت لگانے میں مختلف نسخوں میں کچھ اختلاف رہا ہو، واللہ اعلم (از ناشر ۱۶/۱۲/۹۲ھ)۔ جہاں تک تعداد رکعت تراویح کا تعلق ہے اس میں وسعت ہے ۸، ۲۰، ۴۰، ۵۰، ۶۰ لیکن صحیح احادیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ۸ رکعت اور مع وتر گیارہ رکعت پڑھی ہیں اور آپ کا معمول تھا کہ پچھلی رات سحری سے قبل پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے تین راتیں جماعت کرائی ہے۔ پھر اسی وجہ سے جماعت نہ کرائی کہ فرض نہ ہو جائے۔ بعد میں حضرت عمر نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری صحابی کو حکم دیا کہ وہ جماعت سے پڑھائیں جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے۔

## تحریر قرآن کے لیے مستعمل اشیاء:

اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں اور عرب میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ البلاذری جو ایک مشہور مؤرخ ہیں کی روایت ہے کہ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو مکہ میں تقریباً ۱۷ اشخاص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور غالباً اتنی ہی تعداد مدینہ منورہ میں ہوگی۔ اگرچہ اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی کہ مدینہ منورہ میں لکھنے پڑھنے کا کتنا رواج تھا۔ لیکن اگر قبیلہ قریش کا یہ عالم تھا جو پورے مکہ میں قیادت کے مقام پر فائز تھا، تو پھر یثرب کے لوگوں کا حال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ لکھنے والے بہت محدود تعداد میں تھے اور اکثریت ان لوگوں کی تھی جو لکھنے پڑھنے سے زیادہ مانوس نہیں تھے۔ جب لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا، تو ظاہر ہے کہ سامان نوشت وخواند بھی زیادہ دستیاب نہیں تھا۔ اس زمانے میں عرب میں کاغذ مل تو جاتا تھا لیکن بہت کم دستیاب تھا۔ عام طور پر لکھنے پڑھنے کے لیے دوسرے وسائل ہوتے تھے۔ جب کبھی کسی کو کچھ لکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو جن لوگوں کے پاس مادی وسائل وافر تھے وہ چین سے اور دوسرے ممالک سے درآمد شدہ کاغذ حاصل کرلیا کرتے تھے۔ یہ کاغذ بہت قیمتی ہوتا تھا اور اس کے لیے قرطاس کی اصطلاح خود قرآن پاک میں موجود ہے۔

عرب میں عام طور پر جس چیز پر لکھنے کا رواج تھا اس کو رِق کہتے تھے، یہ ایک بڑی سی چیز ہوتی تھی جس کو ہرن کی جھلی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کو انگریزی میں parchment کہتے ہیں۔ اور آج بھی اس پر لکھے ہوئے پرانے تحریری نمونے دستیاب ہیں۔ مصر میں یہ ایک پوری صنعت ہے۔ جو لوگ آثار قدیمہ کے شائق ہوتے ہیں وہ ان سے واقف ہیں۔ رِق کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے، رِق منشور، پھیلی ہوئی جھلی پر لکھی ہوئی کتاب کی قسم کھائی گئی ہے۔ جھلی کے لفظ سے یہ نہ سمجھیے گا کہ وہ کوئی بہت بری یا خام قسم کی جھلی ہوتی ہوگی۔ بلکہ اس کو پھیلا کر ایک عمل سے گزار کر اسے کاغذ کی شکل دے دی جاتی تھی اور اس کی شکل تقریباً ویسی ہو جاتی تھی جیسا موٹا کاغذ، جو آج

Marfat.com

کل چیزوں کو لپیٹنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ عام طور پر لکھنے پڑھنے کا سامان نہیں رکھتے تھے وہ عموماً چمڑے کے پارچوں پر، ہڈی پر، یا اونٹ کے شانے کی ہڈی پر لکھا کرتے تھے۔ اس ہڈی سے تقریباً ایک فٹ کی تختی بنائی جاتی تھی۔ جس پر ضروری یادداشتیں اور اہم تحریریں لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک کو بھی انہی چیزوں پر لکھنا شروع کیا گیا۔ ان میں سے کچھ چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ (۱۸)

## تسہیلِ تلاوت کے اقدامات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کارنامے کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں، چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے مصاحف عثمانی کی نقول تیار کر کے قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

لیکن ابھی تک قرآن کریم کے نسخے چونکہ نقطوں اور زیر زبر پیش سے خالی تھے، اس لیے اہل عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، چنانچہ جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کر سکیں، اس مقصد کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

### نقطے:

اہل عرب میں ابتداء حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ لکھنے والا خالی حروف لکھنے پر اکتفا کرتا تھا، اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انھیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بآسانی ہو جاتا تھا، بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا، مؤرخ مدائنی نے ایک ادیب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ:

كثرة النقط فى الكتاب سوء ظن بالمكتوب اليه (۱۹)

"خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مترادف ہے۔"

چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے، اور عمومی رواج کے علاوہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اس رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما سکیں، لیکن بعد میں عجمی اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم پر نقطے ڈالے گئے؟ اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابو الاسود دؤلی رحمہ اللہ نے انجام دیا (۲۰) بعض کا کہنا ہے کہ انھوں نے یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین کے تحت کیا (۲۱) اور بعض نے کہا ہے کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ نے ان سے یہ کام کرایا۔ (۲۲) اور بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر یہ

Marfat.com

کام کیا(۲۳) ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری رحمہ اللہ، یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ اور نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ کے ذریعہ انجام دیا۔(۲۴) بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہی نقطوں کا موجد بھی ہے، اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن علامہ قلقشندی رحمہ اللہ نے (جو رسم الخط اور فن انشاء کے محقق ترین عالم ہیں) اس کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ نقطوں کی ایجاد اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی، ایک روایت کے مطابق عربی رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں، مرامر نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل و وصل کے طریقے وضع کیے، اور عامر نے نقطے بنائے، (۲۵) اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کے سب سے پہلے استعمال کا سہرا حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے دادا ابوسفیان بن امیہ کے سر ہے، انھوں نے یہ حیرہ کے باشندوں سے سیکھے تھے، اور حیرہ کے باشندوں نے اہل انبار سے (۲۶) لہٰذا نقطے ایجاد تو بہت پہلے ہو چکے تھے، لیکن قرآن کریم کو متعدد مصلحتوں کے تحت ان سے خالی رکھا گیا تھا، بعد میں جس نے بھی قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہ نقطوں کا موجد نہیں ہے، بلکہ صرف قرآن کریم میں ان کا استعمال سب سے پہلے اس نے کیا (۲۷)

## حرکات:

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر زبر پیش) بھی نہیں تھیں، اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے، کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ اور نصر بن عاصم لیثی رحمہ اللہ سے کرایا۔(۲۸)۔ اس سلسلے میں تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آجکل معروف ہیں، بلکہ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ (-٠) اور تنوین کے لیے دو نقطے (٠٠ یا ٠٠ یا -٠٠) مقرر کیے گئے۔(۲۹) بعد میں خلیل بن احمد رحمہ اللہ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں، (۳۰) اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ، نصر بن عاصم رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لیے نقطوں کی بجائے زیر زبر پیش کی موجودہ صورتیں، ( َ ، ِ ، ُ ) مقرر کی گئیں، تاکہ حروف کے ذاتی نقطوں سے ان کا التباس پیش نہ آئے۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

## احزاب یا منزلیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک دفع قرآن کریم مکمل پڑھ لیتے تھے، اس مقصد کے لیے انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے ''حزب'' یا ''منزل'' کہا جاتا ہے، اس طرح

Marfat.com

قرآن کریم کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا، حضرت اوس بن حذیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا آپ نے قرآن کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا، چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا، چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری حزب مفصل سورت ق سے آخر تک کا ہے۔(۳۱)

## اجزاء یا پارے:

آج کل قرآن کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے جنھیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لیے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کردیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کراتے وقت انھیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے (۳۲) لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس پارے مشہور چلے آئے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے (۳۳) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تعلیم کی سہولت کے لیے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

## اخماس اور اعشار:

قرونِ اولیٰ کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا، اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد (حاشیہ پر) لفظ ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ ''عشر'' یا ''ع'' لکھ دیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو ''اخماس'' اور دوسری قسم کی علامتوں کو ''اعشار'' کہا جاتا تھا (۳۴) علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے (۳۵) ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا (۳۶) لیکن یہ دونوں اقوال اس لیے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ''اعشار'' کا تصور ملتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ میں روایت ہے:

"عن مسروق عن عبداللہؓ انه کره التعشير فی المصحف۔"(۳۷)

''مسروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مصحف میں اعشار کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اعشار'' کا تصور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی میں پیدا ہو چکا تھا۔

Marfat.com

## رموز اوقاف:

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لیے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارات لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو ''رموز اوقاف'' کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی دان انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، ان میں اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابو عبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمہ اللہ نے وضع فرمائے ہیں۔ (۳۸) ان رموز کی تفصیل یہ ہے:

ط: یہ ''وقف جائز'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لیے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج: یہ ''وقف جائز'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز: یہ ''وقف مجوز'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا تو درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص: ''وقفِ مرخص'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہو گیا ہے، اس لیے سانس لینے کے لیے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہیے۔ (۳۹)

م: یہ ''وقف لازم'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے ''وقف واجب'' بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقات میں اس جگہ وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۴۰)

لا: یہ ''لا تقف'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''یہاں نہ ٹھہرو'' لیکن اس کا منشاء یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتداء کرنا مستحسن نہیں (۴۱)

ان رموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندی رحمہ اللہ کے وضع کیے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رموز قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:

مع: یہ ''معانقہ'' کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے، جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جا سکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں، مثلاً

Marfat.com

﴿ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ الخ﴾ اس میں اگر التورۃ پر وقف کرلیا تو انجیل پر وقف درست نہیں، اور اگر الانجیل پر وقف کرنا ہے تو التوراۃ پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں، تو درست ہے، اس کا ایک نام ''مقابلہ'' بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشاں دہی امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ نے فرمائی ہے (۴۲)

سکتہ: یہ ''سکتہ'' کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رکنا چاہیے لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ: اس جگہ ''سکتہ'' سے قدرے زیادہ دیر تک رکنا چاہیے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق: یہ ''قیل علیہ الوقف'' کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف: یہ لفظ ''قف'' ہے، جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ، اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے: ''الوصل اولیٰ'' کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں کہ ''ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔''

صل: ''قد یوصل'' کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

یہ رموز کافی مشہور ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا واضع و موجد کون ہے؟

## قرآن کریم کی طباعت:

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا، قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے، اور ہر دور میں ایسے کاتبوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جن کا کتابت قرآن کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا، قرآن کریم کے حروف کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کے لیے مسلمانوں نے محنتیں کیں اور جس طرح اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا، اس کی ایک بڑی مفصل اور دلچسپ تاریخ ہے، جس کے لیے مستقل تصنیف چاہیے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۱ء میں قرآن کریم طبع ہوا، جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے، لیکن اسلامی دنیا میں ان کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی، اس کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا، ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا، پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہو گئے (۴۳)۔

Marfat.com

## علم مصاحفِ مبارکہ:

(اسی طرح کی روایت کو امام ابوعبیدہ القاسم بن سلام (م۔۲۲۴ھ) نے فضائل القرآن میں مکی بن ابی طالب القیسی (م۔۴۳۷ھ) نے الابانہ میں اور ابن ابی داؤد السجستانی نے کتاب المصاحف میں ذکر کیا ہے۔)

البتہ دو نام ایسے ملتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرام اور ان کے براہ راست شاگردوں کے ذاتی مصاحف کا کسی قدر تتبع کرتے ہوئے جزوی تفصیلات جمع کی ہیں۔ ان میں ابنِ اشتہ اور ابن ابی داؤد بجستانی کے نام سرفہرست ہیں۔ جنھوں نے کتاب المصاحف کے نام سے کتب تحریر کیں۔ ابن اشتہ کی کتاب کا سراغ نہیں ملتا، البتہ کتاب المصاحف لابن ابی داؤد بجستانی مشہور مستشرق آرتھر جیفری کی تحقیق کے ساتھ غالباً لندن سے چھپی۔ جیفری کی تحقیق میں بہت سارے نقائص ہیں ان کا تذکرہ سرگودھا یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری نے اپنے ایک مضمون "Variant Readings of the Quran, The Case of Arther Jeffery" جو امریکن جنرل آف اسلام سوشل سائنسز AJISS میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے اندر کچھ نقائص کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ میرے عزیز محترم ڈاکٹر محمد فیروز الدین شاہ کھگہ نے اپنی کتاب "اختلافِ قراءات اور نظریہ تحریف قرآن" (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور) میں تقریباً ۸۰ صفحات پر جیفری کے نقائص کا نمایاں تذکرہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ اب عرب کے ایک عالم عبدالسبحان واعظ نے نئے سرے سے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد بجستانی کی تحقیق کی ہے جس میں جابجا جیفری کی فروگزاشتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

## قراءات اور ان کی تدوین:

تلاوت کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد قرأتوں میں نازل فرمایا تھا، قرأتوں کے اس اختلاف سے آیات کے مجموعی معنی میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، لیکن تلاوت اور ادائیگی کے طریقوں میں فرق ہو جاتا ہے، اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لیے آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

امت مسلمہ نے قرآن کریم کی ان قرأتوں کو بھی ہر دور میں محفوظ رکھا ہے، اور اس غرض کے لیے بے مثال خدمات انجام دی ہیں، یہاں ان جلیل القدر خدمات کا مختصر تذکرہ بھی ممکن نہیں، البتہ چند اشارات ضروری ہیں۔

قرآن کریم کی اشاعت کا اصل مدار کتابت کے بجائے حافظہ اور نقل و روایت پر ہے، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ مصاحف عثمانی کو نقطوں اور حرکات سے اسی لیے خالی رکھا گیا تھا، تاکہ اس میں تمام مسلم قرأتیں سما سکیں، چنانچہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مصاحف عالم اسلام کے مختلف خطوں میں روانہ کیے تو ان کے ساتھ ایسے قراء کو بھی بھیجا جو ان کی تلاوت سکھا سکیں، چنانچہ یہ قاری حضرات جب مختلف علاقوں میں پہنچے تو انھوں نے اپنی اپنی قرأت کے مطابق لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی، اور یہ مختلف قرأتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اس موقع پر بعض حضرات نے

Marfat.com

ان مختلف قرأتوں کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے ہی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اور اس طرح "علم قراءت" کی بنیاد پڑ گئی، اور ہر خطے کے لوگ اس علم میں کمال حاصل کرنے کے لیے ائمہ قراءت سے رجوع کرنے لگے، کسی نے صرف ایک قراءت یاد کی، کسی نے دو، کسی نے تین، کسی نے سات اور کسی نے اس سے بھی زیادہ، اس سلسلے میں ایک اصولی ضابطہ پوری امت میں مسلم تھا، اور ہر جگہ اسی کے مطابق عمل ہوتا تھا، اور وہ یہ کہ صرف وہ "قرأت" قرآن ہونے کی حیثیت سے قبول کی جائے گی جس میں تین شرائط پائی جاتی ہوں:

(۱) مصاحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

(۲) عربی صرف ونحو کے قواعد کے مطابق ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، اور ائمہ قراء میں مشہور۔

جس قرأت میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو، اسے قرآن ہونے کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جاتا، اس طرح متواتر قرأتوں کی ایک بڑی تعداد نسلاً بعد نسل نقل ہوتی رہی، اور سہولت کے لیے ایسا بھی ہوا کہ ایک امام نے ایک یا چند قرأتوں کو اختیار کر کے انہی کی تعلیم دینی شروع کر دی، اور وہ قراءت اس امام کے نام سے مشہور ہوگئی، پھر علماء نے ان قرأتوں کو جمع کرنے کے لیے کتابیں لکھنا شروع کیں، چنانچہ سب سے پہلے امام ابو عبیدہ قاسم ابن سلام رحمہ اللہ، امام ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ، قاضی اسمٰعیل رحمہ اللہ اور امام ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے اس فن پر کتابیں مرتب کیں، جن میں بیس سے زیادہ قرأتیں جمع تھیں، پھر علامہ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس ابن مجاہد رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ/۹۳۵ء) نے ایک کتاب لکھی جس میں صرف سات قراء کی قرأتیں جمع کی گئی تھیں ان کی یہ تصنیف اس قدر مقبول ہوئی کہ یہ سات قراء کی قرأتیں بہت زیادہ مشہور ہوگئیں، بلکہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ صحیح اور متواتر قرأتیں یہی ہیں، باقی قاریوں کی قرأتیں صحیح یا متواتر نہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے محض اتفاقاً سات قرأتوں کو جمع کر دیا تھا، ان کا منشاء یہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کے سوا اور دوسری قرأتیں غلط یا ناقابل قبول ہیں، علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کے اس عمل سے دوسری غلط فہمی یہ بھی پیدا ہوئی کہ بعض لوگ "سبعۃ احرف" کا مطلب یہ سمجھنے لگے کہ ان سے یہی سات قرأتیں مراد ہیں جنھیں ابن مجاہد رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے، حالانکہ "سبعۃ احرف" کی صحیح تشریح یہ نہیں ہے۔

بہر حال! علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کے اس عمل سے جو سات قاری سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن کثیر الداری رحمہ اللہ (م ۱۲۰ھ/ ۷۳۸ء) آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی، اور آپ کی قرأت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہور ہوئی، اور آپ کی قرأت کے راویوں میں بزی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم رحمہ اللہ (م ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء) آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا تھا، جو براہ راست حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، آپ کی

Marfat.com

قرأت مدینہ طیبہ میں مشہور ہوئی، اور آپ کے راویوں میں ابوموسیٰ قالون رحمہ اللہ (م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء) اور ابوسعید ورش (م ۱۹۷ھ/۸۱۲ء) مشہور ہوئے۔

③ عبداللہ الیحصبی (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء) جو ابن عامر رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہیں، آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی اور قرأت کا فن حضرت مغیرہ بن شہاب مخزومی رحمہ اللہ سے حاصل کیا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، آپ کی قراءت کا زیادہ رواج شام میں رہا۔ اور ان کی قرأت کے راویوں میں ہشام اور ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔

④ ابوعمرہ زبان بن العلاء بن عمار رحمہ اللہ (م ۱۵۴ھ/۷۷۰ء) آپ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور آپ کی قراءت بصرہ میں کافی مشہور ہوئی، آپ کی قرأت کے راویوں میں ابوعمر الدوری (م ۲۴۲ھ/۸۵۶ء) اور ابوشعیب سوسی رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء) زیادہ مشہور ہیں۔

⑤ حمزہ بن حبیب الزیات رحمہ اللہ مولیٰ عکرمۃ بن ربیع التیمی (م ۱۸۸ھ/۸۰۳ء) آپ سلیمان اعمش رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، وہ یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ کے وہ زر بن جیش رحمہ اللہ کے، اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا تھا، آپ کے راویوں میں خلف بن ہشام رحمہ اللہ (م ۱۸۸ھ/۸۰۳ء) اور خلاد بن خالد رحمہ اللہ (م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء) زیادہ مشہور ہیں۔

⑥ عاصم بن ابی النجود الاسدی (م ۱۲۷ھ/۷۴۴ء) آپ حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اور ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی قرأت کے راویوں میں شعبہ بن عیاش (م ۱۹۳ھ/۸۰۸ء) اور حفص بن سلیمان (م ۸۰ھ/۶۹۹ء) زیادہ مشہور ہیں، آج کل عموماً تلاوت حفص رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ہوتی ہے۔

⑦ ابوالحسن علی بن حمزۃ الکسائی النحوی (م ۱۸۹ھ/۸۰۴ء) ان کے راویوں میں ابوالحارث مروزی رحمہ اللہ (م ۲۴۰ھ/۸۵۴ء) اور ابوعمر الدوری رحمہ اللہ (جو ابوعمرو رحمہ اللہ کے بھی راوی ہیں) زیادہ مشہور ہیں، موخر الذکر تینوں حضرات کی قرأتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔

ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قرأتیں متواتر اور صحیح ہیں۔ چنانچہ بعد میں جب یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ صحیح قرأتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں، تو متعدد علماء نے (مثلاً علامہ شذائی رحمہ اللہ اور ابوبکر بن مہران رحمہ اللہ نے) سات کے بجائے دس قرأتیں ایک کتاب میں جمع فرمائیں، چنانچہ "قرآت عشرہ" کی اصطلاح مشہور ہوگئی، (۱) (النشر فی القرآت العشر ۱/۳۴) ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا قراء کے علاوہ ان تین حضرات کی قرأتیں بھی شامل کی گئیں۔

① یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمہ اللہ (م ۲۲۵ھ/۸۳۹ء) آپ نے سلام بن سلیمان الطویل سے "استفادہ کیا اور انھوں نے عاصم رحمہ اللہ اور ابوعمرو رحمہ اللہ سے، آپ کی قرأت زیادہ تر بصرہ میں ہوئی۔

Marfat.com

(۲) خلف بن ہشام رحمہ اللہ (م ۲۰۵ھ/ ۸۲۰ء) آپ نے سلیم بن عیسیٰ بن حمزہ بن حبیب زیارت سے استفادہ کیا تھا، چنانچہ آپ حمزہ رحمہ اللہ کی قرأت کے بھی راوی ہیں، آپ کی قراءت کوفہ میں زیادہ رائج تھی۔

(۳) ابوجعفر یزید بن القعقاع رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء) آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا تھا، اور آپ کی قرأت مدینہ طیبہ میں رائج رہی۔

اس کے علاوہ بعض حضرات نے چودہ قاریوں کی قرأتیں جمع کیں، اور مذکورہ دس حضرات پر مندرجہ ذیل قراء کی قرأتوں کا اضافہ کیا:

(۱) حسن بصری رحمہ اللہ: (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) آپ کبار تابعین میں سے ہیں، اور آپ کی قرأت کا مرکز بصرہ میں تھا۔

(۲) محمد بن عبدالرحمن ابن محیصن رحمہ اللہ: (م ۱۲۳ھ/ ۷۴۰ء) آپ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے شاگرد اور ابوعمرو رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، اور آپ کا مرکز مکہ مکرمہ میں تھا۔

(۳) یحیٰ بن مبارک یزیدی: (م ۲۰۲ھ/ ۸۱۷ء) آپ بصرہ کے باشندے تھے، ابوعمرو رحمہ اللہ اور حمزہ رحمہ اللہ سے استفادہ کیا تھا۔

(۴) ابوالفرج محمد بن احمد شنبوزی رحمہ اللہ (م ۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء) آپ بغداد کے باشندے تھے، اور اپنے استاذ ابن شنبوز رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے شنبوزی کہلاتے تھے۔

بعض حضرات نے چودہ قاریوں میں حضرت شنبوزی رحمہ اللہ کے بجائے حضرت سلیمان اعمش رحمہ اللہ کا نام شمار کیا ہے۔

ان میں سے پہلی دس قرأتیں صحیح قول کے مطابق متواتر ہیں، اور ان کے علاوہ شاذ ہیں (۴۴)

ہمارے زمانے کے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ نے اپنے استاذ بیل (Bell) کی متابعت میں ابن مجاہد رحمہ اللہ کے عمل کی جو غلط تشریح کی ہے یہاں اس کی نشاندہی بھی مناسب ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے سات قرأتیں جمع کر کے ایک طرف تو یہ واضح کیا کہ حدیث میں قرآن کریم کے جن "سات حروف" کا تذکرہ ہے ان سے یہی "سات قرأتیں" مراد ہیں، دوسری طرف ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ان سات قرأتوں کے علاوہ دوسری کوئی قرأت قابل اعتماد نہیں، چنانچہ دوسرے علماء نے بھی ان کے اس نظریہ کو قبول کرلیا، اور اسی بناء پر علماء نے ابن مقسم رحمہ اللہ اور ابن شنبوز رحمہ اللہ کو اپنے نظریات سے رجوع کرنے پر مجبور کیا، کیونکہ وہ دوسری قرأتوں کو بھی قابل اعتماد سمجھتے تھے" (۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ واٹ کے مذکورہ بالا بیان میں ایک بات بھی درست نہیں، دراصل اس زمانے میں مختلف علماء اور قراء نے اپنی اپنی سہولت کے لحاظ سے کئی کئی قرأتیں ایک ایک کتاب میں جمع کر رکھی تھیں، ان میں سے کسی کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے علاوہ دوسری قرأتیں ناقابل اعتماد ہیں، خود امام ابن مجاہد رحمہ اللہ نے بھی ان سات قرأتوں کو

Marfat.com

جمع کرتے وقت کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ ''سات احرف'' کی تشریح ہے، اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ صحیح قراٰتیں انھیں سات میں منحصر ہیں، دوسرے علماء نے بھی ان کے عمل سے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ وہ دوسری قراٰتوں کو نا قابل اعتماد قرار دینا چاہتے ہیں، اس کے بجائے تمام محقق علماء اس خیال کی ہمیشہ تردید کرتے آئے ہیں، علم قرأت کے مستند ترین عالم علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں اس خیال کی سخت تردید کی ہے، فرماتے ہیں:

''ہم نے اس بحث کو اس لیے طول دیا ہے کہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض بے علم لوگ صرف انہی سات قراٰتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد صرف یہی سات قراٰتیں ہیں اسی بناء پر بہت سے ائمہ متقدمین نے ابن مجاہد رحمہ اللہ پر یہ تنقید کی ہے کہ انھیں سات قراٰتیں جمع کرنے کے بجائے سات سے کم یا سات سے زائد قراٰتیں ذکر کرنی چاہیے تھی، یا اپنی مراد واضح کر دینی چاہیے تھی تا کہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے'' (۴۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بہت سے آئمہ قراءت کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے صرف ''مصاحف سبعہ'' کے عدد کی رعایت سے ''سات قراٰتیں'' جمع کر دیں، ورنہ ان کا مقصد باقی قراٰتوں کو غلط یا نا قابل اعتماد قرار دینا نہیں تھا۔ (۴۷)

رہا ابن مقسم رحمہ اللہ اور ابن شنبوز رحمہ اللہ کا قصہ، تو دراصل علماء نے جو ان کی تردید کی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ان سات قراٰتوں کے علاوہ دوسری قراٰتوں کو کیوں صحیح سمجھتے ہیں؟ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ امت کے تمام علماء اس بات پر متفق رہے ہیں کہ کسی قراءت کے صحیح ہونے کے لیے تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے، ایک یہ کہ مصحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو، دوسرے یہ کہ عربی صرف ونحو کے قواعد کے مطابق ہو، تیسرے یہ کہ وہ صحیح سند کے ساتھ منقول اور ائمہ قرأت میں مشہور ہو، یہ شرائط جس قراءت میں بھی پائی جائیں وہ قابل قبول ہے، خواہ وہ سات قراٰتوں میں شامل ہو یا نہ ہو، اور جہاں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو وہ نا قابل اعتماد ہے، خواہ وہ ان سات قراٰتوں میں شامل ہی کیوں نہ ہو، لیکن ابن مقسم رحمہ اللہ (ابن مقسم رحمہ اللہ کا پورا نام ابوبکر محمد بن الحسن بن یعقوب اور ابن شنبوز رحمہ اللہ کا پورا نام محمد بن احمد بن ایوب ہے) اور ابن شنبوز رحمہ اللہ نے اس اجماعی اصولوں کی خلاف ورزی کی تھی، ابوبکر محمد بن مقسم رحمہ اللہ کا کہنا یہ تھا کہ قرأت کے صحیح ہونے کے لیے صرف پہلی دو شرطیں کافی ہیں، لہٰذا اگر کوئی قرأت مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق ہو اور عربیت کے لحاظ سے بھی صحیح ہو تو اسے قبول کر لیا جائے گا، خواہ اس کی کوئی سند موجود نہ ہو، اور ابن شنبوز رحمہ اللہ نے اس کے برعکس یہ کہا تھا کہ اگر کوئی قرات صحیح سند سے منقول ہو تو خواہ رسم عثمانی میں اس کی گنجائش نہ نکلتی ہو، اسے پھر بھی قبول کر لیا جائیگا، اس بناء پر امت کے تمام علماء نے ان دونوں کی تردید کی، اس مقصد کے لیے مباحثہ کی مجلسیں بھی ہوئیں اور بالآخر ان دونوں نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (۴۸)

Marfat.com

# رسم عثمانی کا تعارف

## رسم کا لغوی مفہوم:

اکثر ماہرین لغت نے اس کا معنی اثر کیا ہے،(۴۹) جس کے معنی نشان یا علامت کے ہیں۔ علامہ ابوطاہر السندی نے اس اثر کے معنی کو کتابت کے معنی میں لیا ہے۔" اثر الکتابة فی اللفظ۔" (۵۰)، ابن منظور لفظ رسم کے ذیل میں لکھتے ہیں

"الرسم :الاثر ، وقیل : بقیة الاثر ، وقیل وھومالیس له شخص من الآثار ---- ترسمت المنزل : تاملت رسمه قال ذوالرمة : ان ترسمت من خرقاء منزلة "(۵۱)

مرتضی الزبیدی کے نزدیک:

" رسم (الاثر )، والرسوم (العلامة ) ---- والرواسیم :(کتب کانت فی الجاھلیة)(۵۲)

صاحب مقیاس اللغۃ اس کا معنی یوں کرتے ہیں:

"رسم : الراء والسین والمیم ، اصلان : احدھما الاثر والآخر ضرب من السیر (۵۳)

یعنی رسم کا ایک معنی تو اثر ہے اور دوسرا معنی چلنے کی ایک قسم ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے۔"الاثر یدل علی الماشی"

## لفظ رسم کی اصطلاحی تعریف:

اثر اور علامت کے معنی اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آثار مرئیہ کے لیے بولے جانے والے الفاظ کا انتقال بھی رسم کے مرہون منت ہے، لہذا رسم عثمانی کی تعریف سے قبل رسم کی اصطلاحی تعریف کا تعین ضروری

Marfat.com

ہے، چنانچہ رسم کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ السندی لکھتے ہیں:

"تصوير كلمة بحروف هجائها ، بتقدير الابتداء بها والوقوف عليها ، لتتحول اللغة المنطوقة الى آثار مرئية " (۵۴) یعنی کسی کلمہ کے حروف ھجاء کی اسی صورت جس کی مدد سے کلمہ کی ابتدا اور وقف کا اندازہ ہوتا ہے تاکہ بولی جانے والی زبان نظر آنے والے آثار پر دلالت کرے، انہی الفاظ کو الدکتور السید رزق الطّویل اس پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

" وفي الاصطلاح : تصوير الالفاظ بحروف هجائها، لتتحول اللغة المنطوقة الى آثار مرئية تتيح لمن يطلعون عليها ان يحصلوا ماتدل عليه من علوم وافكار "(۵۵)

گویا حروف تہجی کی صورتوں کا اصطلاحی نام رسم ہے اور حروف ھجاء جب لغت منطوقہ سے آثار مرئیہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو یہ قارئین کے لیے توجہ کا ایک سبب بنتی ہے کہ وہ ان نقوش اور صورتوں سے علوم وافکار کا حصول ممکن بنائیں۔ کیونکہ:

"الخط سمط الحكمة وبه تفصل شذوذها وينتظم منثورها"(۵۶)

کہ خط حکمت کا ایک دھاگہ ہے جس کے ذریعے منتشر چیزوں کو جوڑا اور پراگندہ اشیاء کو جمع کیا جاتا ہے۔

## رسم عثمانی کا مفہوم:

کلمات قرآنیہ کی املا مخصوص قواعد کے تحت، عام عربی املاء یا رسم املائی سے مختلف ہے، اس اختلاف کی بنیاد کلمات قرآنیہ کی کتابت میں ملحوظ رکھی گئی جو خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان کے لکھوائے گئے مصحف میں اختیار کی گئی، حضرت عثمان نے چونکہ امت کو اسی رسم کے التزام پر جمع کیا لہذا اسی بنیاد پر اس کو رسم عثمانی کا نام دیا گیا۔ اس کے متعلق الدکتور صبحی صالح لکھتے ہیں:

"ماينسبون هذا الرسم الى الخليفة الذى ارتضاه فيقولون : رسم عثمان او الرسم العثماني "(۵۷)

رسم عثمانی کو بعض علماء رسم نے رسم توقیفی کا نام بھی دیا ہے۔ رسم توقیفی کی تعریف موضوع اور فوائد کا ذکر کرتے ہوئے علامہ المارغنی رقمطراز ہیں: "الرسم التوقيفي : حروف المصاحف العثمانية من حيث الحذف والزيادة الابدال والفصل والوصل ونحو ذلك " (۵۸) یعنی رسم توقیفی وہ علم ہے جس کا موضوع، حذف، زیادت، ابدال اور فصل و وصل کے لحاظ سے انہی مصاحف عثمانیہ کے حروف ہیں، رسم عثمانی کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اسی کی بدولت رسم مصحف کے موافق اور مخالف قرأت کی تمییز میں مدد ملتی ہے۔

Marfat.com

## رسم عثمانی کے اسباب و محرکات:

دور صدیقی میں حفظ صدور کے ساتھ ساتھ ایک ایسا نسخہ بھی تیار ہو گیا جو دار الخلافہ مدینہ منورہ میں موجود رہا اور بیرونی مسلمانوں کے لیے امام اور معیار کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ جب حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں فتوحات اسلامی کا دائرہ ہر جانب وسیع تر ہوتا گیا تو نو مسلموں میں عجمی لوگوں کی کثیر تعداد شامل ہوئی جنھوں نے صحابہ کرام سے قرآن پڑھنا اور سیکھنا شروع کیا۔ ہر صحابی اپنے حلقہ درس میں قرآن مجید کو انھیں قراءت سے پڑھاتا جو اس نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی۔ تابعین کے طبقہ نے بھی صحابہ سے براہ راست قرأت اور اس کی مختلف وجوہ سیکھی۔ جس کی بنیاد پر قرات کے اولیٰ اور غیر اولی ہونے کے دعوے منظر عام پر آنے لگے۔

لیکن حضرت عثمان کے ایام خلافت میں یہ صورت حال شدید سے شدید تر ہو گئی میدان جنگ کے ساتھ ساتھ میدان تعلیم بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا اور کلمات قرآنیہ کا انداز و قرات شدید نزاع میں بدلتا ہوا دکھائی دیا۔ ایسی صورت حال میں صحابہ کرام کا فکر مند ہونا ایک فطری عمل تھا۔

شہر کوفہ جلیل قدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود معلم وفقیہ کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود متعلمین کو مختلف لہجات میں قرآن پڑھا کرتے تھے جو عرضہ اخیرہ سے قبل مشروع تھا۔ بعض صحابہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو آگاہ فرمایا کہ قرآن صرف لغت قریش ہی میں عام کیا جائے ورنہ اختلاف کے شدید ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ ابن حجر نے اس کو نقل کیا ہے۔

"ان عمر انكر على ابن مسعود قراء ته (عتى حين)، اى (حتى حين) وكتب اليه ان القران لم ينزل بلغة هذيل ، فاقرء ى الناس بلغة قريش ، ولا تقرئهم بلغة هذيل ، وكان ذلك قبل ان يجمع عثمان الناس على قراء ة واحدة۔"(۵۹)

اسی اختلاف کو ابن ابی داود نے بھی بیان کیا ہے:

"ان ناسا كانوا بالعراق يسال احدهم عن الاية فاذا قراها ، قال : انى اكفر بهذا ، ففشا ذلك فى الناس ، واختلفوا فى القرآن"(۶۰)

یعنی اہل عراق جب ایک دوسرے سے کسی آیت کے بارے میں سوال کرتے تو وہ (ان کو کسی اور وجہ سے) پڑھ کر سناتا تو سننے والا کہتا کہ میں اس انداز قرات میں پڑھنے والے کو کافر کہتا ہوں کیونکہ اس وقت کے مصحف میں ایسا رسم موجود نہیں تھا جس میں مختلف قرات سما سکیں۔(۶۱) یہ صورت حال عام ہوتی چلی گئی اور وہ قرآن میں اختلاف کرنے لگے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ اختلاف ان مکاتیب اور مدارس میں داخل ہوگیا جہاں چھوٹے بچے قرآن سیکھتے تھے۔(۶۲)

لہٰذا ان اسباب ومحرکات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فکر مند ہونے پر مجبور کیا کہ وہ لوگوں کو تمام قرات متواترہ کے جامع رسم اور ہجہ کے لحاظ سے مکمل مصحف وواحد پر جمع کردیں۔ لیکن حذیفہ بن یمان کے مشاہدے اور اس اختلاف کی نشاندہی پر حضرت عثمان کے اس فکر میں مزید اضافہ ہوا اور انھوں نے جمع قرآن کا حکم ارشاد فرمایا۔(۶۳)

## کتابت مصاحف کے لیے حضرت عثمان کی قائم کردہ کمیٹی:

صحابہ کرام سے مشاورت اور اجماع صحابہ کے بعد حضرت عثمان نے کتابت مصاحف کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے سربراہی حضرت زید بن ثابت کے سپرد ہوئی جبکہ باقی ارکان میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید ابن العاص اور حضرت عبدالرحمان بن حارث شامل تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن الجزری نے اسکی وضاحت کی ہے۔(۶۴)

بعض روایات میں مزید پانچ ارکان کے نام بھی ملتے ہیں کہ ضرورت کے پیش نظر حضرت عثمان نے حضرت زید کے ساتھ مزید پانچ ارکان ملا دیے۔

" بحسب الحاجة الى عدد المصاحف التي ترسل الى الآفاق ، فاضاقوا الى زيد جماعة منهم مالك بن ابى عامر كثير بن افلح وابى ابن كعب وانس بن مالك و عبدالله بن عباس۔"(٦٥)

یعنی مضافات میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد کے پیش نظر انھوں نے حضرت زید کی کمیٹی میں چند افراد مالک بن ابی عامر، کثیر بن افلح، ابی بن کعب، انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس کو بھی شامل کیا۔

جبکہ بعض روایات میں مزید تین صحابہ: حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عبان بن سعید کے اسماء کا بھی ذکر ہے۔(٦٦)۔

چنانچہ روایات بالا کی روشنی اس کمیٹی کے ارکان کی تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ غالباً اسی لیے بعض علماء نے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے جس میں ان ارکان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے:" وعن محمد بن سيرين: ان جمع اثنى عشر رجال من قريش والانصار ۔۔۔ الخ"(٦٧)۔

## کتابت مصاحف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منہج اور دستور

جمع عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی روایات وآثار کی روشنی میں، مصاحف کی تیاری اور ان کی کتابت کے لیے ملحوظ رکھے گئے دستور اور شرائط حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

① جمع سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عہد صدیقی میں، مصحفِ واحد کی صورت میں، جمع کیے گئے نسخہ پر اعتماد رکھتے ہوئے اسی کو مصدر بنایا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زیرِ تصرف رہا اور ان کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زیر نگرانی رہا۔ مروان بن حکم نے اپنے دور حکومت میں اس کو جلا دیا۔ (۶۸)۔

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پڑے ہوئے مصحف صدیقی کو منگوا کر اس کے مطابق مصاحف میں قراءاتِ متواترہ کی شمولیت کا امکان پیدا کرتے ہوئے ان کو لغتِ قریش پر لکھوایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الاعتماد علی عمل اللجنة الاولی التی تولت الجمع علی عهد ابی بکر، ای علی ربعة حفصة التی اشرنا الیها" (۶۹)

② کُتّابِ مصاحف پر مشتمل جماعت کی ذاتی سربراہی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ترتیب دی گئی جماعت کی خود نگرانی فرمائی اور کسی بھی اختلافی قضیہ کا فیصلہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، مثلاً: لفظِ تابوت میں ہونے والے اختلاف کا فیصلہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ سیوطی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"ان یتعاهد اللجنة خلیفة المسلمین نفسه"۔ (۷۰)

③ براہ راست سماع من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرط:

مصاحف میں قراءات کی شمولیت کے لیے اس کا براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع اور عرصہ اخیرہ میں اس کی اجازت کے ثبوت کیا ہو (۷۱) اس دوران اگر کسی کلمہ میں اختلاف ہوتا تو کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جاتا جس نے وہی کلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قراءۃ کے ساتھ سنا ہوتا، جیسا کہ علامہ دانی نے لکھا ہے: ''جب کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو صحابہ کہتے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں آدمی کو پڑھائی تھی، چنانچہ اس کو بلایا جاتا اگرچہ وہ مدینہ سے کئی میل کے فاصلے پر ہوتا۔ پھر اس سے پوچھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں فلاں آیت کیسے پڑھائی تھی؟ تو وہ کہتا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھائی تھی، اس توثیق کے بعد صحابہ اس آیت کو لکھ لیتے'' (۷۲)۔

④ لسان قریش پر جمع قرآن:

جمع عثمانی سے قبل تمام قبائل عرب اپنے اپنے لہجات اور لغات کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "انا جعلنه قرانا عربیا" اس اختلافِ لہجات ولغات کی وجہ سے قرآنی کلمات

Marfat.com

میں بظاہر تغیر نظر آنے لگا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے مختلف فیہ کلمات کو لغتِ قریش کے مطابق لکھنے کا ارشاد فرمایا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مادری زبان تھی اور قرآن لسانِ قریش ہی میں نازل ہوا تھا لیکن سہولت کی خاطر عرضۂ اخیرہ سے قبل عرب قبائل کو اپنے لہجات اور زبانوں میں پڑھنے کی اجازت تھی۔ لسانِ قریش پر جمع قرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی کلمات کا بڑا حصہ لسانِ قریش کے موافق ہے، ورنہ دیگر قبائل کے کئی الفاظ بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔

روایات میں صرف لفظِ 'تابوت' کی ایک ایسی مثال ملتی ہے جس کے بارے میں کُتّاب کے مابین اختلاف واقع ہوا۔ اس اختلاف کا ذکر کرتے ابن ابی داؤد، ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''اصحاب قریش نے کہا کہ 'التابوت' یعنی تائے مفتوحہ کے ساتھ لکھا جائے جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ اس کو ہاء کے ساتھ 'التابوة' لکھا جائے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 'التابوت' لکھنے کا حکم دیا کیونکہ یہ لسانِ قریش کے مطابق تھا اور اسی طرح اس کا طریق نزول تھا۔ (۷۳)

لغتِ واحد پر جمع سے مراد یہ تھا کہ لغت مذکورہ میں، رسول اللہ ﷺ سے ثابت قراءاتِ متواترہ جمع ہو سکے اگرچہ اس کے وجوہ میں اختلاف موجود رہے۔ اس کا مقصد تفرقہ واختلاف کو ختم کرنا تھا جس کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کی تکفیر پر اتر آئے تھے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید کا اکثر حصہ لغتِ قریش کے مطابق لکھا گیا کیونکہ اسی کے مطابق اس کا نزول ہوا تھا۔

⑤ کتابتِ لفظ میں تواترِ سماع کا لحاظ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھواتے وقت مطلق کتابت کو ہی کافی قرار نہیں دیا بلکہ کسی لفظ کے اندازِ تکلم کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف اَوجہ کو بھی مدنظر رکھا جو عرضۂ اخیرہ میں رسول اللہ سے منقول تھیں، مختلف الوجوہ لفظ کو عمداً کسی علامت سے مجرد رکھا گیا تاکہ اس میں تمام اوجہ کا امکان باقی رہ سکے۔ آغاز اسلام میں حرکات وعلامات کے وجود کا انکار کرتے ہوئے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات واضح ہے کہ کتابتِ عربی اپنے مزاج کی وجہ سے اس وقت نقاط وعلامات سے خالی تھی (۷۴)۔

⑥ فساد اور شبہ کے خوف سے چند اشیاء کا ترک:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جماعتِ کتاب نے فساد اور شبہ کے اندیشہ کی وجہ سے مندرجہ ذیل کو مصاحف میں درج کرنے سے اجتناب کیا:

الف: منسوخ التلاوۃ آیات۔ مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت رجم (الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھا البتة) کے دخول کا مطالبہ کیا لیکن اس آیت کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی وجہ سے مصحف میں شامل نہ کیا جاسکا (۷۵)۔

Marfat.com

ب: عرضۂ اخیرہ کے عدم مطابق کلمات والفاظ (۷۶)۔

ج: روایاتِ آحاد اور قراءاتِ شاذہ (۷۷)۔

د: اقوال تفسیریہ (۷۸)۔

⑦ مصاحف میں، منزل علیہا اور عرضہ اخیرہ کے غیر متبدل حروف کی شمولیت:

مصاحف میں صرف انہی الفاظ کو جگہ دی گئی جن پر قرآن کا نزول ہوا اور جو عرضہ اخیرہ میں بھی باقی رہے۔

"يشتمل الجمع على الاحرف التى نزل عليها القرآن ، والتى لم تغير فى العرضتين الاخيرتين "(۷۹)۔

## جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں فرق:

سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کو مصحفِ واحد کی صورت میں جمع کیا جس کا مقصد قرآنِ مکتوب کی حفاظت تھی، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو قراءاتِ متواترہ منقولہ پر جمع کیا جس سے امت میں اختلاف اور اس کے تمام اسباب معدوم ہو گئے۔ اس فرق کو واضح کرتے ہوئے علامہ زرکشی رحمہ اللہ، قاضی ابوبکر باقلانی کا قول نقل کرتے ہیں: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع صدیقی کی طرح مطلق نصِ قرآنی کو بین اللوحین جمع نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول قراءاتِ متواترہ پر لوگوں کو جمع فرمایا۔ فساد اور شبہہ کے خوف سے قراء، حفظ اور رسم کو جامع ایسا مصحف تیار کروایا جو تقدیم و تاخیر، تاویل و تفسیر اور منسوخ التلاوۃ آیات سے پاک تھا''(۸۰)۔

علامہ ابن التین رحمہ اللہ اس فرق کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاملین قرآن کی وفات کے ڈر سے عہد نبوی میں لکھے گئے مختلف ٹکڑوں سے قرآن بین اللوحین موضعِ واحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب سے جمع فرمایا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متواترہ وجوہِ قراءۃ، آیات اور سورتوں کی موجودہ ترتیب کے مطابق لغتِ قریش پر قرآن لکھوایا''(۸۱)۔

چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن عہدِ نبوی میں تالیف ہوا، عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں مصحف کی صورت میں جمع ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو نزاع سے بچانے کی خاطر ایسے تمام مصاحف تلف کروا دیے جو شاذ قراءات اور تفسیری اقوال پر مشتمل تھے (۸۲)۔

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱/۱۲۸۔۱۲۹، جوہری، تاج العروس، ۱/۲۲۰۔۲۲۱۔
۲۔ حم السجدہ (۴۱):۲۶ ۳۔ النحل (۱۶):۸۹
۴۔ البیّنۃ (۹۸):۳ ۵۔ البقرہ (۲):۲۱۳
۶۔ حم السجدۃ (۴۱):۲۶
۷۔ التفتازانی، التلویح مع التوضیح (مطبعۃ مصطفیٰ البابی، مصر) ۱/۲۶
۸۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱/۸
۹۔ الفراء، معانی القرآن (طبع انتشارات ناصر خسرو طہران)، ۱/۱۹، النحاس، اعراب القرآن، ۱/۱۷۷، تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابی السعود سورۃ بقرہ، آیت ۱)
۱۰۔ زرقانی، مناھل العرفان، مقدمہ معارف القرآن
۱۱۔ جوہری، الصحاح، مادہ ارض، ۶/۲۲۷۵، ابن منظور، لسان العرب، ۱۴/۶۱
۱۲۔ ابن منظور، لسان العرب مادہ ایا، ۱۴/۶۳
۱۳۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۱/۲۶۶
۱۴۔ فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیریہ فصل فی مقدار القراءۃ فی التراویح، ۱/۲۳۹، فتاویٰ عالمگیریہ فصل فی التراویح، ۱/۱۱۸
۱۵۔ فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیریہ، ۱/۲۳۷۔۲۳۸
۱۶۔ صارم، عبدالصمد، تاریخ القرآن، ص:۸۱
۱۷۔ فتاویٰ عالمگیریہ، فصل التراویح، (مطبوعہ نولکشور) ۱/۹۴
۱۸۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، ص ۸۸
۱۹۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ (مطبعۃ امیریہ، قاھرہ ۱۳۳۲ھ) ۳/۱۵۴
۲۰۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۱/۲۵۰، الاتقان، ۲/۱۷۱، نوع ۷۶
۲۱۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ، ۳/۱۵۵
۲۲۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۱/۲۵۰۔۲۵۱، نوع ۱۴

Marfat.com

۲۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن،۱۷۱/۲
۲۴۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۶۳/۱، الکردی رحمہ اللہ، تاریخ القرآن، ص:۱۸۱
۲۵۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ، ۱۲/۲
۲۶۔ ایضا،۱۳/۳
۲۷۔ ایضا،۱۵۵/۳
۲۸۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن،۶۳/۱
۲۹۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ،۱۶۰/۳، الکردی، تاریخ القرآن، ص:۱۸۰
۳۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن،۱۷۱/۲، صبح الاعشیٰ،۱۶۱/۳
۳۱۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن،۲۵۰/۱
۳۲۔ صارم، عبدالصمد، تاریخ القرآن، ص:۸۱
۳۳۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن،۲۵۰/۱، مزید دیکھیے مناھل العرفان،۴۰۲/۱
۳۴۔ زرقانی، مناھل العرفان،۴۰۳/۱
۳۵۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن،۱۷۱/۲، نوع ۷۶
۳۶۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن،۲۵۱/۱
۳۷۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ، المصنف، (مطبعۃ العلوم الشرقیۃ دکن ۱۳۸۷ھ) ۴۹۷/۲
۳۸۔ ابن الجزری رحمہ اللہ، النشر فی القرآت العشر،۲۲۵/۱
۳۹۔ ان چاروں رموز کی تشریح کے لیے دیکھیے ملا علی القاری، المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریہ، (مطبوعہ ابناء غلام رسول)، ص:۶۳
۴۰۔ ابن الجزری رحمہ اللہ، محمد بن محمد، النشر فی القراءات العشر،۲۳۱/۱
۴۱۔ ایضاً ۲۳۳
۴۲۔ ایضاً،۲۳۷/۱
۴۳۔ طباعت کی تاریخ کے لیے دیکھیے الکردی رحمہ اللہ، تاریخ القرآن، ص۸۶، ڈاکٹر صحبی صالح، علوم القرآن، (اردو ترجمہ از غلام احمد حریری)، ص۱۴۲
۴۴۔ زرقانی، مناھل العرفان، بحوالہ ابن الجزری رحمہ اللہ، منجد المقرئین،۴۶۰/۱
45. W.M. Watt, Bell s Introduction to the Quran (Islamic Surveys Series (8) edinburgh 1970) pp48-49
۴۶۔ ابن الجزری رحمہ اللہ، محمد بن محمد، النشر فی القرآت العشر،۳۵/۱-۳۶
۴۷۔ ابن حجر، فتح الباری، ص۲۵، تا ۲۷ ج ۹، الاتقان ۸۲/۱-۸۳، نوع ۲۲
۴۸۔ ابن الجزری رحمہ اللہ، محمد بن محمد، النشر فی القراءات العشر،۱۹/۱-۳۵ سیوطی، الاتقان ۱۹/۱ اور خطیب بغدادی،

Marfat.com

تاریخ بغداد، ا/ص ۲۸۰، (طبع بیروت) ابن خلکان، وفیات الاعیان، (طبع مصر) ا/۴۹۰ء
۴۹۔ الأزھری، ابو منصور محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، (قاھرۃ ۱۹۶۴ء)، ۱۲/۴۲۲
۵۰۔ ابو طاھر عبد القیوم السندی، صحفات فی علوم القراءات، (المکتبۃ الامدادیہ، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۵ھ) ص ۱۶۶
۵۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۲/۲۴۱
۵۲۔ الزبیدی، ابو الفیض محمد بن محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس، (دار احیاء التراث العربی، مصر)، ۸/۳۱۲
۵۳۔ ابو الحسن احمد: ابن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، (مکتب الاعلام الاسلامی، بغداد)، ۲/۳۹۳
۵۴۔ اشفاق احمد ہفت روزہ زبانی لغت، (مرکزی اردو بورڈ لاہور) ص ۳۵۵
۵۵۔ السندی: صفحات فی علوم القراءات، ص ۱۶۶
۵۶۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ، ۳/۶
۵۷۔ ڈاکٹر صبحی صالح، علوم القرآن، (دار العلم، بیروت) ص ۲۷۵
۵۸۔ ابراہیم بن احمد المارغنی، دلیل الحیران علی مورد الظمان، (دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ص ۲۵
۵۹۔ ابن حجر: فتح الباری: ۱/۴۰۲
۶۰۔ ابن ابی داود: کتاب المصاحف: ص ۳۰
۶۱۔ سید احمد خلیل: دراسات فی القرآن: ص ۹۳
۶۲۔ طبری: الجامع لاحکام القرآن: ۱/۶۱
۶۳۔ علامہ ابن حجر کی تصریح کے مطابق یہ جمع ۲۵ ہجری میں ہوا (فتح الباری: ۹/۱۷)
۶۴۔ النشر فی القراءات العشر: ۱/۷، ابن حجر، فتح الباری: ۹/۱۵
۶۵۔ ابن حجر، فتح الباری: ۹/۱۵، ۱۶
۶۶۔ عبد الصبور شاہین: تاریخ القرآن: ص ۱۱۵
۶۷۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۳/۵۰۲
۶۸۔ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص: ۱۶
۶۹۔ ابن حجر، فتح الباری، ۹/۱۵
۷۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۲۱۳
۷۱۔ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص: ۲۹
۷۲۔ الدانی، المقنع ص: ۱۶
۷۳۔ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف ص: ۲۶
۷۴۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر: ۱/۷

Marfat.com

۷۵۔ الکردی، تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ، ص:۵۹
۷۶۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/ ۲۱۳
۷۷۔ الجمع الصوتی الاول للقرآن، ص:۵۹
۷۸۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ص:۶۰
۷۹۔ لبیب السعید، الجمع الصوتی الاول للقرآن، ص:۶۰
۸۰۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۱/ ۲۳۰
۸۱۔ السیوطی رحمہ اللہ، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/ ۲۱۳
۸۲۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۱/ ۲۳۵۔

Marfat.com

فصل دوم:

# مباحث قرآنی (۱)

# حفاظت وتدوین قرآن

## حفاظت وتدوین قرآن عہد نبوی ﷺ میں:

قرآن کریم ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لیے عہد رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اس کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا:

﴿وانزل عليك كتاباً لا يغسله الماءُ﴾

''میں تم پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام کتابوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیوی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں، چنانچہ تورات، انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہو گئے لیکن قرآن کریم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے (۱) چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر یہ آیات نازل ہو گئیں:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (۲)

''(اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو نہ ہلایا کرو، یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کے لیے آپ ﷺ کو عین نزول وحی کے

Marfat.com

وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ ﷺ اسے بھول نہیں سکیں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپ ﷺ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکار دو عالم ﷺ کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا۔ (۳)

پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کے صرف معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انھیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انھیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے، سیکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لیے وقف کردی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ ﷺ اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرمادیتے تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے، اور مسجد نبوی ﷺ میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (۴)

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے، اور انھیں صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے، اس لیے انھوں نے اسے یاد رکھنے کے لیے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو ان کے مزاج اور افتاد طبع سے واقف ہے، چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی بڑی تعداد تیار ہوگئی جسے قرآن کریم از بر یاد تھا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوحلیمہ معاذؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم دارمیؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔ (۵)

Marfat.com

یہ تو صرف ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی ہیں جن کا نام ''حافظ قرآن'' کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا، ورنہ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم تو بے شمار ہوں گے جنھوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا، لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایات میں محفوظ نہیں رہ سکا، اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایک قبیلے میں ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لیے بھیجے ہیں، چنانچہ صرف غزوہ بیئر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کا ذکر روایات میں موجود ہے، اور حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقریباً اتنی ہی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی (۶) بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قرا صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ (۷) اس کے علاوہ یہ تو صرف ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا، اور ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے جنھوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے۔ (۸)

غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لیے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کرا دیا گیا، اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، اس لیے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لیے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لیے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکتی، اور نہ اس کی قابل اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرما دی تھی، کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں، ان کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لیے قرآن کریم کی حفاظت میں اس قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

اس طریقہ سے قرآن کریم کی نشر و اشاعت کس تیزی کے ساتھ ہوئی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کمسن صحابی تھے، ان کا گھر ایک چشمہ کے کنارے واقع تھا، جہاں آنے جانے والے مسافر آرام کیا کرتے تھے، ان کی عمر سات سال تھی اور ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے لیکن آنے جانے والوں سے قرآن کریم کی مختلف آیتیں اور سورتیں سن سن کر انھیں مسلمان ہونے سے پہلے ہی قرآن کریم کا ایک اچھا خاصا حصہ یاد ہو گیا تھا۔ (۹)

اگرچہ قرآن قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول کے قلوب میں محفوظ تھا لیکن کتابت کے ذریعے سطور میں محفوظ کرنا بھی ضروری تھا اس لیے کہ تعلیم و تعلم کا ایک ذریعہ قلم بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ (۱۰)

''اللہ وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے۔''

اللہ نے لکھنے والوں کے قلم پر قسم کھائی ہے:

﴿وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ﴾ (۱۱)

Marfat.com

''قسم ہے قلم کی اور اُس کی جسے وہ لکھتے ہیں۔''

جس طرح زبان دل کی ترجمان ہے اسی طرح قلم بھی اظہار ما فی الضمیر کا ذریعہ ہے۔ قلم کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن یاد کرانے کے ساتھ اسے لکھوانے کا بھی خصوصی اہتمام کیا تھا۔ کُتّاب النبی ﷺ یعنی دربار نبوی کے لکھنے والوں کے ناموں کی تفصیل مختلف کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔

## کاتبین وحی کے نام:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) نے لکھا ہے:

مدنی دور میں سب سے پہلے کتابت کی خدمت انجام دینے والے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے اور مکی دور میں، سب سے پہلے کتابت کی ذمہ داری قریش کے عبداللہ بن سعد بن ابی السرح نے انجام دی تھی۔ (۱۲)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

'' کاتبانِ وحی کی تعداد ۲۳ تھی لیکن یہ خدمت بالعموم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت انجام دیا کرتے تھے اور زید بن ثابت تو اکثر دربار نبوی میں حاضر رہتے تھے۔'' (۱۳)

مشہور کاتبین وحی کے نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت خالدؓ بن سعید بن العاصؓ، حضرت ابان بن سعید بن العاصم، حضرت حنظلہ ابن الربیعؓ، حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ، حضرت عبداللہ بن ارقم الازہریؓ، حضرت شرحبیل بن حسنہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (۱۴) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ۲۳ نام ذکر کیے ہیں اور ہر ایک کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔ (۱۵)

ریاض یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے ''کُتّاب النبی ﷺ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں ۴۵ ناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ (۱۶)

ان کاتبانِ وحی میں سے جو بھی مل جاتا اس سے قرآن لکھوالیا جاتا لیکن دربار نبوی اور مکتب نبوت کے معروف کاتب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جب مطلق کاتب النبی کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد زید بن ثابت ہی ہوتے ہیں۔ یہ انصار کے بنو النجار قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو بنو خزرج کی ایک شاخ تھی۔ ان کے والد ہجرت نبوی سے ۶ سال قبل جنگ بعاث میں قتل ہوگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے وقت اس کی عمر ۱۱ سال تھی اور انتقال نبی کے وقت اس کی عمر ۲۱ سال تھی۔ بڑے ذہین نوجوان تھے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان کے خاندان کے لوگوں نے انھیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس لڑکے نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہی ۱۶ یا ۱۷ سورتیں حفظ کرلی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عبرانی سیکھ لو تا کہ یہودیوں کے خطوط

Marfat.com

کاعربی میں ترجمہ کرسکو اوران کو عبرانی میں خط لکھ سکو۔ اس حکم کی تعمیل میں انھوں نے عبرانی سیکھ لی تھی۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں تو عمر کی کمی کی وجہ سے ان کو شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی مگر غزوہ خندق اور بعد کے غزوات میں انھوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے میں چار اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ۴۵ھ/۶۶۵ء، ۴۸ھ/۶۶۸ء، ۵۱ھ/۶۷۱ء اور ۵۵ھ/۶۷۴ء۔ جب ان کو قبر میں اتارا جارہا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

لقد دُفِنَ اليوم علم كثير۔ (۱۷)

''آج بہت بڑا علم دفن کردیا گیا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا تھا:

مات اليوم حبر الامة وعسى الله ان يجعل في ابن عباس منه خلفا۔ (۱۸)

''آج امت کا بہت بڑا عالم فوت ہوا ہے مگر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین بنادے گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

كان النبي تنزل عليه الآيات فيد عو بعض من كان يكتب له ويقول له ضع هذه الآية في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وتنزل عليه الآية والآيتان فيقول مثل ذلك۔ (۱۹)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن کی کچھ آیات نازل ہوجاتیں تو لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیات کو اس سورت میں لکھ دو جس میں یہ مضمون بیان ہوا ہے اور اگر ایک یا دو آیتیں نازل ہوجاتیں تو پھر بھی کاتب کو یہی ہدایت دیا کرتے تھے۔''

ابتداء میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لا تكتبوا عني غير القرآن ومن كتب عني غير القرآن فليمحه وحدثوا عني ولا حرج۔ (۲۰)

''قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ بھی نہ لکھا کرو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے اور میری باتیں لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ، امام خطابی رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت ابتداء اسلام میں کی گئی تھی تا کہ لوگ لکھنے پر اعتماد کر کے کہیں یاد کرنا چھوڑ نہ دیں اور ان کی یادداشت خراب نہ ہوجائے۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ حدیث کو قرآن کے ساتھ ملا کر لکھنا شروع کردیں گے اور قرآن کا غیر قرآن کے ساتھ

Marfat.com

اختلاط ہوجائے گا لیکن بعد میں جب یہ دونوں خطرے باقی نہ رہے اور فن کتابت میں لوگوں نے مہارت حاصل کرلی تو آپ نے ممانعت ختم کر کے کتابت حدیث کی اجازت دیدی تھی بلکہ اس کی ترغیب بھی دلائی تھی۔ اسی اجازت اور ترغیب کی بنا پر عہد نبوی میں تدوین قرآن کے ساتھ تدوین حدیث کا کام بھی شروع ہوگیا تھا اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور تعامل بھی چلا آرہا ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے علمی مضامین کی کتابت اور تدوین جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے اور ابتدا میں جو ممانعت کی گئی تھی وہ ''سد ذرائع'' کے لیے تھی تاکہ قرآن کی صحیح کتابت ہوجائے اور اس کے ساتھ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے کہ کاتب سے لکھوا کر پھر سنتے تھے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کاتب نے کہیں لکھنے میں غلطی تو نہیں کی۔

امام طبرانی (م ۳۶۰ھ/۹۷۰ء) نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

قال: كنت اكتب الوحي لرسول اللهﷺ وكان اذا نزل عليه اخذته برحاء شديدة وعرق عرقا شديدا مثل الجُمّان ثم سرّي عنه فكنت أدخل عليه بقطعة الكتف أو كسرة فاكتب وهو يملي عليّ فما أفرغ حتى تكاد رجلي تنكسر من ثقل القرآن وحتى أقول لا امشي علىٰ رجلي أبدا فاذا فرغت قال: اقرء، فأقرءه فان كان فيه سقط اقامة ثم أخرج به الى الناس۔ (۲۱)

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا۔ آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کو شدید گرمی لگتی، جسم مبارک پر شدید پسینہ آجاتا اور پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح گرنے لگتے۔ پھر آپ سے جب یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں شانے کی کوئی ہڈی یا پتھر کا کوئی ٹکڑا لے کر اندر چلا جاتا۔ آپ میرے سامنے بیان فرماتے اور میں لکھتا جاتا۔ جب فارغ ہوجاتا تو قرآن کے لکھنے کے بوجھ سے یوں محسوس کرتا جیسے پاؤں ٹوٹ رہا ہے یہاں تک کہ میں دل میں کہتا ہے کہ میں اپنے پاؤں پر کبھی بھی چل نہیں سکوں گا۔ جب میں لکھنے سے فارغ ہوجاتا تو آپ فرماتے پڑھ کر سناؤ۔ اور میں پڑھ کر سنا دیتا۔ اگر لکھنے میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر میں اس لکھے ہوئے قرآن کو لے کر لوگوں کے پاس نکل آتا۔''

قرآن مجید کی کتابت کا اہتمام صرف مدینہ میں نہیں کیا جاتا تھا بلکہ دور مکی میں بھی کتابت قرآن کا ثبوت ملتا ہے:

اس طرح عہد رسالت ﷺ میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی یادداشت کے لیے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہا اور بہنوئی

Marfat.com

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر غصہ میں بھرے ہوئے ان کے گھر میں داخل ہوئے، تو ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا، جس میں سورہ طٰہٰ کی آیات درج تھیں اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انھیں پڑھا رہے تھے۔ (۲۲)

اس کے علاوہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے، مثلاً صحیح بخاری رحمہ اللہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول الله ﷺ نهىٰ ان يسافر بالقرآن الىٰ ارض العدو (۲۳)

''رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔''

نیز معجم طبرانی رحمہ اللہ میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قرأة الرجل في غير المصحف الف درجة وقرأ ته في المصحف تضاعف علىٰ ذلك ألفى درجة (٢٤)

''کوئی شخص قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھے بغیر تلاوت کرے تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے، اور اگر قرآن کے نسخہ میں دیکھ کر تلاوت کرے تو دو ہزار درجے ہے۔''

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کے لکھے ہوئے صحیفے موجود تھے ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنے یا اسے لے کر دشمن کے علاقہ میں جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔

## تدوین قرآن عہد صدیقی میں:

عہد نبوی میں اگرچہ پورا قرآن متفرق اشیاء پر لکھا جا چکا تھا اور متفرق اشیاء پر لکھا ہوا محفوظ بھی تھا مگر مصحف واحد میں مرتب نہیں ہوا تھا یعنی اسے کتابی شکل نہیں دی گئی تھی۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حافظے بڑے مضبوط تھے اور وہ حفظ قرآن کا بڑا شوق بھی رکھتے تھے اس لیے کتابی شکل میں مرتب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ سید الحفاظ محمد رسول اللہ ﷺ اور حفاظ قرآن کی ایک معتد بہ تعداد کی موجودگی میں قرآن کے کسی حصے کا تلف ہونا بعید از قیاس تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا اور وحی کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تھا اور ہر وقت نئے حکم یا نئی وضاحت کے نازل ہونے کی امید رہتی تھی اس لیے قرآن کو مرتب کرنا اور کتابی شکل دینا مناسب نہیں سمجھا گیا مگر جب وفات رسول پر نزول قرآن کی تکمیل ہو گئی اور وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور صحبت رسول ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محروم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں الہام کیا کہ قرآن کے حفاظ تو ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے اس لیے قرآن کو مصحف واحد میں مرتب کرنا تقاضائے مصلحت ہے۔ چنانچہ انھوں نے خلیفہ رسول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے قرآن کریم کو مرتب کروا کر اور کتابی شکل دے کر محفوظ کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جامع قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے متفرق صحیفوں کو مجتمع کر کے مصحف واحد کی شکل دی تھی ورنہ جامع قرآن تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لیے کہ پورا قرآن آپ کے قلب میں محفوظ تھا، آپ نے خود پورے قرآن کو اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا اور آیات وسور کی ترتیب بھی آپ ہی کی بتائی ہوئی ہے مگر مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی آیات کو یکجا کرنا، ترتیب دینا اور کتابی شکل دے کر مستند سرکاری نسخہ تیار کرنا بھی بہت بڑا کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لیا ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی بڑی منقبت ہے اس لیے کہ وہی اس الہامی تجویز کے مجوز تھے اور اسی تجویز پر یہ سرکاری نسخہ تیار ہوا تھا۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ/ ۸۳۸ء) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد عبد خیر کا قول نقل کیا ہے:

اول من جمع القرآن بین اللوحین ابوبکر (۲۵)

''ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا تھا۔''

علامہ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ (م ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) نے یہ قول خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے:

عن علیؓ قال: اعظم الناس اجراً فی المصاحف ابوبکرؓ رحم اللہ ابا بکر ھو أول من جمع القرآن بین اللوحین۔ (۲۶)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مصاحف کے بارے میں سب سے بڑا اجر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملے گا اللہ اس پر رحم فرمائے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا تھا۔''

عہد صدیقی میں جمع قرآن کی تفصیل صحیح بخاری میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں صحابہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ میں جب آپ کے پاس حاضر ہوا تو وہاں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قاری شہید ہو گئے ہیں اگر اسی طرح مختلف محاذوں پر قاری شہید ہوتے رہے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ قرآن کا زیادہ حصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میں تو یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا حکم دیجیے۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ تم وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ کام بہتر ہے وہ یہ بات بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اس کے لیے میرا سینہ کھل گیا اور اس بارے میں میری وہی رائے بن گئی جو عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ تم ایک عقل مند اور دانشمند نوجوان ہو ہم کو تیری مہارت اور دیانت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قرآن لکھا کرتے تھے۔ پس تم قرآن کو تلاش کر کے اکٹھا کر لو۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر یہ لوگ مجھ پر پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا بوجھ ڈالتے تو وہ کام مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا قرآن کو جمع کرنا مجھے

Marfat.com

بھاری محسوس ہوا۔ میں نے کہا تم وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ یہ اچھا کام ہے وہ یہ بات بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے اس نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی۔ کھجور کے پتوں سے باریک پتھروں سے اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ۱۲۸۔ ۱۲۹ ابوخزیمہ انصاری کے پاس پائی تھیں اور اس کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں پائی تھیں۔ (یعنی لکھی ہوئی نہیں پائی تھیں) جو لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ سے آخر تک دو آیتیں ہیں۔ یہ جمع کردہ صحیفے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے ان کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھے اور اس کی وفات کے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر کے پاس رکھ دیئے گئے تھے۔'' (۲۷)

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ابتدا میں شبہ تھا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے اور بدعت کا کام ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حب ھذا واللہ اکبر کا جملہ بار بار دھرایا اور اپنی تجویز پر اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر حاصل ہو گیا کہ یہ بدعت فی الدین نہیں ہے کہ بلکہ بدعت للدین ہے۔ یعنی دین میں نئی عبادت کا ایجاد نہیں ہے بلکہ دین اور قرآن کی حفاظت کی ایک نئی تدبیر ہے اور دین و قرآن کی تعلیم و تعلم اس کی دعوت و تبلیغ' اس کی اشاعت و حفاظت اور اس کی اقامت و سربلندی کے لیے نئی تدابیر اختیار کرنا اور نئے آلات استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے بشرطیکہ قرآن و سنت میں ان کی ممانعت اور مذمت موجود نہ ہو اور قرآن کی کتابت نہ صرف یہ کہ ممنوع نہیں ہے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں قرآن کی کتابت کروائی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے لیے طریقہ کار یہ اختیار کیا تھا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کام پر لگا دیا تھا اور دونوں کو ہدایت کی تھی کہ:

اقعدا علیٰ باب المسجد فمن جاء کم بشاهدین علیٰ شیء من کتاب الله فاکتباه۔ (۲۸)

''تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص اللہ کی کتاب میں سے کسی حصے پر دو گواہ پیش کر دے تو اسے لکھ لو۔''

حافظ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ نے شاہدین کے دو معنے بیان کیے ہیں ایک یہ کہ جب کوئی شخص قرآن کا لکھا ہوا کوئی حصہ لائے تو وہ دو گواہ پیش کرے گا جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ یہ حصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھا گیا تھا اور دوسرے یہ کہ دو گواہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ یہ ان حروف سبعہ میں شامل ہے جن میں قرآن نازل ہوا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ دو معنوں کے علاوہ تیسرے احتمالی معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ایک گواہ حفظ ہے اور دوسرا گواہ کتابت ہے اور مقصد یہ ہے کہ صرف حافظہ سے نہ لکھا جائے بلکہ وہی لکھا جائے جو حفاظ کو یاد بھی ہو اور لکھا ہوا بھی موجود ہو۔ (۲۹)

Marfat.com

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں خود بھی حافظ قرآن تھے اور دوسرے حفاظ بھی کافی تعداد میں موجود تھے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً یہ شرط لگائی تھی کہ حافظہ اور کتابت دونوں کی شہادت کے بعد لکھا جائے۔ سورہ توبہ کی آخری دو آیتوں کے بارے میں حضرت زید بن ثابت نے جو یہ کہا ہے کہ مجھے یہ صرف حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ انصاری کے پاس ملی تھیں کسی دوسرے شخص کے پاس نہیں ملی تھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو یاد بھی نہیں تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوخزیمہ انصاری کے علاوہ کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملی تھیں۔ چونکہ صرف حفظ کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا اس لیے مکتوب کی تلاش بھی جاری رہتی تھی۔ قرآن کی باقی آیات تو کئی لوگوں کے پاس لکھی ہوئی بھی مل گئی تھیں لیکن یہ دو آیات لکھی ہوئی شکل میں صرف حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملی تھیں۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی۔ (۳۰)

اس حدیث میں جنگ یمامہ کا ذکر ہوا ہے جو مسیلمہ کذاب کے خلاف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں لڑی گئی تھی اور اس میں اگرچہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی تھی لیکن سیکڑوں کی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہادت بھی نصیب ہوئی تھی۔

مشہور قول تو یہ ہے کہ شہداء میں ۷۰ حفاظ و قراء شامل تھے مگر ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ اس روز پانچ سو کے قریب حفاظ شہید ہوئے تھے۔ (۳۱)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے سات سو قاریوں کے شہید ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۳۲)

عہد نبوی میں تو کاغذ نایاب تھا اس لیے قرآن کی کتابت کھجور کے پتوں، شانے کی ہڈیوں، پتلے اور سفید پتھروں، لکڑی کی تختیوں اور چمڑے پر کی گئی تھی لیکن عہد صدیقی میں کاغذ بھی مل جاتا تھا اس لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ مصحف کاغذ پر تیار کیا تھا۔ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ (م ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء)، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء)، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) تینوں نے مؤطا ابن وھب عن مالک کے حوالے سے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس (۳۳)

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کاغذ پر لکھوایا تھا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کاغذ پر لکھنے کی یہ روایت عمارہ بن غزیہ کی اس روایت سے زیادہ قوی ہے جس میں آیا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر چمڑے اور کھجور کے پتوں پر قرآن لکھا تھا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مصحف میں لکھا گیا تھا لیکن صحیح روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عہد صدیقی میں قرآن کاغذ کے صحیفوں پر مرتب ہوا تھا۔ (۳۴) مصحف صدیقی ۱۲ھ/۶۳۳ء میں جنگ یمامہ کے بعد تیار ہوا تھا۔

اس موقع پر جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ لینا

Marfat.com

چاہیے، جیسا کہ پیچھے ذکر آ چکا ہے وہ خود حافظِ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، ان کے علاوہ بھی سیکڑوں حفاظ اس وقت موجود تھے، ان کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جا سکتا تھا، نیز قرآن کریم کے جو مکمل نسخے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لکھ لیے گئے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے بھی قرآن کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انھوں نے احتیاط کے پیش نظر ان میں سے صرف کسی ایک طریقہ پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھیں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انھیں یک جا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی کوئی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے (۳۵) اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:

① سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے تھے۔

② پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی اس کام میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگا دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے (۳۶) لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرماتے تھے۔

③ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دیدی ہو کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی، علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سال آپ ﷺ پر پیش کر دی گئی تھی، اور آپ ﷺ اس بات کی تصدیق فرمادی تھی کہ یہ ان حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے (۳۷) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید متعدد روایات سے بھی ہوتی ہے۔

④ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے چنانچہ زرکشی نے لکھا ہے:

وانما طلب القرآن متفرقا ليعارض بالمجتمع عند من بقى ممن جمع القرآن ليشترك الجميع فى علم ما جمع (۳۸)

امام ابوشامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفا کرنے کے بجائے بعینہ ان آیات سے نقل کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کے سامنے لکھی گئی تھیں۔(۳۹)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا یہ طریق کار ذہن میں رہے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ ''سورہ توبہ کی آخری آیات لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ مجھے صرف حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملیں، ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں''۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں، یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں اور ان کے سوا کسی کو ان کا جزو قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیتیں لے لے کر آرہے تھے ان میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی کے پاس نہیں ملیں، ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی، اول تو جن سیکڑوں حفاظ کو پورا قرآن کریم یاد تھا، انھیں یہ آیات بھی یاد تھیں، دوسرے آیات قرآنی کے جو مکمل مجموعے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے ان میں بھی یہ آیت لکھی ہوئی تھی، لیکن چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے لیے مذکورہ بالا ذرائع پر اکتفاء کرنے کے بجائے متفرق طور سے لکھی ہوئی آیتوں کو جمع کرنے کا بیڑا بھی اٹھایا تھا، اس لیے انھوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعے میں درج نہیں کی۔ جب تک اس تیسرے طریقہ سے بھی وہ آپ کو دستیاب نہیں ہوگئی، دوسری آیات کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد ہونے اور عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل مجموعوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کئی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس الگ سے لکھی ہوئی بھی تھیں، چنانچہ ایک ایک آیت کئی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم لے کر آرہے تھے، اس کے برعکس سورہ برأت کی یہ آخری آیات سیکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد تو تھیں، اور جن حضرات کے پاس آیات قرآنی کے مکمل مجموعے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں کسی اور کے پاس نہیں (۴۰)

بہر حال! حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کرکے انھیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا (عن سالم قال جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس (۴۱) ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ نسخہ بھی چمڑے کے پارچوں پر لکھا گیا تھا لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے (ایضاً)۔ لیکن ہر سورۃ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں میں مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو ''ام'' کہا جاتا ہے، اور اس کی خصوصیات یہ تھی:

① اس نسخہ میں آیات قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھیں۔ (۴۲)

② اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔ (۴۳)

③ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔ (۴۴)

Marfat.com

④ اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔
⑤ اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کے اجماع تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، تا کہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن سے متعلق یہ تفصیلات ذہن میں رہیں تو اس روایت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع کر لیا تھا، اس لیے کہ جہاں تک آیات قرآنی کے انفرادی مجموعوں کا تعلق ہے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں اور بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے، لیکن ایسا معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انھیں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا (۴۵) پھر مروان بن حکم نے اپنے عہد حکومت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیفے طلب کیے تو انھوں نے دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو مروان نے وہ صحیفے منگوائے اور انھیں اس خیال سے نذر آتش کر دیا کہ اب اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور ترتیب سور کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازمی ہے اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہیے جو ان کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔ (۴۶)

## تدوین قرآن عہد عثمانی میں:

عہد صدیقی میں لغات سبعہ میں سے صرف لغت قریش میں مصحف تیار کروانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی اس لیے کہ اس دور میں لغات کے اختلاف کی وجہ سے خصومتیں اور جھگڑے بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور یہود و نصاریٰ کی طرح فرقہ بندی کا خطرہ بھی محسوس نہیں ہوا تھا اسی طرح اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں کے مراکز کو خلافت کی نگرانی میں تیار کردہ مصحف کی نقول بھیجنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی بلکہ حفاظت قرآن کے لیے صرف ایک نسخہ تیار کروا کر دار الخلافہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا اس لیے کہ اس میں ہر سورۃ کی آیات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق لکھی گئی تھیں لیکن سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں۔ عہد عثمانی میں چونکہ لغات کے اختلاف کی وجہ سے خصومات و تنازعات بھی رونما ہو گئے تھے اور اس اختلاف کی وجہ سے تفرق و تحزب کا خطرہ بھی محسوس ہو گیا تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورے سے لغت واحدہ یعنی لغت قریش میں مصحف واحد تیار کروایا اور اس کی نقول تیار کروا کر ریاست کے مختلف مراکز کو بھیج دیں۔ مشہور محدث ابن التین رحمہ اللہ نے جمع صدیقی اور جمع عثمانی کا فرق اس طرح واضح کیا ہے۔

Marfat.com

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو اس وجہ سے جمع کیا تھا کہ انھوں نے حفاظ قرآن کے اٹھ جانے سے قرآن کے ضائع ہو جانے کا خطرہ محسوس کیا تھا۔ اس خطرہ کے پیش نظر انھوں نے قرآن کی سورتوں کو صحیفوں میں لکھوا کر محفوظ کر دیا اور ہر سورت کی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کروا دیا۔ مگر جمع عثمانی کا سبب اختلاف وافتراق کا خطرہ تھا جس کے سد باب کے لیے عہد صدیقی کے صحائف کو مصحف واحد میں جمع کروایا گیا، سورتوں کو بھی ترتیب دی گئی اور صرف لغت قریش میں مصحف تیار کروایا گیا۔'' (۴۷)

جس اختلاف وافتراق کے سد باب کے لیے لغت واحدہ میں مصحف تیار کروانے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ عہد عثمانی میں اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران وخراسان اور روم وشام کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا اور نئے نئے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جو مسلمان تاجر اور مجاہدین قرآن سیکھتے اور پڑھتے تھے۔ ان نو مسلمانوں کو یہ بات پوری طرح معلوم نہیں تھی کہ قرآن قرات سبعہ میں نازل ہوا ہے اور ان میں سے ہر ایک میں پڑھنا جائز ہے۔ اس لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے اور خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ان جھگڑوں کا بروقت سد باب نہ کیا گیا تو آگے چل کر قراءتوں کا یہ تنوع یہودیوں کی طرح باہمی تضلیل وتکفیر اور فرقہ بندیوں کا باعث بن جائے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کے مشورے سے فیصلے کے مطابق قرآن کریم کو صرف لغت قریش میں مرتب کروا دیا اور اس کے متعدد نسخے تیار کروا کر علاقائی مراکز میں رکھوا دیئے۔ دور عثمانی رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن کی تفصیل صحیح بخاری میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

''حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، وہ عراقی لشکر میں شامل تھے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور شام کے مجاہدین کے ساتھ مل کر ''ارسیہ'' اور ''آذربائیجان'' کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے کہ قرأت میں لوگوں کے اختلاف نے ان کو پریشان کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المومنین! مسلمانوں کے یہود ونصاریٰ کی طرح اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے سے قبل اس امت کو سنبھالیے۔ یعنی اس کی اصلاح اور اتحاد کی کوئی تدبیر کیجیے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لکھوائے گئے صحیفے مجھے بھیج دیجیے ہم مصاحف میں ان کی نقل لکھوا کر آپ کے پاس واپس لوٹا دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب صحیفے بھیج دیئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہم اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام کو حکم دیا اور انھوں نے ان صحیفوں میں سے مصاحف میں قرآن نقل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قریشی صحابہ کو کہا کہ جب تمھارے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف ہو جائے تو قریش کی زبان میں لکھ لیا کرو اس لیے کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب صحیفوں سے مصاحف تیار ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس لوٹا دیے اور لکھوائے گئے مصاحف میں سے ایک ایک مصحف ہر علاقے کو بھجوا دیا اور اس کے علاوہ قرآن کے ہر

Marfat.com

صحیفے اور مصحف کے جلا دینے کا حکم صادر فرما دیا۔

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان کی مدد کے لیے ساتھ لگا دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤد رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، جن میں حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت کثیر بن افلحؒ، حضرت مالک بن ابی عامرؒ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ (۴۸)۔ ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے ان تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔ (۴۹)

② قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، اسی لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زبر، زیر، پیش) تا کہ اسے تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً "ننشزھا" لکھا، تا کہ اسے "ننشرھا اور ننشزھا دونوں طرح پڑھایا جا سکے، کیونکہ یہ دونوں قرأتیں درست ہیں۔ (۵۰)

③ اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کیے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔ (۵۱)

مذکورہ بالا کام کرنے کے لیے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لیے وہی طریق کار اختیار فرمایا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھیں، انہیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ از سر نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کیے گئے، اس مرتبہ سورہ احزاب کی ایک آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور شخص کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

• فقدت اية من الاحزاب حين نسخنا المصحف قد كنت اسمع رسول الله ﷺ يقرأبها ، فالتمسنا ها فوجدنا هامع خزيمة بن ثابت الانصاريؓ۔ (۵۲)

"مجھے مصحف لکھتے وقت سورہ احزاب کی آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا،

Marfat.com

ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔"

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح یاد تھی، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی ان تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس لکھی ہوئی تھیں، اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کوئی آیت ان مصاحف میں اس وقت تک نہیں لکھی جب تک ان کو تحریروں میں وہ بھی مل نہ گئی، اس طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورہ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہوئی۔

(۵) قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذرِ آتش کر دیئے جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھے، تاکہ رسم الخط، مسلمہ قرأتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں، اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بہ نظر استحسان دیکھا، اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت فرمائی، صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش ہوئی تھی، جس کے اسباب "سبعۃ احرف" کی بحث میں گزر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تقولوا في عثمانؓ الا خيراً فوالله مافعل الذى فعل فى المصاحف الا عن ملا منا(۵۳)

"عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم انھوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں (اور مشورہ سے) کیا۔"

ایک دوسری روایت میں آیا ہے:

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جہاد سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین! امت کا کوئی علاج کیجئے۔ انھوں نے کہا کیا ہو گیا ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آرمینیہ کی لڑائی میں شریک تھا وہاں پر میں نے دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے جو عراق والوں نے نہیں سنی تھی۔ اور عراق والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھتے تھے جو شام والوں نے نہیں سنی تھی اور بعض بعض کی تکفیر کر رہے ہیں۔" (۵۴)

Marfat.com

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیان سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں بھی اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف سے نقل کیا ہے:

"خلافت عثمانی میں بعض معلمین قرآن پاک ایک قاری کے طرز پر قرآن پڑھا رہے تھے اور بعض دوسرے قاری کی قراءت پر پڑھا رہے تھے جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچے آپس میں اختلاف کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی تکفیر بھی کر لیا کرتے تھے۔ جب اس صورت حال کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انھوں نے خطاب عام میں فرمایا کہ تم میرے قریب رہتے ہوئے اختلاف کرتے ہو تو جو لوگ مجھ سے دور دراز شہروں میں رہتے ہیں ان کا اختلاف تو اور بھی شدید ہوگا اور جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جہاد سے واپس آ کر مختلف شہروں کے اختلافات کا تذکرہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گمان کی تصدیق ہوگئی کہ دوسرے شہروں میں بھی اختلافات رونما ہو گئے ہیں۔" (۵۵)

خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے اپنی ذاتی صوابدید پر کوئی حکم صادر فرمانے کی بجائے یہ مسئلہ اپنی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کیا اور تجویز پیش کی کہ اختلافات ختم کرانے کے لیے ایک ہی لغت میں مصاحف لکھوا دیئے جائیں۔ شوریٰ نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا اور قرآن کی حفاظت کے لیے اس کو مفید ترین اور محتاط تدبیر قرار دیا بلکہ اس تجویز پر عمل درآمد کرنے کی تاکید کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو عملی جامہ پہنا دیا۔

مشہور محدث اور فقیہ امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:

"اصحاب رسول قرآن کی قراءت حروف سبعہ پر کرتے تھے جو اللہ کی اجازت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھائے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قاریوں کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا اور مختلف علاقوں سے اس اختلاف کی رپورٹیں آنی شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اختلاف کے سنگین ہونے سے پہلے اتحاد کی کوئی تدبیر کی جائے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آرمینیہ سے واپس آ کر بالمشافہ بھی کوئی تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان کی سامنے یہ تجویز رکھی کہ ایک لغت میں مصاحف لکھوائے جائیں تاکہ اختلاف ختم ہو جائے۔ شوریٰ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس کو قرآن کی حفاظت کے لیے مبنی بر احتیاط تدبیر قرار دیا بلکہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی تاکید کی۔ شوریٰ کے فیصلے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیفے منگوائے اور مصاحف تیار کروا کر مختلف شہروں کو بھجوا دیئے۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قرآن کی قراءت میں اختلافات زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کر کے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ کی تجویز بہت اچھی ہے۔

Marfat.com

چنانچہ جب لغت واحدہ میں تیار کردہ مصاحف مختلف شہروں کو بھجوائے گئے تو میں نے اصحاب رسول سے سنا کہ وہ کہتے تھے:

"احسن والله عثمان"

''اللہ کی قسم عثمان نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔''

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے۔
''لوگو! اللہ سے ڈرو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق غلو کی یہ بات کہنے سے اجتناب کرو کہ یہ قرآن کا جلانے والا ہے۔ اللہ کی قسم! اس نے مصاحف ہم سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے جلائے تھے۔ عثمان نے ہم سے کہا کہ قراءت میں اس اختلاف کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ ایک شخص دوسرے سے ملتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں! میری قرأت تیری قراءت سے بہتر ہے یہ تو ایک دوسرے کی تکفیر سے مشابہہ ہے۔ ہم نے کہا امیر المومنین! پھر آپ کی رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرلوں اس لیے کہ جب تم آج اختلاف کرتے ہو تو تم سے بعد والے اور زیادہ شدید اختلاف کریں گے۔ ہم نے کہا آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

ولو وليت الذي ولى عثمان لصنعت مثل الذي صنع۔(۵۶)

''اگر میں اس کام کا ذمہ دار ہوتا جس کی ذمہ داری عثمان رضی اللہ عنہ پر تھی تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا تھا۔''

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے مذکورہ اقوال ابن ابی داؤد نے ''المصاحف'' میں ابوعبید رحمہ اللہ نے فضائل القرآن میں اور علامہ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ نے جمال القراء میں بھی نقل کیے ہیں۔(۵۷)

مشہور قول تو یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۵ مصاحف تیار کروائے تھے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو حاتم سجستانی سے نقل کیا ہے کہ سات نسخے تیار کروائے تھے۔ ایک مکہ مکرمہ کو بھیجا تھا' دوسرا شام کو' تیسرا یمن کو' چوتھا بحرین کو' پانچواں بصرہ کو' چھٹا کوفہ کو اور ساتواں مدینہ منورہ میں اپنے پاس رکھا تھا۔(۵۸)

لوگوں نے اپنے خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق اپنے انفرادی مصاحف جلا دیئے اور سب لوگ مصحف عثمانی پر دل و جان سے متفق ہو گئے۔ جس کی نقول مختلف علاقائی صدر مقامات کو بھیجی گئی تھیں۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابتداء میں دوسرے مصاحف کے جلانے پر اعتراض تھا لیکن مصحف عثمانی کے استناد پر انھیں بھی اعتراض نہیں تھا۔ ان کو اس پر کچھ ناراضگی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو تدوین قرآن کی کمیٹی میں شامل نہیں کیا تھا مگر جب مصحف عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے اتفاق و اتحاد کے فوائد دیکھے تو وہ بھی خلیفہ اور اس کی شوریٰ کے فیصلے پر مطمئن ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ، علی ابن ابی طالبؓ، عائشہؓ، سالمؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف دستیاب نہیں ہیں اور مصحف عثمانی پر پوری امت متفق ہے۔(۵۹)

Marfat.com

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے رجوع کے عنوان پر ایک الگ باب قائم کیا ہے۔ اگرچہ ابن کثیر کے نزدیک رجوع کے بارے میں جو روایت پیش کی گئی ہے وہ رجوع پر صریح الدلالت نہیں ہے۔ (۶۰)

کتاب المصاحف کا عنوان یہ ہے کہ

رضي عبدالله بن مسعود بجمع عثمان "المصاحف۔

''ابن مسعود عثمان کے جمع مصاحف پر راضی ہو گئے تھے۔''

لیکن اس عنوان کے تحت جو روایت نقل ہوئی ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید بھی نقل نہیں ہوئی مگر اس کی تائید بھی نقل نہیں ہوئی صرف اتنا نقل ہوا ہے کہ قرآن سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ (۶۱)

بہر صورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے اعتراض سے رجوع کیا ہو یا نہ کیا ہو امت مسلمہ نے مصحف عثمانی پر اتفاق کر لیا ہے اور یہی مصحف تواتر و توارث کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور آج امت کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ آیات کی ترتیب بالاجماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی یعنی توقیفی ہے لیکن کیا سورتوں کی ترتیب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کے ذریعے باہمی ربط و مناسبت سے سورتوں کو مرتب کیا ہے؟

اس بارے میں تین اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی آیات کی ترتیب کی طرح توقیفی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ انفال اور برأت کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ یہی تیسرا قول قوی ہے۔ (۶۲)

لیکن مصحف عثمانی کی ترتیب پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو جانے کے بعد یہ بحث اب غیر ضروری ہے اس لیے کہ صحابہ کا اجماع حجت قطعیہ ہے اور اجماعی ترتیب کے علاوہ دوسری ترتیب پر قرآن پڑھنا، لکھنا اور چھاپنا موجب فتنہ ہے البتہ تلاوت میں سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب نہیں ہے۔ نماز میں بھی سورتوں کی ترتیب ضروری نہیں ہے۔ دوسری رکعت سورت فاتحہ سے شروع کی جاتی ہے تو پہلی ترتیب خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ لاعلمی کی بناء پر ضروری سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پہلی رکعت میں بعد کی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت اس سے پہلے کی پڑھی تھی۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن (دوسرا مرحلہ):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات،

Marfat.com

اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انھوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا، تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں'' میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہت ہی بہتر ہے، اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہوگیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ہے'' اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ ''تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمھارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انھیں جمع کرو۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا، میں نے ان سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہت ہی بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لیے کھول دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا۔ (۶۳)

Marfat.com

# اعجاز قرآن

## اعجاز کا لغوی معنیٰ:

لفظ اعجاز مادہ 'عجز' سے ہے یعنی قدرت نہ رکھنا، حوصلہ ہار جانا، کسی کام سے رہ جانا۔

ابن العربی کہتے ہیں:

" وعجز فلان رأی فلان اذا نسبه الی خلاف الحزم كانه نسبه الی العجز۔"

(لسان العرب ابن منظور مادہ عجز)

عجز کا معنیٰ طاقت نہ رکھنا، عاجز ہونا کے بھی ہیں جیسے کہا جاتا ہے: عجز فلان عن العمل یعنی وہ کام سے عاجز آ گیا۔ (المنجد مادہ عجز)

اس مادہ سے اعجاز باب افعال "اعجز یعجز" سے مصدر ہے جس کی معنیٰ عاجز کرنے کے، تھکا دینے کے اور فوت ہونے کے بھی ہیں جیسے:

" فلانا وجده عاجزا، عجزه الشیء ای فاته" (٦٤)

"فلاں کو اس نے عاجز پایا اعجزہ الشیء کا مطلب ہے اس سے کوئی چیز ضائع ہو گئی۔"

" اعجزت الرجل وجدته عاجزا" (٦٥)

"میں نے اس آدمی کو عاجز پایا۔"

" اعجزنی اذا وجدنی عاجزا عن طلبته" (٦٦)

"جب اس نے اپنی طلب سے مجھے عاجز پایا۔"

" طلبته فاعجز" ۔(٦٧)

"میں نے اس سے طلب کیا وہ عاجز آ گیا۔"

مصدر اعجاز سے اسم فاعل " معجز " یعنی عاجز کر دینے والا اور اس کے آگے ھا (تائے مدورہ) مبالغہ کے لیے ہے۔(٦٨)

Marfat.com

اس باب سے قرآن مجید میں مختلف آیات وارد ہوئی ہیں:

"قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَـذَا الْغُرَابِ" (٦٨)

''اُس نے کہا ہائے کاش میں عاجز ہوں یہ کہ ہوتا میں اس کوے کی مثل۔''

"وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ" (٦٩)

''اور بے شک ہم نے یقین کرلیا کہ ہم اللہ کو اس زمین میں عاجز نہ کر سکے۔''

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ﴾ (فاطر:٤٤)

''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ اُسے کوئی عاجز کردے آسمانوں میں۔''

﴿وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ سَبَقُواْ إِنَّهُمْ لاَ يُعْجِزُونَ﴾ (٧٠)

﴿وَاعْلَمُواْ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِيْ اللّهِ﴾ (٧١)

﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لآتٍ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِيْنَ﴾ (٧٢)

''اور ان کے علاوہ اسم فاعل سے میں وارد ہے۔'' (۷۳)

## اعجاز کا اصطلاحی مفہوم:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ معجزہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

" ان كل ما يخرج عن الامر المعتاد فانه معجزة وهو الخارق للعادة اذا اقترن بدعوى النبوة ان الدليل مستلزم للمدلول فيلزم ان كون كل من فرقت له العادة نبيا"(٧٤)

''ہر وہ چیز جو امر معتاد سے تجاوز کر جائے معجزہ ہے اور وہ ایسا خارق عادت امر ہے جو دعویٰ نبوت سے منسلک ہوتا ہے اور جان لینا چاہیے کہ مدلول کے لیے دلیل ضروری ہے اور واجب ہے کہ جس کے لیے خرق عادت کام سرانجام ہو وہ نبی ہو۔''

علامہ جرجانی رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

" امر خارق العادة داعية الى الخير والسعادة مقرونة بدعوى النبوة، قصد به اظهار صدقا من دعى انه رسول من الله ـ"(٧٥)

''معجزہ ایک خلاف عادت امر ہے جو بھلائی اور نیک نیتی کی طرف بلاتا ہے۔ دعویٰ نبوت سے مقرون ہوتا ہے اور اسے مدعی کے حق گوئی کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ (مدعی) واقعی اللہ کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے۔''

علامہ صابونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''(خرق عادت امر) کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز آجاتے ہیں اس لیے کہ وہ خارق عادت فعل ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ معجزہ کے واسطے سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے بندے نے کذب بیانی نہیں کی اس نے میری تبلیغ کی اور وہ میرا ہی بھیجا ہوا ہے تاکہ وہ تم لوگوں کو تبلیغ کرے اور پھر اس کے سچا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے ہاتھ پر خارق عادات امور انجام دیے جائیں ایسی مثال لانے سے تم لوگ قاصر ہو، ثابت ہوا کہ لوگوں میں سے کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس جیسی مثل لائیں یہی معجزہ کا معنی و مفہوم ہے۔'' (۷۶)

* دائرہ معارف اسلامیہ میں 'معجزہ' کی تعریف یوں رقم ہے:

''معجزہ سے مراد خارق عادت امر یعنی کسی رسول یا نبی کا وہ کلام یا فعل جو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و طاقت سے اپنے رسول کی نصرت و تائید کے لیے ظاہر کرتا ہے اور اس وقت اس جیسا کام کرنے سے دوسرے لوگ قاصر و عاجز رہ جاتے ہیں۔'' (۷۷)

مولانا مودودی رحمۃ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''پیغمبروں نے جب کبھی اپنے آپ کو فرستادہ رب العالمین کی حیثیت سے پیش کیا تو لوگوں نے ان سے یہی مطالبہ کیا کہ اگر تم واقعی رب العالمین کے نمائندے ہو تو تمھارے ہاتھوں سے کوئی ایسا واقعہ ظہور میں آنا چاہیے جو قوانین فطرت کی عام روش سے ہٹا ہوا ہے اور جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہو کہ رب العالمین نے تمھاری صداقت ثابت کرنے کے لیے اپنی براہ راست مداخلت سے یہ واقعہ نشانی کے طور پر صادر کیا ہے اس مطالبہ کے جواب میں انبیاء نے وہ نشانیاں دکھائی ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں آیات اور متکلمین کی اصطلاح میں معجزات کہا جاتا ہے۔'' (۷۸)

محبوب عالم یوں رقمطراز ہیں:

''معجزہ اسے کہتے ہیں کہ خدا کا جو پیارا بندہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہو وہ کوئی ایسا عجیب کام دکھائے جو غیر معمولی اور عادت کے خلاف ہو اور منکر لوگ باوجود پوری کوشش کرنے اور ساری طاقت لگا دینے کے ایسا کام کرنے سے عاجز آجائیں۔'' (۷۹)

## قرآنی اصطلاح میں اعجاز کا مفہوم:

قرآن میں خارق عادت امر کے لیے معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ اس معنی کو ادا کرنے کے لیے آیۃ البرھان کے لفظ وارد ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

آیہ: بوزن فعلة یا فعلة یا فاعلة (۸۰) تھا مخفف ہو کر آیۃ رہ گیا اس کے معنی ظاہری علامت اور نشانی کے ہیں اسی اعتبار سے قرآن مجید کو آیت کی آیۃ کہتے ہیں گویا وہ کلام کے ختم ہو جانے کی علامت ہے بعض

Marfat.com

اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ آیۃ کے معنی (جماعت) کے بھی آتے ہیں اور آیت قرآن میں حروف کا ایک حصہ جمع ہوتا ہے۔ اس لیے اسے آیت کہا جاتا ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک آیت قرآن کے ایک حصہ کا نام ہے جو جملوں سے مرکب ہو چکا ہو مبدا اور مقطع ہو اور کسی سورۃ میں مندرج ہو۔ (۸۱)

آیۃ اللہ میں اس کے معنی خاص ہو گئے یعنی ''اللہ کا حکم یا پیغام'' دلیل معجزہ اور یک گونہ کائنات کے ہر شے اللہ کی آیت یعنی نشانی ہے۔ اپنے خالق اور پروردگار کا پتہ دیتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ پر معجز کے مفہوم میں لفظ آیۃ وارد کیا ہے۔ مثلاً:

﴿هَـذِهِ نَاقَةُ اللّهِ لَكُمْ آيَةً﴾ (۸۲)

''یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ہے۔''

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا﴾ (۸۳)

''پھر موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو ہم نے بھیجا اپنی آیات کے ساتھ۔''

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ (۸۴)

''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات دیے۔''

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (۸۵)

''بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔''

﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُواْ لَوْلاَ اجْتَبَيْتَهَا﴾ (۸۶)

''اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر کرتے تو وہ کہتے ہیں آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے۔''

﴿وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقاً فِي الأَرْضِ أَوْ سُلَّماً فِي السَّمَاء فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ﴾ (۸۷)

''اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں پھر کوئی معجزہ لے آئیں۔''

## برہان:

بمعنی دلیل بیان حجت بروزن فعلان جیسے رجحان وثنیان جس کے معنی درخشاں ہونے کے ہیں۔ بعض کے خیال میں برہ یبرہ کا مصدر ہے۔ (۸۸)

﴿البرهان الحجة الفاصلة البينة﴾ (۸۹)

''واضح فرق کرنے کی دلیل۔''

Marfat.com

قرآن میں معجزہ کی جگہ برہان کا لفظ بھی بولا گیا ہے جسے:

﴿اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْماً فَاسِقِينَ﴾ (۹۰)

''اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید اور خوف سے بچنے کے لیے اپنے بازو اپنی طرف ہلالے پس یہ دونوں معجزے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔''

گویا مذکورہ بالا تین نام خرق عادت امر کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء میں فرق پر بحث کی فصل کا عنوان یوں لکھتے ہیں:

" معجزات الانبياء و كرامات الاولياء في معجزات الانبياء التی هی آياتهم وبراهينهم كما سماها الله آيات وبراهين۔"(۹۱)

''آغاز اسلام میں 'معجزات' کی جگہ آیات کا لفظ مستعمل تھا جس کا پتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب فقہ الاکبر میں موجود عبارت سے چلتا ہے۔''

" والآيات ثابتة الانبياء والكرامات الاولياء حق"

''انبیاء کے معجزات ثابت ہیں اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔''

بلکہ پانچویں صدی ہجری میں بھی ابن سینا (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) ابونعیم الاصبہانی (م ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) اور ابن اشیق (م ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء) نے اپنی تصنیفات میں آیۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح ''معجزہ'' کا لفظ بھی اسی معنی میں ساتھ ساتھ استعمال ہونے لگا اگرچہ ''اعجاز'' کا لفظ قرآن مجید کی نسبت سے بہت پہلے مروج ہو چکا تھا اور اس عنوان سے کتابیں بھی تصنیف ہو چکی تھیں مثلاً ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد بن الانصاری الجزری الخزرجی (م ۳۱۵ھ/۹۲۷ء) کی کتاب، ایجاز البرہان فی اعجاز القرآن۔ (۹۲) ابوعلی بن عیسی الرمانی (م ۳۸۴ھ/ ۹۹۶ء) کی کتاب النکت فی اعجاز القرآن اور سب سے بڑھ کر ابوبکر محمد بن الطیب البلاقلانی الاشعری (م ۴۰۳ھ/ ۱۰۱۲ء) کی ''اعجاز القرآن'' ہے۔ اس دور کے بعد معجزہ علم الکلام کی ایک مستقل اصطلاح بن گیا اور اس سے وہی خارق عادات فعل مراد لیا گیا جسے مشرکین مکہ لفظ آیۃ سے تعبیر کیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ متکلمین نے رفتہ رفتہ آیۃ اور برہان کے لفظ کا استعمال کم کر دیا اور معجز یا معجزہ کے لفظ کو رواج دیا اور آخر کار اعجاز بھی معجزہ کا مترادف سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ عام گفتگو میں اعجاز مسیحا، اعجاز قرآن، میں اعجاز کا لفظ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

اعجاز کے اصطلاحی معنی ہیں وہ خارق عادت امر جو اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کی نبوت کی صداقت کے لیے

Marfat.com

دنیا پر ظاہر کیا ہو۔ یہ ایسی قطعی دلیل ہے جو مد مقابل کو مقابلہ کرنے سے عاجز کر دیتی ہے۔ معجزہ کے مقابلہ میں انسانی قدرت و طاقت کی بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کو بھی معجزات دیئے گئے۔ جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کے دعویٰ رسالت کی صداقت کا اظہار ہے جس کا مقابلہ کرنے سے اہل عرب عاجز آ گئے۔ یہ ایسا ابدی معجزہ ہے جس کا مقابلہ ان کی نسلیں بھی نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد برحق ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ٥ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (۹۳)

''یہ بہت زبردست عظیم کتاب ہے نہ اس کے آگے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ دانا و محمود ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

ثبوت معجزہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لفظ ''آیۃ یا آیات'' استعمال کیا ہے۔

﴿الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ (۹۴)

''یہ آیات ہیں کتاب مبین کی۔''

گزشتہ انبیاء کو عطا کیے گئے معجزات کے لیے بھی لفظ آیت، قرآن میں استعمال ہوا۔ مثلاً:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَى بِآيَاتِنَا﴾ (۹۵)

''پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔''

آپ ﷺ کا ارشاد بھی ہے:

ما من الانبياء نبى الا اعطى من الآيات، ما مثله امن عليه البشر، وانما كان الذى اوتيته وحيا اوحاه الله الى، فارجو ان اكون اكثرهم تابعا يوم القيٰمة۔ (۹۶)

''کوئی نبی نہیں جس کو معجزات عطا نہ کیے گئے ہوں۔ جیسا تقاضا تھا ان پر انسان ویسا ایمان نہ لایا۔ مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ وحی ہے (یعنی قرآن وسنت کی وحی) تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میں سب سے زیادہ پیروکار لوگ پاؤں گا۔''

## معجزہ، جادو اور کرامت:

بعض لوگوں نے معجزہ کا انکار کرتے ہوئے اسے جادو کا نام دے دیا۔ جیسے فرعون اور اس کے درباریوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں کہا۔ جبکہ کچھ تے کسی نیک شخص پر ہونے والے کرامات میں غلو کرتے ہوئے اسے بھی معجزے کا درجہ دے دیا۔ جبکہ معجزہ، جادو اور کرامت میں بہت واضح فرق ہے۔

Marfat.com

## معجزہ اور جادو میں فرق:

- جادو صرف نگاہوں کا دھوکہ ہوتا ہے:
﴿ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى ﴾ (۹۷)
''ان کے جادو کی وجہ سے اسے یہ خیال لگا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔''
﴿قَالَ أَلْقُوْا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ (۹۸)
''اس نے کہا تم ڈالو (رسیوں کو) جب انھوں نے ڈالا انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں خوفزدہ کر دیا اور وہ ایک بہت بڑا جادو بنا کر لائے۔''
جبکہ معجزہ نگاہوں کا دھوکہ نہیں ہوتا:
﴿فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۹۹)
''اس نے لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک واضح اژدہا تھا)۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے آگے ان کا جادو نہ ٹھہر سکا۔''
- جادو کا اثر وقتی ہوتا ہے جبکہ معجزہ دائمی ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم، ایک دائمی معجزہ ہے۔
- معجزہ Challenging ہوتا ہے جس کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔
- معجزہ، رسول ہونے کی سچی اور قطعی دلیل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا انکار کرنا کفر ہے۔
- معجزہ دکھانا رسول یا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو یہ رونما ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا سے معجزہ خود پیش نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم آتا تو ان کا عصا اپنا کام دکھاتا۔

## معجزہ اور کرامت میں فرق:

- خرق عادت کے طور پر ہو جانے والا کوئی کام جو کسی غیر نبی سے سرزد ہو۔ اگر وہ نیک باعمل مسلمان ہے تو اسے کرامت کہیں گے ورنہ یہ شعبدہ بازی ہوگی۔
- معجزہ صرف پیغمبروں کو دیا جاتا ہے جبکہ کرامت صالحین میں سے کسی کو بھی دی جا سکتی ہے۔
- معجزہ ظاہر کرنے والی چیز ہوتا ہے جبکہ کرامت کو چھپا کر رکھا جاتا ہے۔
- معجزے پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے جبکہ کرامت پر ایمان لانا ضروری نہیں ہوتا۔
- معجزہ پیغمبروں کو تبلیغ میں بطور مددگار دیا جاتا ہے جبکہ کرامت انفرادی نیکی کی علامت ہو سکتی ہے۔

## استدراج:

کچھ بزرگ علی الاعلان ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دیتے ہیں۔ ادھر ہاتھ بڑھایا اور ادھر انگور کا خوشہ ہاتھ

Marfat.com

میں آ گیا جسے وہ دعویٰ بزرگی کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یہ شیطانی عمل ہوتا ہے جسے استدراجی شعبدہ بازی کہتے ہیں ایسے بزرگ کا تعلق رجال غیب یعنی جنوں سے ہوتا ہے۔ بعض دفعہ مکر وحیلہ سے بھی کام لے کر یہ شعبدے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ سب کسبی چیزیں ہوا کرتی ہیں جو ہندو جوگیوں، عیسائی و یہودی شعبدہ بازوں میں بھی عام نظر آتی ہیں مگر معجزہ اور کرامت وہبی ہوتی ہیں۔

## نبوت کی علامات:

انبیاء کرام کے لیے نبوت کی دو علامات ہوا کرتی ہیں۔ ارہاص اور معجزہ۔

## ارہاص:

نبوت سے کچھ عرصہ قبل، رسول سچے خواب دیکھتا ہے جو دوسرے دن روز روشن کی طرح حقیقت کا روپ دھارے اسے نظر آتے ہیں۔ اسے ارہاص کہا جاتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نبوت سے پہلے سچے خواب دیکھا کرتے تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

ان اول مـا يوتى به الانبياء فى المنام حتى تهدأ قلوبهم، ثم ينزل الوحى بعد فى اليقظة۔ (۱۰۰)

''انبیاء کرام کو پہلے پہل (سچے) خواب عطا کیے جاتے ہیں حتی کہ ان کے دل پرسکون ہو جاتے ہیں۔ پھر انھیں حالت بیداری میں وحی کی جاتی ہے۔''

## معجزہ:

یہ دوسری علامت ہے جو نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

## اختیار الٰہی:

معجزہ میں تین چیزیں ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتی ہیں: علم، قدرت اور غنا (بے نیازی) نیک باعمل مسلمان سے صادر ہونے والی کرامت میں بھی یہی اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتے ہیں۔

ماضی کے واقعات یا مستقبل میں ہونے والے واقعات کی اطلاع اور علم جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ بتانا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھروں میں جمع کرتے ہو، اسی طرح ہمارے رسول ﷺ کا سابقہ امتوں کے حالات کا بتانا یا فتنوں اور قیامت کی نشانیوں سے متعلق پیشین گوئیاں کرنا۔ یہ سب علم سے تعلق رکھتے ہیں۔ لاٹھی کا اژدہے میں بدل جانا، برص وجذام کے مریض کا تندرست ہو جانا، مردے کا زندہ ہو جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا وغیرہ یہ سب

Marfat.com

قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو لوگوں کے شر سے بچانا اور شریر کے مقابلے میں رسول کا خیال رکھنا، وصال کا روزہ رکھنا، حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر مدتوں غمگین رہنا۔ اور واقعہ افک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک پریشان رہنا وغیرہ یہ شان غنا سے متعلق ہیں۔ اس لیے تمام انبیاء اپنی مرضی سے معجزہ دکھانے پر قادر نہیں تھے اس لیے کہ معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے مکمل اختیار میں تھا۔

## معجزہ ایک آزمائش:

حق کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ رسول کو معجزہ اس وقت عطا کرتا ہے جب باطل خوب زوروں پر ہو۔ جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، جذام اور کوڑھ کے مریض کو مسح سے درست کر دینا، پہاڑ کے اندر سے اونٹنی کا پیدا کرنا، اور انشقاق قمر وغیرہ ایسے واقعات تھے جن پر ایمان لانا فرض تھا چنانچہ جنھوں نے نہیں مانا انھیں شدید ترین آزمائشوں اور سزاؤں سے گزرنا پڑا۔ غیر نبی سے یہ کبھی صادر نہیں ہوتے۔ نبی بھی ان واقعات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے مگر بہت کم لوگ ایمان لاتے ہیں۔

## معجزہ کی ضرورت واہمیت:

ایک طرف سلیم الفطرت لوگ بلندی کی ایک انتہا پر ہوتے ہیں۔ جن کو کسی معجزے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسری طرف کچھ لوگ پستی کی انتہائی حالت میں ہوتے ہیں۔ جو کسی بھی معجزے کو نہیں مانتے۔ مثلاً چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا پھر بھی نہیں مانا۔ لیکن ان دونوں انتہاؤں کے درمیان جو لوگ ہوتے ہیں ان کی بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جن کے دل میں قبول حق کی استعداد تو ہوتی ہے لیکن دل پر ایک پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ معجزہ دیکھنے کے بعد وہ پردہ ہٹ جاتا ہے۔ پردہ ہٹتے ہی انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور آخر کار اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ معجزہ ایسے ہی لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ وہ ایسے ہی لوگوں کو یہ باور کروانے کے لیے ہوتا ہے کہ یہ ایک عظیم الشان شخصیت ہے جو اللہ رب العالمین کی طرف سے ترجمان بنا کر بھیجی گئی ہے اور یہ معجزہ اس کو بطور نشانی کے دیا گیا ہے جس کو کوئی انسان چیلنج نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی رہی ہے کہ اس نے جس پیغمبر کو جس علاقہ اور جس قوم میں بھیجا اس کو وہ معجزہ دیا جو اس علاقے کے حالات، ماحول اور اس علاقے کے لوگوں کی ذہنی، عقلی، علمی، ثقافتی اور تمدنی سطح کے مطابق تھا۔ مثال کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام کا تعلق جزیرہ عرب سے تھا جہاں پہاڑی اور ریگستانی علاقہ تھا۔ وہاں کوئی لکھنے پڑھنے کا رواج یا کوئی علمی اور فکری زندگی موجود نہیں تھی۔ نہ کوئی صنعت وحرفت تھی۔ خالص اونٹ چلانے والے بدو تھے۔ ان کو ایک ایسی اونٹنی معجزہ کے طور پر دی گئی جو ایک منفرد نوعیت رکھتی تھی۔ یہ سیدھا سادا معجزہ ان کے مخاطبین کی فہم کے قریب تھا۔ یہ معجزہ ان کے مطالبہ پر ہی ان کو دیا گیا تھا۔ پھر اس اونٹنی کی شرائط بھی رکھی گئیں۔ اور

Marfat.com

ان سے کہا گیا کہ تم نے معجزہ مانگا ہے۔ اب اس کی ذمہ داری بھی ادا کرو۔ لیکن وہ اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکے۔ اونٹنی کو قتل کر دیا۔ انجام کار وہ لوگ بھی تباہ کیے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں تھے۔ وہاں جادوگری کا فن انتہائی عروج پر تھا۔ جادوگری کی بنیاد پر ہی لوگوں کو معاشرہ میں مقام اور برتری حاصل ہوتی تھی۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ مصر میں اس زمانہ میں جادوگری کا فن جاننے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات دیے گئے وہ اس نوعیت کے تھے کہ مصر کی جادوگری کو ایسے ہی معجزات سے لاجواب اور عاجز کیا جا سکتا تھا۔ ان کے زمانے میں بڑے پیمانے پر جادو سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ ملک میں لاکھوں کی تعداد میں جادوگر موجود تھے۔ ان کو بادشاہ کے دربار میں خوب پذیرائی حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ایسا زبردست اور غیر معمولی تھا کہ بالاتفاق سارے جادوگروں نے بلا استثناء اور بیک زبان یہ تسلیم کیا کہ یہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ جادو نہیں ہو سکتا۔ اور بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ گویا انسانی کمال جہاں تک جا سکتا تھا وہاں تک پہنچے ہوئے اعلیٰ ترین کاملین نے اس کو اپنے اختیار سے باہر اور اپنے کمال سے ماوراء ایک چیز تسلیم کیا اور اس کو معجزہ مانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت فلسطین میں ہوئی۔ ان دنوں فلسطین، شام، موجودہ اردن اور عراق کا کچھ حصہ، یہ سب مشرقی سلطنت روما کا حصہ تھا۔ اس علاقہ میں جس چیز کا سب سے زیادہ چرچا تھا وہ یونانیوں کے علوم و فنون تھے۔ یونان کا فلسفہ، یونان کی منطق، یونان کے علوم اور یونان کی ہر چیز وہاں مروج تھی۔ یونانیوں میں جو چیز علمی اعتبار سے سب سے نمایاں تھی وہ ان کی طب تھی۔ اب یونانیوں کے باقی علوم تو قریب قریب ناپید ہو گئے، لیکن ان کے علوم وفنون میں جو چیز آج تک چلی آ رہی ہے وہ ان کی طب یونانی ہے۔ یونانیوں کا فلسفہ اور منطق آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ لیکن جو چیز آج تک مفید اور مقبول چلی آ رہی ہے، وہ ان کی طب ہی ہے۔ مثلاً یہاں اس شہر میں اس وقت بھی آپ کو یونانی دوائیں ملیں گی۔ جوارش جالینوس آج بھی ہر جگہ دستیاب ہے۔ معجون بقراط آج بھی لوگوں کے استعمال میں ہے۔

ان حالات اور اس ماحول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ دیا گیا اس کی نوعیت طبی تھی۔ ان کے اس مسیحائی معجزہ کو دیکھ کر یونانی طب کے بڑے سے بڑے ماہر نے یہ تسلیم کیا کہ یہ طب سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ علم طب وہاں تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس مسیحائی پہنچا ہے۔ علم طب کے لیے یہ بات ناقابل تصور ہے کہ ایک پیدائشی نابینا کو پھونک ماردی جائے اور اس کی بینائی بحال ہو جائے، یا محض ہاتھ پھیر دینے سے ایک کوڑھی کا کوڑھ ٹھیک ہو جائے۔ ایسی کوئی طب تو ابھی تک بھی ایجاد نہیں ہوئی کہ طبیب کے پھونک مارنے سے مرض ٹھیک ہو جائے۔ لہٰذا سب نے اس کو اللہ تعالیٰ کا معجزہ تسلیم کر لیا۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جس علاقہ میں جو معجزہ بھیجا جائے وہ اس علاقے کے اعلیٰ ترین انسانی کمال سے ماوراء اور اس کی عظمت کی انتہاء سے بہت آگے ہو۔ اور لوگ یہ تسلیم

Marfat.com

کرلیں کہ یہ ہمارے بس سے باہر کی چیز ہے۔ ایک بنیادی صفت تو معجزہ کی یہ ہے دوسری صفت جو پہلے تمام معجزات میں مشترک رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت رہی ہے کہ جب تک اور جس علاقے میں کسی نبی کی نبوت کارفرما رہی، اس وقت تک وہ معجزہ بھی باقی رہا۔ اور جب نبوت کا دور ختم ہوا تو معجزہ بھی ختم ہو گیا۔ تیسری صفت یہ تھی کہ سابقہ انبیاء کو حسی معجزات عطا فرمائے گئے جن کو انسان اپنے ظاہری حواس سے محسوس کر سکتا تھا کہ یہ معجزہ ہے۔ چوتھا اہم وصف یہ تھا کہ بقیہ انبیاء کرام کے معجزات وقتی معجزات تھے، جو ایک خاص زمانہ کے بعد ختم ہو گئے۔ آج ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا عصا پھینکتے تھے تو وہ اژدہا بن جایا کرتا تھا۔ لیکن آج نہ وہ عصا ہے اور نہ وہ اژدہا ہے۔ ہم میں سے کسی نے نہ وہ عصا دیکھا اور نہ وہ اژدہا دیکھا۔ اس لیے کہ یہ معجزہ صرف اس دور کے لیے تھا۔ وہ دور گزرا تو وہ معجزہ بھی ختم ہو گیا۔

اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہ آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ وہ معجزہ بھی باقی ہے، جو اس نبوت کی تصدیق اور دلیل کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین باقی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی باقی رہے گا۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس اعتبار سے منفرد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کی تائید و تصدیق میں جب بھی کوئی چیز پیش فرمائی وہ قرآن ناطق اور قرآن صامت ہے۔ ان دونوں کے علاوہ جتنے معجزات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں فرمایا۔ سیرت کے بہت سے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی غیر مسلم کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر کوئی حسی چیز پیش نہیں فرمائی۔ صرف اپنی شخصیت اور قرآن مجید کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

## وجوہ اعجاز قرآن (تاریخی جائزہ)

یہ امر تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء اور محققین کے نزدیک مسلم ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی متقن سند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر جو معجزات تاریخ اور حدیث کی کتب میں نقل ہوئے ہیں ان سب سے یہ اعلیٰ واشرف ہے۔ قرآن کے معجزہ ہونے پر کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے، لیکن قرآن مجید کن جہات اور پہلوؤں سے معجزہ ہے اور کیا یہ جہات متعدد ہیں یا ایک ہی جہت ہے؟ اس بارے میں علماء اور محققین کی رائے مختلف ہے۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابراہیم نظام، معتزلہ اعلام میں سے ایک تھے اور اکابر متکلمین میں سے تھے ان کے نزدیک قرآن کا اعجاز دو طرح سے ہے۔

① قرآن کا اعجاز صرف سے یعنی انسانوں کو قرآن کے مثل لانے سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتے تھے گویا یہ قدرت الٰہی کا معجزہ ہے اور یہ نظریہ سب سے پہلے ابراہیم نظام نے پیش

Marfat.com

کیا۔(۱۰۱)

(۲) اعجاز قرآن کا دوسرا پہلو قرآن کا گزشتہ واقعات اور آئندہ آنے والے حوادث کا خبر دینا۔(۱۰۲)

## نظریہ صرف:

'صرف' سے مراد روک دینا یعنی بلغاء وفصحاء عرب اس پر قادر تھے کہ وہ قرآن کی مثل لاتے ،لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں مقابلہ کرنے سے منصرف کر دیا یہ امر خود خارق عادت ہے اس بنا پر معجزہ نہیں بلکہ قرآن کی مثل لانے سے روک دینا معجزہ ہے یعنی قدرت الٰہی کا معجزہ ہے۔

اس نظریہ کو علمائے محققین نے رد کیا ہے۔ باقلانی نے اعجاز القرآن میں فان قیل کے الفاظ کے ساتھ کا رد کیا، زرقانی نے مناھل العرفان (۱۰۳) میں اس قول کا مفصل رد بیان کیا ہے۔ تفسیر المنار میں اس کی نسبت بعض معتزلہ کی طرف دی گئی اور اس کے علاوہ بحار الانوار (۱۰۴) میں سید مرتضی اور نظام اور اس کے پیروکاروں سے اس نظریہ کو نقل کیا گیا ہے۔

علماء متاخرین میں سے کوئی بھی اس نظریے کا قائل نہیں ہے سیوطی نے الاتقان (۱۰۵) میں اس وجہ کو نقل کیا ہے اسی طرح رافعی نے اعجاز القرآن (۱۰۶) میں رد کیا ہے۔

## ۲۔ جاحظ:

نظام کے بعد اس کے شاگرد جاحظ نے اعجاز القرآن کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا یہ وہی نظریہ ہے جسے بعد میں باقلانی اور جرجانی نے پیش کیا اور وہ نظم قرآن ہے جس کی وجہ سے قرآن کو صیاغت اسلوب اور پھر اسی اسلوب کے قالب میں معانی کی نظم اور ترتیب میں انفرادیت حاصل ہوئی ہے معانی اور اسلوب کا یہ انجام ایسا ہے جیسے جسم میں جان۔

## ۳۔ خطابی:

خطابی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی اور اپنا نظریہ پیش کیا ان کے نزدیک اعجاز القرآن لفظ اور معانی دونوں اعتبار سے اعجاز کا حامل ہے۔ قرآنی اسلوب کے ذریعے فصیح ترین الفاظ کو بہترین نظم تالیف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ اپنے اندر فصیح ترین معانی کو سمیٹے ہوئے ہے۔ پس صورت بیان ان تمام عناصر سے تشکیل پاتی ہے اور وہ صورت ایک جسے نظم قرآن کہا جاتا ہے جس نے عربوں کو قرآن کے مقابلے سے عاجز کر دیا اور وہ اس کی مثل نہ لا سکے۔

موصوف نے وجوہ اعجاز پر تفصیلی بحث کی ہے انھوں نے منکرین اعجاز کے اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا

Marfat.com

مفصل جواب دیا ہے۔ خطابی بیان کرتے ہیں کہ وجوہ میں ایک وجہ ایسی ہے جس کی جانب توجہ مبذول نہیں کی گئی اور وہ قرآن کی قوت تاثیر اور زور بیان، قرآن کے سوا کوئی کلام نظم ہو یا نثر ایسا نہیں جو کان میں پڑتے ہی دل کو لذت و حلاوت اور شوکت و رعب سے معمور کر دے۔ اگر خوف و حزن ہو تو اس کے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور دل کانپنے لگے۔ کتنے ہی اعداء رسول تھے جو حضور ﷺ کو قتل کرنے آئے اور قرآن کی آیات سن کر مشرف با اسلام ہوئے۔(۱۰۷)

## ۴۔ الرمانی:

چوتھی صدی ہجری میں عربی ادب کے امام الرمانی تھے انھوں نے قرآن کے اعجاز کی سات وجوہ بیان کی ہیں وہ بلاغت کو تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کی بلاغت معجز ہوتی ہے اور وہ قرآنی بلاغت ہے۔

انھوں نے بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

ایصال المعنی الی القلب فی احسن صورۃ من اللفظ

''دل تک معنی کا الفاظ سے اچھی صورت میں پہنچنا۔''

ان کے بقول یہ وصف قرآنی بلاغت میں پایا جاتا ہے۔(۱۰۸)

## ۵۔ باقلانی:

اعجاز قرآن پر باقلانی نے ایک مستقل کتاب لکھی اعجاز کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی عبدالکریم خطیب کے بقول اعجاز قرآن پر جداگانہ اور منظم پہلی کتاب باقلانی کی ہے اس سے پہلے اعجاز قرآن میں علماء کے اقوال مختلف کتابوں میں بالخصوص مقدمہ تفاسیر میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ وجوہ اعجاز قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اعجاز قرآن کی تین جہات بتائیں ہیں:

① غیب کی خبریں

② ایک امی پر قرآن اترنا۔

③ نظم بدیع اور عجیب تالیف ہونا۔(۱۰۹)

## ۶۔ شیخ عبدالقاہر الجرجانی:

پانچویں صدی ہجری میں الرسالۃ الشافیۃ میں شیخ عبدالقاہر جرجانی نے حقیقت اعجاز اور اس کے دلائل پر گفتگو کی ہے۔ وجوہ اعجاز سے وہ معترض نہیں ہوئے البتہ اعجاز قرآن کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ الفاظ کے نظم اور اسلوب کے لحاظ سے ہے۔(۱۱۰)

(۷) قاضی عیاض مالکی: لکھتے ہیں: اعجاز قرآن کی صورتیں بہت ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے البتہ وہ انواع جو

Marfat.com

اکثر صورتوں کا احاطہ کرتی ہیں چار ہیں:

① قرآن کریم کا حسن تالیف، کلمات و آیات کا باہمی ارتباط و تناسب۔

② نظم قرآنی کا نرالا انداز۔

③ اخبار غیب۔

④ حالات واقعات امم سابقہ۔(۱۱۱)

۸۔ فخر الدین نے اعجاز قرآن کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① فصاحت

② غرابت

③ تمام عیوب سے پاکیزہ۔(۱۱۲)

۹۔ الزرکشی:

البرہان میں زرکشی لکھتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ اعجاز کی سابقہ جتنی وجوہات بیان کی گئی ہیں وہ سب درست ہیں، مجموعی طور پر وہ وجہ اعجاز قرآن بن سکتی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی تنہا وجہ اعجاز نہیں بن سکتی پس جب اعجاز قرآن ان تمام جہات پر مشتمل ہے تو صرف کسی ایک کی طرف نسبت دینا معنی نہیں رکھتا۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جنھیں پہلے بیان نہیں کیا گیا اور وہ یہ ہیں:

① قرآن کا سننے والوں کے دلوں پر رعب اور ہیبت کا طاری کر دینا خواہ سامع قرآن کا ماننے والا ہو یا منکر۔

② قرآن کی آواز کبھی بھی سامعین کے کانوں پر ناگوار نہیں گزرتی اور نہ قراء کی زبانیں اس کی تلاوت سے بوجھل ہوتی ہیں۔ یعنی قرآن سننے میں اور پڑھنے میں شیریں اور خوش گوار ہے۔

③ قرآن میں دو وصف فصاحت و حلاوت کو باہم اکٹھا کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں متضاد کی طرح ہیں غالباً کلام بشر میں وارد نہیں ہوتیں۔

④ قرآن کو ہر دوسری کتاب سے بے نیاز اور غنی کر دیا ہے جبکہ دوسری سابقہ آسمانی کتب کی وضاحت اور بیان کو قرآن کی طرف پلٹا گیا ہے۔(۱۱۳)

۱۰۔ الزرقانی:

زرقانی کے نزدیک اعجاز قرآن کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

① اسلوب قرآن

② تالیف قرآن کا انداز

③ قرآن کے علوم اور معارف

Marfat.com

④ قرآن اور انسانی ضروریات کی تکمیل

⑤ علوم کائنات اور طبیعت میں قرآن کا موقف۔

⑥ انسانوں کی اصلاح میں قرآن کی حکمت عملی

⑦ غیب کی خبریں (ماضی، حاضر و مستقبل کی غیبی خبریں)

⑧ آیات عتاب موجود ہونا: یعنی بعض آیات ایسی ہیں جن میں آپ ﷺ کو سرزنش کی گئی ہے اگر آپ ﷺ کا کلام ہوتا تو ایسی آیات قرآن میں نہ ہوتیں۔ مثلاً سورہ عبس۔

⑨ بعض امور میں نبی ﷺ کا وحی الہٰی کا منتظر رہنا مثلاً تحویل قبلہ، واقعہ افک کے متعلق آیات کافی انتظار کے بعد نازل ہوئیں۔

⑩ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی حالت۔

⑪ قرآن کا خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرف منسوب کرنے سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کرنا مثلاً

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ﴾(۱-۱۱۳)

''اور اگر وہ ہم پر بنا لاتا کچھ باتیں۔ تو یقیناً اس کا دائیں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر البتہ ہم اس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔''

⑫ آیات مباہلہ۔

⑬ قرآن کا خلاف العادہ اثر۔(۱۱۴)

۱۱۔ رافعی:

نے اپنی کتاب 'اعجاز القرآن' میں درج ذیل وجوہات اعجاز بیان کی ہیں:

① فصاحت و بلاغت

② اسلوب قرآن

③ نظم قرآن اعجاز

④ تاریخ قرآن یعنی قرآن کا گزشتہ امتوں کا تذکرہ کرنا اخبار غیبی ہیں۔

⑤ تاثیر قرآن۔

⑥ حقائق قرآن (۱۱۵)

۱۲۔ طباطبائی:

نے اپنی تفسیر المیزان میں درج ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

① علوم و معارف

Marfat.com

② قرآن جس پر نازل ہوا اس لحاظ سے فصاحت و بلاغت ان میں تھی۔ آپ ﷺ تو ان پڑھ تھے۔
③ اخبار غیب۔
④ عدم اختلاف۔
⑤ فصاحت و بلاغت۔ (۱۱۶)

۱۳۔ الخوئی:

اعجاز قرآن کے مختلف وجوہ بیان کرتے ہیں:

① قرآن اور معارف
② قرآن اور بیان میں استحکام (یعنی عدم اختلاف، عدم تناقض اور عدم تضاد)
③ قرآن احکام شریعت اور نظام اسلام کے حوالے سے۔
④ قرآن اور اس کے متقن معانی و مطالب۔
⑤ قرآن اور غیبی خبریں۔
⑥ قرآن اور اسرار خلقت۔ (۱۱۷)

## دلائل اعجاز:

وہ تمام دلائل، وجوہات یا اسباب جن کی بناء پر قرآن پاک کو ایک معجزہ قرار دیا گیا، ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

(۱) الفاظ کا انتخاب: قرآن کریم میں جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ معجزانہ شان کے حامل ہیں۔ یہ الفاظ عبارت کے سیاق، معنی کی ادائیگی اور اسلوب کے اعتبار سے انتہائی موزوں ترین ہیں۔ عربی زبان ایک انتہائی وسیع زبان ہے۔ اس میں ایک معنی کے لیے معمولی فرق والے کئی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن ان الفاظ میں سے ان موزوں ترین الفاظ کا چناؤ کرتا ہے۔ جو اس کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر سکیں۔

چند مثالیں:

① ریاح (جمع) کا لفظ قرآن مجید میں خیر و رحمت کے لیے استعمال ہوا ہے اور ریح (واحد) کا لفظ خرابی اور سزا کے معنی ہیں۔ مثلاً خیر و رحمت کے لیے:

"وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهِ" (۱۱۸)

"ہوا کی مثال اس طرح سے ہے کہ اس میں پالا ہو۔ وہ ظالموں کی کھیتی کو پہنچے اور اُسے تہس نہس کردے۔"

تباہی اور سزا کے لیے " كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

Marfat.com

فَأَهْلَكْتَه" (۱۱۹) "رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ" "اس ہوا میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے )(۱۲۰)،
"فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ" (۱۲۱) (پس وہ تیز وتند ہوا سے غارت کر دیے گئے)۔

(۲) اسی طرح مطر کا لفظ قرآن کریم میں انتقام کی جگہ پر استعمال ہوا ہے اور رحمت وخیر کے لیے غیث کا۔

(۳) عیون اور اعین دونوں عین کی جمع ہیں۔ عیون کا لفظ چشمے کے لیے استعمال ہوا ہے اور دیکھنے والی آنکھ کے لیے اعین کا۔

(۴) وصی اور أوصی کے الفاظ بھی مستعمل ہوئے ہیں۔ وصی تشدید کے ساتھ دینی اور معنوی معاملات کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور أوصی مادی معاملات کے لیے۔

(۵) لفظ رسالة کو صالح علیہ السلام کے لیے واحد استعمال کیا گیا (۱۲۲) اور شعیب علیہ السلام کے لیے رسالات (جمع) فرمایا۔ (۱۲۳) کیوں؟ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صالح علیہ السلام ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف۔ ایک مدین اور دوسری اصحاب الایکة ،(۱۲۴) مدین، اصحاب الایکة ، سے جدا ایک مقام ہے۔ اسی لیے مدین کو جب ذکر فرمایا تو" والیٰ مدین اخاهم شعیبا" (۱۲۵) مگر اصحاب الایکة کے ذکر کرتے وقت أخاهم کا ذکر نہیں فرمایا جب کہ باقی انبیاء کرام کو أخوهم کہہ کر یاد فرمایا۔ دیکھیے سورہ الشعراء۔ مگر اصحاب الایکة ،شعیب علیہ السلام کی قوم نہیں تھی اس لیے اخوهم کا لفظ وہاں ارشاد نہیں فرمایا۔ نیز صالح وشعیب علیہ السلام کے تبلیغی اہداف کو اگر دیکھیں تو شعیب علیہ السلام کی ذمہ داریاں ، اوامر ونواہی زیادہ ہیں۔ (۱۲۶) اس لیے لفظ رسالت صالح علیہ السلام کے لیے واحد ہی درست ہے اور شعیب علیہ السلام کے لیے رسالات جمع ہی زیادہ بہتر ہے۔ ایک کے حق میں ایک رسالت ہے اور دوسرے کے حق میں رسالات ہیں۔

(۶) زمانہ جاہلیت میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے کم وبیش بیس الفاظ موجود تھے۔ مثلاً: موت، ہلاک، فنا، شعوب اور حمام وغیرہ۔ ان میں سے اکثر الفاظ سے اہل عرب کا یہ نظریہ جھلکتا تھا کہ موت کے ذریعے انسان ہمیشہ کے لیے فنا ہو جاتا ہے اور اس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔ لیکن قرآن نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر ایک انتہائی جامع مختصر اور فصیح لفظ اختیار کیا۔ جو موت کی صحیح حقیقت کو مکمل طور پر واضح کرتا ہے۔ یہ لفظ ہے "توفی" جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا۔

(۷) قرآن مجید نے جب اپنی فصاحت وبلاغت کا دعویٰ کیا تو عربوں نے انتہائی غور وفکر کے بعد تین الفاظ پر اعتراض کیا کہ وہ عربی محاورے کے خلاف ہیں۔ یہ الفاظ کبار ، ھزوا اور عجاب تھے۔ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معترضین کے مشورے سے ایک بوڑھے شخص کو منصف بنایا۔ جب وہ شخص آیا اور بیٹھنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُدھر بیٹھ جائیں۔ وہ بیٹھنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُدھر بیٹھ جائیں۔ جب وہ شخص اُدھر بیٹھنے لگا تو پھر اشارہ کر کے فرمایا: ادھر بیٹھ جائیں۔ اس پر اس شخص کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا:" انا شیخ کبار ، اتتخذنی ھزوا ، ھذا شیء عجاب" یوں اس نے ایک ہی جملے میں

Marfat.com

تینوں الفاظ استعمال کر دیے۔اس پر سب خاموش ہو گئے۔

(۲) اصطلاحات: قرآن مجید نے عربی زبان کے مروجہ الفاظ کو اصطلاح کا درجہ دیا جو معروف اور نئے مفہوم میں مستعمل ہونے لگا۔مثلاً: صلوٰۃ،صوم، زکوٰۃ، کفر، شیطان، نفاق وغیرہ۔

(۳) ترکیب کلام: قرآن کی اکائی آیت ہے۔آیت کا مطلب نشانی ہے۔یعنی ہر آیت اللہ تعالیٰ کے علم کامل کی نشانی ہے۔قرآن مجید کا اعجاز آیتوں کی ترکیب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔یہ ترکیب توقیفی ہے۔قرآن کی آیات اختصار، جامعیت اور معنویت کا شاہکار ہیں۔نہ صرف اپنے بیان کی پاکیزگی کے لحاظ سے بلکہ اپنی وسعت، گہرائی اور بلندی کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔اس کے کلمات میں سنجیدگی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے۔اور ہر قسم کے بیانات مناسب ہیں۔آیات میں مندرجہ ذیل خصوصیات قابل ذکر ہیں۔مثلاً خیالات کی ایسی جامعیت ہے جو ابتدا ہی سے واضح ہے جن کے سمجھنے کا دارومدار آیت کے اختتام پر نہیں بلکہ بسا اوقات انتہائے سورۃ تک چلا جاتا ہے۔اور اس کا ایک ایک لفظ اپنے مطالب کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔خیالات، الفاظ کے ساتھ پوری مطابقت کرتے ہیں۔اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (۱۲۷)

’’کہتے ہیں کہ اس پر معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ان سے کہو۔معجزات تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو ایک کھلم کھلا متنبہ کرنے والا ہوں۔کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب کو اتارا ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔بے شک اس عظیم کتاب میں بھی ایمان دار لوگوں کے لیے یقیناً ایک رحمت اور نصیحت ہے۔‘‘

آیت کی ساخت میں حسن ہے اور غیر موزوں بندشوں کا کہیں وجود نہیں۔پھر ان میں مشابہت بھی بہت ہے۔مثلاً:

* ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (۱۲۸)

’’اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔‘‘

کلام اللہ میں اتنی تاثیر ہے تو قرآنی تعلیم کے خلاف کفار کا یہ منصوبہ ہے کہ اسے نہ سنا جائے اور نہ سنایا جائے۔

* ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ (۱۲۹)

’’اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کر دیتے تو آپ دیکھتے کہ اللہ کے ڈر سے وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔‘‘

Marfat.com

اگر پہاڑ جیسی بے جان و جامد چیز اسے سن کر ریزہ ریزہ ہو سکتی ہے تو حضرت انسان جو دل و دماغ رکھتا ہے وہ اندر سے کیوں نہیں ٹوٹ پھوٹ سکتا؟ اسی لیے تو اس کی سوچ، عمل اور تمام زاویے بدل جاتے ہیں۔

* ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (۱۳۰)

''اللہ نے بہترین کلام نازل کیا (یعنی) ایک کتاب جس کی آیتیں ملتی جلتی ہیں بار بار دہرائی گئی ہیں، اس سے بال (رونگٹے) کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کی جلدوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد کی طرف راغب ہوتے ہیں۔''

یہ کلام بندے کو رب کے حضور جھکا کر چھوٹا بنا دیتا ہے۔ اس کا انگ انگ اللہ کا حکم سننے اور ماننے کے لیے ہمہ وقت تیار ہو جاتا ہے۔

* ﴿أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ﴾ (۱۳۱)

''کیا صبح نزدیک نہیں۔''

عذاب کا کوڑا برسانے کا فیصلہ اگر اللہ کر لے تو پھر اس کے آنے میں کون سی دیر؟

﴿طُوبَى لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ﴾ (۱۳۲)

''ان کے لیے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا۔''

اور دنیا میں جیتے جی اگر ہدف آخرت ہو تو ہوش کی زندگی گزارنے والوں کو کیوں اللہ تعالیٰ کی جناب اور فرشتوں سے ایسی مبارکباد نہ ملے۔

* ﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ﴾ (۱۳۳)

''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور ہے مزید۔''

جہنم کی وسعت اور اس کا جوش انتقام ظالموں کو لرزا دینے والا ہوگا اور مزید انسانی ایندھن مانگے گی اس لیے کہ یہ تیار بھی تو انھیں کے لیے کی گئی ہے جو رب کے نافرمان تھے اور اسے جھٹلاتے تھے۔

۴) اسلوب بیان: قرآن پاک کا انداز عام کتاب جیسا نہیں ہے۔ اس میں باقاعدہ ابواب نہیں ہیں اور نہ ہی کسی ایک موضوع پر بحث ہے۔ اور نہ ہی یہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ بلکہ ایک ایسا منفرد خطیبانہ انداز ہے کہ ایک بات کے بیچ میں دوسری بات شروع ہو جاتی ہے اور مخاطب بدلتے رہتے ہیں۔ اچھے خطبہ میں ابتدا بھی جاندار ہوتا ہے اور اختتامیہ بھی، یہ دونوں خوبیاں سورتوں کے آغاز اور ان کے اختتام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

عموماً عربوں کے طرز کلام و خطاب میں دو چیزیں بکثرت رائج تھیں؛ نثر و نظم۔ نثر مسجع یا غیر مسجع ہوتی تھی اور گفتگو اور خطابت میں عام تھی، ہر ایک اس کا ماہر تھا۔ نظم کی بھی بے شمار اقسام تھیں اور شاعری اس دور کا بلند پایہ مقدس فن تھا۔ ہر قبیلہ کو ایک اچھے شاعر کی ضرورت ہوتی تھی تا کہ شاعر کے موزوں اشعار اس کے قبیلے کا نام روشن

Marfat.com

کرسکیں۔ قرآن کریم نثر یا نظم میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ قرآن پاک نہ تو شاعری ہے اور نہ نثر۔ لیکن اس کے باوجود اس میں شاعری کا حسن بھی ہے اور نثر کی سنجیدگی بھی۔ بیان میں تشبیہات، استعارات، کنایات، تمثیلات اور وہ تمام دیگر خصوصیات جو کسی کلام میں ہوسکتی ہیں سب موجود ہیں۔ یہ ایک نیا اسلوب تھا جو قرآن نے متعارف کرایا اور جو عربوں کے بس میں نہ تھا۔

(۵) نظم قرآن: قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا باہم گہرا ربط نظم قرآن کہلاتا ہے۔ آیات وسورتیں ایک ہار کی طرح، ایک دوسرے کے ساتھ پروئی ہوئی ہیں جس میں ہر سورت و آیت موتی کی طرح نمایاں ہے۔ حالانکہ قرآن کی موجودہ ترتیب، ترتیب نزولی سے مختلف ہے اور موضوعات بھی مختلف ہیں۔ ایک موضوع کے ختم ہوتے ہی دوسرا موضوع شروع ہوجاتا ہے۔ کئی آیات میں تکرار بھی پائی جاتی ہے۔ مگر ہر مقام پر ان آیات وسورتوں کا گہرا ربط پھر بھی عقل کو دنگ کردیتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ٥ وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الأَلِيْمُ﴾ (۱۳۴)

''اے پیغمبر! میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں۔ اور یہ کہ میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔''

اس کے فوراً بعد ارشاد ہے:

﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيْمَ﴾ (۱۳۵)

''اور انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتائیے۔''

بظاہر اس آیت کا سابقہ آیت سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا لیکن ذرا غور کیا جائے تو بعد کا جملہ پہلے جملے کی تائید کرتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتے سیدنا اسحاق رضی اللہ عنہ کی پیدائش کی خبر لے کر آئے تھے۔ جو ''أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' (۱۳۶) کا مظاہرہ تھا۔ مزید برآں وہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے بھی آئے تھے۔ جو ''وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الأَلِيْمَ'' (۱۳۷) کی شہادت تھا۔ اس طرح یہ آیات بظاہر مختلف ہونے کے باوجود گہرا ربط رکھتی ہیں۔ اس لیے قرآن میں ظاہری بے ربطی اور بے نظمی کا احساس درحقیقت ہماری حیرانی اور سرگشتگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۶) پیشین گوئیاں اور انکشافات: اعجاز القرآن کریم کی ایک اور دلیل اس میں پائی جانے والی پیشین گوئیاں ہیں جو صحیح ثابت ہوئیں، ہورہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ ان پیشین گوئیوں میں کشتی نوح، فرعون کی لاش، روم کی فتح، فتح مکہ، فوج درفوج اسلام میں داخلہ، یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا ظہور اور دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ شامل ہیں۔ فتح فارس کی خبر ''سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُوْلِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ'' (۱۳۸) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی۔ ''وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' (۱۳۹) (اور تمھارے لیے ایسی سواریاں پیدا کرے گا جو تم نہیں

Marfat.com

جانتے)۔ میں متعدد سفری سہولیات کی طرف اشارہ ہے۔

ان غیبی خبروں میں نزول قرآن سے قبل کا زمانہ ہے اور بعد کا بھی۔ قبل کا زمانہ پیدائش آدم سے شروع ہو کر رسول اللہ ﷺ تک آتا ہے۔ یہ ایسی تاریخ ہے جسے اہل عرب کیا بعد کے لوگ بھی نہ جان سکے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں ایسی تاریخی حقیقتیں قرآن نے منکشف کیں کہ بنو اسرائیل خود پکار اٹھے:

﴿ان القرآن یقول لنا مالم نقل فی کتبنا و لا فی عقائدنا﴾

''قرآن نے ہمیں وہ باتیں بتائی ہیں جو ہم اپنی کتب میں اور نہ عقائد میں کہہ سکے۔''

قرآن نے انھیں تفصیلاً بیان کر کے اپنا معجز ہونا ثابت کیا ہے۔ بعد کے انکشافات اور تحقیقات پر قرآن کریم نے یہ عظیم الشان بیان دیا:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ﴾

''ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھاتے رہیں گے۔''

## اخبار ماضی:

قرآن کا وجہ اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ اسلام سے پہلی اقوام عالم اور ان کے واقعات کا تفصیلاً ذکر لاتا ہے۔ ان واقعات پر جس قدر وضاحت کے ساتھ قرآن نے روشنی ڈالی ہے کسی اور آسمانی صحیفہ یا تاریخی کتاب نے نہیں ڈالا بلکہ اسلام کے ظہور کے وقت واقعات سابقہ جن کو دوسری آسمانی کتابوں نے ذکر کیا بھی تھا اپنی استنادی حالت کھو بیٹھے تھے قرآن نے تحریف شدہ قصوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ بیان فرمایا بلکہ وہ چیزیں بیان فرمائی گئیں جن کا پہلے صحائف میں ذکر نہ تھا۔ اب ہم ان واقعات وقصص کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں:

① حضرت نوح اور ان کی قوم کے حالات بڑے بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اس کے لیے قرآن میں ایک پوری سورہ جو کہ ''نوح'' کے نام سے ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر ان کی قوم کی تباہی کے حالات ذکر ہیں۔

② اس طرح قوم عاد کے حالات سورہ الاعراف، الفجر، حم السجدہ، ہود، قمر، میں ذکر ہیں۔

③ قوم ثمود کے حالات انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی (جو کہ معجزہ کے طور پر نکالی گئی تھی) کو قتل کیا اور عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہرے۔ یہ واقعات سورہ الاعراف، ہود، النمل، القمر، الشعراء، الشمس میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

④ قوم ابراہیمؑ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے والد اور قوم کو توحید کی دعوت دینا اور بتوں کا توڑنا جس کے نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جانا۔ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر آمادگی۔

⑤ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے حالات ان کی اخلاقی پستگی اور پھر عذاب میں مبتلا ہونے کے واقعات الشعراء،

Marfat.com

العنکبوت، ہود، القمر، الذاریات میں مذکورہ ہیں۔

⑥ حضرت شعیب علیہ السلام جو اہل مدین کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔انھوں نے ان کو دعوت اصلاح دی نہ ماننے کے نتیجے میں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے ان کی تباہی کا ذکر سورہ الاعراف وغیرہ میں ذکر ہے۔

⑦ اصحاب الایکہ: اس کی بربادی کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے۔

⑧ بنی اسرائیل علیہ السلام: بنی اسرائیل کے واقعات۔

⑨ اصحاب الرس کا ذکر سورہ فرقان، ق میں کیا گیا ہے۔

⑩ اصحاب الفیل کی بربادی کا ذکر۔

ان کے علاوہ قصہ اصحاب کہف، قصہ یوسف علیہ السلام، قصہ ذوالقرنین، قصہ لقمان علیہ السلام، قصہ موسیٰ علیہ السلام، و خضر علیہ السلام، قصہ ہاروت و ماروت وغیرہ وضاحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے۔ ان واقعات و حالات کو جس طرح قرآن نے مستند طور پر بیان کیا ہے آج تک کوئی کتاب اس اہتمام وثقاہت سے بیان نہ کرسکی۔

## اخبار مستقبلہ:

قرآن مختلف ناحیوں سے معجزہ ہے وہیں اپنی پیش گوئیوں کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے پیشنگوئی کا لفظ عموماً ایسے واقعات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں وقوع پذیر ہونے والا ہو اور مستقبل کا علم چونکہ غیب میں آتا ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اللہ کے علاوہ یہ علم کسی کو حاصل نہیں بعض اوقات انسان یہ لفظ اپنے لیے استعمال کرتا ہے تو انسان کی پیشنگوئی حالات قرائن اور اس کے علم کی حد تک محدود ہوتی ہے جس کے صحیح یا غلط نکلنے کے برابر امکان ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں بھلا اس کی بتائی ہوئی بات کس طرح غلط ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت ساری پیشنگوئیاں فرمائیں ہیں۔ حدیث سے چند درج ذیل ہیں۔

عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ فارس (ایران) اور روم (نصرانی) ایران روم پر غالب آیا تو مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے جبکہ مسلمانوں کو غم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو فتح کی نوید سنائی:

﴿وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾ (۱۴۰)

''وہ عنقریب غالب آجائیں گے۔''

اور پھر فرمایا:

﴿فِي بِضْعِ سِنِينَ﴾ (۱۴۱)

''یہ چند سالوں میں ہوگا۔''

اور چشم فلک نے دیکھا کہ قرآن کی خبر کے الفاظ کا ایک ایک حرف سچا ہو کر رہا رومی پورے نو سال بعد

Marfat.com

ایران پر غالب آ گئے اور مسلمان خوش ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (١٤٢)

''اس دن مسلمان خوش ہوں گے۔''

۲۔ اہل مکہ کے لیے کہا گیا:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾(١٤٣)

''یقیناً ہم انھیں عذاب سے قبل چھوٹا عذاب چکھائیں گے شاید وہ لوٹ آئیں۔''

بڑے عذاب سے مراد قیامت کا عذاب اور چھوٹے عذاب سے مراد غزوہ بدر میں کفار کا قتل یا مکہ میں قحط سالی تھی اس طرح یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی۔

۳۔ مہاجرین کے لیے خوشخبری دی گئی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔۔۔الخ﴾(١٤٤)

''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد ہجرت کی ہم انھیں بہترین ٹھکانہ دیں گے۔''

اور پھر ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے ظلم کے مارے مہاجرین کو مدینہ منورہ میں ٹھکانہ عطا فرمایا اور آخرت میں ان کے نصیبے میں عمدہ ٹھکانہ ہے۔

۴۔ یہود مدینہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی فرمائی:

﴿قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾(١٤٥)

''آپ ﷺ فرمادیں کہ اے کفار اللہ تمھیں عنقریب مغلوب کرے گا۔''

اور یہ پیشگوئی جلد ہی پوری ہوئی چنانچہ بنو قینقاع اور بنی نضیر جلاوطن کیے گئے اور بنو قریظہ قتل کر دیے گئے پھر خیبر فتح ہو گیا۔

۵۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کی نوید سنائی گئی فرمایا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن

Marfat.com

شَاءَ اللّٰهُ۔۔۔الخ﴾ (۱۴۶)

''یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ وہ ان شاء اللہ پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں جائیں گے۔''

یہ پیشگوئی بھی آپ ﷺ کے قصد حج اور پھر صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ پر منتج ہوئی۔

۶۔ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (۱۴۷)

''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔''

" تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ" کے معنی بعض مفسرین نے: ''ٹوٹ جائیں ابولہب کے ہاتھ'' بیان کیے ہیں اور '' وتب'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے 'وہ ہلاک ہو جائے' یا 'وہ ہلاک ہو گیا' لیکن در حقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اس کو کہا گیا ہو بلکہ ایک پیشگوئی ہے۔ جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکی اور پھر یہ ثابت ہو کر رہا کہ ابولہب اپنے مشن میں خائب و خاسر ہوا۔

۷۔ **تکمیل اسلام یعنی حفاظت قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی یوں ارشاد ہوئی:**

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۱۴۸)

''بے شک ہم نے یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔''

یہ قرآن مجید جس کے نزول کا آغاز غار حرا کیم نبوی سے ہوا اور تیرہ سال کی دور اور پھر ہجرت ہوئی اور دس سالہ مدنی دور گزرا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا نزول مکمل ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بات سچ ثابت ہوئی کہ قرآن کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن نے بہت سے علمی اور سائنسی انکشافات بھی کیے ہیں جو نزول کے وقت غیر معلوم اور ناقابل تصور تھے۔ مثلاً زمین کا بتدریج سکڑنا، ہر چیز کا جوڑوں میں ہونا، کائنات کا پھیلنا، BIG BANG سے یا LITTLE BANG سے کائنات کا وجود میں آنا، کائنات میں موجود ہر چیز کا گھومنا۔ یہ ایسے انکشافات ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثابت ہو رہے ہیں۔

## تاریخ اعجاز القرآن:

اس موضوع کی داغ بیل اس وقت پڑی جب قرآن کے اسلوب کی خصوصیات معلوم کرنے اور اعجاز القرآن کو سمجھنے کی دل چسپی بڑھی۔ عمرو بن بحر ابوعثمان الجاحظ (م: ۲۵۵ھ/۸۳۹ء) وہ اولین شخص ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''نظم القرآن'' میں اعجاز القرآن کو موضوع بحث بنایا اور اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنی ''کتاب الحیوان'' میں کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا ہے:

﴿لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ﴾(۱٤۹)

''نہ اس سے ان کا سر پھرے گا نہ ہی وہ بہکی باتیں کریں گے۔''

ان دونوں کلمات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی شراب کے تمام عیوب کھول کر رکھ دیے ہیں۔

ان کے بعد ابو عبداللہ محمد بن یزید الواسطی (م:۳۰۶ھ/۹۱۸ء) نے اس موضوع پر کچھ کام کیا۔ پھر ابو عیسیٰ علی بن عیسیٰ رمانی رحمہ اللہ (م:۳۸۲ھ/۹۹۴ء) نے اپنی کتاب ''النکت فی اعجاز القرآن'' میں اعجاز القرآن کے سات وجوہ یا اسباب گنوائے۔ یہ رسالہ، دار المعارف قاہرہ میں ''بیان القرآن للمعانی'' کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب بن محمد المعروف باقلانی رحمہ اللہ (م:۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء) نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا اور کتابیں لکھیں۔ انھوں نے اپنی منفرد کتاب ''اعجاز القرآن'' میں قرآن کے شعر و سجع ہونے کے دعوے کو رد کیا ہے۔

عبدالقاہر بن عبدالرحمن الجرجانی رحمہ اللہ (م:۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء) نے علم اعجاز القرآن کے اصول و قوانین مدون کیے اور دو اہم کتابیں ''دلائل الاعجاز'' اور ''اسرار البلاغہ'' تصنیف کیں۔ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ نے تفسیر ''کشاف'' میں قرآنی آیات کے وجوہ اعجاز بیان کیے۔ پھر فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م:۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) نے جرجانی رحمہ اللہ کی دونوں کتابوں سے استفادہ کر کے ''نہایة الاعجاز'' لکھی۔ اسی طرح سراج الدین ابو یعقوب بن محمد السکاکی کی کتاب ''مفتاح'' کا ایک حصہ علم البیان پر مشتمل ہے۔ مفسر استاذ محمد بن محمد مصطفیٰ ابوالسعود رحمہ اللہ کو دوسرے مفسرین پر ترجیح اس لیے حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی تفسیر ''ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتب الکریم'' میں قرآن کریم کے اعجاز اور بلاغت کے پہلو کو خصوصی طور پر اجاگر کیا۔ مصطفیٰ صادق رافعی (م:۱۳۵۶ھ/۱۹۳۹ء) نے بھی اعجاز القرآن نام کی کتاب لکھی۔

الغرض قرآن کا اعجاز اس کے نزول کی نسبت آج زیادہ واضح ہے۔ اور جیسے جیسے علم انسانی کو ترقی حاصل ہوگی، قرآن کا اعجاز واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

## قرآن کا چیلنج:

قرآن کے الفاظ و مضامین نے مجموعی طور پر اس میں وہ خوبی پیدا کر دی جس نے کلام پاک کو بے مثال بنا دیا۔ زمانہ جاہلیت کے اہل عرب فصاحت و بلاغت میں دنیا کی دیگر قوموں سے ممتاز تھے۔ خطابت و شاعری، فصاحت و بلاغت ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔ انھیں اپنی زبان دانی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔ اس کے باوجود قرآن نے انھیں چیلنج دیا کہ اگر تم نہیں مانتے تو اس جیسی ایک کتاب لے آؤ۔

Marfat.com

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِيْنَ﴾(۱۵۰)
''اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام لے آئیں۔''
جب وہ بھرپور کوشش کے بعد پورے قرآن کی نظیر لانے سے قاصر رہے تو انھیں کہا گیا۔
﴿قُلْ فَأْتُواْ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُواْ مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ﴾(۱۵۱)
''فرما دیجیے! اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

ولید بن مغیرہ نے، جو مکہ کا رئیس آدمی تھا، جناب رسالت مآب ﷺ سے آیت ''ان اللہ یامر بالعدل۔'' (بیشک اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے)۔ پڑھتے ہوئے سن کر کہا:

واللہ ان لقوله لحلاوة، وان عليه لطلاوة، وانه لمثمر أعلاه، مغدق أسفله، وانه ليحطم ما تحته، وانه ليعلو وما يعلى۔ فقال أبو جهل: والله ما يرضى عنك قومك حتى تقول فيه قولاً۔ قال: فدعني أفكر، فلما فكر قال: هذا سحر يؤثر، يأثره عن غيره۔ فخرج على قومه بهذا القول الآثم، فانزل الله فيه قوله تعالىٰ: انه فكر وقدر، فقتل كيف قدر ثم قتل كيف قدر، ثم نظر، ثم عبس وبسر، ثم ادبر واستكبر، فقال ان هذا الا سحر يؤثر

''بخدا اس میں بڑی مٹھاس ہے اور اس پر ایک تازگی و رونق ہے، اس کا زیریں حصہ پانی میں ڈوبا ہوا اور بالائی حصہ پھولوں سے لدا ہوا ہے۔ یہ تو اپنے نیچے والے کا سر پھوڑتا ہے اور اپنے طرز ادا میں بھی غالب آتا ہے نہ کہ مغلوب ہوتا ہے۔ ابوجہل نے اسے کہا: ولید تمھاری اس بات سے قوم خوش نہیں ہوگی۔ جب تک تم اس کے بارے میں کوئی بات نہ کہو۔ اس نے کہا: اچھا مجھے پھر سوچنے کا موقع دو۔ جب اس نے غور و فکر کیا تو کہہ دیا: یہ بڑا موثر جادو ہے جو دوسروں سے اثرات لاتا ہے۔''

یہ سوچتے ہی وہ لوگوں کے سامنے آیا اور پھر یہی غلط بات کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱۵۲)

ایک بدوی کسی شخص کو آیت ''فاصدع بما تؤمر----'' (آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کا کھل کر اعلان کرو)۔ تلاوت کرتے ہوئے سن کر سجدہ میں گر گیا اور کہا: ''میں اس کی فصاحت کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں۔''

عتبہ بن ربیعہ آپ سے ملنے کے بعد واپس آیا تو اس کا کہنا تھا:

''انی سمعت قولاً، والله ما سمعت بمثله قط، والله ما هو بالشعر ولا بالسحر، ولا بالكهانة۔ فقال له القوم: سحرك والله يا ابا الوليد بلسانه۔

Marfat.com

قال: هذا رأيي فيه، فاصنعوا ما بدالكم"

''میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جو بخدا میں نے اس جیسی کبھی نہیں سنی۔ واللہ! وہ نہ تو شعر ہے اور نہ ہی جادو و کہانت۔ لوگوں نے اسے کہا: ابوالولید! اس نے تم پر اپنی زبان کا جادو کر دیا ہے۔ اس نے کہا: یہ میری ان کے بارے میں ایک رائے ہے باقی تم جو چاہو کرو۔''

## چیلنج کا جواب:

علامہ جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قرآن مجید کے مخالفین نے اس کی شستگی الفاظ، اس کی ترتیب، آیات کا غیر معمولی آغاز اور اختتام، الفاظ کی روانی، واقعات کا بیان، اسلوب نصیحت اور یاددہانیوں اور دلائل کو خوب دیکھا اور اس کی ہر سورت اور آیت پر غور کیا۔ مگر ایک لفظ بھی نہ پایا جو اپنی جگہ غیر موزوں ہو یا جس پر اعتراض کر کے ترمیم کی جاسکتی ہو۔ ان خصوصیات کی وجہ سے کسی شخص کو اس کی مثال لانے کی ہمت نہ پڑی۔ تاہم اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے کچھ لوگ میدان میں اترے جن میں سے چند بطور مثال درج ذیل ہیں۔

### (۱) مسیلمہ کذاب:

اس شخص نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اور قرآن کے مقابلے میں مندرجہ ذیل جملوں کو اپنی وحی قرار دیا۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ رحمان نامی فرشتہ اس پر وحی نازل کرتا ہے۔

"يا ضفدع بنت ضفد عين، نقي ما تنقين، نصفك في الماء ونصفك في الطيب، لا الماء تكدرين ولا الشارب تمنعين"

''اے مینڈک! بیٹی دو مینڈکوں کی! تو صاف ستھری، کیا ہی تو صاف ستھری ہے۔ تیرا آدھا دھڑ پانی میں اور آدھا مٹی میں ہے۔ نہ تو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ پینے والے کو روکتی ہے۔''

اور یہ بنایا:

"الفيل وما الفيل، وما ادراك ما الفيل، له ذنب دبيل وخرطوم طويل"

''ہاتھی! کیا ہے، ہاتھی! اور کیا معلوم تجھے کہ ہاتھی کیا ہے۔ اس کی ایک سخت دم ہے اور ایک لمبی سونڈ ہے۔''

قرآن مجید کی سورۃ العادیات عمدہ ترنم میں لاجواب اور حقیقت آراء سورت ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اس کی طرز پر یوں طبع آزمائی کی۔

"والمبديات زرعا، والحاصدات حصداً، والذاريات قمحا، والطاحنات طحنا، والعاجنات عجنا، والخابزات خبزا، والثاردات ثردا، واللقمات

Marfat.com

لقما، اهالة وسمنا، لقد فضلتم على أهل الوبر، وما سبقكم على المدر"

''قسم ہے کھیتی ظاہر کرنے والیوں کی روٹی پکانے والیوں کی، اور گیہوں پھٹکنے والیوں کی اور پسائی کرنے والیوں کی، اور آٹا گوندھنے والیوں کی، اور ثرید پکانے والیوں کی، اور گھی کے ساتھ پے در پے لقمے توڑنے والیوں کی، کہ اے میرے قبیلہ والو! تمھیں صحرانشینوں پر فضیلت دی گئی ہے اور شہریوں پر تمھیں کیا ہی سبقت حاصل ہے۔''

لفظی خامیوں کے علاوہ اس نے ہر جگہ واؤ کا بے دریغ استعمال کیا ہے حالانکہ سورہ العادیات میں ف اور ان کا استعمال بھی ہے۔ پھر جو کام مردوں کے تھے یا مرد اور عورت کے مشترک تھے ان کو بھی صرف عورتوں کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ ایسا نمونہ ہے جو کسی عربی ماہر نے قابل تذکرہ ہی نہیں سمجھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے جھوٹے اور نام نہاد نبی پر انتہائی احمقانہ کلام، شیطان کس طرح القاء کرتا ہے۔ اسی لیے سیدنا عمرو بن العاص جو اس کے قدیم دوست تھے جب انھوں نے اس کی ایسی وحی سنی جس میں اس نے کہا:

يا وبر يا وبر انما أنت أذنان وصدر وسائرك حفر نفر

''اے لومڑ اے لومڑ! (لبنان کا جانور جو نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا ہے) تیرے صرف دو کان اور سینہ ہے اور باقی تو مٹی اور لاغری ہے۔''

تو مسیلمہ نے پوچھا: عمرو! کیا کہتے ہو اس وحی کے بارے میں؟ سیدنا عمرو نے مسکراتے ہوئے اسے کہا:

والله انك لتعلم انى اعلم انك تكذب

''بخدا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں واقعہ یہ جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔''

### (۲) ابو منصور حلاج:

یہی وہ شخص ہے جس نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا یعنی اس نے خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: دینور میں ایک شخص اپنے سامان سمیت پکڑا گیا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس میں ایک خط برآمد ہوا جس میں لکھا تھا: من الرحمٰن الرحيم الى فلان بن فلان۔ قاضی بغداد کے سامنے حلاج کو پیش کیا گیا اس نے اعتراف کیا کہ یہ خط اسی کا لکھا ہوا ہے۔ قاضی نے پوچھا: پہلے تو تم نبوت کا دعوی کرتے رہے اب ربوبیت کا بھی دعوی ہے؟ حلاج نے جواب میں کہا: میں ربوبیت کا دعوی نہیں کرتا مگر یہ میرے نزدیک عین الجمع ہے۔ کیا کاتب اللہ کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ میں اور میرا ہاتھ تو صرف ایک آلہ ہے۔ (۱۵۴) ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے: مشہور بزرگ ابو عمرو بن عثمان مکی ایک بار حلاج کے قریب سے گزرے پوچھا: کیا لکھ رہے ہو؟ حلاج نے جواب دیا: قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر ابو عمرو بن عثمان نے بددعا دی جس کے نتیجہ میں حلاج قتل کر دیا گیا۔ یہ کتاب ''کتاب الطواسین'' تھی جس میں قرآن جیسی عبارت پیش کرنے کی اس

Marfat.com

نے کوشش کی۔ اس نے لکھا" طاسین، السراج طاسین، الفهم طاسين، الصفا طاسین۔" اس میں نہ قرآن کی بلاغت ہے نہ حکمت۔ اس کے عجیب وغریب دعوے سن کر عام وخاص بہکے ہیں۔ کیمیا گر تھا اور عام آدمیوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس نے صوفیوں جیسے طریقے اختیار کر لیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں بلکہ درندوں میں بھی حلول کر جاتا ہے۔ کسی شے کی حقیقت کے بارے میں ہم نہیں جانتے، ہوسکتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ حلول کیے ہوئے ہو۔ جب انسان اپنے رب سے وصال کر جائے تو اس پر شریعت کی پابندی نہیں ہے اور نہ عبادت کرنا ضروری ہے وغیرہ۔ مریدوں کے پاس ہوتا تو خدائی کا دعوی کرتا اور کہتا کہ خدا مجھ میں حلول کر گیا ہے اور عوام سے کہتا: میں ایک صوفی ہوں۔ انتہائی گمراہ کن باتوں اور نظریات کی وجہ سے (۳۰۹ھ/۹۲۱ء) میں حامد بن عباس وزیر نے خلیفہ وقت کی اجازت سے اور مفتیان وقت کے مصدقہ فتوی سے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ (۱۵۴)

## (۳) عبداللہ بن مقفع:

یہ عربی ادب کا ایک بڑا فصیح و بلیغ ادیب تھا۔ اس نے جب قرآن کا چیلنج سنا تو سوچا کہ کیوں نہ طبع آزمائی کی جائے اور اپنی منفرد تحریر اس کے مقابلے میں پیش کی جائے۔ اس نے اپنی عمر کا ایک حصہ قرآن کے مقابلہ میں کتاب لکھنے پر وقف کیا۔ لیکن ایک دفعہ راستے سے گزرتے ہوئے کسی بچے کے منہ سے یہ آیت سنی۔

﴿وَقِيْلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِيْ مَاءَ كِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِيْ﴾(۱۵۵)

"اور کہا گیا اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا۔"

تو پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کا مقابلہ ناممکن ہے۔

فیضی نے بغیر نقطوں کے ایک تفسیر سواطع الالہام لکھی۔ جسے ایک بہت بڑا معجزہ قرار دیا جاتا تھا جب کہ وہ خود اپنی تفسیر کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھتا اور نہ ہی یہ دعوئی کرتا ہے بلکہ زندگی کے آخر تک وہ قرآن مجید کے اعجاز کا قائل رہا۔ اپنی اس تفسیر میں قرآن کے اعجاز اور تعریف کو پرزور الفاظ میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

كلام الله لاحد لمحامده ولا عدل لمكارمه وماء لاساحل له

"قرآن مجید اللہ کا کلام، جس کی تعریفوں کی انتہا نہیں اور جس کے فضائل شمار میں نہیں آسکتے، وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔"

عصر حاضر میں عربی ادب کی جو تحریک اٹھی اس نے لوگوں کو قرآن کے فنی حسن و جمال کے عناصر سے آگاہ و آشنا کرنے کے سلسلہ میں قابل ذکر خدمات انجام دیں، چنانچہ تفسیر المنار کے مصنف سید رشید رضا نے فہم قرآن کے ضمن میں خاطر خواہ کام کیا ہے۔ صاحب موصوف کے گرامی قدر استاد امام شیخ محمد عبدہ کی مساعی بھی اس ضمن میں ناقابل فراموش ہیں سید رشید رضا "المنار" میں اکثر ان کا تذکرہ کرتے ہیں مشہور ادیب مصطفیٰ صادق الرافعی نے بھی اس سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں۔ چنانچہ موصوف نے اپنی کتاب "تاریخ آداب العرب" کی دوسری

Marfat.com

جلد کو قرآن اور بلاغت نبویہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر کارنامہ سید قطب (شہید رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' لکھ کر انجام دیا۔

یہ کتاب استنباط صحیح اور پختگی فکر و نظر میں یکتا و منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ سید قطب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں قرآن کے فنی حسن و جمال کو بڑے ہی جاذب و دلکش طرز و انداز میں بیان کیا ہے۔

مصطفیٰ صادق رافعی نے قرآن کریم کے صوتی نظم و ربط کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے فرماتے ہیں:

''قرآن کریم عدیم المثال صوتی ہم آہنگی کا حامل ہے اور اس ضمن میں کوئی کتاب اس کی حریف نہیں بن سکتی اصوات و مخارج کے اعتبار سے اس کے حروف میں ایک خاص قسم کی یگانگت پائی جاتی ہے۔ یہ حروف ھمس و جہر شدت و رخاوت و ترقیق اور تکرار میں باہم بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔'' (۱۵۶)

مصنف موصوف اس کی بعض امثلہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جب تم قرآنی الفاظ کے نظم و نسق پر غور کرو گے تو ان کی صرفی و لغوی حرکات کو وضع و ترکیب کے اعتبار سے اصل حروف کے قائم مقام پاؤ گے۔ یہ حرکات حروف کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ اور نظم موسیقی میں ان سے مربوط ہوتی ہیں بسا اوقات ایک حرکت کسی وجہ سے ثقیل ہوتی ہے اور اس لیے اس میں حلاوت و شیرینی کی کمی ہوتی ہے۔ مگر جب یہی حرکت ہم قرآن میں دیکھتے ہیں تو وہ عجیب شان کی حامل ہوتی ہے جو حروف و حرکات اس حرکت سے پہلے ہوتے ہیں وہ باہم مل جل کر اس میں عجیب طرح کی یک رنگی و خوش آہنگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر نہایت موزوں اور ہلکی پھلکی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مثال میں ہم " النُّذُر" (سورۃ القمر۔۳۶) کا لفظ پیش کر سکتے ہیں۔ یہ نذیر کی جمع ہے چونکہ نون اور ذال دونوں پر ضمہ ہے اس لیے یہ ثقیل ہے مزید برآں اس لفظ میں چنداں روانی و سلاست بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر قرآن میں جہاں یہ لفظ وارد ہوا ہے وہاں ان معائب میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔'' (۱۵۷)

رافعی مزید فرماتے ہیں:

''قرآن کریم سب کا سب زور کلام اور ندرت بیان میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی بڑی وجہ قرآن کریم کی روح ترکیب ہے جس پر کلام الٰہی کا مدار و انحصار ہے۔ قرآن کے سوا یہ روح عربی زبان میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ اسی روح کے بل بوتے پر قرآن کریم بشری استطاعت کی حدود سے خارج ہے۔ اگر اس میں وہ روح نہ ہوتی تو اس کے اجزاء میں تفاوت و تباین نظر آنے لگتا۔ اس روح نے اس کے اجزاء کو باہم مربوط و متصل بنا دیا ہے۔'' (۱۵۸)

## سید قطب کا زاویہ نگاہ:

سید قطب (شہید رحمہ اللہ) قرآن کریم کے درس و مطالعہ میں ایک دوسری راہ پر گامزن ہوئے چنانچہ نہ تنہا

Marfat.com

قرآنی الفاظ کی موسیقی ان کے لیے جاذب توجہ ثابت ہوئی اور نہ اس کی ترکیبات کی سحر کاری ان کو اپنے اندر منہمک کر سکی۔ بخلاف ازیں ان کے فکر ونظر کا مرکز ومحور وہ قرآنی الفاظ تھے جن کو تعبیر و بیان اور اظہار مطالب کے لیے پسند کیا گیا ہے۔ مزید برآں سید قطب کا شاعرانہ بلکہ ساحرانہ طرز بیان سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے اور وہ بڑی کامیابی سے اسلوب قرآن کے حسن و جمال پر روشنی ڈالتے جاتے ہیں۔

سید قطب فرماتے ہیں:

''تصویر کشی سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کو اسلوب قرآن میں دوسرے الفاظ پر ترجیح دی گئی ہے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے ترتیب دیے گئے ہوں کہ ایک ذہنی وخیالی چیز کو محسوس و مبصر شکل میں پیش کر دیں۔ اس تصویر میں اس انداز سے رنگ بھرا جائے کہ اس میں حرکت و زندگی کے آثار نمایاں ہو جائیں ایک ذہنی چیز ہیئت و حرکت اختیار کر لے نفسانی حالت مشاہدہ بن جائے اور ایک انسانی تصویر زندہ ہو کر انسانی شکل میں سامنے آ جائے امور طبیعیہ مجسم و مرئی بن جائیں حوادث ومشاہد اور قصص ومناظر حیات وحرکت سے بہرہ ور ہو کر زندہ صورت میں سامنے آئیں اور بولنے لگیں۔(۱۵۹)

سید قطب اپنی کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' کی اس سے اگلی فصلوں میں اپنے طرز فکر ونظر کی صحت و سلامتی پر دلائل کے انبار لگاتے جاتے ہیں چنانچہ ایک فصل میں تخیل حسی وتجسیم کا ذکر کیا ہے۔ دوسری میں نظم ونسق فنی کا اور تیسری فصل کو قرآنی قصص وواقعات کے لیے وقف کر دیا ہے۔(۱۶۰)

سید قطب نے اس ضمن میں جس قدر دادِ تحقیق دی ہے اس کی غرض وغایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قرآن کے اعجاز کو عصر حاضر کی اصطلاح کے مطابق جانچنا پرکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا موجودہ طبقہ بھی قرآن میں فنی حسن و جمال کے دیکھنے کا متمنی ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ یہ قدرت قاری میں بھی پیدا ہو اور وہ اپنے شعور ووجدان سے اس ضمن میں استفادہ کر سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کے معاصر عربوں کو سب سے پہلے قرآنی اسلوب ہی نے مسحور ومخمور کیا تھا وہ اس کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ کر سکے جب انھوں نے قرآن کے مطالب ومعانی پر غور کیا تو وہ اس کے حسن بیان کے قائل ہو گئے اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

نظر بریں ہم اس ضمن میں صرف قرآن کے فنی پہلو پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری نگاہ میں یہ ایک مستقل عنصر ہے اور قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے دائمی وابدی اسلوب وانداز کی انفرادیت و یکتائی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ فنی حسن و جمال کے عنصر میں جو دینی وعلمی غایات ومقاصد پائے جاتے ہیں اور جن پر سید رشید رضا نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ سر دست وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

سید رشید رضا نے مندرجہ ذیل موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

① قرآن کریم علوم دینیہ وتشریعیہ کا مخزن ہے۔

② جن مسائل سے لوگ نابلد تھے قرآن نے انسانوں کو ان سے آشنا کیا۔

Marfat.com

③ قرآنی مسائل کا ابطال ممکن نہیں۔(۱۶۱)

بلا شبہ ان امور سے انکار ممکن نہیں۔اس لیے کہ یہ امور لاتعداد براہین و دلائل سے ثابت شدہ ہیں،البتہ یہ امور و وسائل قرآنی بلاغت سے زیادہ فلسفہ قرآن سے متعلق ہیں علاوہ ازیں قرآن نے فصحائے عرب کو جس بات پر دعوت معارضہ دی تھی وہ یہ امور ہرگز نہ تھے۔بخلاف ازیں عربوں کو اس امر پر دعوت مبارزت دی گئی تھی کہ وہ اس کے اسلوب و انداز کی نظیر پیش کریں نیز یہ کہ منظرکشی میں قرآن کریم کو جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اس کا مقابلہ کریں حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب عزیز کی سحر بیانی ہی اس کا اعجاز ہے۔آغاز وحی میں ہی اس کی جادو بیانی لوگوں کے دلوں کو مسحور و مسخر کر چکی تھی حالانکہ اس وقت نہ تشریعی آیات اتری تھیں نہ غیبی امور پر مشتمل آیات کا کوئی وجود تھا۔نہ کونیات اور زندگی و انسان سے متعلق آیات کا کوئی نشان تھا۔

جب ہم علوم القرآن سے متعلق قدیم کتب مثلاً اتقان سیوطی پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ ہمارے اسلاف نے کس طرح قرآنی اسلوب کو وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ قرار دیا تھا تو ہمیں مختلف ابواب میں بکثرت ایسے عنوانات دکھائی دیتے ہیں جو اعجاز کے جدید مفہوم کی نشاندہی کرتے ہیں تاہم مطالعہ کو جاری رکھنے کے باوجود ہمیں اس میں جمال قرآنی کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔البتہ دوران مطالعہ یہ حقیقت ضرور اجاگر ہوتی ہے کہ ہمارے علمائے سلف تفریع و تبویب اور شواہد قلیلہ سے کثیر قواعد بلاغیہ کے استخراج و استنباط کے بے حد شائق تھے۔سیوطی ہی کو دیکھئے موصوف نے اتقان میں متقدمین کی لاتعداد کتابوں سے اخذ کر کے قرآن سے متعلق تمام بلاغی مباحث کی یکجا کر دیا ہے اور وہ نہایت امانت و دیانت سے کتب قدیمہ کا حوالہ دیتے جاتے ہیں۔

چنانچہ سیوطی کی اتقان میں قرآن کے تشبیہ و استعارہ کنایہ و تعریض حقیقت و مجاز حصر و تخصیص ایجاز و اطناب،خبر و انشاء،جدل و مناظرہ اور امثال و اقسام سب مباحث پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کی حد یہ ہے کہ قرآن کے ادبی فنون میں سے کوئی فن سیوطی کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہا۔مفسرین سلف میں سے جس کسی نے بھی قرآن کے فنی حسن و جمال کے بارے میں کوئی خوبصورت جملہ کہا تھا سیوطی نے اس کو ذکر کر دیا ہے۔

## دور جدید کے دانشوروں کا اعتراف:

جس طرح کہ دور نبوی کے بلغاء،فصحاء اور شعراء قرآن کے اعجاز سے متاثر تھے مگر قوم پرستی نے ان کو حق پرستی سے روک رکھا تھا اسی طرح دور جدید کے دانشور اور فلسفی بھی قرآن کی حلاوت اور فصاحت و بلاغت سے متاثر ہیں مگر ان کو بھی قومی اور مذہبی عصبیت نے ایمان لانے سے روک لیا ہے۔مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام'' اس میں قرآن کے بارے میں غیر مسلم دانشوروں کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں جن میں اسی قسم کا اعتراف حقیقت موجود ہے جو ولید بن مغیرہ مخزومی نے کیا تھا ان میں سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

مسٹر وڈول جس نے قرآن کا ترجمہ کیا تھا لکھتے ہیں:

''یہ کتاب ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین واغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔''

مسٹر کونٹ نے فرانسیسی زبان میں ''الاسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا مصر کے احمد فتحی بک زغلول نے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں عربی میں ترجمہ کیا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں:

''عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا؟ تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً ومعناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔''

ڈاکٹر گبن ''سلطنت روما کا انحطاط وزوال'' کی پانچویں جلد میں لکھتے ہیں:

''قرآن کے بارے میں بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، قانون اساسی ہے اور صرف اصول مذہب ہی کے لیے نہیں بلکہ احکام، قوانین اور تعزیرات کے لیے بھی بھیجی گئی ہے۔ جن پر نظام کا مدار ہے، جن سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے اور جن کو حیات انسانی کی ترتیب وتنسیق سے گہرا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔'' (۱۶۲)

یہ تین اقتباسات بطور نمونہ نقل کیے گئے ہیں ورنہ قرآن کی حلاوت وتلاوت سے متاثر ہو کر جن غیر مسلم دانشوروں نے اس کے اعجاز کو تسلیم کیا ہے ان کی فہرست کافی طویل ہے اور قیصر ونجاشی اور اہل کتاب کے بعض علماء کے تاثرات اس کے علاوہ ہیں۔ لیکن ایمان صرف مدح وتعریف کا نام تو نہیں ہے بلکہ ایمان تسلیم، بیعت اور عہد اطاعت کا نام ہے۔

Marfat.com

# نزول قرآن

## نزول کا مفہوم:

لفظ نزول کے حروف اصلیہ ن۔ز۔ل ہیں ان سے ثلاثی مجرد کا باب ہے" نَزَلَ يَنْزِلُ نُزُوْلًا جس کے معنی ہیں اترنا یا ٹھہرنا اور قیام کرنا اور ان حروف سے باب افعال ہے اَنْزَلَ يُنْزِلُ اِنْزَالًا جس کے معنی ہیں اتارنا یا ٹھہرانا اور باب تفعیل ہے نَزَّلَ يُنَزِّلُ تَنْزِيْلًا جس کے معنے ہیں تدریج کے ساتھ قسطوں میں اتارنا۔ پہلے معنی کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے "وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا" (اور اتارا ہے ہم نے بادلوں سے پانی برکت والا)۔ پانی ایک لطیف جسم ہے جو بادلوں سے حقیقی معنوں میں اترتا ہے اور دوسرے معنی کی مثال ہے رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا (اے میرے رب ٹھہرا دو مجھے برکت والی قیام گاہ میں)۔ یہاں پر اوپر سے نیچے اترنا مراد نہیں ہو سکتا بلکہ ٹھہرانا اور بسانا ہی مراد ہو سکتا ہے اور منزلًا مُبارکًا کے معنی ہیں برکت والی قیام گاہ اور رہائش گاہ۔ جوہری نے الصحاح، اور افریقی نے لسان العرب اور فیروز آبادی نے القاموس میں لکھا ہے کہ تَنَزَّلَ، اَنْزَلَ، نَزَّلَ اور اِسْتَنْزَلَ چاروں کے بنیادی معنے ایک ہیں البتہ تَنْزِيْل کا لفظ ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگر اترنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تَنَزُّل کا لفظ وقفے کے ساتھ اترنے کے لیے آتا ہے لیکن اِنْزَال کا لفظ عام ہے ایک ہی دفعہ نزول کے لیے بھی آتا ہے اور تدریجی نزول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) نے لکھا ہے کہ اِنْزَال اور تَنْزِيْل کے درمیان عموم وخصوص کا فرق ہے۔ لفظ تَنْزِيْل تدریجی نزول کے لیے آتا ہے لیکن انزال کا لفظ عام ہے ایک ہی دفعہ نزول کے لیے بھی آتا ہے۔ تدریجی نزول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پہلے معنی کی مثال ہے:

﴿إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَى أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجزاً مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (۱۶۳)

"ہم اتار رہے ہیں اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب۔"

ظاہر ہے کہ بستی پر عذاب دفعۃً واحدۃً نزول ہوا تھا اور دوسرے معنے کی مثال ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ (۱۶۴)

Marfat.com

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اتاری ہے اپنے بندے پر یہ کتاب۔''

اس آیت میں دفعۃً واحدۃً یکبار نازل کرنے کا معنی نہیں بن سکتا اس لیے کہ اگرچہ لوح محفوظ پر اور بیت العزت پر پورا قرآن یکبار نازل ہوا تھا لیکن قلب رسول پر تو اس کا نزول ۲۳ سال میں مکمل ہوا تھا۔ قرآن کریم کے نزول سے مراد ہے ابلاغ اور اعلام یعنی پہنچانا اور بتانا اس لیے کہ قرآن مکتوب شکل میں نازل ہوا تھا۔

## تاریخ نزول قرآن:

(قرآن کریم دراصل کلام الٰہی ہے، اس لیے ازل سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (١٦٥)

''بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، جو لوح محفوظ میں درج ہے۔''

پھر قرآن مجید کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورا کا پورا آسمان دنیا کے مقام ''بیت العزۃ'' میں نازل کر دیا گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ تیئس (۲۳) سال میں اس کی تکمیل ہوئی، قرآن کریم میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایک اِنْـــزَال اور دوسرا تَـنْـزِيْل، ''انزال'' کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دیا، اور ''تنزیل'' کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا، چنانچہ قرآن کریم نے اپنے لیے پہلا لفظ جہاں کہیں استعمال کیا ہے، اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہوا، ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ (١٦٦)

''ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔''

اور ''تنزیل'' سے مراد وہ نزول ہے جو رسول اللہ ﷺ پر بتدریج ہوا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَقُرْآناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيْلاً﴾ (١٦٧)

''اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے، تاکہ تم اسے ٹھہر ٹھہر کو لوگوں کے سامنے پڑھو، اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔''

نزول قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآن کریم کے انداز بیان سے بھی واضح ہیں، اس کے علاوہ نسائی رحمہ اللہ، حاکم رحمہ اللہ، بیہقی رحمہ اللہ، ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ طبرانی رحمہ اللہ اور ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں (جن کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآن کا پہلا نزول یکبارگی آسمانِ دنیا پر ہوا، اور دوسرا نزول بتدریج رسول اللہ ﷺ پر۔ (۱۶۸)

Marfat.com

## پہلا نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا نزول لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کے ایک مقام "بیت عزت" پر ہوا، "بیت عزت" میں قرآن کا نزول کس طرح ہوا؟ اور اس نزول کی حکمت کیا تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، البتہ بعض علماء مثلاً علامہ ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ "اس لیے قرآن کریم کی رفعت شان کو واضح کرنا مقصود تھا، اور اس مقام سے ملائکہ کو یہ بات بتانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہل زمین کی ہدایت کے لیے اتاری جانے والی ہے۔" زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے، ایک لوح محفوظ میں اور دوسرے بیت عزت میں، واللہ اعلم۔ (۱۶۹)

بہرکیف! اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ اسی کو صحیح علم ہے کہ اس کی اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی، اور ہمیں ان کی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، البتہ ہمیں اتنا وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ پہلا نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔

## دوسرا نزول:

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی سے ہوا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ربیع الاول میں عطا ہوئی تھی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا محمل یہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول میں سچے خواب آنے شروع ہوئے تھے، یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، پھر رمضان میں قرآن نازل ہوا، (۱۷۰) اور یہی وہ تاریخ تھی جس میں گیارہ سال بعد غزوہ بدر پیش آیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنْ كُنتُمْ آمَنتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (۱۷۱)

"اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ (بدر) کے دن نازل کیا جس دن (کفر اور اسلام کی) دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔"

اس طرح نزول قرآن کے آغاز کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں تو خود قرآن کریم سے ثابت ہیں:

① اس کی ابتدا رمضان کے مہینے میں ہوئی۔

② جس رات نزول قرآن کا آغاز ہوا وہ شب قدر تھی۔

Marfat.com

(۴) یہ وہی تاریخ تھی جس میں بعد کو غزوہ بدر پیش آیا۔

لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ میں تھی؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترہویں، بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔(۱۷۲)

## سب سے پہلے نازل ہونی والی آیات:

فلکیات کے بعض ماہرین نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ جس رات وحی مبارک نازل ہوئی اس کے بعد آنے والا دن سوموار کا دن تھا، اور بظاہر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ آدھی رات کے بعد دوڈھائی بجے کا وقت ہوگا۔ شمسی تاریخ اس دن ۲۸ جولائی ۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء کی تھی۔ پیر کا دن شروع ہو چکا تھا۔ غار حرا میں علی الصباح دواڑھائی بجے کے وقت سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اتریں وہ سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ صحیح بخاری رحمۃ اللہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کی ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ ﷺ غار حرا میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ اقراء (یعنی پڑھو) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اس کے بعد خود حضور ﷺ نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ اقراء میں نے جواب دیا کہ ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اس پر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾(۱۷۳)

''پڑھو، اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

رسول اللہ ﷺ ان آیات کو لے کر واپس گھر کی طرف چلے، تو آپ کا مبارک دل دھڑک رہا تھا، آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، اور فرمایا: زملونی، زملونی (مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ) گھر والوں نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ سے خوف جاتا رہا۔(۱۷۴)

یہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس

Marfat.com

زمانے کو ''فترت وحی'' کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا، آپ ﷺ کو آسمان وزمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورہ مدثر کی آیات آپ ﷺ کو سنائیں۔)

یہ واقعہ صحیح بخاری رحمہ اللہ اور صحیح مسلم رحمہ اللہ کے علاوہ تقریباً تمام کتب حدیث میں صحیح سندوں کے ساتھ منقول ہے، اسی لیے جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات جو آپ ﷺ پر نازل ہوئیں سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں، ان کے بعد سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، لیکن اس سلسلے میں تین اقوال اور بھی ہیں، جن پر یہاں ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر سب سے پہلے سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس بناء پر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ نزول کے اعتبار سے سورہ مدثر سورہ علق سے مقدم ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مغالطہ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ درحقیقت صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مختصر ہے، اور اس میں دو جملے نقل نہیں کیے گئے، یہی روایت امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے باب بدء الوحی میں نقل کی ہے، اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سورہ مدثر کے نزول کا واقعہ بتاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ صراحۃً نقل فرمائے ہیں:

فاذا الملك الذی جاء نی بحراء جالس علی الکرسی

''پس اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔''

اس سے صاف واضح ہے کہ غار حرا میں سورہ اقراء کی آیتیں پہلے نازل ہو چکی تھیں، سورہ مدثر بعد میں نازل ہوئی (۱۷۵) البتہ یہ کہنا درست ہے کہ ''فترت وحی'' کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورہ مدثر کی ہیں، لہٰذا جن روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ پہلی نازل ہونے والی وحی یٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہے، اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''فترت'' کے زمانہ کے بعد پہلی وحی یہ تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی سورت جو مکمل نازل ہوئی وہ سورہ مدثر تھی، کیونکہ سورہ اقراء پوری ایک مرتبہ نازل نہیں ہوئی۔)

## سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیات:

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے تقریباً ۸۶ روز قبل حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ میدان عرفات میں جبل رحمت سے اپنا مشہور و معروف خطبہ منشور حقوق و مقام انسانیت ارشاد فرما رہے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۱۔۱۷۵)

Marfat.com

''آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''

اس وقت کم وبیش ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب کا تعلق مدینہ منورہ سے نہیں تھا۔وہ مختلف شہروں سے آئے تھے۔انھوں نے آخری وحی جو زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی وہ یہی آیت مبارکہ تھی۔اس کے بعد وہ اپنے اپنے علاقوں اور گھروں کو واپس چلے گئے۔اس کے بعد ان کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی اور آیت یا سورت سننے کا موقع نہیں ملا۔انھوں نے اسی کو آخری وحی سمجھا۔کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو اس موقع پر موجود نہیں تھے انھوں نے جو وحی آخری مرتبہ سنی وہ کوئی اور آیت تھی۔لیکن جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین اعزہ میں سے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے جو کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جایا کرتے تھے، وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے، جنھیں صحابہ کرام ہی نے دور میں ترجمان القرآن کا لقب دے دیا گیا۔وہ اور ان کے علاوہ کئی اور قریبی حضرات اس بات کے گواہ ہیں کہ آخری وحی جو نازل ہوئی وہ یہ آیت مبارکہ تھی:

﴿وَاتَّقُواْ يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيْهِ إِلَى اللّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ﴾ (۲-۱۷۵)

''ڈرو اس دن سے جس دن تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔پھر ہر نفس کو اس کا پورا صلہ دے دیا جائے گا جو اس نے کیا تھا اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔''

یہ وحی لکھنے کی سعادت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی، یہ واقعہ ۳ ربیع الاول ۱۱ھ/۶۳۲ء کا ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ/۶۳۲ء کو یعنی اس واقعہ کے آٹھ روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔(۳-۱۷۵)

کہا جاتا ہے کہ سب سے آخر میں آیت الربا نازل ہوئی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت الربا ہے۔اس سے مراد ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا'' (۱۷۶) اور آیت ''وَاتَّقُواْ يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيْهِ إِلَى اللّهِ'' کے بارے میں یہی کہا گیا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن جبیر سے روایت ہے ''آخر شيء نزل من القرآن وَاتَّقُواْ يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيْهِ إِلَى اللّهِ۔''

آیۃ الدین کو سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت قرار دیا جاتا ہے۔سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں'' انه بلغ ان احدث القرآن عهد بالعرش آية الدين'' (عرش سے سب سے بعد میں نازل ہونے والی آیت ''آیت الدین'') یعنی ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ'' (۱۷۷) ہے۔

اور ان تینوں روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ یہ تینوں آیات ایک ہی مرتبہ ایسے ہی

Marfat.com

نازل ہوئی تھیں جس طرح ترتیب کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں' آیۃ الربا" آیۃ واتقو یوما اور آیۃ الدین ایک ہی قصہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ تو ہر راوی نے اس کے بعض حصے کو سب سے آخر میں نازل ہونے والا قرار دیا اور یہی صحیح ہے اور ان روایات میں کوئی تضاد نہیں۔

آیت کلالہ کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "یَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْ الْكَلاَلَةِ "(۱۷۸) ہے۔

اس آیت کے سب سے آخر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آیات جو میراث سے متعلقہ ہیں ان میں سب سے آخر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ آیت "لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ O فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" (۱۷۹) کو بھی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیات کہا گیا ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "لقد جاء کم رسول من انفسکم" ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ برأت کی آیات میں سے یہ آخری آیت ہے۔

عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (سورۃ توبہ کی آخری) یہ دو آیات پڑھائی تھیں۔ (۱۸۰)

سورۃ مائدہ کو سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ قرار دیا گیا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت امام ترمذی اور حاکم نے نقل کی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حلال اور حرام کے بارے میں نازل ہونے والی آخری سورۃ "المائدہ" ہے اور اس میں احکام منسوخ نہیں ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے آخر میں آل عمران کی آیت ۱۹۵ "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاَ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم" نازل ہوئی تھی۔ اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ ابن مردویہ مجاہد کے واسطے سے ام سلمہ کی روایت بیان کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کا ذکر فرماتا ہے عورتوں کا ذکر ہی نہیں فرماتا۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۱) ﴿وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (۱۸۱)

(۲) ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً﴾ (۱۸۲)

Marfat.com

(۳) ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم﴾ (۱۔۱۸۲) آخر تک نازل ہوئی۔

اور نازل ہونے کے اعتبار سے یہ آیت آخری تھی، تو اس لحاظ سے مردوں کے لیے خاص طور پر نازل ہونے والی آیات کے بعد نازل ہونے والی آیات میں اس آیت کو آخری قرار دیا گیا۔

روایت میں موجود الفاظ سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آیت تینوں آیات میں سب سے آخر میں نازل ہوئی اور عورتوں کے ذکر والی آیات کے لحاظ سے یہ آخری آیت کہلائے گی۔

آیت "وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا۔" کو بھی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت قرار دیا جاتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت (وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ) سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور اس کو کسی نے منسوخ نہیں کہا۔ (۱۸۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اس آیت کو کسی نے منسوخ نہیں کہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کے حکم کے بارے میں یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ سب سے آخری نازل ہونے والی سورۃ (اذا جآء نصر اللہ والفتح) ہے۔ (۱۸۴)

اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے متعلق خبر دینے والی یہ آخری سورت ہے، جیسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا ہے یا پھر سورتوں میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت یہ ہے۔

ان تمام اقوال میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی بھی مرفوع روایت شامل نہیں، اس میں ہر ایک نے جو کچھ بھی کہا وہ اپنے اجتہاد اور غالب گمان پر کہا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے آخری آیت کے بارے میں جو کچھ سنا وہ اس نے بتا دیا، یا پھر اس نے خاص تشریعی لحاظ سے اس کو آخر میں نازل ہونے والی آیت قرار دیا، یا سب سے آخر میں مکمل سورۃ نازل ہوئی۔ یہ تمام اقوال ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔

لیکن آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ" جو کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں نازل ہوئی، اس سے ظاہر طور پر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرائض اور احکامات کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اس بات کی طرف آیۃ الربا، آیۃ الدین، اور آیۃ الکلالۃ وغیرہ کے نزول کے بارے میں بات کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں اور اکثر علماء نے اس آیت میں دین کی تکمیل کی طرف اشارہ سمجھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مکہ مکرمہ پر غلبہ عطا کر کے اپنی نعمت کی تکمیل فرما دی تھی، مشرکین کو وہاں سے جلاوطن کر دیا گیا تھا، وہ مشرکین کی شراکت کے بغیر اکیلے حج کر رہے تھے پہلے مشرکین بھی ان کے ساتھ حج کیا کرتے تھے جبکہ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمت کے مکمل ہونے کی وجہ سے تھا۔

Marfat.com

قاضی ابوبکر الباقلانی اپنی کتاب ''الانتصار'' میں سب سے آخر میں نازل ہونے والے قرآن کریم کے حصہ سے متعلقہ مختلف روایات کے بارے میں لکھتے ہیں'' یہ تمام اقوال رسول اللہ ﷺ سے ان کی وفات کے دن سنی ہو یا آپ کے بیمار ہونے سے چند دن پہلے سنی ہو اور کسی دوسرے نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بعد سنی ہو اور اس نے نہ سنی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب یہ آخری آیت نازل ہوئی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو دوسری نازل ہونے والی آیت کے ساتھ ملا کر تلاوت فرمایا ہو۔ پھر دوسری نازل ہونے والی آیات کو اس آخری نازل ہونے والی آیت کے بعد لکھنے کا حکم دیا گیا ہو اور اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔(۱۸۵)

۲۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے کہ میں جب بھی خلوت میں جاتا ہوں تو کوئی مجھے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن جب میں خلوت میں پہنچا تو اس نے کہا یا محمد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العٰلمین۔ الخ یہاں تک کہ پوری سورہ فاتحہ پڑھ دی۔(۱۸۶)

اس روایت کی بناء پر علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ سورۃ فاتحہ ہے، بلکہ اسی کو انھوں نے اکثر مفسرین کا قول قرار دیا ہے،(۱۸۷) لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ زمخشری رحمہ اللہ کا یہ کہنا درست نہیں، سورہ فاتحہ کو پہلی وحی قرار دینے والے بہت کم ہیں، اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ سورہ اقراء سب سے پہلے نازل ہوئی۔(۱۸۸)

جہاں تک بیہقی رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت کا تعلق ہے اس کے بارے میں خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہو تو یہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ سورہ اقراء اور سورہ مدثر کے نزول کے بعد کا ہو (الاتقان، ص ۲۵، ج ۱)۔ اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے یہ خیال بھی فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے سورہ فاتحہ بعض دوسری آیات کی طرح دو مرتبہ نازل ہوئی ہو، ایک مرتبہ سورہ اقراء کے نزول سے پہلے، اور دوسری بار اس کے بعد، اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ سورہ فاتحہ کا نزول پہلی بار قرآنیت کی صفت کے ساتھ نہیں ہوا تھا، بلکہ ایک فرشتہ نے آپ ﷺ کو یہ سورت سنا دی تھی، بعد میں اپنے وقت پر باقاعدہ قرآن کے جز کی حیثیت میں نازل ہوئی(۱۸۹)

بہر کیف! ان تین روایتوں کو چھوڑ کر باقی اکثر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ سورہ اقراء کی ابتدائی آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں(۱۹۰)

## مکی اور مدنی آیات:

قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں کسی سورت کے ساتھ ''مکی'' اور کسی کے ساتھ ''مدنی'' لکھا ہوتا

Marfat.com

ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔

اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق ''مکی آیت'' کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ ﷺ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، بعض لوگ مکی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور مدنی کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اتری، لیکن اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق یہ مطلب سمجھنا درست نہیں، اس لیے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لیے انھیں مکی کہا جاتا ہے، چنانچہ منیٰ، عرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، یہاں تک کہ سفر ہجرت کے دوران جو آیات راستے میں نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں مگر انھیں مدنی کہا جاتا ہے، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ ﷺ مدینہ سے سیکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیات مدنی ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ ان آیتوں کو بھی مدنی کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوہ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں (۱۹۱) چنانچہ آیت قرآنی "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" مدنی ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (۱۹۲)

اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے براہ راست ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے کسی آیت یا سورت کو مکی یا مدنی قرار دیا ہو، لیکن جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ نے قرآن کریم کے الفاظ و معانی کی حفاظت میں اپنی عمریں کھپائی ہیں، انھوں نے ہی سورتوں اور آیات کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے کونسی مکی ہے اور کونسی مدنی؟ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں: ''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کی کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟'' (۱۹۳) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو، میدانی علاقہ میں اتری یا پہاڑ پر؟'' (۱۹۴)

اکثر و بیشتر تو انھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ مکی ہیں یا مدنی، اس کے علاوہ بعض آیات یا سورتوں کے بارے میں دوسرے شواہد کے ذریعے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے، مثلاً جن آیات میں غزوہ بدر کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ وہ مدنی ہی ہو سکتی ہیں، یا جن آیتوں میں خاص طور پر مشرکین مکہ سے خطاب کرنے کو کہا گیا ہے ان میں سے بیشتر کو مکی ہی سمجھا جا سکتا ہے، لہٰذا بعض مرتبہ اس قسم کے قیاسات اور شواہد کی بنیاد پر بھی کسی آیت کو مکی یا مدنی قرار دیا جاتا ہے پھر چونکہ قیاسات مختلف ہو سکتے ہیں، اس لیے بعض آیات کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو گیا ہے کہ بعض کے نزدیک وہ مکی اور بعض کے نزدیک مدنی ہیں۔

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورہ مدثر پوری مکی ہے

Marfat.com

اور سورہ آل عمران پوری مدنی، اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت تو مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی آگئی ہیں مثلاً سورہ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں "وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" سے لیکر " وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ الخ" تک کی آیات مدنی ہیں، اسی طرح بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، مثلاً سورہ حج مدنی ہے لیکن اس کی چار آیتیں یعنی " وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى " سے لے کر " عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ " تک مکی ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی آیات کی اکثریت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے قبل نازل ہوگئیں، اسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (۱۹۵)

## مکی سورتوں کے مضامین اور بنیادی خصائص:

① زور بیان اور فصاحت و بلاغت کی معراج

② مضامین کی آمد میں دریا کی سی روانی

③ دین کی بنیادوں اور کلیات کا تذکرہ

④ ایمان اور اس کے تقاضوں کی بار بار یاد دہانی

⑤ اخلاق اور اخلاقی اصولوں پر زندگی کی تشکیل

⑥ شریعت کے عمومی اصولوں کی طرف اشارے

⑦ عموماً اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

⑧ زیادہ زور عقائد اور مکارم اخلاق پر دیا گیا ہے۔

⑨ اہل عرب اور اہل کتاب اور مسلمانوں کے مابین مشترکہ عقائد اور مسلمات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

⑩ اکثر و بیشتر مشرکین عرب سے خطاب کیا گیا ہے۔

## مدنی سورتوں کے بنیادی مضامین اور اہم خصائص:

① شریعت کے احکام کی تفصیل

② اسلام کی ثقافتی اور تہذیبی عمارت کی تکمیل

③ اسلوب میں ٹھہراؤ اور دھیما پن

④ مضامین میں سمندر سی گہرائی

⑤ عمل صالح کی تفصیلات

Marfat.com

⑥ مکہ میں نازل ہونے والے کلیات کی تفصیلات
⑦ مسلمات مشترکہ کا تذکرہ مدنی سورتوں میں بھی بار بار کیا گیا ہے۔
⑧ اکثر وبیشتر اہل کتاب سے خطاب کیا گیا ہے۔
⑨ نظام ومنہاج دین کی تکمیل
⑩ مکارم اخلاق کو شریعت کے عملی احکام کی اساس کے طور پر دہرایا گیا ہے۔(۱۹۶)

## مکی ومدنی آیتوں کی خصوصیات:

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادیٔ النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی اس سلسلے میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں:

① ہر وہ سورت جس میں لفظ "کـلا" (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے، اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے آخری نصف حصہ میں ہیں۔

چنانچہ علامہ دیرینی رحمہ اللہ کا شعر ہے۔

وما انزلت کلا بیثرب فاعلمن
ولم تات فی القرآن فی نصفه الاعلیٰ

② ہر وہ سورت جس میں کوئی سجدے کی آیت ہے مکی ہے۔(۱۹۷)
③ سورہ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام وابلیس کا واقعہ آیا ہے وہ مکی ہے۔
④ ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔
⑤ ہر وہ سورت جس میں منافقین کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے، بعض علماء نے اس قاعدے سے سورہ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورہ عنکبوت بحیثیت مجموعی تو مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔ یہ قاعدہ اتقان وغیرہ سے ماخوذ ہے، اور یہ اس قول کے مطابق تو درست ہے جس کی رو سے سورہ حج مکی ہے، لیکن اگر اسے مدنی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض صحابہ وتابعین سے مروی ہے تو سورہ حج اس قاعدے سے مستثنیٰ ہوگی۔

اور سورتوں کی مندرجہ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں، یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے، لیکن اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

① مکی سورتوں میں عموماً "یـا ایهـا النـاس" (اے لوگو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے، اور مدنی سورتوں میں "یا ایها الذین آمنوا" کے الفاظ سے۔

Marfat.com

(۲) مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں، اور مدنی آیات وسور طویل اور مفصل ہیں۔

(۳) مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، رسول اللہ ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام وقوانین کم بیان ہوئے ہیں، اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے، اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

(۵) مکی سورتوں کا اسلوب بیان زیادہ پرشکوہ ہے، اس میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں، اور ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے، اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبتاً سادہ ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کے انداز واسلوب میں یہ فرق دراصل حالات، ماحول، اور مخاطبین کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چونکہ زیادہ تر عرب کے بت پرستوں سے تھا، اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لیے اس دور میں زیادہ تر زور عقائد کی درستگی، اخلاق کی اصلاح بت پرستوں کی مکمل تردید اور قرآن کریم کی شان اعجاز کے اظہار پر دیا گیا، اس کے برخلاف مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے سائے تلے آرہے تھے، علمی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا، اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا، اس لیے یہاں احکام وقوانین اور حدود وفرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی، اور اسی کے مناسب اسلوب بیان اختیار کیا گیا۔

ہر منصف مزاج انسان حالات کی تدریج کی روشنی میں قرآنی مضامین واسلوب کے اس اختلاف کو بآسانی سمجھ سکتا ہے، لیکن جن مستشرقین کے دل میں اسلام دشمنی کی آگ سلگتی ہی رہتی تھی، انھوں نے مکی اور مدنی اسلوب کے اس فرق سے بھی من گھڑت نتائج نکالنے کی کوشش کی، چنانچہ بعض مستشرقین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن (معاذ اللہ) خود رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے، اسی لیے وہ حالات اور ماحول کے اختلاف سے مختلف اسلوب اختیار کرتا رہا، اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس کا اسلوب گردوپیش سے متاثر نہ ہوتا۔

لیکن جس شخص کے دل میں بھی انصاف اور معقولیت کی ادنیٰ رمق موجود ہو وہ اس معاندانہ اعتراض کی لغویت محسوس کرسکتا ہے، علم بلاغت کی اصل روح یہ ہے کہ کلام اپنے مخاطب اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہو، ہر قسم کے مخاطب کے سامنے اور ہر قسم کے ماحول میں ایک ہی انداز واسلوب پر جمے رہنا پرلے درجے کی بدمذاقی اور بلاغت کے بنیادی آداب تک سے نابلد ہونے کی دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس بدمذاقی کی توقع وہی شخص کرسکتا ہے، جس نے اعتراض برائے اعتراض کی قسم ہی کھا رکھی ہو۔ اس لغو اعتراض کی باقاعدہ علمی تردید کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے، تاہم جو صاحب چاہیں اس نوعیت کے اعتراضات اور ان کے مفصل جواب کے لیے شیخ زرقانی رحمہ اللہ کی مناهل العرفان میں ص: ۱۹۸ تا ۲۳۲ ج ۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

Marfat.com

## نزول کا وقت اور مقام:

آیات قرآنی میں مکی اور مدنی کی تقسیم کے علاوہ نزول کے مقام اور وقت کے لحاظ سے مفسرین نے کچھ اور قسمیں بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً حضری آیات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے وطن میں نازل ہوئیں، اور اکثر قرآنی آیات ایسی ہیں اور سفری آیات وہ ہیں جو سفر کے حالات میں نازل ہوئیں مثلاً "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" فتح مکہ کے سفر میں اتری، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس قسم کی تقریباً چالیس آیتیں شمار کی ہیں (۱۹۸) اس کے علاوہ مندرجہ ذیل قسمیں بھی انھوں نے ہی بیان فرمائی ہیں:

(۱) نہاری: یہ وہ آیات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں، بقول علامہ ابن حبیب رحمہ اللہ اکثر آیات اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) لیلی: یہ وہ آیات ہیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں، مثلاً سورہ آل عمران کی آخری آیات "إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" رات کے وقت نازل ہوئی تھیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی مزید ایک درجن مثالیں اتقان میں ذکر کی ہیں۔

(۳) صیفی: یہ وہ آیات ہیں جو گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں، مثلاً سورہ نساء کی آخری "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ" صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق گرمی میں نازل ہوئی تھی، اور دوسری روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ آیتیں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیات نازل ہوئیں وہ سب صیفی ہیں، مثلاً "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" وغیرہ۔

(۴) شتائی: یہ وہ آیات ہیں جو سردی کے موسم میں اتریں، مثلاً سورہ نور کی آیات "إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ" جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تردید کی گئی ہے، سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اسی طرح غزوہ خندق کے بارے میں سورہ احزاب کی آیات بھی اسی قسم میں داخل ہیں، کیونکہ یہ غزوہ بھی سردی کے موسم میں ہوا تھا۔

(۵) فراشی: یہ وہ آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایسے وقت نازل ہوئیں، جب آپ ﷺ اپنے بستر پر تھے، چنانچہ آیت "وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (مائدہ:۶۷) ایسے حالات میں نازل ہوئی، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی دو مثالیں اور ذکر کی ہیں۔

(۶) نومی: بعض حضرات نے آیات کی ایک قسم "نومی" بھی ذکر کی ہے، یعنی وہ آیات جو نیند کی حالت میں اتریں، اور اس کی مثال میں صحیح مسلم کی وہ روایت پیش کی ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کو نیند کا ایک جھونکا آیا، پھر آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ نے سورہ "إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ"

Marfat.com

تلاوت فرمائی۔

لیکن محقق بات یہ ہے کہ نیند کی حالت میں آپ ﷺ پر کوئی آیت قرآنی نازل نہیں ہوئی، اوپر کی روایت میں جس کیفیت کو ''نیند کے جھونکے'' سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے لیے اصل حدیث میں ''اغفاءۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور امام رافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد نیند نہیں، بلکہ وہ مخصوص حالت ہے جو آپ ﷺ پر نزول وحی کے وقت طاری ہوجایا کرتی تھی، اس لیے اس حدیث سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ نزول قرآن نیند میں بھی ہوا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی امام رافعی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے (۱۹۹)

(۷) سماوی: یعنی وہ آیات جو معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئیں، ان کے بارے میں صرف ایک صحیح مسلم کی روایت ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں (۲۰۰)

(۸) فضائی: علامہ ابن عربی رحمہ اللہ نے ایک قسم ایسی بھی ذکر کی ہے جو نہ زمین پر نازل ہوئی نہ آسمان پر، ان اکابر کا کہنا ہے سورہ صافات کی تین آیتیں '' وما منا الا له مقام معلوم'' اور سورہ زخرف کی ایک آیت ''واسأل من ارسلنا من قبلك من رسلنا'' اسی قسم میں داخل ہیں، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی۔

## قرآن کریم کا تدریجی نزول:

رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم دفعۃً اور یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے تقریباً تیئس سال میں اتارا گیا ہے، بعض اوقات جبرئیل امین علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جزء لے کر بھی تشریف لے آئے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہوجاتیں، قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ (غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ) (نساء:۹۴) ہے، جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دوسری طرف پوری سورہ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے (۲۰۱)

بعض حضرات کو ابن عساکر رحمہ اللہ کی ایک روایت سے یہ شبہ ہوگیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ میں پانچ سے زائد آیتیں نہیں لائے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نازل تو اس سے زائد آیتیں بھی ہوئی ہیں، مثلاً واقعہ افک میں بیک وقت دس آیتوں کا نزول صحیح احادیث سے ثابت ہے، لیکن ہوتا یہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو پانچ پانچ آیتیں یاد کرایا کرتے تھے، جب پانچ آیتیں یاد ہوجاتیں تو مزید آیتیں سنا کر یاد کرادیتے تھے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''قرآن کی پانچ پانچ آیتیں سیکھا کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جبرئیل علیہ السلام سے پانچ پانچ آیتیں ہی یاد کیا کرتے تھے (۲۰۲)

قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کرکے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین

Marfat.com

عرب نے آپ ﷺ سے کیا تھا؟ کیونکہ وہ ایک قصیدہ پورا کا پورا ایک وقت میں سننے کے عادی تھے، اور یہ تدریجی نزول ان کے لیے ایک عجب سی بات تھی اس کے علاوہ قرآن سے پہلے تورات، زبور اور انجیل تینوں ایک ہی مرتبہ نازل ہوگئی تھیں، ان میں یہ تدریج کا طریقہ نہیں تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلاً ٥ وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيْراً﴾(۲۰۳)

''اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ''ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟'' (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے، اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔''

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس تدریجی نزول میں کئی حکمتیں تھیں۔

① رسول اللہ ﷺ امی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لیے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لیے ان پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

② اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت میں ملحوظ رہی ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلہ کو سہل بنا دیتا تھا، اور آپ ﷺ کی تقویت قلب کا سبب بنتا تھا۔

④ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لیے ان آیات کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کیے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآن کے غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (۲۰۴)

Marfat.com

## ترتیب نزول اور موجودہ ترتیب:

قرآن کریم جس ترتیب کے ساتھ اس وقت موجود ہے، رسول اللہ ﷺ پر اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ضرورت اور حالات کے مطابق نزول کی ترتیب اس سے مختلف تھی، ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بتا دیتے تھے، کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر درج ہو جاتی تھی، ترتیب نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس لیے جب قرآن مکمل ہوگیا، تو لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کونسی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی تھی؟ لہٰذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی؟ لیکن پورے قرآن کی ترتیب نزول یقین کے ساتھ بیان نہیں کی جاسکتی، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیب نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے اندلس کے ایک نامعلوم عالم کی ایک کتاب ''کتاب المبانی فی نظم المعانی'' کا ایک مخطوط نسخہ آرتھر جیفری نے ''مقدمتان فی علوم القرآن'' کے نام سے شائع کیا ہے، اس میں بھی ترتیب نزول کی مختلف روایتیں بیان کی گئی (۲۰۵) مگر یہ روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

لیکن درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کونسی سورت مکی اور کونسی مدنی ہے؟ ترتیب نزول کی تفصیلات ان سے معلوم نہیں ہوتیں، ماضی قریب میں بعض مستشرقین ترتیب نزول کی تفصیلات ان سے معلوم نہیں تھیں، ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیب نزول معین کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے مشہور جرمن مستشرق نولڈیکے نے اس کام کا آغاز کیا (۲۰۶)، اور اس کے بعد یہ بہت سے مغربی مصنفین کی دلچسپی کا موضوع بنا رہا، ولیم میور نے بھی اس سلسلے میں ایک جداگانہ کوشش کی ہے (۲۰۷)۔ بلکہ جے۔ ایم راڈویل نے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شائع کیا، اس میں سورتوں کو معروف ترتیب سے ذکر کرنے کے بجائے نولڈیکے کی مزعومہ تاریخی ترتیب سے ذکر کیا (۲۰۸) بیسویں صدی کے آغاز میں ہارٹ وگ ہرشفلیڈ نے نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں تک کی تاریخی ترتیب معین کرنے کوشش کی (۲۰۹) اس کے علاوہ ریجس بلاشیر نے اپنے فرانسیسی ترجمہ میں اس کام کا بیڑا اٹھایا (۲۱۰) رچرڈ بیل نے بھی اس سلسلے میں مغربی دنیا میں کافی نام پیدا کیا (۲۱۱) مستشرقین کی یہ کوشش اب بھی جاری ہیں، اور شاید انہی سے متاثر ہو کر بعض مسلمانوں نے بھی ترتیب نزول کی تحقیق کرنی شروع کی ہے (۲۱۲)

لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوششیں ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مترادف ہیں جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، مذکورہ بالا مستشرقین نے جو کوششیں کی ہیں وہ زیادہ تر متن کے بارے میں ان کے ذاتی قیاسات پر مبنی ہیں، اور چونکہ ہر شخص کے قیاسات دوسرے سے مختلف ہوسکتے ہیں، اس لیے ان کی بیان کردہ

Marfat.com

ترتیبوں میں بھی فرق ہے، لہٰذا کوشش کے باوجود ان قیاسات سے کوئی خاص علمی فائدہ حاصل کرنا مشکل ہے۔

دراصل مستشرقین کی ان کوششوں کے پیش نظر ایک مخصوص ذہنیت کارفرما ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ابھی تک غیر مرتب ہے، اس کی اصل ترتیب وہ ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا، لیکن چونکہ نازل ہونے کے ساتھ اسے کتابی شکل میں لکھنے کے بجائے متفرق چیزوں پر لکھا گیا اس لیے وہ ترتیب محفوظ نہ رہ سکی، راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موجودہ ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب متفرق تحریریں جمع کیں تو وہ انھیں جس ترتیب سے ساتھ ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے چلے گئے، لہٰذا اس میں کسی تاریخی یا معنوی ترتیب کا لحاظ نہیں رہ سکا (۲۱۳) اب قرآن کریم کی موجودہ ترتیب ان کے خیال میں (معاذ اللہ) ایک نقص ہے جسے وہ بزعم خود اپنی ''تحقیق'' سے دور کرنا چاہتے ہیں،!!!

حالانکہ واقعات کی یہ تصویر نہ صرف خیالی بلکہ واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے، اس لیے کہ آیات قرآنی کی ترتیب باتفاق وحی سے ثابت ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائے گی (۲۱۴) اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی، یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جس ترتیب سے آیتیں ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے گئے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ قرآن میں سب سے آخری آیت (من المومنین رجال صدقوا الخ) ہونی چاہیے تھی، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ آیت سب سے آخر میں ملی، حالانکہ یہ آیت سورہ احزاب میں درج ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے سامنے جب کوئی آیت لائی جاتی تھی تو وہ اس کو اسی مقام پر لکھتے تھے جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اہل علم کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ بھی بذریعہ وحی بتائی گئی ہے، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے معین کیا ہے، زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب بذریعہ وحی ہی بتا دی گئی تھی۔ (۲۱۵)

## اسباب نزول:

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا، دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ''سبب نزول'' یا ''شان نزول'' کہلاتا ہے۔

مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ہے:

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ

Marfat.com

وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾(۲۱۶)

''اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، یقیناً ایک مومن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمھیں پسند آ رہی ہو۔''

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رحمہ اللہ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ کسی کام سے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انھیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمھارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی، اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی (۲۱۷)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا ''سبب نزول'' یا شان نزول'' ہے۔

## شان نزول کی اہمیت اور اس کے فوائد:

بعض ایسے لوگوں نے جن کو علم میں پختگی اور رسوخ حاصل نہیں ہے، اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قرآن کریم بذات خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لیے اسباب نزول کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے، اسباب نزول کا علم تفسیر قرآن کے لیے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کے فوائد بے شمار ہیں، جن میں سے چند یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسباب نزول جاننے کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، اور پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے کن حالات میں اور کیوں نازل فرمایا؟ (۲۱۸) مثلاً سورہ نساء میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى﴾(۲۱۹)

''اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو۔''

اگر شان نزول کی روایات سامنے نہ ہوں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب شراب از روئے قرآن بالکل حرام ہے تو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ، اس سوال کا جواب صرف شان نزول ہی سے مل سکتا ہے، چنانچہ اس کے سبب نزول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہونے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے پر مدعو

Marfat.com

کیا، وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آ گیا، تو ایک صحابی نے امامت کی، اور اس میں نشے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کر گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲۲۰)

(۲) بسا اوقات سبب نزول کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو انسان آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھ سکتا ہے، یہ بات چند مثالوں سے واضح ہوگی۔

سورہ بقرہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾(۲۲۱)

''اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہٰذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے، وہیں اللہ کا رخ ہے۔''

اگر اس آیت کا شان نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، مشرق و مغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے، اس لیے جس طرف بھی رخ کرلیا جائے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، خود قرآن کریم ہی نے دوسرے مقام پر کعبہ کی طرف رخ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

یہ عقدہ صرف شان نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۲۲۲) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے، اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہٰذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دیدے، ادھر رخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسی طرح ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُواْ إِذَا مَا اتَّقَواْ وَّآمَنُواْ﴾(۲۲۳)

''جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انھوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں اور ایمان رکھیں۔''

اگر اس آیت کے صرف ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو اور عمل نیک ہوں تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے، اور چونکہ یہ آیت تحریم شراب کے متصل بعد آئی ہیں، اس لیے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس آیت نے ایمان دار اور نیک لوگوں کے لیے (معاذ اللہ) شراب کی بھی اجازت دی دی ہے، اور یہ صرف شبہ اور احتمال نہیں ہے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

Marfat.com

تک کو اس آیت سے غلط فہمی ہوگئی تھی، اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت سے استدلال کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیکوکار رہا ہو اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزری ہو تو اس پر حد (شرعی سزا) نہیں ہے بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے شان نزول ہی کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو رفع کیا (۲۲۴)

درحقیقت آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب اور قمار کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کیا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے ان کا کیا انجام ہوگا؟

اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، کہ جن مومنوں نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی یا قمار کا مال کھایا ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ مومن ہوں اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کے پابند رہے ہوں (۲۲۵)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (۲۲۶)

''بیشک صفا اور مروی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لیے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔''

اس آیت کے یہ الفاظ کہ ''اس پر کچھ گناہ نہیں ہے'' ان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا صرف جائز ہے، کوئی فرض یا واجب نہیں، چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسی غلط فہمی میں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ درحقیقت زمانہ جاہلیت سے ان پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام اساف تھا، اور دوسرے کا نائلہ، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے سعی کرنا ناجائز نہ ہو گیا ہو، ان کا یہ اشکال رفع کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی (۲۲۷)

یہ چند مثالیں محض نمونہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں، ورنہ ایسی اور بھی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بہت سی آیتوں کا صحیح مفہوم سبب علم نزول کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

(۳) قرآن کریم بعض اوقات ایسے الفاظ استعمال فرماتا ہے جن کا شان نزول سے گہرا تعلق ہوتا ہے، اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بعض اوقات بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں، جن سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔

مثلاً سورہ طلاق میں ارشاد ہے:

Marfat.com

﴿وَاللّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِن نِّسَائِکُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ﴾(۲۲۸)

''اور تمھاری عورتوں میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمھیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان عورتوں کی (عدت) بھی (یہی ہے) جنھیں ابھی ماہواری آئی ہی نہیں۔''

اس آیت میں یہ الفاظ کہ ''اگر تم کو شک ہو، ان کا بظاہر کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا، یہاں تک کہ بعض اہل ظاہر نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر سن رسیدہ عورت کو جس کا حیض بند ہو چکا ہو حمل کے بارے میں کوئی شک نہ ہو تو اس پر کوئی عدت واجب نہیں ہے۔(۲۲۹)

لیکن سبب نزول ان الفاظ کی وجہ بتاتا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورہ نساء میں عورتوں کی عدت بیان کی گئی تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کی عدت قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئی، ایک تو چھوٹی بچیاں جنھیں حیض نہیں آیا، دوسرے وہ سن رسیدہ عورتیں جن کا حیض بند ہو گیا ہے، اور تیسرے حاملہ عورتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں تینوں قسموں کا حکم بیان کر دیا گیا۔(۲۳۰)

یا مثلاً سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قَضَیْتُم مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُواْ اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ آبَاءکُمْ﴾(۲۳۱)

''پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو۔''

اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو اس آیت کا یہ حصہ کہ ''جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو'' بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس خاص مقام پر اللہ کی یاد کو آباء واجداد کی یاد سے تشبیہ دینے کا کیا مطلب ہے؟ لیکن سبب نزول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، بات یہ ہے کہ یہاں مزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہو رہا ہے، اور مشرکین عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے آباء واجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہاں باپ دادوں کی شیخیاں بگھارنے کے بجائے اللہ کا ذکر کیا کرو۔(۲۳۲)

(۴) قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی تھوڑے نہیں ہیں جن میں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے، اور جب تک واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا مطلب سمجھ ہی نہیں سکتا، مثلاً ارشاد ہے:

﴿وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلَـٰکِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ﴾(۲۳۳)

''اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی)۔''

Marfat.com

دراصل اس آیت میں غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے کفار کے رَغے کے وقت خاک کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تھی، اور اس کے بعد رَغہ ٹوٹ گیا تھا (۲۳۴) لیکن غور فرمایئے کہ اگر یہ سبب نزول ذہن میں نہ ہو تو آیت کا مطلب کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟

یہاں اسباب نزول کے تمام فوائد بیان کرنے مقصود نہیں، لیکن مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کریم کی تفسیر میں اسباب نزول کی کیا اہمیت ہے، اسی وجہ سے امام واحدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلقہ واقعہ معلوم نہ ہو، اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں''۔ (۲۳۵)

لہٰذا جن لوگوں نے تفسیر قرآن کریم کے معاملہ میں اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کیا ہے وہ یا تو ناواقف ہیں یا اسباب نزول سے آزاد ہو کر قرآن کے مضامین کو اپنا من مانا مفہوم پہنانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

## اسباب نزول اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں اسباب نزول پر جو محققانہ بحث کی ہے بعض لوگ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکے، اس لیے انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر میں اسباب نزول کو اہمیت نہیں دی، یا اس کی اہمیت کو کم کر دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ خیال حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مطلب نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جمہور امت کی طرح وہ بھی اسباب نزول کے علم کو تفسیر کے لیے لازمی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن انھوں نے جو بات لکھی ہے وہ یہ ہے:

"ویذکر المحدثون فی ذیل ایات القرآن کثیر امن الاشیاء لیست من قسم سبب النزول فی الحقیقة مثل استشهاد الصحابة فی مناظر اتهم بآیة اوتلاته صلی الله علیه وسلم ایة للا ستشهاد فی کلامه الشریف اور روایة حدیث وافق الآیة فی اصل الغرض اور تعیین موضع النزول او تعیین اسماء المذکورین بطریق الایهام او بطریق التلفظ بکلمة قرآنیة او فضل سور آیات من القرآن او صورة امتثاله صلی الله علیه وسلم بامر من اوامر القرآن ونحو ذلك، ولیس شیء من هذا فی الحقیقة من اسباب النزول"(۲۳۶)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں ایک ایک آیت کے تحت بعض اوقات دسیوں روایات لکھی ہوتی ہیں، یہ تمام روایات اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں بلکہ اس میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہو جاتی ہیں:

① بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل پیش کر دی، مفسرین یہ واقعہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

② بعض مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کسی موقع پر اس آیت سے استشہاد فرمایا مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کر دیتے ہیں۔

③ جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے بعض مرتبہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت روایت کر دی جاتی ہے۔

④ بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لیے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی، یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہو جاتی ہے۔

⑤ بعض دفعہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے، اور ان کا نام ذکر نہیں کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعہ ان لوگوں کے نام متعین کر دیتے ہیں۔

⑥ بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

⑦ بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کر دیتے ہیں۔

⑧ بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر رسول اللہ ﷺ نے کس طرح عمل فرمایا؟

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں اور نہ مفسر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے پوری طرح واقف ہو۔

البتہ جو روایات واقعۃً آیت کا سبب نزول ہیں ان کا جاننا مفسر کے لیے نہایت ضروری ہے، اور اس کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں، چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

”وانما شرط المفسر امران، الاول ما تعرض به الآيات من القصص فلا يتيسر فهم الايماء بتلك الآيات الا بمعرفة تلك القصص، والثانی ما يخصص العام من القصة او مثل ذلك من وجوه صرف الكلام عن الظاهر فلا يتيسر فهم المقصود من الآيات بدونها“(۲۳۷)

”البتہ مفسر کے لیے دو باتوں کا جاننا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، ایک تو وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے، اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں، دوسرے کسی قصہ وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں، لیکن شان نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، یا کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے اور سبب نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے، اس جیسی روایات کا علم حاصل کیے بغیر آیات قرآنی کو سمجھنا مشکل ہے۔“

Marfat.com

## سبب نزول اور احکام کا عموم وخصوص:

کسی سبب نزول کے تحت قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں، وہ اپنے عموم وخصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں:

(۱) وہ آیتیں جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آیت کا مضمون اسی کے حق میں ہے، ایسی آیتوں کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا مضمون صرف اسی معین شخص کے بارے میں قرار دیا جائے گا، اور وہ دوسروں کو شامل نہیں ہوگا، مثلاً

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ﴾ (لھب:۱)

''ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں۔''

اس آیت کا شان نزول معروف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرمائی تو اس پر ابولہب نے کہا تھا:

"تبالك، الهذا دعوتنا؟"

(تمھارے لیے ہلاکت ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا؟)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۲۳۸) اور اس میں خاص ابولہب کا نام لے کر اس کے لیے وعید بیان فرمائی گئی ہے، اس لیے یہ وعید خاص اسی کے لیے ہے۔

(۲) آیتوں کی دوسری قسم وہ ہے جن میں کسی خاص شخص یا گروہ یا چیز کا نام لیے بغیر اس کے کچھ اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور ان اوصاف پر کوئی حکم لگایا گیا ہے، لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد فلاں معین شخص یا فلاں معین گروہ یا فلاں معین چیز ہے، اس صورت کے بارے میں بھی تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مضمون یا حکم صرف اسی شخص یا گروہ یا چیز کی حد تک مخصوص رہے گا، جو قرآن کریم کی مراد ہے، اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہیں ہوگا، خواہ وہ اوصاف اس میں بھی پائے جاتے ہوں، مثلاً سورۃ اللیل میں ارشاد ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴾ (۲۳۹)

''اور اس سے ایسے پرہیز گار شخص کو دور رکھا جائے گا، جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے۔''

یہ آیت باتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو مفلس غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ (۲۴۰) یہاں اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں، لیکن اوصاف انہی کے بیان کیے گئے ہیں، اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ان سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، لہٰذا اس آیت کی فضیلت بلا شرکت غیرے انہی کو حاصل ہے، اسی لیے امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اس آیت میں انھیں اتــقــی (متقی ترین شخص) کہا گیا ہے۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (۲٤۱)

''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔''

امام سیوطی نے اس کو نقل کیا ہے۔ (۲۴۲)

بہرحال! باوجود کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہاں نام نہیں لیا گیا، لیکن جمہور مفسرین نے آیت کو انہی کے حق میں خاص قرار دیا ہے، کیونکہ تخصیص کی دو دلیلیں موجود ہیں (ایک یہ کہ ''الاتــقــی'') کا لفظ (الف لام عہد کے ساتھ) صرف ایک ہی شخص کے لیے استعمال ہوسکتا ہے، دوسرے روایات حدیث نے ان کی تعیین کر دی ہے، لہٰذا اگر کوئی اور شخص بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو وہ اس کے لیے کتنا ہی باعث اجر کیوں نہ ہو لیکن آیت بالا کا مصداق ہونے کی فضیلت اسے حاصل نہیں ہوسکتی (۲۴۳)

(۳) تیسری قسم میں وہ آیتیں آتی ہیں جو نازل تو کسی خاص واقعہ میں ہوئی تھیں لیکن الفاظ عام ہیں، آیت کے صریح الفاظ یا اور کسی خارجی دلیل سے بھی یہ معلوم ہوگیا ہے کہ آیت کا حکم اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس نوعیت کے ہر واقعہ کا یہی حکم ہے، اس قسم کے بارے میں بھی تمام اہل علم متفق ہیں کہ اس صورت میں آیت کا حکم اس کے الفاظ کے تابع ہو کر عام رہے گا، صرف سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا، مثلاً سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیات کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا (۲۴۴) کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جن کے شوہر نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ ''انــت عــلــی کظهر امی'' (تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) لیکن آیت میں جن الفاظ کے ذریعہ حکم بیان کیا گیا وہ اس بات کی صراحت کر رہے ہیں کہ یہ حکم صرف خولہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے لیے نہیں، بلکہ تمام ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی بیوی سے ظہار کر لیں (یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہہ دیں) (ایسے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے قبل ایک غلام آزاد کریں، یا ساٹھ روزے رکھیں یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں)۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ آیت کسی خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی، لیکن الفاظ عام استعمال کیے گئے، اور آیت یا کسی خارجی دلیل سے یہ صراحت معلوم نہیں ہوتی کہ آیت کا حکم یا مضمون صرف اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے، یا اس نوعیت کے ہر واقعہ کے لیے عام ہے، اس صورت میں اہل علم کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ اس صورت میں آیت کو صرف سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ مخصوص رکھا جائے گا، لیکن جمہور علماء وفقہاء کی رائے اس کے برخلاف یہی ہے کہ مذکورہ شکل میں سبب نزول کے خاص واقعے کے بجائے الفاظ کے عموم کا اعتبار

Marfat.com

ہوگا، اور آیت کے الفاظ جس جس صورت کو شامل ہوں ان کا حکم بھی ان سب پر نافذ کیا جائے گا، اس قاعدہ کے لیے علماء اصول فقہ وتفسیر میں یہ جملہ مشہور ہے کہ:

"العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب"

''اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔''

لیکن درحقیقت یہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے، عملاً اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ جو حضرات آیات قرآنی کو ان کے سبب نزول کے ساتھ خصوص قرار دیتے ہیں وہ بھی عملاً آیت کا حکم اس نوعیت کے دوسرے واقعات میں جاری کر دیتے ہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک تو اس حکم کا ماخذ وہی آیت ہوتی ہے، اور یہ حضرات اس کا ماخذ کسی دوسری دلیل شرعی مثلاً حدیث اجماع یا قیاس وغیرہ کو قرار دیتے ہیں۔

وضاحت کے لیے ایک مثال پر غور فرمایئے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾

''اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔''

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بنو عمرو بن عمیر کا کچھ قرض بنو مغیرہ پر واجب تھا، جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو بنو عمرو نے اپنے مقروض قبیلے سے کہا کہ ہم سود تو چھوڑتے ہیں لیکن اصل قرض واپس کرو، بنو مغیرہ نے کہا کہ اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ ہے، اس لیے ہمیں کچھ مہلت دے دو، بنو عمرو نے مہلت دینے سے انکار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۲۴۵)

اب آیت کا یہ حکم تو سب کے نزدیک عام ہے، ہر قرض خواہ کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مقروض کو تنگ دست دیکھے تو اسے مہلت دے دے، لیکن فرق اتنا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ عام حکم اسی آیت سے ثابت ہوا ہے، اور جو لوگ آیت کو سبب نزول کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا حکم تو صرف بنو عمرو کے لیے تھا، لیکن دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ حکم ان احادیث سے ثابت ہوا ہے جس میں مقروض کو مہلت دینے کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ اس اختلاف کا عملی طور پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا (۲۴۶)۔

## سبب نزول اور اختلاف روایات:

اسباب نزول کے سلسلے میں تفسیر کے دوران ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں، اور جو شخص تفسیر کے اصول سے واقف نہ ہو وہ الجھن اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے یہاں اس اختلاف روایت کی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے۔

اصول تفسیر اور اصول فقہ کے علماء نے اس سلسلے میں بڑے کارآمد قواعد بیان فرمائے ہیں، یہاں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

Marfat.com

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ استعمال فرماتے ہیں کہ نزلت الآیة فی کذا (یہ آیت فلاں مسئلہ یا معاملہ کے بارے میں نازل فرمائی) ان الفاظ سے بظاہر یہ دھوکا ہوجاتا ہے کہ وہ آیت کا سبب نزول بیان فرمارہے ہیں، حالانکہ ان الفاظ سے ان کا مقصد ہمیشہ سبب نزول بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا معاملہ آیت کے حکم کے تحت داخل ہے، (۲۴۷) مثلاً سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

﴿وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾(۲٤۸)

''اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔''

اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اختصاء (خصیتین نکلوا دینے) کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۲۴۹) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عہد رسالت میں کسی نے خصیتین نکلوا دیئے تھے، اور یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اختصاء کا عمل بھی انہی شیطانی افعال میں داخل ہے جنھیں شیطان نے اللہ کی تخلیق بدل ڈالنے سے تعبیر کیا ہے، اور آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ''اللہ کی تخلیق کو بدل دینا'' اختصاء میں منحصر ہے بلکہ اس کی اور بھی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، جن کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا یہ اسلوب بیان معلوم ہونے سے شان نزول کے باب میں دو قاعدے واضح ہوتے ہیں:

(الف) ایک قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو مختلف روایتیں ہوں، دونوں میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہوں کہ نزلت الآیة فی کذا (یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی) لیکن دونوں نے الگ الگ معاملات ذکر کیے ہوں تو درحقیقت دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ آیت کا سبب نزول ہے، بلکہ منشاء یہ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ آیت کے مفہوم اور حکم میں داخل ہے، یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی، باری تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (۲۵۰)

''ان کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں۔''

اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے رہتے تھے، ایک اور روایت انہی سے مروی ہے کہ یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نماز عشاء کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے، اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے تہجد گزار حضرات کے بارے میں قرار دیتے ہیں (۲۵۱) اب بظاہر یہ اختلاف شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ آیت کے مختلف مصداق ہیں، اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

Marfat.com

(ب) دوسرا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو روایتیں ہوں، ایک میں نزلت الآیة فی کذا کے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں اور دوسری میں صراحۃً کسی واقعہ کو آیت کا سبب نزول قرار دیا گیا ہو، تو اس دوسری روایت پر اعتماد کیا جائے گا، اور پہلی روایت چونکہ شان نزول کے مفہوم میں صریح نہیں ہے، اس لیے اسے راوی کے اپنے اجتہاد و استنباط پر محمول کیا جائے گا، مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾(۲۵۲)

''تمھاری بیویاں تمھارے لیے کھیتیاں ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔''

اس آیت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "انزلت فی ایتان النساء فی ادبارھن" (۲۵۳) (یہ آیت عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے) لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ اس کا سبب نزول صراحۃً یہ بتاتے ہیں کہ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اگر مباشرت پیچھے کی جانب سے اگلے ہی حصہ میں کی جائے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، اس کی تردید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے یہ واضح کر دیا کہ مباشرت کی جگہ تو ایک ہی ہے، (یعنی اگلا حصہ) جس سے اولاد پیدا ہو سکے، لیکن اس کے لیے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔(۲۵۴)

ان دونوں روایتوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت چونکہ مفصل اور صریح ہے اس لیے اس کو ترجیح ہوگی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو ان کا استنباط قرار دیا جائے گا (۲۵۵) اور درحقیقت ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پشت میں صحبت کرنا اس آیت کی رو سے جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے (۲۵۶) (کیونکہ اس میں عورت کو کھیتی یعنی پیدائش اولاد کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور وہ لواطت میں ممکن نہیں)

(۲) سبب نزول متعین کرنے کے لیے دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہو، اور دوسری ضعیف یا مجروح سند کے ساتھ تو صحیح روایت کو اختیار کر لیا جائے گا، اور ضعیف کو ترک کر دیا جائے گا، مثلاً سورہ ضحیٰ کی ابتدائی آیات ہیں:

﴿وَالضُّحَى ○ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾(۲۵۷)

''(اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے، کہ تمھارے پروردگار نے نہ تمھیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔''

اس آیت کے شان نزول میں بخاری رحمہ اللہ، مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی تکلیف کی وجہ سے ایک یا دو راتیں (تہجد کی) نماز نہ پڑھ سکے، اس پر ایک کافر عورت نے یہ طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے (معاذ اللہ) شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

Marfat.com

دوسری طرف طبرانی رحمہ اللہ اور ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے حفص بن میسرہ کی نانی خولہ رحمہا اللہ سے (جو حضور ﷺ کی خادمہ تھیں) یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا حضور ﷺ کے گھر آکر چارپائی کے نیچے بیٹھ گیا، اور وہیں اسے موت آگئی، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ ﷺ پر وحی نازل نہ ہوئی، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ رسول کے گھر میں ایسی کیا بات ہوگئی ہے جو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس نہیں آرہے، میں نے دل میں کہا کہ مجھے گھر میں جھاڑ پونچھ کرنی چاہیے، چنانچہ میں نے جھاڑو چارپائی کے نیچے مار کر صفائی کی تو پلا نکل آیا، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

لیکن یہ دوسری روایت سنداً صحیح نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، لہٰذا قابل اعتماد شان نزول وہی ہے، جو صحیح بخاری میں مروی ہے (۲۵۸)

(۳) بعض مرتبہ شان نزول کی دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں، لیکن کسی ایک روایت کے حق میں کوئی وجہ ترجیح پائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہ ایک کی سند دوسری کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے، یا ایک کا راوی ایسا ہے کہ جو واقعہ کے وقت موجود تھا اور دوسری روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود نہیں تھا، ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کیا جائے گا جس کے حق میں وجہ ترجیح موجود ہے، اس کی مثال سورہ اسراء کی یہ آیت ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۲۵۹)

"اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ: "روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے اور تمھیں جو علم دیا گیا ہے، وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔"

اس آیت کے شان نزول میں ایک روایت تو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ ﷺ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لے کر چل رہے تھے، اتنے میں آپ ﷺ کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا تو انھوں نے آپس میں کہا کہ ان سے کچھ سوالات کرنے چاہئیں، چنانچہ انھوں نے آکر آپ سے کہا کہ: "ہمیں روح کے بارے میں بتایئے" اس پر آپ ﷺ رک گئے اور تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے سر اقدس اٹھایا، میں سمجھ گیا، کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا" قل الروح من امر ربی"۔

دوسری روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ قریش مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم ان صاحب (حضور ﷺ) سے پوچھ سکیں، اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اور دوسری روایت سے پتہ چلتا

Marfat.com

ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، سند کے اعتبار سے بھی دونوں روایتیں صحیح ہیں، لیکن پہلی روایت کے حق میں یہ وجہ ترجیح موجود ہے کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے وقت خود موجود تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود واقعہ کے وقت حاضر ہوں، اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قابل ترجیح ہے (۲۶۰)

(۴) بعض مرتبہ ایک آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد ہوتے ہیں، یعنی ایک جیسے کئی واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے ہیں، اوران سب کے بعد آیت نازل ہوتی ہے، اب کوئی راوی اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ ذکر کرتا ہے، اور دوسرا کوئی اور واقعہ ذکر کردیتا ہے، بظاہران میں تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت تعارض نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں ہی واقعات سبب نزول ہوتے ہیں۔

مثلاً سورہ نور کی آیات لعان کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ھلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، " والذین یرمون ازواجھم" دوسری طرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے ایک اور روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ ملوث دیکھے اور اس شخص کو قتل کردے تو کیا اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں، اور پھر یہی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائیں، تیسری طرف مسند بزار رحمہ اللہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس قسم کا سوال و جواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (۲۶۱)

واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں واقعات ان آیات کے نزول سے قبل پیش آچکے تھے، اس لیے ان میں سے ہر ایک کو سبب نزول قرار دینا درست ہے۔

(۵) بعض اوقات اس کے برعکس ایسا ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہوتا ہے، مگر اس کے سبب سے کئی آیتیں نازل ہوجاتی ہیں، اب ایک راوی اس واقعہ کو نقل کرکے کہتا ہے کہ اس پر فلاں آیات نازل ہوئی، اور دوسرا اسی واقعہ کو نقل کرکے کسی دوسری آیت کا حوالہ دیتا ہے، اس سے بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں ہجرت وغیرہ کے باب میں مجھے عورتوں کا ذکر نہیں ملتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ﴾ (۲۶۲)

Marfat.com

''چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا) کہ: ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قرآن کریم میں مردوں ہی کا ذکر ہے، عورتوں کے ذکر کا کہیں تذکرہ نہیں، اس پر ایک آیت تو "ان المسلمین والمسلمٰت الخ" نازل ہوئی، اور دوسری "انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ" (۲۶۳)

## تکرار نزول اور اس کی حقیقت:

(۶) چھٹی صورت تکرار نزول کی ہے، یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئی، اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوا، اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کر دیا، اور کسی نے دوسرے نزول کا، اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں تضاد اس لیے نہیں ہوتا کہ آیت دونوں واقعات میں دونوں مرتبہ نازل ہوئی۔

مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیحین میں نقل کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بچا جان! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کر دوں گا، اس وقت ابو جہل اور عبداللہ ابن امیہ بھی موجود تھے، انھوں نے ابو طالب کو ایمان کی طرف مائل ہوتے دیکھا تو فوراً بولے: ''کیا تم عبدالمطلب کے دین سے برگشتہ ہونا چاہتے ہو؟'' اس کے بعد وہ دونوں بولتے ہی رہے، یہاں تک کہ ابو طالب یہ کہہ اٹھے کہ: ''میں عبدالمطلب ہی کے دین پر ہوں'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں آپ کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾

''یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔'' (۲۶۴)

دوسری طرف امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بسند حسن نقل کیا ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے سنا، میں نے اس سے کہا کہ تمھارے والدین تو مشرک تھے، ان کے لیے استغفار کیسے کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، حالانکہ ان کے والد بھی مشرک تھے، یہ بات میں رسول کریم ﷺ سے ذکر کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہاں دونوں واقعات میں ایک ہی آیت کا نزول بیان کیا گیا ہے، چنانچہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ

Marfat.com

آیت دونوں مرتبہ الگ الگ نازل ہوئی۔(۲۶۵)

اب یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب ایک آیت ایک مرتبہ نازل ہو چکی، اسے لکھ کر محفوظ کرلیا گیا، اور وہ رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد ہوگئی تو پھر دوبارہ اسے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا بہترین جواب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے دیا ہے، اور وہ یہ کہ ”تکرار نزول“ کی مذکورہ بالا صورت میں آیت کا اصلی نزول تو ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے، لیکن وہ آیت جس واقعہ میں نازل ہوئی تھی، جب اسی جیسا کوئی اور واقعہ پیش آتا ہے تو وہی آیت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں دوبارہ ڈال دی جاتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بھی اسی آیت سے رہنمائی ملے گی، یہ آیت کا قلب مبارک میں مستحضر ہو جانا چونکہ منجانب اللہ ہوتا ہے، اس لیے یہ وہی ”نفث فی الروع“ ہے جو وحی کی ایک قسم ہے، اور جس کا مفصل بیان وحی کے طریقوں میں گزر چکا ہے، اسی کو مفسرین ”نزول مکرر“ سے تعبیر فرما دیتے ہیں، گویا جتنی مرتبہ وہ آیت قلب میں منجانب اللہ وارد ہوئی اتنی ہی مرتبہ اس کا نزول ہوا۔(۲۶۶)

اسباب نزول کے سلسلے میں روایات کے اندر جو تعارض یا اختلاف ہوتا ہے وہ مذکورہ بالا چھ اصولوں کے تحت عموماً بآسانی دور ہو جاتا ہے، اور یہ چھ اصول ذہن میں رہیں تو اختلاف روایات کی صورت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔

Marfat.com

# اختلاف قراءت وسبعۃ احرف

مستشرقین نے قرآن کی قرأت مختلفہ کو تحریف قرآن ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کیا ہے، حالانکہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ تحریف اس کا نام ہے کہ کسی شاہی دستاویز میں اصلی متکلم اور دستاویز مرتب کرنے والے کے علاوہ دوسرا شخص الفاظ میں رڈو بدل کردے لیکن اگر بادشاہ اپنے دستاویز کے الفاظ میں ردو بدل کردے، اس کو کوئی عقل مند تحریف نہیں کہہ سکتا۔ قرآن مجید کی قراءت کی دو قسمیں ہیں۔ متواتر اور غیر متواترہ۔ غیر متواترہ قرآن نہیں کیونکہ آئمہ اصول متفق ہیں کہ قرآنیت کے لیے تواتر شرط ہے اور قراءت متواترہ قرآن ہے۔ اس سے تحریف ثابت نہیں ہوسکتی۔ تحریف اس کا نام ہے کہ غیر قرآن کو قرآن میں داخل کیا جائے یا قرآن کے کسی جزء کو قرآن سے خارج کیا جائے اور اختلاف قرأت میں دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں اس کے علاوہ امام زرکشی نے برہان میں لکھا ہے کہ قرآن الفاظ کا نام ہے۔ اور قرأت قرآنی الفاظ کے طرز تلفظ کا نام ہے لہٰذا قرأت کے تعدد سے قرآن کے الفاظ کی تحریف نہیں ہوتی۔ (۲۶۷)

## سبع قراءت:

برہان فی علوم القرآن میں امام زرکشی نے لکھا ہے کہ قرآن الفاظ وحی کا نام ہے جو حضور ﷺ پر بیان احکام کے لیے معجزانہ انداز میں اترا ہے اور قرأت اس کے طرز تلفظ اور کیفیت ادا کا نام ہے۔ سات قرأت سات قراء تک متواترہ طریقہ سے ثابت ہے۔ اور آئمہ سبعہ سے حضور ﷺ تک کی تو سند کتب قرأت میں موجود ہے جو ایک راوی نے دوسرے سے نقل کی ہے لیکن اتقان میں ابن جزری سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ تک بھی قرات سبعہ متواتر ہیں۔" وقد نص علیٰ تواتر ذلك كله ائمة الاصول كقاضي ابي بكر وغيره وهو الصواب لا نه اذا ثبت تواتر اللفظ ثبت علیٰ تواتر هية ادائه لان اللفظ لا يقوم الا به ولا يصح الا بوجوده" (آئمہ اصول نے تصریح کی ہے کہ سات قراءت از اول تا آخر حضور تک متواتر ہیں کیونکہ جب الفاظ متواتر ہیں تو طرز ادا الفاظ بھی متواتر ہے کیونکہ الفاظ کا تلفظ طرز ادا کے بغیر ممکن نہیں)۔ (۲۶۸)

Marfat.com

## قراء صحابہ رضی اللہ عنہم:

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے قرأت حاصل کی اور قراء کے نام سے مشہور ہوئے اور مابعد زمانے کے قراء کے لیے بالذات یا بالواسطہ شیوخ واساتذہ بنے یہ وہ تھے جن کی قرأت بلاد اسلامیہ میں پھیلی اور آج تک ان کا سلسلہ قرأت موجود ہے:

(۱) عثمانؓ (۲) علیؓ (۳) ابی بن کعبؓ (۴) زید بن ثابتؓ (۵) عبداللہ بن مسعودؓ (۶) ابو الداؤدؓ (۷) ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم)

① ابن عامر کا نام عبداللہ یحصبی ہے وہ حمیر قبیلے کی ایک شاخ یحصب کی طرف منسوب ہے۔ ابونعیم وابو عمران کنیت ہے۔ تابعی ہے۔ اس نے قرأت مغیرۃ بن ابی شہاب المخزومی سے حاصل کی۔ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے۔ ابن عامر دمشق میں ۱۱۸ھ/ ۷۳۶ء میں فوت ہوئے۔

② ابن کثیر نام عبداللہ بن کثیر دارمی ہے۔ ابو محمد یا ابو معبد کنیۃ ہے۔ یہ مکہ معظّمہ کے امام قرأت تھے۔ آپ نے قرأت مجاہد سے اس نے ابن عباس سے اس نے ابن کعب اور ابی ابن کعب نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی۔ ابن عامر کے با الواسطہ شاگردوں میں ہشام وابن ذکوان مشہور ہیں اور ابن کثیر کے با الواسطہ شاگردوں میں البزی وقنبل مشہور ہیں۔ ابن کثیر ۱۲۰ھ/۷۳۸ء میں مکہ میں فوت ہوئے۔

③ عاصم۔ عاصم بن ابی النجود نام ہے۔ قرأت، فصاحت اور خوش آوازی میں مشہور تھے۔ آپ نے قراءت زر بن حبیش اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی اور کوفہ میں ۱۲۷ھ/۷۴۴ء میں اس نے وفات پائی۔ آپ کے بالذات شاگردوں میں سے شعبہ بن عباس اور حفص بن سلیمان زیادہ مشہور ہیں۔

④ ابوعمرو مازنی بن العلا بن عمار البصری۔ آپ نے قرأت مجاہد وسعید بن جبیر سے حاصل کی اور ان دونوں نے ابن عباس سے اور اس نے ابی بن کعب سے اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی۔ ان کے مشہور شاگرد یزیدی کے واسطہ سے دو ہیں۔ (۱) دوری ابوعمر حفص بن عمر المقری العزیز البغدادی م ۲۴۶ھ/۸۶۰ء۔ (۲) ابوشعیب صالح بن زیاد م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء۔

⑤ حمزۃ بن حبیب بن الزیات الکوفی مولی عکرمۃ بن ربیع التیمی۔ آپ نے قرأت اعمش سے اس نے یحییٰ بن وثاب سے اس نے زر بن حبیش سے اس نے عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی۔ عربیت فرائض اور حدیث کے ماہر تھے۔ حلوان میں ۱۵۶ھ/۷۷۳ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے مشہور شاگرد بواسطہ ابی عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ الکوفی خلف

Marfat.com

م ۲۲۹ھ/۸۴۳ء خلاد م م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء تھے جن سے آپ کا سلسلہ قراءت چلا۔

⑥ نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم المدنی۔ آپ نے ابوجعفر القاری اور دیگر ستر ۷۰ تابعین سے قرأت حاصل کی، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور ان ہر دو نے ابی بن کعب سے اور آپ نے رسول کریم ﷺ سے قراءت حاصل کی۔ نافع کی کنیت ابورویم ہے آپ ے دو مشہور شاگرد تھے جن سے آپ کا سلسلہ چلا۔ (۱) قالون ابو موسیٰ عیسیٰ بن منیا النحوی، قالون کے معنی جید کے ہیں۔ آپ کی قرأت عمدہ تھی۔ م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء (۲) ورش جس کا نام عثمان بن سعید المصری ے قرائت اور خوش آوازی میں بے مثال تھے۔ مصر میں ۱۶۷ھ/۸۳۷ء میں وفات پائی۔

⑦ الکسائی۔ ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی النحوی۔ احرام میں کساء پہننے کی وجہ سے کسائی مشہور ہوئے۔ نحو، عربیت اور قرآنی میں بے مثال تھے۔ ۱۸۹ھ/۸۰۴ء میں وفات پائی۔

قراءعشرہ میں باقی تین یہ ہیں:

⑧ ابوجعفر یزید بن القعقاع جس کی قرأت کی سند ابن عباس، ابی ہریرۃ عن ابی بن کعب عن رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ ۱۳۰ھ/۷۴۷ء میں وفات پائی۔

⑨ یعقوب بن اسحاق الحضری۔ آپ نے عاصم اور ابوعمر بنا العلاء سے قرأت حاصل کی۔ م ۲۰۵ھ/۸۲۰ء۔

⑩ خلف بن حشام بن ثعلب، کنیۃ ابومحمد، آپ بالواسطہ عاصم کے شاگرد ہیں۔ م ۲۲۹ھ/۸۴۳ء۔ (۲۶۹)

## سبعۃ احرف:

حدیث نزول القرآن علی سبعۃ احرف اکیس ۲۱ صحابہ سے مروی ہے۔ ابوعبید نے اس کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ صحیحین میں ابن عباس کی روایت کے الفاظ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریئل نے مجھے ایک حرف پر پڑھایا میں زیادت طلب کرتا رہا وہ بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ سات حرف تک نوبت پہنچی۔ اس حدیث کی شرح میں امام سیوطی نے چالیس اقوال اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں سات اقوال نقل کیے ہیں۔ راجح یہ ہے کہ سات احرف سے سات لغات قبائل عرب مراد ہیں، جو عرب کے فصیح تر سات قبائل کے تھے جو یہ ہیں:

(۱) قریش (۲) ہذیل (۳) تمیم (۴) ارد (۵) ربیعہ (۶) ہوازن (۷) سعد بن بکر۔

یہ قول مختار ہے۔ ابوعبید و ثعلب و زہری و دیگر علماء کا ابن عطیۃ نے بھی اس کو مختار کہا ہے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو صحیح قرار دیا ہے (۲۷۰)

اس قول پر امام سیوطی نے اعتراض کیا ہے کہ عمرو ہشام نے قرات میں جھگڑا کیا۔ جب حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے دونوں کی تصدیق کی جیسے بخاری وغیرہ میں ہے، حالانکہ یہ دونوں قریشی تھے اور دونوں کی لغت ایک تھی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات حرف لغت قریش میں تھے جیسے ابن قتیبہ اور ابوعلی

Marfat.com

الاہوازی کا قول ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قبیلہ کی لغت کے مطابق سن لیا ہو اور ہشام نے آپ سے دوسرے قبیلے کی لغت کے مطابق۔ اس لیے نزاع کی نوبت آئی ہو۔ لہٰذا سات حرف سے مراد عرب کی سات لغات ہیں نہ صرف قبیلہ قریش کی سات لغات۔

## سات احرف کی حکمت:

ابتداء میں سات لغات پڑھنے کا جواز اور بعد میں صرف ایک لغت پر اکتفا میں راز اور حکمت یہ ہے (واللہ اعلم) کہ قرآن میں تصریح ہے کہ "بلسان عربی مبین" یعنی قرآن عربی زبان میں اترا ہے۔ بعض مخصوص الفاظ میں قبائل عرب میں اختلاف تھا۔ جیسے کہ دہلی اور لکھنو کی زبان اردو میں یا پشاور اور قندھار کی پشتو میں۔

اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قبیلہ قریش تھی اور عام قوم عرب تھی۔ دوسری طرف عرب کا مزاج قبائلی خصوصیات کا تحفظ تھا اور ان خصوصیات میں وہ درجہ تعصب کو پہنچے ہوئے تھے۔ آج بھی اقوام میں لسانی تعصب کا جذبہ موجود ہے، لہٰذا حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوا کہ قرآن کے محدود الفاظ میں جہاں عرب قبائل کی لغات میں فرق تھا۔ ہر قبیلہ کو اپنی اپنی لغت کے مطابق تلفظ کی اجازت دی جائے تاکہ ایک طرف عربی زبان کی تمام شاخیں کلام الٰہی کی برکت سے بہرہ یاب ہوں اور عرب قبائل کی زبانیں عمومی شکل میں بلسان عربی کے تحت نزول کلام الٰہی کی برکت سے فیضیاب ہوسکے اور دوسری طرف یہ کہ عرب قبائل کو اپنی لغت خاصہ کی محرومی کا افسوس بھی نہ ہو اور لسانی تعصب کا اندیشہ بھی نہ رہے۔ جمع عثمانی کے وقت جب دائرہ اسلام وسیع ہوگیا اور قبائلی خصوصیات ختم ہوکر وحدت عرب بلکہ وحدت اسلامی کے رنگ میں تمام قبائل پوری طرح رنگے گئے تو سبعہ لغات یا قبائلی خصومات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا صرف لغت قریش پر مصحف عثمانی میں اکتفا کیا گیا یہ اجماع صحابہ لغت قریش پر با امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا یا انتہائے حکم با انتہائے علت کی شکل تھی، جیسے مؤلفۃ القلوب عہد نبوت میں مصرف زکوٰۃ تھے لیکن عہد فاروقی میں قوت اسلام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دینے کی حلت باقی نہ رہی۔ لہٰذا وہ مصارف زکوٰۃ سے خارج کر دیئے گئے۔ ایسے اور بہت سے احکام ہیں جو امام زرکشی نے برہان میں نقل کیے ہیں۔ مستشرقین نے تحریف قرآن ثابت کرنے کے لیے سات حرف یا سات لغات سے قرآن پڑھنے کی اجازت کو بطور دلیل پیش کیا ہے جو صحیح نہیں۔ تحریف کا معنی یہ ہے کہ متکلم کے کلام میں دوسرا شخص یا کچھ بڑھائے یا گھٹائے تو یہ تحریف یعنی متکلم کے کلام کو بدل دینا ہے اور یہ تحریف نہیں کہ اپنے کلام میں متکلم کسی مصلحت کے ماتحت کوئی تبدیلی کر دے۔ لہٰذا دور اول میں قرآن حکیم کے محدود اور چند الفاظ میں ہر قبیلہ کو اپنے قبیلہ کی خاص لغت کے پڑھ دینے کی اجازت دینا اور بعد ازاں اس اجازت کو موقوف کر دینا یہ تحریف نہیں بلکہ الٰہی تصرف ہے جو قرآن کا متکلم ہے اور متکلم کو بالاتفاق یہ حق حاصل ہے۔ اسی طرح منسوخ التلاوت یعنی آیت رجم کو بھی سمجھو کہ اس آیت کا جز قرآن ہونا اور بعد ازاں قرآن سے اس کو خارج کر دینا خود منزل قرآن کا تصرف تھا نہ کسی اور کا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا۔ " قُلْ مَا يَكُونُ لِيْ أَنْ

Marfat.com

أَبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ" (۲۷۱) اسی طرح سورہ خلع کو جو مصحف ابی میں تھا، منسوخ التلاوت کر دیا گیا وہ بھی الٰہی تصرف تھا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ منسوخ التلاوت کے الفاظ قرآن حکیم کے الفاظ کے ساتھ اعجاز میں ہمسر نہیں بلکہ کم ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے ارادہ الٰہی ان کے باقی رکھنے کا نہ تھا۔

سات حرفوں والی حدیث کی دوسری تشریح سات قرأت متواترہ سے کی گئی ہے۔ اس تشریح پر بھی تحریف قرآن کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جیسے ہم قرأت کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ یہ سب قرأت متواترہ قرآن ہیں، لہٰذا ان قرأت سے نہ قرآن میں کمی آتی ہے نہ بیشی۔ لہٰذا اس صورت میں قرآن کے سات حرفوں کے ساتھ پڑھنے سے تلفظ قرآن کے ساتھ طرز مراد ہیں کیونکہ حرف کا نحوی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے جو سات قرأت پر صادق ہے۔ اس معنی پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ قرأت سات سے زیادہ ہیں اور حدیث مذکور میں سات حروف کی تصریح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب اتقان نے ابن جزری سے نقل کیا ہے کہ میں نے صحیح و شاذ و ضعیف سب قرأت کی جستجو کی تو معلوم ہوا کہ وہ سب بالآخر سات سے باہر نہیں (۲۷۲) ور اگر زائد بھی ہوں تو لفظ سبع حصر کے لیے نہیں لہٰذا دیگر قراءت کی بھی گنجائش ہے لیکن مشہور ان میں سات ہیں۔

دوسرا اشکال پیش کیا گیا کہ قرأت سبعہ نزول قرآن کے بعد مدون ہوئی ہیں اور حدیث ان سے مقدم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرأت سبع کا وجود پہلے تھا، اگرچہ بحیثیت فن اس کی تدوین بعد میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ قرأت نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں جیسے کہ ہم نے پہلے لکھ دیا۔ بعد ازاں آپ سے یہ قرأت سات مشہور قراء صحابہ نے حاصل کیں اور ان سے قراء سبعہ کو پہنچیں جس سے قرأت سبعہ کا وجود عہد نبوت میں ثابت ہوتا اگرچہ فن کی شکل میں تدوین قرأت مابعد زمانہ میں ہوئی۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ ہر آیت میں سات قرأت جاری نہیں ہوتیں۔ جواب یہ ہے کہ مجموعہ قرآن میں سات قرأت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ نہ ہر آیت میں۔ اب مخالفین اسلام خصوصاً مستشرقین نے مصحف عثمانی پر چند شبہات پیش کیے ہیں جن کو ہم نقل کر کے ان کا جواب دیتے ہیں۔

(۱) پہلا شبہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جب مصاحف پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا:

ان فی القرآن لحنا سنقیمه العرب بالسنتهم (۲۷۳)

''مصحف عثمانی میں غلطی ہے جس کو عرب اپنی زبان سے درست کر لیں گے۔''

اسی طرح ''فوز الکبیر'' میں بھی ہے۔ جواب اولاً یہ ہے کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ''لم یصح عن عثمان اصلا'' کہ (یہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں)۔''

(۲) دوم جواب یہ ہے کہ مصحف عثمانی پر اجماع صحابہ ہے اور رسم عثمانی بھی وحی سے ثابت ہے تو غلطی پر اجماع کیونکر ممکن ہے۔

Marfat.com

(۳) سوم یہ کہ اس روایت کی ابتداء میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارکان جمع قرآن کو خطاب کیا "احسنتم و اجملتم" تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا، اگر اس مجموعہ میں غلطی ہوتی تو آپ غلطی کی تحسین کس طرح کر سکتے تھے۔ ابوعبیدہ نے عبدالرحمٰن بن ہانی سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ کاتبان قرآن مصاحف پیش کرتے تھے تو اس میں "لم یتسن ، لا تبدیل للحق ، وامھل الکافرین" لکھا ہوا تھا۔ آپ نے قلم دوات منگا کر تین جگہوں کی کتابت کی غلطی کو درست کر دیا۔ "لم یتسن" کے ساتھ ھا لگا کر "لم یتسنه" کر دیا، لـلـخلق کو لخلق الله کر دیا اور امھل الکافرین کو مھل الکافرین کر دیا۔ اس روایت سے لحن والی روایت کی غلطی ثابت ہوگئی کہ جب آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کتابت کی معمولی غلطی تک کو آپ نے نہیں چھوڑا بلکہ درست کر دیا تو دیگر غلطیوں کو قرآن میں کس طرح رہنے دیتے ہوں گے۔

(۴) چہارم یہ کہ قرآن میں لحن ہے جس کو عرب اپنی زبانوں سے درست کر دیں گے۔ یہاں لحن کے معنی غلطی نہیں بلکہ قرآن کے وہ صحیح الفاظ مراد ہیں جو عرب کی زبان پر چڑھے ہوئے نہ تھے اور ان کے طرز گفتگو کے موافق نہ تھے ایسے الفاظ کے متعلق فرمایا کہ قرآن میں ایسے انداز کے الفاظ ہیں جن کو عرب بار بار پڑھ دینے سے قابو کر لیں گے اور ان کی زبان رفتہ رفتہ اس طرز کی عادی بن جائے گی اس میں شک نہیں کہ لفظ لحن دو معنوں میں مشترک ہے۔ ایک معنی غلطی ہے اور دوسرا معنی طرز کلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں دوسرا معنی مراد ہے اور یہی معنی امام لغت راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ اس کو لحن محمود کہا جاتا ہے اور اسی کے متعلق عرب کے شاعر نے کہا ہے۔

خیر الحدیث ما کان لحنا

"اچھی بات وہ ہے جو خاص طرز سے کہی جائے۔"

اور یہی معنی خود قرآن کے "ولتعرفنهم فی لحن القول" میں استعمال کیا گیا ہے اور حدیث بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استعمال کیا ہے "لعل بعضکم الحن بحجته" جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین مقدمہ میں سے کبھی ایک فریق فصیح طرز کلام کا ماہر ہوتا ہے میں اس کی بات سن کر فیصلہ کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر وہ چیز واقع میں اس شخص کا حق نہ ہو تو یہ ڈگری اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ ان حوالہ جات کے تحت لفظ لحن سے غلطی مراد نہیں، بلکہ ایک خاص طرز تلفظ مراد ہے۔

(۵) پنجم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لحن رسم الخط کا لحن مراد ہو کہ رسم مصحف عثمانی میں بعض جگہ ملفوظ اور مکتوب موافق نہیں لیکن عرب اہل لسان اپنی زبان سے اس کو درست پڑھ لیں گے۔ جیسے خود انگریزی زبان میں مکتوب اور ملفوظ برابر نہیں لیکن زبان دان درست پڑھ لیتے ہیں۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ ابن الجزری، النشر فی القرات العشر، ۶/۱۔ ۲۔ القیمہ: (۷۵)، ۱۶، ۱۷۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳۶/۹۔ ۴۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۲۳۴/۱

۵۔ ابن الجزری، النشر فی القرات العشر، ۶/۱، الاتقان، ۷۴-۷۳/۱، وتاریخ القرآن للکردی رحمہ اللہ، ص: ۶۰۔

۶۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۷۳/۱۔

۷۔ عینی، عمدۃ القاری (مطبوعہ دمشق) ۱۶/۲۰، ۱۷

۸۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۲۴۱/۱-۲۴۳

۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب فضائل القرآن وکتاب المناقب فی فضل عمرو بن سلمہ، احمد، المسند، فی باب عمرو بن

۱۰۔ العلق، (۹۶)، ۴۔ ۱۱۔ القلم، (۶۸)، ۲۔

۱۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳۹۷/۱۰

۱۳۔ ابن عبد البر، الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ، ۱۰۵۰/۱

۱۴۔ ابن قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، (مطبع میمنیہ مصر)، 30/1

۱۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۳۳۹/۵ تا ۳۵۵

۱۶۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، کتاب النبی، (طبع بیروت، ۱۹۸۴)

۱۷۔ مزی، تہذیب الکمال (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کیجئے)، ۴۳۲/۶۔۴۳۸

۱۸۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۳۴۵/۳

۱۹۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، سورۃ توبہ

۲۰۔ مسلم بن حجاج الجامع الصحیح، کتاب الزھد، باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ الحدیث۔

۲۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، (مکتبۃ المعارف، الریاض، ۱۹۸۶) ۵۴۴/۲ رقم الحدیث ۱۹۳۴۔

۲۲۔ دار قطنی، السنن، ۱۲۳/۱، باب نھی المحدث عن مس القرآن ومجمع الزوائد، (الطبع المدینہ المنورہ)، ہیثمی رحمہ اللہ، ۶۱/۹، (طبع بیروت)، مناقب عمر رضی اللہ عنہ، زاد المعاد ص ۸۶/۱، ۱۸۷، (حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو سنداً جید قرار دیا ہے)۔ (نصب الرایہ)۔

۲۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، (کراچی نور محمد اصح المطابع) کتاب الجہاد، ۴۱۹/۱-۴۲۰۔


Marfat.com

۲۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد (مطبوعہ بیروت) ص ۱۶۵/۷، قال الھیثمی رواہ الطبرانی وفیہ ابوسعید عون وثقہ ابن معبد فی روایۃ وضعفہ فی اخریٰ وبقیۃ رجالہ ثقات

۲۵۔ ابوعبیدہ، فضائل القرآن، (طبع دار ابن کثیر، بیروت 1995ء)، ص:۲۸۱

۲۶۔ علم الدین سخاوی، جمال القراء وکمال اقراء (طبع دار المامون) ص ۱/۱۶۰۔ فتح الباری ص ۱۰/۳۸۶، ابن ابی داود، المصاحف، طبع (دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۵ء)، باب جمع القرآن، جمع ابوبکر الصدیق ص ۱۱

۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

۲۸۔ علم الدین سخاوی، جمال القراء، ۱/۱۶۱،

۲۹۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ص ۱۰/۳۸۸

۳۰۔ ایضاً، ۲۰/۳۸۹

۳۱۔ ابوعبیدہ، فضائل القرآن، از ابن کثیر فی آخر تفسیرہ، ۷/۴۳۹

۳۲۔ عینی، عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن، ۱۶/۲

۳۳۔ سخاوی، جمال القراء ۱/۱۶۴، فتح الباری، ۱۰/۳۹۰، الاتقان ۱/۱۸۶۔

۳۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ص: ۱۰/۳۹۰

۳۵۔ ایضاً ۹/۱۱، بحوالہ ابن ابی داؤد فی کتاب المصاحف۔

۳۶۔ ایضاً بحوالہ مذکور۔ ۳۷۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۶۰۔

۳۸۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۱/۲۳۸۔

۳۹۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱/۶۰۔

۴۰۔ زرکشی، البرھان فی علوم القراان، ۱/۲۳۴-۲۳۵

۴۱۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۶۰ ۴۲۔ ایضاً۔

۴۳۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱/۲۴۶، تاریخ القرآن للکردی، ص: ۲۸

۴۴۔ عبدالصمد صارم، تاریخ القرآن (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء) ص: ۴۳۔

۴۵۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹/۱۲-۱۳ ۴۶۔ ایضاً ص: ۱۶

۴۷۔ الایضاً، فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۱۰/۳۹۶، الاتقان، ۱/۱۸۸

۴۸۔ یہ پوری تفصیل فتح الباری، ص ۱۳ تا ۱۵ ج ۹ سے ماخوذ ہے

۴۹۔ حاکم نیشاپوری، المستدرک حاکم، ۲/۲۲۹ ۵۰۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱/۲۵۳-۲۵۴

۵۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۹/۱۷

Marfat.com

۵۲۔ ایضاً،۹/۱۷ ۔ ۵۳۔ ایضاً،۹/۱۵،بحوالہ ابن ابی داؤد،بسند صحیح

۵۴۔ ایضاً،فضائل القرآن،باب جمع القرآن،۱۰/۳۹۲

۵۵۔ ایضاً،۱۰/۳۹۲

۵۶۔ بغوی،شرح السنہ (طبع مکتب اسلامی بیروت ۱۹۸۳ء)،۴/۵۲۳-۵۲۴

۵۷۔ ابن ابی داؤد،المصاحف (طبع بیروت ۱۹۸۵) جمع عثمان المصاحف،ص ۳۰۔۳۱،فضائل القرآن لابی عبیدہ (طبع بیروت ۱۹۹۵ء)،ص ۲۸۴۔۲۸۵۔

۵۸۔ ابن حجر عسقلانی،فتح الباری شرح صحیح بخاری،ص ۱۰/۳۹۵،جمال القراء از علم الدین سخاوی ۱/۱۶۴۔۱۶۵

۵۹۔ زرقانی،مناہل العرفان،۱/۲۶۱ ۔ ۶۰۔ ابن کثیر،فضائل القرآن،۷/۴۴۷

۶۱۔ ابن ابی داؤد،کتاب المصاحف،ص:۲۵

۶۲۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن (طبع دار ابن کثیر ۱۹۷۷ء)،۱/۱۹۴ تا ۱۹۷۔

۶۳۔ ابن حجر عسقلانی،فتح الباری شرح صحیح بخاری،۹/۸-۱۱

۶۴۔ فیروز آبادی،القاموس المحیط ۲/۱۸۸ ۔ ۶۵۔ جوہری،الصحاح ۳/۸۸۴

۶۶۔ ابو الحسن،احمد بن فارس لغوی،مجمل اللغۃ ۳/۶۴۸

۶۷۔ زمخشری،اساس البلاغۃ،ص:۴۱۰ ۔ ۶۸۔ المائدۃ:(۵)۳۱

۶۹۔ الانفال:(۸)۵۹ ۔ ۷۰۔ الجن:(۷۲)۲

۷۱۔ التوبہ:(۹)۲ ۔ ۷۲۔ الانعام:(۶)۱۳۴

۷۳۔ سورہ یونس: (۱۰)۵۳،ہود: (۱۱)۲۰،النحل (۱۶)۴۶،النور: (۲۴)۵۷،العنکبوت: (۲۹) ۲۲،الزمر: (۳۹)۵۱،اور الشوریٰ: (۴۲)۳۱ ۔ ۷۴۔ ابن تیمیہ،کتاب النبوات: ص:۵

۷۵۔ الجرجانی،التعریفات: ص:۲۱ ۔ ۷۶۔ صابونی،التبیان فی علوم القرآن،ص:۸۹۔۹۰

۷۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور) ۲۱۔۳۷۷

۷۸۔ مودودی،سیرت سرور عالم: ۱/۳۸۱ ۔ ۷۹۔ مولوی محبوب عالم،انسائیکلوپیڈیا: ۶۹۲

۸۰۔ فیروز آبادی،القاموس،ص: ۱۹۲۳ اصل میں آیۃ،راغب،المفردات القرآن: ص ۳۲

۸۱۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۱/۶۶ ۔ ۸۲۔ الاعراف:(۷)۷۳

۸۳۔ المومنون:(۲۳)۴۶ ۔ ۸۴۔ بنی اسرائیل:(۱۷)۱۰۱۔۱۰۲

۸۵۔ آل عمران:(۳)۴۹ ۔ ۸۶۔ الاعراف:(۷)۲۰۳

۸۷۔ (الانعام:(۶)۳۵ ۔ ۸۸۔ فیروز آبادی،قاموس المحیط: ص:۹۱

۸۹۔ ابن منظور،لسان العرب: ۱۳/۱۵ ۔ ۹۰۔ القصص: ۲۸)۳۲

Marfat.com

۹۱۔ الفقہ الاکبر: ص ۱۰

۹۲۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون: ۱/۲۰۵

۹۳۔ حم سجدہ: (۴۱) ۴۲

۹۴۔ یوسف: (۱۲) ۲،۱

۹۵۔ الاعراف: (۷) ۱۰۳

۹۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۴۶۹۶

۹۷۔ طہٰ: (۲۰) ۶۶

۹۸۔ الاعراف: (۷) ۱۱۶

۹۹۔ الاعراف: (۷) ۱۰۷

۱۰۰۔ ابن حجر، فتح الباری کتاب بدء الوحی ۱/۱۲

۱۰۱۔ عبدالکریم خطیب، الاعجاز فی دراسات السابقین، ص: ۱۸۱

۱۰۲۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن: (مطبوعہ بیروت): ۴/۷

۱۰۳۔ الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، ۲/۳۰۱

۱۰۴۔ ملا باقر مجلسی، بحار انوار: ۱۷/۲۲۷ اور جاء الغفران رجاء الغفران: ص ۱۶: ۴۸۰

۱۰۵۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۴۷

۱۰۶۔ مصطفیٰ صادق رافعی، اعجاز القرآن، ص ۱۴۴

۱۰۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (دانش گاہ پنجاب لاہور) ۱۶/۴۸۰

۱۰۸۔ ابوبکر الباقلانی، مقدمہ اعجاز القرآن، ص ۱۴، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۶/۴۸۰

۱۰۹۔ قاضی ابی بکر الباقلانی، اعجاز القرآن، ص: ۵۳

۱۱۰۔ عبدالکریم خطیب، اعجاز فی دراسات، ص: ۱۸۱

۱۱۱۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن: ۴/۱۸، ۱۹

۱۱۲۔ سیوطی، الاتقان علوم القرآن: ۳/۹

۱۱۳۔ بدرالدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن: ۲/۱۰۶، ۱۰۷۔

۱۱۳-۱۔ الحاقۃ (۶۹) ۴۶-۴۴۔

۱۱۴۔ الزرقانی، مناھل العرفان، ۲/۳۰۱

۱۱۵۔ المصطفیٰ صادق رافعی، اعجاز القرآن، ص: ۱۵۶

۱۱۶۔ محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان: ۱/۵۹-۶۰

۱۱۷۔ ابی القاسم خوئی، البیان اور تفسیر القرآن: ص: ۴۵

۱۱۸۔ الاعراف: (۷) ۵۷۔ اسی طرح دیکھئے الفرقان: (۲۰) ۴۸، اور النمل: (۲۷) ۶۳۔ والروم: (۳۰) ۴۶

۱۱۹۔ آل عمران: (۳) ۱۱۷

۱۲۰۔ الاحقاف: (۴۶) ۲۴

۱۲۱۔ الحاقۃ: (۶۹) ۶

۱۲۲۔ اعراف: (۷) ۷۹

۱۲۳۔ الاعراف: (۷) ۹۳

۱۲۴۔ الاعراف: (۷) ۸۵، الشعراء: (۲۶) ۱۷۶-۱۷۷۔

Marfat.com

۱۲۵۔ الاعراف:(۷)۸۵،ہود:(۱۱)۸۴،المومنون:(۲۳)۳۶۔

۱۲۶۔ دیکھئے الشعراء:(۲۶)۱۵۰۔۱۵۳ اور ۱۷۶۔۱۸۵ تک۔

۱۲۷۔ العنکبوت:(۲۹)۵۰،۵۱ ۱۲۸۔ حمٓ سجدۃ:(۴۱)۲۶ ۱۲۹۔ الحشر:(۵۹)۲۱

۱۳۰۔ الزمر:(۳۹)۲۳ ۱۳۱۔ ھود(۱۱):۸۱ ۱۳۲۔ الرعد:(۱۳)۲۹

۱۳۳۔ ق:(۵۰)۳۰ ۱۳۴۔ الحجر:(۱۵)۴۹۔۵۰ ۱۳۵۔ الحجر:(۱۵)۵۱

۱۳۶۔ الحجر:(۱۵)۴۹ ۱۳۷۔ الحجر:(۱۵)۵۰ ۱۳۸۔ الفتح:(۴۸)۱۶

۱۳۹۔ النحل:(۱۶)۸ ۱۴۰۔ الروم:(۳۰)۳ ۱۴۱۔ الروم:(۳۰)۳

۱۴۲۔ الروم:(۳۰)۳ ۱۴۳۔ السجدۃ:(۳۲)۲۱ ۱۴۴۔ النحل:(۱۶)۴۱

۱۴۵۔ آل عمران:(۳)۱۲ ۱۴۶۔ الفتح:(۴۸)۲۷ ۱۴۷۔ اللھب:(۱۱۱)۱

۱۴۸۔ الحجر:(۱۵)۹ ۱۴۹۔ الواقعہ:(۵۶)۱۹ ۱۵۰۔ الطور:(۵۲)۳۴

۱۵۱۔ ھود:(۱۱)۱۳

۱۵۲۔ حاکم،المستدرک:۲/۵۰۶،السیرۃ النبویۃ ۱/۲۷۲،۲۷۸، سیوطی،الاتقان:۲/۱۰۰۴

۱۵۳۔ بغدادی،تاریخ بغداد،۸،۱۳۷

۱۵۴۔ ندوی،سید سلیمان،معارف: حسین بن حلاج کی تاریخی شخصیت،ج ۲،شمارہ ۴

۱۵۵۔ ھود:(۱۱)۴۴ ۱۵۶۔ الرافعی،تاریخ آداب العرب،۲/۲۲۵)

۱۵۷۔ الرافعی،تاریخ آداب العرب،۲/۲۳۹ ۱۵۸۔ الرافعی،تاریخ آداب العرب ،۲/۲۶۰

۱۵۹۔ سید قطب،التصویر الفنی فی القرآن ،ص ۳۳۔

۱۶۰۔ ایضاً،ص:۱۸۷

۱۶۱۔ رشید رضا،تفسیر المنار،۱/۱۹۸ تا ۲۳۸،نیز زرقانی،مناہل العرفان،۲/۲۲۷ تا ۲۷۸)

۱۶۲۔ تھانوی،اشرف علی،شہادۃ الاقوام،(دہلی ادارہ اشرف،۱۹۶۸)ص:۱۴

۱۶۳۔ عنکبوت:(۲۹)۳۴ ۱۶۴۔ الکہف:(۱۸)۱ ۱۶۵۔ البروج:(۸۵)۲۲

۱۶۶۔ الدخان:(۴۴)۲ ۱۶۷۔ الاسراء:(۱۷)۱۰۶

۱۶۸۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۱/۴۱،النوع السادس عشر

۱۶۹۔ زرقانی،مناھل العرفان،۱/۳۹ ۱۷۰۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۱/۴۲

۱۷۱۔ الانفال:(۸)۴۱

۱۷۲۔ ابن جریر الطبری،تفسیر جامع البیان (مطبوعہ مصر)۱۰/۷

۱۷۳۔ علق(۹۶)۱۔۵ ۱۷۴۔ بخاری،الجامع الصحیح،رقم الحدیث:۳۔

Marfat.com

۱۷۵۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲۳/۱، انور شاہ کشمیری، فیض الباری ص ۲۵/۱، سیوطی، الاتقان، ۲۴/۱ و ۲۵۔
۱۷۵۔ ۱۔المائدہ (۵) ۳ ۱۷۵۔ ۲۔البقرہ (۲) ۱۸۱
۱۷۵۔ ۳۔محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی ص: ۱۰۶
۱۷۶۔ البقرہ: (۲) ۲۷۸ ۱۷۷۔ البقرہ: (۲) ۱۸۲ ۱۷۸۔ النساء: (۴) ۱۷۶
۱۷۹۔ التوبۃ: (۹) ۱۲۸-۱۲۹ ۱۸۰۔ زوائد مسند احمد ۱۸۱۔ النساء: (۴) ۳۲
۱۸۲۔ الاحزاب: (۳۳) ۳۵ ۱۸۲۔ ۱۔ال عمران (۳) ۱۹۵۔
۱۸۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، سورہ بقرہ۔
۱۸۴۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر
۱۸۵۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۰۲
۱۸۶۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۵/۱
۱۸۷۔ الزمخشری: الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، (مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ ۱۳۶۵ھ) ۷۷۵/۴۔
۱۸۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۵۸۰/۸، کتاب التفسیر، سورہ اقراء
۱۸۹۔ انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ۲۵/۱
۱۹۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۴/۱
۱۹۱۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۱۸۸/۱، النوع التاسع۔
۱۹۲۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱۸۸/۱۔
۱۹۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۹/۱۔
۱۹۴۔ ایضاً ۱۸۷/۲، النوع الثمانون بحوالہ معمر
۱۹۵۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱۹۲/۱
۱۹۶۔ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی ص: ۱۱۰
۱۹۷۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱۹۱/۱
۱۹۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱۹/۱۔۲۱
۱۹۹۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۳/۱ ۲۰۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۴/۱
۲۰۱۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ۱۲۲/۲۔
۲۰۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۴۴/۱، النوع السادس عشر، المسئلۃ الاولیٰ
۲۰۳۔ الفرقان: (۲۵) ۳۲، ۳۳
۲۰۴۔ امام الرازی، رحمہ اللہ التفسیر الکبیر (المطبعۃ القاہرۃ ۱۳۲۴ھ)، ۳۳۶/۶

Marfat.com

۲۰۵۔ آرتھر جیفری، مقدمتان فی علوم القرآن، (مکتبہ الخانجی مصر ۱۹۵۴ء) ص ۱۲ تا ۱۶

206. Noldeke, Theodor, Geschichte des Qorans, Gottingen(1860)

207. Muir, William, The Life of Mohammad)

208. (Rodwell, j.M. The Koran (translated) london, 1953)

209. Hirchfold, Hartwig, New Researches into the composition and exegsis of the Qoran.(1902)

210. Blashere Regis, Coran taduction selon unessai de reclassement des sourats (paris; 1947-51)

211. Bell, Richard Translation of The Quran(1937-39).

۲۱۲۔ یعقوب حسن: کشاف الہدی، (دفتر اشاعر مدراس ۱۳۴۳ھ) ص: ۱۷۵۔۱۸۲۔

213. (Rodwell, J.M. The Koran. (translated) London 1953 p2)

۲۱۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بحوالہ سنن اربعہ مسند احمد وغیرہ، ۱۸/۹۔

۲۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳۲/۹ تا ۳۵، باب تالیف القرآن۔

۲۱۶۔ البقرہ: (۲) ۲۲۱

۲۱۷۔ الواحدی رحمہ اللہ: اسباب النزول، (مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۷۹ھ) ص: ۳۸

۲۱۸۔ الزرکشی: البرهان فی علوم القرآن (عیسیٰ البابی مصر ۱۳۷۶ھ) ۱/۲۲۔

۲۱۹۔ النساء: (۴) ۴۳

۲۲۰۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ، (مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۶ھ) ۱/۵۰۰

۲۲۱۔ البقرہ: (۲) ۱۱۵ ۲۲۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۳۔

۲۲۳۔ المائدہ: (۵) ۹۳

۲۲۴۔ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، (قاہرہ ۱۳۸۷ھ)، ۶/۲۹۷۔

۲۲۵۔ ایضاً ص: ۶/۲۹۴ ۲۲۶۔ البقرہ: (۲) ۱۵۸

۲۲۷۔ زرقانی، مناهل العرفان، ۱/۱۰۴ ۲۲۸۔ الطلاق: (۶۵) ۴

۲۲۹۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۰ ۲۳۰۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۴/۳۸۱

۲۳۱۔ البقرہ: (۲) ۲۰۰

۲۳۲۔ ملاحظہ ہو واحدی رحمہ اللہ، اسباب النزول، ص: ۳۴

۲۳۳۔ الانفال: (۸) ۱۷ ۲۳۴۔ واحدی رحمہ اللہ، اسباب النزول، ص: ۱۳۳۔

Marfat.com

۲۳۵۔ ایضاً ص ۴

۲۳۶۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، (مکتبہ فخریہ مراد آباد، ۱۳۵۸ھ) ص: ۲۲۔۲۳۔

۲۳۷۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص: ۲۳

۲۳۸۔ واحدی رحمہ اللہ، اسباب النزول ص: ۲۶۱۔

۲۳۹۔ اللیل: (۹۲) ۱۷۔۱۸ ۲۴۰۔ واحدی رحمہ اللہ، اسباب النزول ص: ۲۵۵۔

۲۴۱۔ الحجرات: (۴۹) ۱۳ ۲۴۲۔ سیوطی، الاتقان ص ۱/۳۱

۲۴۳۔ اس قسم کی مزید تفصیل اور مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو سیوطی، الاتقان: ۱/۳۰۔

۲۴۴۔ واحدی، اسباب النزول ص: ۲۳۱ ۲۴۵۔ اسباب النزول، للواحدی ص: ۸۱۔

۲۴۶۔ یہاں اس مسئلہ کا نہایت مختصر خلاصہ پیش کیا گیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، زرکشی، البرھان ۱/۲۴، سیوطی، الاتقان ۱/۳۰، وزرقانی، مناھل العرفان ۱/۱۱۸ تا ۱۲۷۔

۲۴۷۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ: مقدمۃ فی اصول التفسیر (المکتبہ العلمیہ، لاہور ۱۳۸۸ھ) ص: ۹۔

۲۴۸۔ النساء: (۴) ۱۱۹ ۲۴۹۔ السیوطی رحمہ اللہ: الدر المنثور، ۲/۲۲۳۔

۲۵۰۔ الم سجدہ: (۳۲) ۱۶

۲۵۱۔ ابن جریر رحمہ اللہ، تفسیر جامع البیان، (میمنیہ، مصر) ۲۱/۵۷ و ۵۸۔

۲۵۲۔ (البقرہ: (۲) ۲۲۳ ۲۵۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۲۔

۲۵۴۔ واحدی، اسباب النزول ص: ۴۰ و ۴۱۔ ۲۵۵۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱/۱۰۸۔

۲۵۶۔ ایضاً۔ ۲۵۷۔ الضحیٰ: (۹۳) ۱ تا ۳

۲۵۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۳، اس کی مزید مثالیں بھی اسی مقام پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں

۲۵۹۔ بنی اسرائیل: (۱۷) ۸۵ ۲۶۰۔ سیوطی، الاتقان، ۱/۳۴

۲۶۱۔ ایضاً ۲۶۲۔ آل عمران: (۳) ۱۹۵

۲۶۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۵۔ ۲۶۴۔ بخاری و مسلم

۲۶۵۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۳۴۔ ۲۶۶۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر ص: ۲۲

۲۶۷۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۱/۸۰ ۲۶۸۔ زرقانی، مناھل العرفان، ۱/۴۰۷

۲۶۹۔ ابن جزری، طبقات القراء و زرقانی، مناہل العرفان ۱/۴۴۹ لغایت ۴۵۷

۲۷۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۴۵ ۲۷۱۔ یونس: (۱۰) ۱۵،

۲۷۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/ ۴۶ ۲۷۳۔ آلوسی، روح المعانی، ۱/۲۸۰

Marfat.com

فصل سوم:

# مباحث قرآنی (۲)

## ناسخ ومنسوخ کا مفہوم:

ناسخ ومنسوخ کا مادہ (ن س خ) ہے۔ ناسخ، نسخ سے فاعل کے وزن پر ہے جس کا مطلب ہے نسخ کرنے والا۔ جبکہ منسوخ مفعول کے وزن پر ہے۔ یعنی نسخ ہونے والا۔

نسخ کے لغوی معنی ازالے اور مٹانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:

نسخت الشمس الظل ای ازالته (۱)

''سورج نے سائے کو منسوخ کردیا یعنی ہٹادیا۔''

اس کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿ فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم آیاته﴾ (۲)

''اللہ شیطان کا ملایا ہوا مٹادیتا ہے۔ پھر اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔''

اس کے ایک معنی نقل کرنے کے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے:

نسخت الکتاب (۳)

''میں نے کتاب نقل کی۔''

لسان العرب میں ہے:

نسخ الشئی ینسخه نسخا وانتسخه واستنسخه، کتبه عن معارضه وفي التهذیب: اکتتابك کتاباً عن کتاب حرفا بحرف. والاصل نسخة والمکتوب عنه نسخة لانه قام مقامه والکاتب ناسخ ومنسخ (٤)

''نسخ الشئی ینسخه نسخا وانتسخه واستنسخه کے معنی ہیں اس نے معارضہ سے لکھا۔ التہذیب میں ہے آپ کا ایک کتاب سے حرف بحرف لکھنا۔ اصل کو نسخہ کہتے ہیں اور جس سے لکھا جائے وہ نسخہ ہے کیونکہ وہ قائم مقام ہے اور کاتب ناسخ اور منسخ ہے۔''

Marfat.com

قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّا کُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۵)

''آپ جو کچھ عمل کرتے تھے ہم اس کو لکھتے تھے۔''

یہی دونوں معانی ابن الجوزی نے نقل فرمائے ہیں۔(۶)

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا اطلق النسخ فی الشریعة اریدبه المعنی الاول لانه رفع الحکم الذی تکلیفه للعباد امابا سقاطه الی غیر بدل او الی بدل (۷)

''شریعت میں جب نسخ کے معنی لیے جائیں تو اس سے مراد پہلے معنی (ازالہ) ہیں۔ کیونکہ اس سے ایسا حکم اٹھتا ہے جس کی لوگوں پر پابندی ہوتی ہے۔ اس کو ویسے ہی ہٹا دیا جاتا ہے یا اس کا بدل آ جاتا ہے۔''

الفراء کہتے ہیں:

النسخ ان تعمل بآیة ثم تنزل آیه آخری فتعمل بها وتترك الاولیٰ (۸)

''نسخ یہ ہے کہ ایک آیت پر عمل کیا جائے۔ پھر دوسری اترے تو اس پر عمل کیا جائے اور پہلی کو چھوڑ دیا جائے۔''

ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آیَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ (۹)

''ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی دوسری لے آتے ہیں۔''

لہٰذا قرآن مجید کے مفسر کے لیے ناسخ اور منسوخ کا جاننا بہت ضروری ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قصہ گوئی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اتعرف الناسخ والمنسوخ

''کیا آپ ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں۔''

اس نے کہا نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هلکت واهلکت (۱۰)۔

''تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔''

Marfat.com

## اصطلاح میں نسخ:

قرآن وحدیث میں موجود لفظ نسخ کی یہ وہ تعریف ہے جو اس پر پورا اترتی ہے۔
رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي متراخ عنه
''کسی شرعی حکم کو اس کے بعد آنے والی دلیل شرعی سے اٹھالینا۔''

## نسخ کا مفہوم باعتبار قراءت:

قرآن کریم میں ہے:
﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾(۱۱)
''ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں۔''
اس آیت کی تین مختلف انداز سے قرأت کی گئی ہے۔

① مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِها:
یہ جمہور کی قراءت ہے۔ یہاں نسخ بمعنی رفع کے ہے۔ مراد ہم جو آیت اٹھالیتے ہیں۔

② ما نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَنْسَهَا:
اس میں نَنسَأْهَا پڑھا گیا ہے۔ یہ قراءت ابن کثیر اور ابوعمرو کی ہے۔ جو نَسأ سے ہے اور بمعنی تاخیر کے ہے۔ اس کے معنی پھر یہ ہوں گے: ہم کسی آیت کی تلاوت کو اٹھالیتے ہیں یا اس حکم کو موخر کر دیتے ہیں۔ اس میں نسخ سے مراد پھر تلاوت اور حکم دونوں کا اٹھانا ہوگا۔

③ مَا نُنْسِخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا:
اس میں نُنْسِخْ یعنی مزید فیہ پڑھیں تو یہ ابن عامر کی قراءت ہے۔ معنی یہ ہوگا: ہم آپ ﷺ کو جبرائیل امین کو کسی آیت کے منسوخ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں۔ یہ شاہانہ انداز کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت واختیار اور عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔ اس سے مراد متعدد اللہ تعالیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ آیۃ سے مراد آیت شرعی ہے کیونکہ نسخ اسی آیت میں ہی ہوتا ہے جس میں امر و نہی ہو۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی آیت کو یا اس کے حکم کو جب ہم اٹھاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت یا حکم لاتے ہیں۔

## نسخ کی پہچان اور اہمیت:

ناسخ اور منسوخ کی معرفت فقہاء کرام اصولیین اور مفسرین کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے تاکہ احکام میں اختلاط نہ ہونے پائے، اس کی معرفت حاصل کرنے میں بہت زیادہ اقوال کے ذریعے ترغیب

Marfat.com

دلائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول " وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيْراً " (۱۲) کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مراد ناسخ منسوخ، محکم متشابہ، مقدم موخر اور حرام وحلال کی معرفت ہے۔

## ناسخ اور منسوخ کی پہچان کے ذرائع:

① نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابی رضی اللہ عنہ سے واضح طور پر منقول ہو، جیسے:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الافزوروها۔ (۱۳)

''میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا، تم ان کی زیارت کیا کرو۔''

اس طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو بیئر معونہ والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں انھوں نے فرمایا تھا کہ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا تھا، ہم نے اس کو پڑھا تھا حتیٰ کہ اسے ختم کر دیا گیا۔

② امت نے ان کے ناسخ اور منسوخ ہونے پر اجماع کیا ہو۔

③ تاریخی لحاظ سے متقدم اور متاخر کا علم ہو جائے۔

نسخ کے لیے اجتہاد، مفسرین کے اقوال اور دلائل میں ظاہری تعارض یا کسی راوی کے متاخر الاسلام ہونے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

## نسخ کے بارے میں مختلف آراء اور اس کی موجودگی کے دلائل:

نسخ کے بارے میں لوگوں میں چار گروہ پائے جاتے ہیں:

(۱) یہود: نسخ کے منکر ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اس سے بداء لازم آتا ہے یعنی کسی معاملے کا مخفی ہونے کے بعد ظاہر ہونا، وہ کہتے ہیں یا تو نسخ کسی حکمت کی وجہ سے نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے یہ محال ہے کیونکہ ایسا کرنا بے سود ہوتا ہے یا پھر کسی حکمت کی وجہ سے ہوگا جو پہلے مخفی تھی بعد میں ظاہر ہوئی اور اس سے ایسا بداء لازم آتا ہے، جس سے پہلے جہالت ہو اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے محال ہے۔

لیکن ان کا یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ ناسخ اور منسوخ دونوں کی حکمت اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تجدد ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف کسی مصلحت کی وجہ سے اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اور اپنی بادشاہت میں متصرف مطلق ہونے کی بنا پر منتقل کرتا ہے، جس کا اسے پہلے سے علم ہوتا ہے۔

حالانکہ یہودی خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پہلی شریعت کے لیے ناسخ ہے

Marfat.com

اور تورات کی نصوص میں بھی نسخ موجود ہے، جیسے بہت سارے جانوروں کا حلال ہونے کے باوجود بنی اسرائیل کے لیے حرام ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيْلُ عَلَى نَفْسِهِ﴾(١٤)

''تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے علاوہ اس کے جسے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے لیے حرام قرار دیا تھا۔''

دوسری آیت میں ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ (١٥)

''ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا۔''

تورات میں یہ بھی ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں بہن سے شادی کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دور میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم دینا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے۔ ان کو قتل کرو پھر انھیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(۲) روافض: انھوں نے نسخ کو ثابت کرنے میں بہت غلو سے کام لیا ہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدأ کو بھی جائز سمجھا ہے وہ اس بارے میں یہود کے بالکل برعکس ہیں اور وہ اس کے لیے ایسے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ جن کو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف کذب بیانی کرتے ہوئے منسوب کر رکھا ہے۔

وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ﴾ (١٦)

''اللہ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔''

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا مٹانا اور ثابت کرنا ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ ایسا سمجھنا گمراہی میں غرق ہونے کی علامت ہے اور قرآن کریم میں تحریف ہے، کیونکہ آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو منسوخ کر دیتا ہے جس کا نسخ وہ درست سمجھتا ہے اور اس کے بدلے میں وہ ایسے امر کو ثابت کرتا ہے جس کے اثبات میں مصلحت ہو۔ محو اور اثبات کی موجودگی بہت سارے حالات میں پائی جاتی ہے، جیسے حسنات سے برائیوں کو مٹانا۔

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾(١٧)

''حسنات برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

توبہ کرنے والوں کے کفر اور گناہوں کو توبہ سے مٹانا ان کے ایمان اور اطاعت گزاری کو ثابت رکھنا، نیز

Marfat.com

اس طرح سے کسی امر کا مخفی ہونے کے بعد ظاہر ہونا بھی لازم نہیں آتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ جو اسے اپنی مخلوق سے پہلے ہی حاصل ہے۔

(۳) ابو مسلم الاصفہانی: وہ نسخ کو عقلی طور پر تو جائز سمجھتا ہے، لیکن شرعی طور پر اس کے واقع ہونے کا انکار کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خاص طور پر قرآن کریم میں وہ نسخ کا انکار کرتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

﴿لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾(۱۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کے احکامات کبھی باطل نہیں ہو سکتے۔ اور ناسخ آیات کو تخصیص پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن اس کی تردید کی گئی ہے اور آیت کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب سے پہلے کوئی ایسی کتاب نہیں آئی جو اس کو باطل کرتی ہو اور نہ ہی اس کے بعد ایسی کوئی کتاب آئے گی جو اس کو باطل قرار دے گی۔

(۴) جمہور علماء: ان کے نزدیک نسخ عقلی طور پر جائز ہے اور شرعی طور پر موجود بھی ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے افعال کی غرض و غایت معلوم کرنا ضروری نہیں، اسے یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے، جو چاہے، حکم کرے اور جس وقت چاہے اس کو منسوخ کر دے اسے اپنی مخلوق کی مصلحتوں کا خوب علم ہے۔

(۲) کتاب و سنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے نسخ کا جواز اور ثبوت ملتا ہے۔

(ا) جیسے یہ آیت ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾(۱۹)

''اگر ہم کسی آیت کو منسوخ کریں یا اسے بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں۔''

(ب) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سب سے بڑے قاری اور بڑے قاضی سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور بے شک ہم سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں جب کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے میں اسے نہیں چھوڑتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾(۲۰)

## نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق:

لفظ ''نسخ'' کے استعمال میں علماء متقدمین اور علماء متاخرین کے درمیان اصطلاح کا ایک فرق رہا ہے، جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔

متقدمین کی اصطلاح میں لفظ نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا، اور اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں

Marfat.com

جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں نسخ نہیں کہلاتیں، مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی نسخ کے مفہوم میں داخل تھیں، چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور دوسری میں انھیں کسی خاص صورت سے مخصوص کر دیا گیا ہے، تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکل ختم ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اس کو ختم کر دیا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾(۲۱)

''مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

اس میں مشرک عورتوں کا لفظ ہے، اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب، لیکن ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾(۲۲)

''اور تمھارے لیے حلال ہیں اہل کتاب میں سے باعفت عورتیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں مشرک عورتوں سے مراد وہ مشرک عورتیں تھیں جو اہل کتاب نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے عام الفاظ میں تخصیص پیدا کر دی ہے، اور بتا دیا ہے کہ ان الفاظ سے مراد مخصوص قسم کی مشرک عورتیں ہیں، متقدمین اس کو بھی نسخ کہتے ہیں اور پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک نسخ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں، وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں، جس میں سابقہ حکم کو بالکل ختم کر دیا گیا ہو محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اسے وہ نسخ نہیں کہتے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں متاخرین یہ کہتے ہیں کہ اس میں نسخ نہیں ہوا، کیونکہ اصل حکم (یعنی مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے، صرف اتنا ہوا ہے کہ دوسری آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ پہلی آیت کا مفہوم اتنا عام نہیں تھا کہ اس میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل ہو جائیں، بلکہ وہ صرف غیر اہل کتاب کے ساتھ مخصوص تھی، اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے تھے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔(۲۳)

## نسخ کے مختلف انداز:

قرآن مجید میں سابق حکم کی نسبت کبھی نسخ زیادہ آسان اور نرم حکم سے ہوا۔ اور کبھی پہلے سے بھی زیادہ مشکل حکم میں اور کبھی مساوی نسخ ہوا اور کبھی کسی اور انداز سے۔

Marfat.com

## پہلے سے زیادہ مشکل میں نسخ کی مثال:

روزہ رکھنے یا کھانا کھلا دینے کا اختیار پہلے پہل نازل ہوا:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (٢٤)۔

''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔''

صحیح حدیث میں بھی ہے: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ابتدا روزے کی فرضیت میں انسان کو روزہ رکھنے اور کھانا کھلا دینے کا اختیار دیا گیا پھر یہ اختیار روزہ کی عین فرضیت کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا۔ وہ حکم یہ تھا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (٢٥)

''تو جو بھی تم میں اس رمضان میں موجود ہو وہ اس کا روزہ ضرور رکھے۔''

حکمت اس کی یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کوئی ایسا حکم دینا چاہتے ہیں جس پر عمل کرنا مشکل محسوس ہو تو پہلے اس کی ابتدا ہلکے اور آسان حکم سے کرتے ہیں۔ جب لوگ اس پر عمل سے راحت محسوس کرتے ہیں تو پھر ان کے لیے دوسرا مشکل حکم نازل فرماتے ہیں گو وہ مشکل ہوتا ہے مگر فرمانبرداروں کے لیے اسے قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

## پہلے سے زیادہ آسان حکم:

میدان جنگ میں ڈٹ جانے والوں اور استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِئَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّئَةٌ يَغْلِبُوْا أَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (٢٦)

''اگر تم میں بیس ثابت قدم رکھنے والے ہوں وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ایسے ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے ان ہزار پر غالب آ جائیں جو کافر ہیں کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو نا سمجھ ہے۔''

اس آیت میں صبر کو مشروط کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اگر میدان جنگ میں صبر کرنے والے بیس ہوں تو وہ دو سو مخالفین پر بھی بھاری ہوں گے۔ اور اگر سو ہوں تو ہزار کفار پر۔ اس میں کوئی شک نہیں اس حکم میں مشقت تھی مگر پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر مہربان ہوا اور اس سے زیادہ خفیف حکم نازل فرمایا:

﴿الْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِئَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

Marfat.com

مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ (۲۷)

''اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی ہے اور اسے معلوم ہو چکا ہے کہ تم میں ابھی ضعف ہے۔ پس اب اگر تم میں سو ڈٹ جانے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یہاں صبر و برداشت کا ہونا ضروری ہے کہ ایک مسلمان ڈٹ جائے تو اپنے سے دوگنے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

## پہلے کے مساوی حکم:

قبلہ کی تحویل کا حکم ہے۔ یہ تبدیلی مکلف کے لیے مساوی سی ہے جس میں کوئی جسمانی مشقت بھی نہیں۔

## کوئی اور حکم:

آپ ﷺ سے سرگوشی کے لیے پہلے صدقہ کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم واجب کو منسوخ کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نسخ کا حکم بعض کمزور مسلمانوں کے لیے ایک فتنہ بھی ہوتا ہے یا تو وہ دین میں شک کرنے لگتا ہے یا پھر مرتد ہو جاتا ہے۔ ورنہ نسخ کے عمل میں تو رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی مزید سچائی ثابت ہوتی ہے۔

## مقامات نسخ:

قرآن کریم میں موجود آیات جو عبادات، عقائد، اخلاق اور اخبار پر مبنی ہیں ان میں نسخ نہیں ہوا۔ نسخ صرف ان فروعی احکام میں جن میں امر و نہی ہو واقع ہوا ہے۔ گو نسخ کے بارے میں آپ ﷺ سے کوئی واضح حدیث موجود نہیں۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء امت نے آیات و احادیث کی روشنی میں ہی نسخ کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔

## نسخ کی مثالیں:

قرآن میں پائے جانے والے مقامات نسخ چند درج ذیل ہیں۔ ارشادی باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً﴾ (۲۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول اکرم ﷺ سے سرگوشی کرنے لگو تو پہلے صدقہ دے دیا کرو۔''

Marfat.com

یہ ایک ابتدائی حکم تھا۔ اس حکم کو اگلی آیت نے نسخ کر دیا۔

"ءَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾(۲۹)

"کیا تم ڈر گئے کہ تم کو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا پڑے گا۔ پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ تم پر مہربان ہوا تو نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾(۳۰)

"جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ مال چھوڑے تو اسے چاہیے کہ والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کر جائے، یہ حق ہے متقیوں پر۔"

اس ابتدائی حکم کو آیات میراث نے منسوخ کر دیا۔

﴿يُوصِيْكُمُ اللَّهُ فِىْ أَوْلَادِكُمْ﴾(۳۱)

"اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔"

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد: لا وصية لوارث نے مزید اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اس آیت میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ خیال ہے کہ اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی ایسا مالدار آدمی فوت ہو جائے جس کے والدین اور ایک غریب سگا بھائی ہے۔ والدین تو از روئے شریعت اپنا حصہ لیتے ہیں مگر بھائی کے لیے والد حجب بنتے ہیں اور بھائی محروم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں میت اپنے بھائی کے لیے شریعت کے مطابق وصیت کر سکتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَاللاَّتِىْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِىْ الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً﴾(۳۲)

"تمھاری عورتوں میں سے جو فحش کا ارتکاب کریں تو ان کے خلاف اپنوں میں سے چار گواہ مانگو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں روک لو یہاں تک انھیں موت فوت کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ بنا دے۔"

Marfat.com

ابتدا اسلام میں جس عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہو جاتا تو اس آیت میں اسے موت تک گھروں میں قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ۶ھ/۶۲۷ء میں سورۃ نور کی آیات اترنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾(۳۳)

''زانی عورت اور زانی مرد ان میں ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اللہ کے اس قانون کے بارے میں تمھارے دل میں ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم واقعی اللہ پر اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ ان کی سزا کے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ بھی حاضر ہو۔''

آپ ﷺ نے بھی لھن سبیلاً کا انتظار کیا حتی کہ آپ پر وحی خفی کے ذریعہ اس مسئلہ کو واضح کر دیا گیا۔

خذوا عني، قد جعل الله لهن سبيلا، الثيب بالثيب والبكر بالبكر، الثيب جلد مائة ثم رجما بالحجارة، والبكر جلد مائة ثم نفي سنة (۳۴)

''اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق بدکار مرد و عورت کی سزا مستقل کر دی گئی ہے وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ ہے شادی شدہ مرد و عورت کے لیے سو کوڑے اور سنگ ساری یعنی رجم کے ذریعے مار دینا ہے اور کنوارے مرد و عورت کے لیے سو کوڑے ایک سال کا دیس نکالا۔''

## نسخ اور بدا میں فرق:

بداء کا مطلب چھپنے کے بعد ظاہر ہونا کے ہیں یعنی ایسی رائے کا پیدا ہونا جو پہلے موجود نہ تھی۔ کچھ لوگوں نے نسخ کا انکار کرتے ہوئے اسے بدا کا مترادف قرار دیا۔ یہ عقیدہ انتہائی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ایک ایسی رائے سوجھے جو اسے پہلے معلوم نہ تھی۔ یا کوئی چیز اس پر اچانک منکشف ہو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾(۳۵)

''وہی ہے سب سے پہلے اور سب سے آخر۔''

﴿كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (۳۶)

''سب کچھ کتاب مبین میں درج ہے''

﴿لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ﴾ (۳۷)

''اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے۔''

﴿وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ (۳۸)

Marfat.com

''اللہ کا طریقہ پھر نہیں سکتا۔''

﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ (۳۹)

''وہ تو بحر و بر میں جو کچھ ہے سب کچھ جانتا ہے۔''

زرقانی رحمہ اللہ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دے کر پرانا حکم منسوخ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے کوئی نئی بات سوجھی جو پہلے معلوم نہ تھی۔ بخلاف ازیں اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے بلکہ اس حکم کو مشروع قرار دینے سے پہلے ناسخ و منسوخ کا علم تھا۔'' (۴۰)

ڈاکٹر صبحی صالح رحمہ اللہ اس رائے پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مخلوقات اور ارض و سماء کو پیدا کرنے سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ اس سے آشنا تھا۔ (۴۱)

## نسخ کی شرائط:

علماء تفسیر و حدیث نے نسخ کے لیے درج ذیل شرائط بیان کی ہیں:

① منسوخ کی جانے والی چیز شرعی حکم ہو کوئی قصہ یا کہانی نہ ہو۔

② جس دلیل سے حکم شرعی کو اٹھایا جائے وہ بھی شرعی ہو۔

③ دلیل شرعی زمانے کے اعتبار سے حکم شرعی کے بعد ہو۔

④ حکم شرعی اور دلیل شرعی کے درمیان تعارض یعنی تضاد ہو۔

⑤ نسخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوا ہو۔

مندرجہ بالا شرائط کی روشنی میں نسخ کے اطلاق کا اصول سامنے آتا ہے کہ:

نسخ کا اصول نہ نظری معاملات اور عقائد میں لاگو ہوتا ہے اور نہ ہی خبر میں، نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام پہلے ایک عقیدے کا پرچار کرے، پھر اس کی جگہ دوسرا عقیدہ پیش کر دے اور کہے کہ پہلا عقیدہ منسوخ ہو گیا ہے اور نہ ہی نسخ کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم پہلے ایک حقیقت خبر کو بیان کرے اور پھر اس کو منسوخ قرار دے دیں، نسخ کا قاعدہ تو صرف عملی احکام میں لاگو ہوتا ہے اور وہاں بھی چند شرائط کے ساتھ:

والنسخ لا يكون فى جميع الاحكام بل فى الاحكام الشرعية التكليفية الجزئية التى، تحتمل الوجود والعدم، اى تحتمل كونها مشروعة او غير مشروعة فى نفسها فى زمن النبوة بمعنىٰ ان مصلحتها تتغير فتكون فى وقت نافعة وفى آخر ضارة(٤٢)

''نسخ کا قاعدہ تمام احکام میں لاگو نہیں ہوتا بلکہ اس کا اطلاق شریعت کے احکام تکلیفیہ جزئیہ میں ہوتا

Marfat.com

ہے، جن میں وجود اور عدم دونوں کا احتمال ہو، یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کے نافذ العمل ہونے اور نہ ہونے کے دونوں احتمال موجود ہوں کیونکہ وہ اس قسم کے احکام ہیں جن کی مصلحت بدلتی رہتی ہے، وہ کسی وقت مفید ہوتے ہیں اور کسی وقت مضر۔"

اس توضیح کے پیش نظر مندرجہ ذیل احکام نسخ کے دائرے سے خارج ہیں:

① وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہو، مثلاً: اللہ تعالیٰ، رسولوں پر، فرشتوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان۔

② ایسے احکام جو نیکی اور فضیلت کی بنیاد ہیں، مثلاً عدل وانصاف، صداقت وامانت، والدین سے حسن سلوک وغیرہ۔

③ شریعت کے احکام کلیہ اور اصول عامہ جیسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ۔

④ ایسے احکام جن کی مشروعیت کا احتمال نہ ہو، جیسے کفر اور رذائل مثلاً: ظلم، جھوٹ، خیانت وغیرہ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی قباحت کبھی بدل نہیں سکتی۔

⑤ ایسے احکام جن کے ساتھ کوئی ایسی چیز ملحق ہو جو نسخ کے منافی ہو، مثلاً رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت کا مسئلہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا﴾(٤٣)

"اور تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ تعالیٰ کے رسول کو اور تمھیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔"

اس آیت کریمہ میں لفظ "ابداً" کے ساتھ یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ زوجات رسول اللہ ﷺ سے نکاح ابدی طور پر حرام ہے، اس حکم کو ابدی قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے عمدہ اور مفید ہے کیونکہ اگر اس میں نسخ کا امکان ہو تو وہ اس حکم پر ابدی طور پر مفید ہونے کے خلاف ہوگا۔

⑥ ایسے احکام جن کا رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں منسوخ ہونا کسی طریقے سے ثابت نہیں، ایسے احکام بھی ابدی ہیں اور نسخ کو قبول نہیں کرتے کیونکہ نسخ کے لیے قول رسول ضروری ہے اور حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آپ ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ (۴۴)

## نسخ کی شرائط:

نسخ کے قاعدہ کو موثر ہونے کے لیے چند شرائط ہیں، ہم یہاں پر وہ شرائط ذکر کرتے ہیں جن پر علماء امت کا اتفاق ہے، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو نسخ کا قاعدہ بالاجماع لاگو نہیں ہوگا:

منسوخ ہونے والا حکم شریعت کا ایسا جزئی اور عملی حکم ہو جو قرآن کریم اور سنت نبوی سے ثابت ہو اور اس

Marfat.com

حکم کے ساتھ نہ تو ابدیت کی شرط ہو اور نہ ہی اس کی مدت متعین ہو، اور ساتھ ہی منسوخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نزول میں ناسخ سے مقدم ہو۔

ناسخ قرآن کریم کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی قولی یا فعلی سنت ہو جو منسوخ سے متاخر ہو۔ (۴۵)

## حکمت نسخ:

اللہ تعالیٰ کی نگاہ قدرت سے نہ حال پوشیدہ ہے اور نہ مستقبل۔ یہ بات اس کے لامحدود علم میں ہے کہ کون سے حکم کی افادیت کس وقت تک قائم رہے گی اور کب اس کی جگہ دوسرا حکم زیادہ مفید ثابت ہوگا، یہاں بعض لوگ یہ وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ قرآن کریم کی بعض آیات دوسری آیات کو منسوخ کر دیتی ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ پہلا حکم نازل کرتے وقت (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ حکم مفید ہے اور جب تجربے کے ذریعے اس پر غیر مفید ہونے کا علم ہوا تو دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، یہ صرف ایک وسوسہ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ طبیب اپنے مریض کا علاج مرحلہ وار کرتا ہے، پہلے مرحلے پر وہ جو علاج تجویز کرتا ہے وہ اس مرحلے کے لیے مفید ہوتا ہے، لیکن اسی علاج کو مستقل کر دینا نہ طبابت ہے اور نہ عقلمندی، طبیب ہر مرحلے کے بعد علاج کو تبدیل کرے گا اور یہی حکمت ہے۔

اب اگر کوئی فلسفی مزاج مریض، طبیب کی طرف سے نسخے میں تبدیلی پر یہ اعتراض کر دے کہ جناب طبیب، پہلے آپ نے یہ علاج تجویز کیوں نہ کیا تھا، کیا اس وقت آپ کو اس بات کا علم نہ تھا، جواب آپ کے نوٹس میں آئی ہے تو ایسا مریض کسی طبیب کے علاج سے صحت یاب کیسے ہوگا؟

علماء کرام کے مطابق، قرآن مجید میں پائے جانے والے نسخ کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً:

- شریعت دیتے وقت تدریج کا اصول سامنے رکھا گیا تا کہ لوگ معاشرتی رسم و رواج، اکابر کی تقلید کو آہستہ آہستہ ختم کر کے پیار و محبت سے دینی احکام کو سمجھیں اور انھیں قبول کر لیں۔ نیز عام مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کو بھی سامنے رکھا گیا۔ مثلاً: تحویل قبلہ میں حکمت یہ بتائی گئی کہ یہ سب کچھ بطور امتحان تھا کہ وہ الٰہی حکم کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ بڑی حکمت یہ بھی پوشیدہ تھی کہ جب مسلمانوں کے دلوں میں مسجد اقصیٰ اور ارض شام کی محبت و عقیدت سرایت کر گئی تو پھر تین مساجد کو ہی باہم مربوط کر کے باور کرا دیا گیا کہ امت محمدیہ ہی نبوت کی وارث اور مقدس مقامات کی رکھوالی کرنے والی ہے۔
- بعض سیاسی حالات کا تقاضا تھا۔ مثلاً: مکی دور میں مسلمان سیاسی طور پر کمزور تھے تو جہاد سے روکا گیا اور صبر کا حکم دیا گیا۔ لیکن جب مدینہ میں حالات بہتر ہو گئے تو پہلے حکم کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دیا گیا۔
- طوالت سے بچنے کے لیے تلاوت کو منسوخ کر کے حکم کو باقی رکھا گیا مثلاً: حکم رضاعت پر قرآنی آیات کی منسوخی مگر حکم باقی۔

Marfat.com

- کسی حکم کو منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم لایا جاتا تھا۔ مثلاً: شراب کی حرمت وغیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جب بھی نسخ کرے گا تو یا تو اس سے بہتر حکم عطا کرے گا یا اس جیسا جو بالکل سچا ہے۔
- بعض احکامات کی تلاوت منسوخ کر کے حکم باقی رہنے دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حکم بہت گراں اور سخت ہوتا تھا۔ مثلاً: "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله۔" (بوڑھا مرد اور عورت جب دونوں زنا کریں تو انھیں بالکل رجم کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عبرتناک سزا ہے)۔ میں رجم کا لفظ بعض طبیعتوں پر گراں تھا مگر تحویل قبلہ کی طرح یہ بھی امتحان بنا دیا گیا کہ من يتبع الرسول؟ کون رسول کی اطاعت کرتا ہے؟

## آیات منسوخہ کی تعداد:

متقدمین میں سے بعض نے قریباً پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دے دیا لیکن بعد میں نسخ کی تعریف میں فرق کی بنا پر انھیں کم کر دیا گیا۔ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق نسخ صرف انیس آیات میں ہوا۔ (۴۶)۔ ڈاکٹر صبحی صالح رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی تعداد صرف دس ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ منسوخ آیات کی تعداد میں یہ فرق، پہلے اور بعد کے علماء میں نسخ کی اصطلاحی تعریف میں فرق کی وجہ سے ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق لکھا ہے کہ پورے قرآن میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں (۴۷)۔ پھر آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ان انیس آیتوں پر مفصل تبصرہ کر کے صرف پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے، اور باقی آیات میں ان تفسیروں کو ترجیح دی ہے جن کے مطابق انھیں منسوخ ماننا نہیں پڑتا، ان میں سے اکثر آیتوں کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہات نہایت معقول اور قابل قبول ہیں، لیکن بعض توجیہات سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے، بہر حال! جن پانچ آیتوں کو انھوں نے منسوخ تسلیم کیا ہے وہ یہ ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾(۴۸)

"تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آ جائے وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے، یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے۔"

یہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اور اس میں ہر شخص کے ذمہ یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکہ کے بارے میں وصیت کر کے جائے کہ اس کے والدین یا دوسرے رشتہ داروں کو کتنا کتنا مال تقسیم کیا جائے؟ بعد میں آیت میراث یعنی "يوصيكم الله في اولادكم"

Marfat.com

نے اس کو منسوخ کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکہ کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود متعین کر دیا، اب کسی شخص پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔

۲۔ سورہ انفال میں ارشاد ہے:

﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفاً مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ﴾ (۴۹)

"اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔"

یہ آیت اگرچہ بظاہر ایک خبر ہے، لیکن معنیٰ کے لحاظ سے ایک حکم ہے، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا زائد دشمن سے قلت کی بناء پر مقابلہ سے ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ ثابت قدمی سے ڈٹ جائیں، یہ حکم اگلی آیت کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا:

﴿الآنَ خَفَّفَ اللّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفاً فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُواْ أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّهِ وَاللّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (۵۰)

"لو اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اس کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری ہے، لہٰذا (اب حکم یہ ہے کہ) اگر تمہارے ثابت قدم رہنے والے سو آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے ایک ہزار آدمی ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں تخفیف پیدا کر دی، اور دس گنے دشمن کے بجائے دو گنے کی حد مقرر کر دی، کہ اس حد تک راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔

۳۔ تیسری آیت جسے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے منسوخ قرار دیا ہے، سورہ احزاب کی یہ آیت ہے:

﴿لاَ يَحِلُّ لَكَ النِّسَاء مِن بَعْدُ وَلاَ أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ (۵۱)

"اس کے بعد دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال نہیں ہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بدلے کوئی دوسری بیویاں لے آؤ چاہے ان کی خوبی تمہیں پسند آئی ہو۔"

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے منع فرما دیا گیا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اور اس کی ناسخ آیت وہ ہے جو قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں مذکورہ بالا آیت سے پہلے مذکور ہے، یعنی:

Marfat.com

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ﴾ (٥٢)
''اے نبی ﷺ! ہم نے تمھارے لیے تمھاری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کو تم نے ان کا مہر ادا کر دیا ہے۔''

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعہ سابقہ ممانعت منسوخ ہوگئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں نسخ یقینی نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی بڑی حد تک بے تکلف اور سادہ ہے، جو حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے، یعنی یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی نازل ہوئی ہیں: ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ ۔۔الخ'' والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ نکاح آپ ﷺ کے لیے حلال ہے، پھر اگلی آیت لا یحل لك النساء من بعد میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپ ﷺ کے حلال نہیں۔ (۵۳)

۴۔ چوتھی آیت جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک منسوخ ہے، سورہ مجادلہ کی یہ آیت:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (٥٤)

''اے ایمان والو! جب تم رسول ﷺ سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو، یہ طریقہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور زیادہ ستھرا طریقہ ہے، ہاں اگر تمھارے پاس (صدقہ کرنے کے لیے) کچھ نہ ہو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔''

یہ آیت اگلی آیت سے منسوخ ہوگئی:

﴿أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (٥٥)

''کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی تنہائی کی بات سے پہلے صدقات دیا کرو؟ اب جبکہ تم ایسا نہیں کر سکے، اور اللہ نے تمھیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرتے رہو، اور زکوۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔''

اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم منسوخ کر دیا گیا:

۵۔ پانچویں آیت سورہ مزمل کی مندرجہ ذیل آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نصفه او انقص منه قليلا﴾ (٥٦)

Marfat.com

”اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لیے)
کھڑے ہو جایا کرو، رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم کرلو۔“

اس آیت میں رات کے کم از کم آدھے حصہ میں تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں اگلی آیتوں نے اس میں آسانی پیدا کر کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا، وہ آیتیں یہ ہیں:

﴿عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (۵۷)

”اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس کا ٹھیک حساب نہیں رکھ سکو گے، اس لیے اس نے تم پر عنایت فرمادی ہے، اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔“

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب تو پہلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید بھی کم ہو گئی، اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

یہ ہیں وہ پانچ آیتیں جن میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق نسخ ہوا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ یہ پانچ مثالیں صرف اس صورت کی ہیں جس میں ناسخ اور منسوخ دونوں قرآن کریم کے اندر موجود ہیں، اور اس کے علاوہ ایسی مثالیں قرآن کریم میں باتفاق بہت سی ہیں جن میں ناسخ تو قرآن میں موجود ہے، لیکن منسوخ موجود نہیں مثلاً تحویل قبلہ کی آیات وغیرہ۔

## نسخ کی اقسام:

### ۱۔ نسخ قرآن از قرآن:

علماء ایسے نسخ کے جائز ہونے اور واقع ہونے کے قائل ہیں۔ مثلاً ”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً“ (۵۸) نے منسوخ کر دیا۔ قرآن مجید میں اس قسم کے نسخ تین طرح کے ہیں۔

- **تلاوت وحکم دونوں منسوخ:**

وہ نسخ جس میں تلاوت وحکم دونوں منسوخ ہو گئے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان فيما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفى رسول الله ﷺ وهن فيما يقرأ من القرآن (۵۹)۔

”قرآن میں یہ حکم اترا تھا کہ دس بار دودھ چوسنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے پھر حکم منسوخ ہو گیا اور یہ پڑھا گیا کہ پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کا سبب ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت یہ قرآن میں پڑھا جاتا تھا۔“

Marfat.com

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دس رضاعت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور تلاوت بھی محو کر دی گئی اور جہاں تک پانچ رضاعت کا تعلق ہے تو اس کی تلاوت نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانے میں منسوخ ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا حکم باقی ہے جو آپ ﷺ نے حدیث کے ذریعے امت پر واضح کر دیا۔ یا جو اسے پڑھتے تھے انھیں اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جن الفاظ اور ان کے احکام تک کو اٹھا لیا گیا تو ان پر عمل کرنا یا تلاوت کرنا بے اثر تھا اس لیے لفظی و حکمی دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیں۔

- **حکم منسوخ تلاوت موجود:**

اس سے مراد وہ نسخ ہے جس میں حکم اٹھ گیا لیکن تلاوت ابھی باقی ہے۔ مثلاً:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (۶۰)

''اور جو لوگ اس (روزے) کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو فدیہ کے طور پر کھانا کھلا دیں۔''

یہ حکم ابتدائی حکم تھا اور سہولت کی خاطر دیا گیا تھا کہ وہ نو مسلم جو روزہ رکھنے کے عادی نہیں، انھیں آسانی ہو۔ یہ حکم تقریباً ایک سال تک نافذ رہا۔ پھر اس آیت کو منسوخ کر کے اس سے اگلی آیت میں یہ حکم دیا گیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۶۱)

''تو جو بھی اس ماہ میں موجود ہو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔''

ابتدائی حکم منسوخ ہونے کے باوجود اس کی تلاوت ابھی تک موجود ہے۔

- **تلاوت منسوخ حکم موجود:**

وہ نسخ جس میں حکم تو ابھی موجود ہے لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی۔ مثلاً: موطا امام مالک اور صحیح مسلم: کتاب الحدود: ۸ میں آیت رجم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

قال عمر رضی اللہ عنہ ایاکم ان تھلکوا من آیة الرجم أن یقول قائل: لا نجد حدین فی کتاب اللہ۔۔۔ اذا زنیا فارجموھما البتة ، فانا قد قرأناھا۔

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کوئی شخص آیت رجم کو یہ کہہ کر نہ چھوڑ دے کہ کتاب اللہ میں (زنا کے بارے میں) دو قسم کی سزائیں نہیں ملتیں۔ کیونکہ خود رسول ﷺ نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس کو ضرور قرآن میں لکھ دیتا۔ وہ آیت یہ ہے۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو۔ کیونکہ ہم نے اس حکم کو (قرآن میں) پڑھا ہے۔''

حدود میں رجم سے متعلق یہ حکم موجود ہے۔ لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہے۔ صحیح بخاری میں اس موضوع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے کے یہ الفاظ ہیں: '' قد قرأناھا عقلنا ھا ووعینا ھا'' جو آیت رجم آپ ﷺ پر

Marfat.com

اتری تھی ہم نے اس کو پڑھا، سمجھا اور اچھی طرح یاد کیا۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ عام کو سننے والے بے شمار جلیل القدر صحابہ تھے۔ کسی نے ان کی اس وضاحت پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح یہ حدیث صحابہ کے دور میں بھی اور بعد میں بھی متواتر ٹھہری۔

## ۲۔ نسخ قرآن از سنت:

اس کی دو اقسام ہیں:

- **نسخ قرآن از سنت احادیہ:**

جمہور علماء اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ قرآن متواتر اور یقین کا فائدہ دیتا ہے اور سنت آحادی (خبر واحد) ظنی ہوا کرتی ہے اس لیے اس سے حتمی یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ (٦٢)۔

علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے: " ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه ، فلا وصية لوارث" (۶۳) جب کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت، آیت موارث سے منسوخ ہوئی ہے جیسا کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ بتا رہا ہے۔

- **نسخ قرآن از سنت متواترہ:**

آئمہ فقہاء اربعہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا باقی سب نے ایک روایت کے مطابق اس بات کو یہ کہتے ہوئے مان لیا ہے کہ سنت بھی وحی ہے جیسے سورۃ النجم میں ہے: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ٥ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى" (۶۴) اور سورۃ النحل میں ہے "بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" (٦٥) اور نسخ بھی بیان کی ایک قسم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے یہ کہتے ہوئے ناجائز کہا ہے۔ " مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا" (٦٦) (اور سنت قرآن کے مثل نہ خیر ہے اور نہ اس کی مانند ہے)۔ اس کا جواب بھی علما نے یہ دیا ہے کہ اس خیر سے مراد فضل ہے نہ کہ وجوب اتباع اور احکام پر دلالت ہے۔ ورنہ سنت پر عمل تو اسی طرح واجب ہے جیسے قرآن پر۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾ (٦٧)

محصن کو کوڑے مارنا تو رجم سے منسوخ ہوگیا جیسا کہ سنت متواترہ سے ثابت ہے یا بقول بعض یہ محصن کے لیے تخصیص ہے نسخ نہیں کیونکہ کوئی اور مثال اس کی ملتی نہیں۔ نسخ کی یہ نوع عقلاً جائز ہے خواہ یہ قرآن میں بھی مذکور نہ ہو۔

Marfat.com

## ۳۔ نسخ سنت از قرآن:

جمہور اسے جائز سمجھتے ہیں اس کی مثال بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنا ہے جو سنت سے ثابت تھا مگر اس آیت نے منسوخ کر دیا" فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام" (۶۸) اسی طرح عاشورا کا روزہ سنت سے ثابت تھا جسے اس آیت نے " فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ". (۶۹) منسوخ کر دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ ایک روایت کے مطابق اس کے قائل نہیں کہ قرآن، سنت کو یا سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ وہ فرماتے ہیں: جہاں قرآن نے سنت کو منسوخ کیا ہے، وہاں قرآن خود سنت کا نگران بن گیا اور جہاں سنت نے قرآن کو منسوخ کیا وہاں سنت خود قرآن کی محافظ بن گئی۔ یہ اس لیے ہوتا کہ قرآن وسنت کے مابین موافقت ظاہر ہو۔ (۷۰)

امام زرکشی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ کتاب وسنت آپس میں مختلف نہیں ہاں ان دونوں میں ہر ایک اپنے جیسا ایک ناسخ ضرور رکھتا ہے۔ اس طرح قرآن وسنت ایک دوسرے کے محافظ بھی ہیں اور ان میں کلی موافقت بھی ہے یہی ان کی عظمت شان ہے۔ (۷۱)

## ۴۔ سنت کا نسخ سنت سے:

اس کی اقسام ہیں:

- متواتر کا نسخ متواتر سے
- آحاد کا نسخ آحاد سے
- آحاد کا نسخ متواتر سے

یہ تینوں اقسام علماء جمہور کے نزدیک جائز ہیں۔

- متواتر کا نسخ آحاد سے:

اس میں ویسا اختلاف ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ نسخ قرآن از آحاد میں تھا اور جمہور علماء نے اس سے روکا ہے اور نہ ہی اجازت دی ہے۔ باقی اجماع یا قیاس میں نسخ یا دونوں میں نسخ۔ اس بارے میں درست بات یہی ہے کہ یہ جائز نہیں۔

اس بارے میں درج ذیل علماء کی کتب معروف ہیں: قتادہ بن دعامہ السدوسی رحمہ اللہ (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء)، ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (م ۲۲۴ھ/۸۳۸ء)، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث (م ۲۷۵ھ/۸۸۸ء)، مکی بن ابی طالب حموش بن محمد بن مختار القیسی رحمہ اللہ (م ۳۱۳ھ/۹۲۵ء)، ابوبکر محمد بن القاسم بن محمد المعروف ابن الانباری رحمہ اللہ (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء)، ابوجعفر النحاس احمد بن محمد بن اسماعیل المرادی رحمہ اللہ (م ۳۳۸ھ/۹۴۹ء)، ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن سلامہ ابونصر رحمہ اللہ (م ۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء)، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد المعروف ابن العربی رحمہ اللہ (م ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء)، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) (۷۲)۔

Marfat.com

# مضامین قرآن

قرآن کریم کے مضامین چار بڑے عنوانات پر منقسم ہیں، اور قرآن کریم کی ہر آیت ان میں سے کسی ایک عنوان کے تحت ضرور آتی ہے:

① عقائد ② احکام ③ قصص ④ امثال

## عقائد (ایجابی پہلو):

قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین عقائد کو ثابت کیا گیا ہے، توحید، رسالت، اور آخرت۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان کائنات کے ذرے ذرے کو صرف ایک ذات کی مخلوق سمجھے، اسی کو پوجے، اسی کو چاہے، اسی سے ڈرے، اسی سے مانگے اور دل میں یہ یقین رکھے کہ اس بیکراں کائنات کا ہر ذرہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اور کوئی دوسرا اس کی توفیق کے بغیر اسے ادھر سے ادھر ہلا بھی نہیں سکتا۔

رسالت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے تمام پیش رو پیغمبروں کو خدا کا سچا رسول سمجھے، جس بات کو وہ حق کہیں اسے حق سمجھے، اور جو بات ان کے نزدیک باطل ہو اسے باطل ٹھہرائے۔

آخرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک ایسی زندگی پر ایمان رکھے، جو ابدی ہوگی اور اسی میں ہر شخص کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جو اس نے اپنی دنیوی زندگی میں کیے ہیں اگر اس نے اچھے کام کیے ہوں گے تو وہ جنت کی سرمدی نعمتوں کا حق دار ہوگا، اور اگر اس نے برے کام کر کے اپنی دنیوی عمر کو ضائع کیا ہے تو وہ دوزخ کے دائمی عذاب کا مستحق ہوگا۔

ان تین بنیادی عقائد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم نے انواع واقسام کے دلائل ذکر کیے ہیں، عقلی طور پر دلائل کی چار قسمیں ہیں، کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے یا تو انسان کسی ایسی اتھارٹی کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے مخالف کے نزدیک بھی واجب التسلیم ہو، یہ دلیل نقلی ہوتی ہے، یا پھر وہ منطقی انداز سے اپنے دعوے پر دلیل لاتا ہے یہ منطقی دلیل ہے، یا وہ اپنے مخالف کو ایسی چیزیں دکھاتا ہے جس سے ہر انسان اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے جہاں مدعی پہنچا ہے، یہ مشاہداتی دلیل ہوتی ہے یا پھر وہ اپنے نقطہ نظر کو درست ٹھہرانے کے لیے دنیا کے سابقہ واقعات کی

Marfat.com

طرف توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو ماضی میں میرے نظریئے کے مطابق عمل کیا گیا تھا تو دنیا نے فلاح پائی تھی، اور فلاں قوم نے اس نظریئے کے خلاف عمل کیا تھا تو وہ تباہ ہوگئی تھی، ایسی دلیل کو تجرباتی یا استقرائی دلیل کہا جاتا ہے۔

## عقائد (سلبی پہلو):

مندرجہ بالا عقائد کو ثابت کرنے کے علاوہ قرآن کریم نے انسانوں کے عقائد و اعمال کی بہت سی گمراہیوں کو رد کیا ہے، اور اس گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کے مختلف شبہات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، اس مضمون کی آیتوں کو اصول تفسیر کی اصلاح میں ''آیات مخاصمہ'' کہتے ہیں۔

اس قسم کی آیتوں میں چار قسم کے گمراہ انسانوں کا رد کیا گیا ہے:

(۱) بت پرست مشرکین (۲) نصرانی (۳) یہودی (۴) منافقین

## بت پرست مشرکین:

بت پرست مشرکین کی گمراہیاں پانچ اقسام کی تھیں:

(۱) ''شرک'' وہ باری تعالیٰ کی مخصوص صفات میں بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، مگر جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنی حکومت کے مختلف انتظامات مختلف آدمیوں کو سونپ دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حیثیت بھی (معاذ اللہ) ایک ایسے بادشاہ کی سی ہے جو کائنات پر کنٹرول کرتا ہے، مگر رزق وغیرہ جزوی شعبے اس نے بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں اور اب ان میں سے اس کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا ان شعبوں سے متعلق سوال بھی بتوں ہی سے کرنا چاہیے، اور ان کی عبادت کر کے انھیں خوش رکھنا چاہیے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کرتے رہیں، قرآن کریم نے ان کا یہ عقیدہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (۷۳)

''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔''

بت پرستی کی یہ گمراہی ان لوگوں میں سب سے پہلے عمرو بن لحی نامی ایک شخص نے پھیلائی تھی اور اس میں شبانہ روز ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت وہ تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

قرآن کریم نے ان کی اس گمراہی کا مختلف طریقوں سے رد فرمایا ہے، کہیں ان سے دلیل کا مطالبہ کیا کہ آخر کس نے تمھارے کان میں آکر تم سے یہ باتیں کہہ دیں ہیں کہ جن پر بے سوچے سمجھے عمل کیے جاتے ہو، اور انھیں چھوڑنے کا نام نہیں لیتے، کہیں یہ ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کا ارادہ ہی بڑی سے بڑی چیز کو عدم کے پردوں سے نکال کر وجود کے اسٹیج پر لا کھڑا کر دیتا ہے، پھر اسے اپنی سلطنت کے انتظام میں دوسروں کی مدد کی کیا حاجت ہے؟ کہیں انھیں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ جو پتھر کل تک لوگوں کی ٹھوکروں میں پڑا تھا وہ آج

Marfat.com

ہتھوڑے کی ضرب کھا کر خدا کیسے بن گیا؟ صرف ''لات'' یا ہبل' نام رکھ لینے سے اس میں رزق دینے اور مصیبتیں دور کرنے کی صلاحیت کہاں سے آ گئی؟

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ﴾(۷۴)

''ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے حق میں کوئی ثبوت نازل نہیں کیا۔''

(۲) بت پرستوں کی دوسری گمراہی ''تشبیہ'' تھی، یعنی وہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کر کے مجسم (معاذ اللہ) بیوی بچوں والا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں قرآن کریم نے ان کی اس گمراہی کا رد دو طرح فرمایا، ایک تو کلیۃ اللہ سے اولاد کی نفی کر کے:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾(۷۵)

''نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔''

دوسرے خاص طور سے لڑکیوں کی نفی کر کے، کہ ذرا اپنی عقلمندی تو ملاحظہ کرو کہ تم بیٹیوں کا وجود اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے ہو، اور پھر جس ذات کو پوری کائنات کا پروردگار مانتے ہو اس کے لیے بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو:

﴿أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾(۷۶)

''کیا اللہ کے حصے میں تو بیٹیاں ہیں، اور بیٹے تمھارے حصے میں آئے ہیں؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں طے کر لیتے ہو؟''

(۳) ان کی تیسری گمراہی ''تحریف'' تھی، یعنی وہ اپنے آپ کو دین ابراہیم علیہ السلام کا پیرو سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم ٹھیک ان کے طریقے پر ہیں۔ مگر بہت سے جزوی احکام وقوانین بھی انھوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیے تھے، ننگے ہو کر طواف کرنا، نماز کی بجائے سیٹیاں اور تالیاں بجانا، مہینوں کو آگے پیچھے کر لینا، کہ جنگ کرتے کرتے کوئی ''شہر حرام'' آ جاتا تو وہ کہتے کہ اب کے یہ مہینہ دو مہینے تک چلے گا، باری تعالیٰ نے جا بجا ان کی لغویتوں کو ظاہر کیا ہے، اور مسلمانوں کو ایسی واہیات باتوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾(۷۷)

''اے آدم کے بیٹو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ۔''

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾(۷۸)

''اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

Marfat.com

﴿إِنَّمَا النَّسِيْءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾(۷۹)

''اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے۔''

(۴) ان کی چوتھی گمراہی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو رسول خدا تسلیم نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمارے جیسا چلنے پھرنے اور کھانے پینے والا انسان پیغمبر کیسے ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم نے جا بجا ان کی اس گمراہی کا رد فرمایا، اور سمجھایا کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں، اور ہمیشہ سے انبیاء انسانوں ہی میں سے آئے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِم﴾(۸۰)

''اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی مرد ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم وحی نازل کر دیتے تھے۔''

(۵) ان کی پانچویں گمراہی ''انکار آخرت'' تھی کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے، قرآن کریم نے ان کا مختلف دلنشین اسالیب سے رد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى﴾ (۸۱)

''کیا ان کو یہ سمجھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کو پیدا کرنے سے اس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟''

## یہودی:

قرآن کریم نے یہودیوں کا رد بھی فرمایا ہے، یہ لوگ اپنی گمراہیوں میں سے حد سے بڑھے ہوئے تھے، بت پرست مشرکین میں جو گمراہیاں تھیں وہ (سوائے انکار آخرت کے) سب ان میں بدرجہ اکمل موجود تھیں، کہنے کو تو یہ لوگ اپنے آپ کو ''تورات'' کا پیرو کہتے تھے، مگر درحقیقت یہ اس کے پیرو نہ تھے، تورات تو خود ہی ان کے رحم و کرم پر تھی، اس میں جس طرح ان کا دل چاہتا تھا تصرف کرتے تھے، تورات میں ان کا تصرف تین قسم کا تھا۔

(۱) تحریف لفظی:

یہ لوگ تورات کی آیتوں کا غلط ترجمہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔

(۲) تحریف معنوی:

تورات کی آیتوں کا اپنی طرف سے گھڑ کر مطلب بیان کرتے اور اسی پر دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:

ہر نبی کی امت میں یہ بات معروف ومشہور رہی ہے کہ کافر اور فاسق ایک چیز نہیں، بلکہ دونوں اپنی

Marfat.com

حقیقت کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں اور دونوں کا انجام بھی مختلف ہے، کافر وہ ہے جو دین فطرت کے بنیادی حقائق مثلاً توحید، آخرت اور رسالت پر ایمان نہ رکھتا ہو، ایسا شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب جہنم کا مستحق ہوتا ہے، اور فاسق وہ ہے جو ان بنیادی چیزوں پر ایمان رکھنے کے باوجود عمل اور کردار کے اعتبار سے اپنے آپ کو دین فطرت کے مطابق نہ بنا سکا ہو، اور ان چیزوں کا ارتکاب کرتا رہتا ہو جو دین فطرت نے شدت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہیں، ایسا شخص دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں چلا جائے گا، تورات میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا تھا کہ جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہے وہ جنت کا مستحق ضرور ہے اور اگر دوزخ میں جائے گا بھی تو عارضی طور پر، اس کا مطلب یہی تھا کہ جو شخص دین فطرت کے بنیادی تصورات سے متفق ہوتے ہوئے اپنے زمانے کے رسول پر ایمان لے آئے گا وہ اس مرتبے کا مستحق ہوگا۔ یہودیوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ ہماری نجات کے لیے بھی بس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا کافی ہے اور اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو کوئی حرج نہیں۔

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ﴾ (۸۲)

”اور انھوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔“

قرآن کریم نے اس پر واضح انداز میں رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (۸۳)

”(آگ تمھیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انھیں گھیر لیتی ہے تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

(۳) یہودیوں کی تیسری گمراہی یہ تھی کہ وہ تورات کی بہت سی آیتوں کو چھپاتے تھے، تاکہ دنیا والوں میں ان کا بلند مرتبہ برقرار رہے، انھیں خطرہ تھا کہ اگر اس قسم کے احکام لوگوں کو معلوم ہو گئے تو انھوں نے یہ دیکھا کہ ہمارے علماء ان پر عمل نہیں کرتے تو وہ ان سے بداعتقاد ہو جائیں گے، اور عزت و شرف کا جو مقام انھیں حاصل ہے، وہ جاتا رہے گا۔

چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت والی آیتیں اور وہ آیات جن میں زانی کو سنگسار کرنے کا حکم تھا چھپا رکھی تھیں اور آپس میں یہ تاکید کرتے رہتے تھے کہ دیکھو یہ باتیں کسی مسلمان کو نہ بتا دینا، قرآن کریم نے ان کی اس جہالت کا جگہ جگہ پردہ چاک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا دیا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہتے ہیں کہ:

﴿ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ﴾ (۸۴)

”کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، تاکہ یہ (مسلمان) تمھارے پروردگار کے پاس جا کر انھیں تمھارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں؟“

Marfat.com

## نصاریٰ:

یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متبع کہتے تھے، ان کی سب سے پہلی گمراہی ان کا عقیدہ تثلیث تھا، یعنی یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) تین اجزاء (اقانیم) ہیں، جو بعض اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں، اور بعض اعتبار سے مختلف، پہلا جزء ''باپ'' ہے، دوسرا جزء ''بیٹا'' اور تیسرا جزء ''روح القدس'' ہے، اور بیٹے کا جزء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روپ دھار کر دنیا میں آیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جہالت کے اس مضحکہ خیز نظریہ کو علم کی روشنی سے رد فرمایا، اور جا بجا یہ جتلا دیا کہ یہ تو ایسی بے سروپا بات ہے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَـٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ٥ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ٥ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (۸۵)

''اور (اس وقت کا بھی سنو) جب اللہ کہے گا کہ: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟'' وہ کہیں گے: ''ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں، میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا، آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کو پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا، یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے، میں نے ان لوگوں سے اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ: ''اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار۔'' اور جب تک میں نے ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں، اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی، اور اگر آپ انھیں معاف فرما دیں تو یقیناً آپ کو اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔''

Marfat.com

بت پرست مشرکین کی طرح یہ بھی انکار رسالت، تشبیہ اور تحریف کے مرتکب تھے، جس پر بار بار تنبیہ فرمائی ہے۔

## منافقین:

یہ ان شریر، بدطینت، بزدل اور کم حوصلہ انسانوں کا گروہ تھا، جن کا دل تو کفر و شرک کے انھیں بتوں سے آباد تھا، جنھیں دوسرے کفار کھلم کھلا پوجا کرتے تھے، مگر یہ اتنا حوصلہ نہ رکھتے تھے کہ علی الاعلان اپنے عقائد کا اعلان کر سکیں، اس لیے زبان سے توحید و رسالت اور یوم آخرت کا اقرار کرتے تھے، اور در پردہ مسلمانوں کے خلاف سازش کے جال تیار کرتے رہتے تھے۔

ان میں سے بعض تو وہ تھے جو صرف سازش اور دغا بازی کے ارادہ سے کلمہ توحید پڑھتے تھے، مگر ان کا دل کفر و شرک کی تمام شقاوتوں سے پر تھا، اور بعض وہ تھے جو اپنے بڑے بڑوں کو اسلام لاتا دیکھ کر خود بھی زبان سے اسلام لانے کا اقرار کرتے تھے، گویا ان کے نزدیک اصل مسئلہ اپنے بڑوں کی اتباع تھا، اگر وہ کافر ہیں تو یہ بھی کافر رہتے تھے اور اگر وہ مسلمان ہیں تو یہ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگتے تھے۔

چونکہ ان منافقوں کے کوئی مستقل عقائد نہیں تھے، بلکہ یہ زبان سے اپنے آپ کو اسلامی عقائد ہی کے پیرو کہتے تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ ان کے عقائد پر رد کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ قرآن کریم نے ان کی بدطینتی اور سازشی خصلت کو جگہ جگہ بے نقاب کیا ہے، اور ان کی خباثتوں کے پول کھلے ہیں، ان کے نمونے دیکھنے ہوں تو سورہ توبہ اور سورۂ انفال پڑھ جایئے ان دونوں سورتوں میں باری تعالیٰ نے ان کی گندگیوں کو ایک ایک کر کے بیان فرمایا ہے۔

## احکام:

قرآن کریم کا دوسرا مضمون ''احکام'' ہے اس میں جن احکام کا ذکر کیا گیا ہے، انھیں ہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے تین قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) وہ احکام و قوانین جو خالص اللہ کے حقوق سے متعلق ہیں، جنھیں مختصر الفاظ میں خالص ''عبادات'' کہا جا سکتا ہے، ان میں طہارت نماز، زکوٰۃ، روزہ، قربانی، اور حج کے احکام داخل ہیں اور قرآن کریم نے ان چیزوں سے متعلق بنیادی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔

(۲) وہ احکام و قوانین جو خالص بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں جنھیں ہم ''معاملات'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، مثلاً تجارت، قضاء، شہادت، امانت، گروی رکھنے، ذبیحہ جانوروں کا کھانے، مختلف مشروبات کے استعمال، وصیت اور میراث وغیرہ ان کے احکام خود قرآن کریم میں موجود ہیں۔

Marfat.com

(۳) وہ احکام وقوانین جو بعض حیثیت سے عبادت ہیں اور بعض حیثیت سے معاملہ، اس نوع میں سے نکاح و طلاق، حدود وتعزیرات، قصاص، جہاد، ایمان، قسمیں اور شرکت کے احکام قرآن کریم نے ذکر فرمائے ہیں۔

قرآن کریم چونکہ دنیا کو ایک ایسا پاکیزہ نظام حیات دینا چاہتا ہے جس پر ہر زمانے میں عمل کر کے انسان امن وسکون پا سکیں، اس لیے اس نے اپنے احکام کا ذکر کرتے وقت ''تدریجی انداز'' اختیار کیا، یعنی کوئی غیر متوقع حکم یکا یک نہیں دیدیا، بلکہ پہلے اپنے اس حکم کے لیے ذہنوں کو ہموار کیا، اور بعد میں اسے نافذ فرمایا، اس کی ایک مثال شراب کی حرمت ہے، اہل عرب شراب کے ایسے متوالے تھے کہ ان کی زبان میں اس کے ڈھائی سو نام ہیں، ان سے اس خبیث عادت کو چھڑانا قرآن کریم ہی کا معجزہ ہے، جب شروع میں رسول اللہ ﷺ سے شراب کی حلت و حرمت کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھا گیا، تو قرآن نے فوراً نہیں فرمادیا کہ اسے چھوڑ دو بلکہ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (۸۶)

''آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔''

سلیم الفطرت انسان اسی سے سمجھ گئے کہ اس چیز کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد حکم نازل ہوا:

﴿لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى﴾ (۸۷)

''نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔''

اب عام طور پر ذہنوں میں شراب کی ناپسندیدگی بیٹھ چکی تھی، چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد واضح حکم نازل ہوگیا:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ (۸۸)

''بلاشبہ شراب، جوا، بت اور لاٹری کے تیر، گندگی کی چیزیں اور شیطان کا عمل ہیں، لہٰذا تم ان سے پرہیز کرو۔''

## شان نزول:

قرآن کریم میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ دو طریقے سے نازل ہوئے:

(۱) مسلمانوں یا کافروں میں کوئی غلط رواج تھا اس کو بدلنے کی اللہ تعالیٰ نے خود ہی ضرورت محسوس فرمائی، اور اس کے لیے آیت نازل ہوگئی۔

اس طرح بعض اوقات ایک ہی آیت نے کئی غلط رسموں کو ختم کردیا، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل عرب کا ایک معمول یہ تھا کہ اپنے زیر سرپرستی یتیم عورتوں کے مال و دولت اور حسن و جمال کی وجہ سے ان سے شادی کرلیا کرتے تھے، پھر ان کو نان ونفقہ اور مہر اس معیار کا نہیں دیتے تھے، جس معیار کا وہ دوسری عورتوں سے

Marfat.com

نکاح کرنے پر دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل عرب دس دس عورتوں سے بیک وقت شادی کر لیتے تھے، اور جب ان کے مصارف ادا کرنے پر قادر نہ ہوتے تو اپنے زیر سرپرستی یتیموں کے مال میں خرد برد کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب دس دس بیویاں رکھتے تھے، مگر ان کے درمیان عدل و انصاف کا معاملہ نہیں کرتے تھے۔

اہل عرب کے یہ تمام طرز ہائے عمل غلط تھے، اور اسلامی معاشرہ میں انھیں بدلنے کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک جامع آیت نازل فرمادی جس نے ان تمام خرابیوں کا قلع قمع کر دیا۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً﴾(۸۹)

''اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کی بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمھیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، ہاں! اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔''

جو لوگ اپنی زیر پرورش یتیم عورتوں سے شادی کر کے انھیں پورے حقوق نہیں دیتے تھے، اس آیت نے انھیں یہ حکم دیدیا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ تم انھیں یتیم عورتوں سے شادی کرو، اللہ نے تمھارے لیے دوسری عورتوں میں سے چار تک نکاح کرنا جائز قرار دیا ہے، ان سے نکاح کر لو، جو لوگ دس دس عورتوں سے نکاح کر ڈالتے تھے اور ان کے مصارف سے کنگال ہو جانے پر یتیموں کے مال میں خرد برد کرتے تھے، انھیں شادی کی ایک معقول حد بتلادی کہ چار سے آگے نہ بڑھو، تاکہ مصارف اتنے زیادہ ہی نہ ہوں کہ یتیموں کے مال میں گڑبڑ تک نوبت پہنچے، اور جو لوگ دس دس بیویوں سے نکاح کر کے ان کے درمیان بے انصافی کے مجرم تھے، انھیں بھی یہ فرمادیا گیا کہ چار سے زیادہ شادیاں نہ کرو تاکہ عدل و انصاف پر قائم رہنا آسان ہو، اور اگر ان میں بھی بے انصافی کا خوف رہے تو بس ایک بیوی پر اکتفا کرو۔

اس طرح اس ایک آیت نے بیک وقت کئی خرابیوں کا انسداد کر دیا۔

(۲) احکام کے نازل ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا تھا کہ کسی خاص واقعہ کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کوئی مسئلہ پوچھا تو اس پر آیت نازل ہو گئی، اس کی مثالیں ''اسباب نزول'' کے عنوان کے تحت پیچھے گزر چکی ہیں۔

## قصص:

قرآن کریم کا تیسرا اور اہم مضمون ''قصص اور واقعات'' ہیں، قرآن کریم میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں انھیں دو قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ واقعات جو ماضی سے متعلق ہیں اور دوسرے وہ جو مستقبل سے متعلق ہیں۔

Marfat.com

## ماضی کے واقعات:

ماضی کے واقعات میں باری تعالیٰ نے زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں، اور ان کے علاوہ بعض نیک یا نافرمان افراد و اقوام کے واقعات بھی مختلف جگہوں پر ذکر کیے ہیں۔

قرآن کریم میں کل ستائیس انبیاء کرام کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں، جن کے اسماء گرامی تاریخی ترتیب سے حسب ذیل ہیں:

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت یونسؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت شموئیلؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

ان حضرات انبیاء کرام کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد و اقوام کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ① | اصحاب الجنۃ | ② | اصحاب القریۃ |
| ③ | حضرت لقمانؒ | ④ | اصحاب السبت |
| ⑤ | اصحاب الرس | ⑥ | حضرت ذوالقرنین |
| ⑦ | اصحاب الکہف والرقیم | ⑧ | قوم سباء |
| ⑨ | اصحاب الاخدود | ⑩ | اصحاب الفیل |

ان قصوں کو بیان کرنے سے قرآن کریم کا مقصود تاریخ نگاری نہیں ہے، بلکہ وہ ان قصوں کو یاد دلا کر ایک طرف تو تذکیر و موعظت کا سامان مہیا فرماتا ہے، اور مسلمانوں کو انبیاء کرام کی دعوت و عزیمت سے سبق لینے پر مجبور کرتا ہے، اور دوسری طرف یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ سابقہ قوموں اور امتوں کے یہ بصیرت افروز سچے واقعات اس ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہو رہے ہیں، جو بالکل امی ہے، اور اس نے آج تک کسی کے پاس رہ کر اس قسم کا کوئی علم حاصل نہیں کیا، اس لیے یقیناً اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باخبر کیا جاتا ہے، اور جو کلام وہ تلاوت فرماتے ہیں وہ کوئی انسانی کلام نہیں خدا کا کلام ہے۔

پھر ان قصوں کے درمیان علم و حکمت کے بے شمار خزانے پوشیدہ ہیں اور ان کی ہر آیت انسان کو زندگی کے ان گنت مسائل پر صحیح اور بہترین رہنمائی عطا کرتی ہے۔

## واقعات میں تکرار کیوں؟

قرآن مجید میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، ان سے متعلق عام طور پر ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے،

Marfat.com

کہ قرآن کریم میں ایک ہی قصے کو بعض اوقات کئی کئی بار دہرایا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں بہتر مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، ایسا کیوں؟ اگر ایک قصہ ایک ہی جگہ بیان کر دیا جاتا اور بقیہ مقامات پر احکام بیان ہو جاتے تو امت کے لیے شاید زیادہ آسانی کا موجب ہوتا اور بہت سے اختلاف ختم ہو جاتے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دراصل قصوں کو بار بار ذکر کرنے میں کئی حکمتیں ہیں۔

(۱) قرآن کریم دفعۃً ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تدریجاً اترا ہے، اور اس امت کے لیے اترا ہے جسے اپنے ابتدائی دور میں قدم قدم پر نت نئی آزمائشوں اور بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس امت کی پوری زندگی ہی اپنی ترقی کے دور میں جہاد و قتال، حرب و ضرب، سرفروشی و جانبازی اور محنتوں میں گزری ہے، ایسی صورت میں اگر انھیں بار بار تسلی نہ دی جاتی تو وہ دل شکستہ ہو بیٹھتے، چنانچہ قرآن کریم نے ہر اس موقع پر پچھلے انبیاء کے واقعات سنائے جہاں مسلمانوں کو دشواریاں پیش آئیں، اور بار بار انھیں یہ بتلایا کہ ان آزمائشوں میں تم تنہا نہیں ہو، بلکہ دعوت حق کا ہر قافلہ ان کٹھن وادیوں سے گزرا ہے اور انجام کار ہمیشہ کامیابی و کامرانی نے اس کے قدم چومے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک نبی کا واقعہ بھی قرآن کریم میں یک جا نہیں ہوتا بلکہ اس کے متفرق حصے مختلف مقامات پر مذکور ہیں، جس موقعہ پر جس پیغمبر کے واقعے کی ضرورت ہوئی اس موقع پر اسی کو نازل فرمایا گیا۔

(۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ قصوں کے اس تکرار سے یہ بات واضح انداز میں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن حکیم جزئیات احکام بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا۔ وہ احکام کے صرف اصول بیان فرماتا ہے، اور اس کا بنیادی مقصد عقائد کی اصلاح، تذکیر اور بلند کرداری پر ابھارنا ہے، رہے قانونی جزئیات، سو وہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تشریح پر چھوڑ دیئے ہیں، اور انھیں وہ وحی غیر متلو کے ذریعے دنیا تک پہنچانا چاہتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ طرز عمل ''حجیت حدیث'' پر ایک بڑی واضح دلیل ہے، کیونکہ اگر فقہ و قانون میں صرف قرآن حجیت ہوتا اور احادیث حجت نہ ہوتیں، تو قرآن کریم میں بار بار قصے بیان کرنے کی بجائے احکام بیان فرمائے جاتے، اور قصوں کو وحی غیر متلو کے ذریعہ بیان فرما دیا جاتا، ظاہر ہے کہ قصے بیان کرنے سے جو مقصد ہے وہ اس طرح بھی بدرجہ اتم پورا ہو جاتا، مگر باری تعالیٰ نے اس کے برعکس ترتیب رکھ کر گویا اس بات پر تنبیہ فرما دی ہے کہ قرآن عقائد و اخلاق کی تربیت کے لیے آیا ہے، اور صرف اصول بیان فرماتا ہے، اور جزئیات کے بارے میں اس کا ارشاد یہ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (۹۰)

''نہیں (اے پیغمبر!) تمھارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمھیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔''

Marfat.com

(۳) قصوں کے مکرر ہونے کی ایک تیسری حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے اعجاز قرآنی کا مظاہرہ ہوتا ہے، انسان کی نفسیات کا تقاضا ہے کہ وہ ایک ہی بات کو بار بار سنتے رہنے سے اکتا جاتی ہے، اور چند مرتبہ کے بعد ایک اچھے خاصے واقعے میں بھی اسے کوئی حظ یا لطف محسوس نہیں ہوتا، مگر قرآن کریم اگرچہ ایک ہی واقعے کو بار بار ذکر فرماتا ہے، مگر اس میں ہر بار نئی لذت اور ہر مرتبہ نیا کیف محسوس ہوتا ہے، یہ بات انسان کو بیساختہ اس نتیجے تک پہنچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ یہ کلام یقیناً کسی بشری دماغ کا جنم دیا ہوا نہیں ہے۔

## مستقبل کے واقعات:

قرآن کریم نے پیشگوئی کے طور پر مستقبل کے واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اس قسم کے واقعات میں قیامت کی نشانیاں، قیامت کے احوال، حشر و نشر کا منظر، دوزخ کی ہولناکیاں، اور جنت کی دل فریبیاں بیان کی گئی ہیں، چنانچہ قیامت سے پہلے زمین سے ایک بولتے ہوئے جانور کا نمودار ہونا، یا جوج و ماجوج کا خروج، صور اسرافیل، سوال و جواب، اور جہنمیوں کے باہمی مکالمے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر موجود ہیں۔

## امثال:

قرآن کریم میں جو امثال مذکور ہوئیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ امثال جو کسی بات کو سمجھانے کے لیے تمثیل کے طور پر پیش کی گئی ہیں، مثلاً

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ﴾ (۹۱)

''جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں۔''

بتلانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال کا بدلہ آخرت میں سات سو گنا بلکہ بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ ملے گا، انسانی عقل اس کو ذرا بعید سمجھ سکتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھا دیا، کہ جس طرح زمین میں ڈالا ہوا ایک بیج درخت پر سات سو نئے بیج لے کر نمودار ہوتا ہے، اسی طرح دنیا میں خرچ کیا ہوا مال آخرت میں سات سو گنا بڑھ کر انسان کو ملے گا۔

اس قسم کی تمثیلات بات کو پوری طرح واضح کرنے اور موثر بنانے کے لیے لائی گئی ہیں، امثال کی دوسری قسم وہ ہے جسے اردو میں ''کہاوت'' کہتے ہیں، اس قسم کی امثال قرآن کریم میں دو طرح مذکور ہوئی ہیں، بعض تو وہ ہیں جو نزول قرآن کے بعد ہی کہاوت بنیں، مثلاً

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (۹۲)

''اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا اور کیا ہے؟''

Marfat.com

﴿ وَأَن تَعْفُواْ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾(۹۳)

''اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

کہاوتوں کی دوسری قسم وہ ہے جس میں صراحۃً کوئی کہاوت تو مذکور نہیں، مگر آیات کے مفہوم سے نکلتی ہے، گویا وہ یا تو عوامی ضرب الامثال کا سرچشمہ ہیں، یا ان کی طرف دلالت کرتی ہے، ایسی امثال کو ''امثال کامنہ'' کہا جاسکتا ہے، اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں ہیں، مثلاً ایک عربی کہاوت مشہور ہے کہ:

لیس الخبر کالمعاینة

''شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔''

یہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے، جب حضرات ابراہیم علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ''آپ مجھے دکھلایئے کہ آپ مردے کو زندہ کس طرح کرتے ہیں؟ اس پر باری تعالیٰ نے پوچھا: ''کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں

﴿ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَـكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (۹٤)

''یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لیے کی ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔''

اسی طرح حدیث میں مثل مشہور ہے:

لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین

''مسلمان کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔''

یہ سورہ یوسف کی آیت میں موجود ہے، جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں شریک بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ بنیامین کو بھی بھیج دیجیے، تو انھوں نے فرمایا:

﴿ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلاَّ كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِن قَبْلُ﴾(۹۵)

''کیا میں اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟''

## اقسام القرآن:

قسم بمعنی حلف و یمین کلام عرب میں کثیر الاستعمال ہے اور اس کا مقصد کسی خبر کی تاکید یا اس کی اہمیت اور ضرورت واضح کرنا ہوتا ہے یعنی مخاطبین اگرچہ اس خبر پر یقین کرتے ہوں اور اس کی صداقت کے بارے میں ان کے دلوں میں کسی قسم کا شک وشبہ موجود نہ ہو لیکن جب قسم کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے تو وہ سمجھ لیں گے کہ یہ

Marfat.com

بڑی اہم بات ہے جس کو یاد رکھنا اور اس کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہے۔ عربی زبان میں جس طرح اِن اَن ال اور قد کلام کے موکدات ہیں جن کے ذریعے بات کی پختگی اور سچائی پر زور دینا مقصود ہوتا ہے اور سامعین کو اسے تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح حلف اور قسم بھی کلام کے موکدات میں شامل ہے جس سے سامعین کو متوجہ اور متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس بات کی قسم دی گئی ہے وہ پکی اور سچی ہے، جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پیدا کیا جائے گا اور جو وعید سنائی گئی ہے وہ صرف دھمکی نہیں ہے بلکہ اس کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

## ۱۔ اللہ کی ذات وصفات کی قسم:

﴿وَيَجْعَلُونَ لِمَا لاَ يَعْلَمُونَ نَصِيباً مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ﴾ (٩٦)

''اور لگاتے ہیں یہ مشرک، ان خداؤں کے لیے جن کی خدائی پر ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے حصہ ان چیزوں میں جو ہم نے ان کو دی ہیں، اللہ کی قسم ضرور پوچھا جائے گا تم سے ان باتوں کے بارے میں جنھیں تم گڑھتے رہتے ہو۔''

اس آیت میں قیامت کے دن مشرکین سے ان کے شرک کے بارے میں باز پرس کرنے اور محاسبہ کرنے پر اللہ نے اپنے اسم ذاتی کی قسم کھائی ہے جو یوم الحساب کی خبر کے یقینی ہونے کی بہت بڑی شہادت ہے۔

## ۲۔ قرآن کی قسم:

﴿وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ * إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ * عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (٩٧)

''قسم ہے قرآن حکیم کی کہ تم رسولوں میں سے ہو اور سیدھے راستے پر ہو۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آپ کے راہ راست پر ہونے کے لیے قرآن حکیم کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے اس لیے کہ قرآن تعلیمات کی صداقت اور حکمت ومصلحت، اس کی فصاحت وبلاغت اور اس کی مثال پیش کرنے سے انس وجن کا عاجز ہونا اس بات کی کھلی اور واضح دلیل ہے کہ اس قرآن کا پیش کرنے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا سچا رسول ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی سچے ہیں اور راہ راست پر ہیں۔

## ۳۔ رسول ﷺ کی زندگی کی قسم:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (٩٨)

Marfat.com

''تیری زندگی کی قسم! بے شک وہ لوگ اپنی مستی میں بہکے ہوئے تھے۔''

اس آیت میں جواب قسم تو قوم لوط کی مستی اور خلاف فطرت شہوت پرستی ہے لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک لعمرک میں اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ یعنی اے میرے حبیب! تیری زندگی کی صداقت وامانت اور طہارت و پاکیزگی شہادت دیتی ہے کہ قوم لوط اپنے خلاف فطرت جذبات سفلی کے نشے میں بہکے ہوئے آوارہ پھر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی پاکیزگی آپ کے دشمنوں کو بھی مسلم تھی اس لیے اس کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے۔

## ۴۔ مظاہر قدرت کی قسم:

اشیاء عالم، آیات کونیہ اور مظاہر قدرت اللہ کے وجود و توحید کی نشانیاں ہیں اور قرآن کریم میں ان کی قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں جن میں سے ایک مثال یہ ہے:

﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا o وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا o وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا o وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا o وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا o وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا o وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾ (۹۹)

''قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور چاند کی جب کہ وہ سورج کے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب کہ وہ سورج کو روشن کردے۔ اور رات کی جب کہ وہ سورج کو چھپالے۔ اور آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔ اور زمین کی اور اس کے بچھانے کی اور نفس کی اور اس کے درست کرنے کی۔ پس ڈال دی اس نے اس میں اس کی نافرمانی اور پرہیز گاری۔ (یعنی دونوں کی صلاحیت اور قوت اس میں پیدائشی طور پر رکھ دی)۔ بے شک کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کردیا۔ اور ناکام ہوگیا وہ جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملادیا، یعنی ذلیل ورسوا کردیا۔''

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ رازی، مختار الصحاح، ص:۲۷۳، زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۲۹/۲، شوکانی، ارشاد الفحول، ۱۶۱

۲۔ الحج: (۲۲)۲

۳۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۲۹/۲، سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۰/۲

۴۔ ابن منظور، لسان العرب، ۶۳/۳

۵۔ الجاثیۃ (۴۵)۲۹

۶۔ ابن الجوزی، نواسخ القرآن، ص:۲۰

۷۔ ایضاً

۸۔ ابن منظور، لسان العرب، ۶۳/۳

۹۔ البقرہ: (۲)۱۰۶

۱۰۔ ابن الجوزی، نواسخ القرآن، ص:۲۹، الناسخ والمنسوخ، ص:۷

۱۱۔ البقرہ: (۲)۱۰۶

۱۲۔ ایضاً، ۲۶۹

۱۳۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۹۷۷۔

۱۴۔ آل عمران: (۳)۹۳

۱۵۔ الانعام: (۶)۱۴۶

۱۶۔ الرعد: (۱۳)۳۹

۱۷۔ ھود: (۱۱)۱۱۴

۱۸۔ حم السجدہ: (۴۱)۴۲

۱۹۔ البقرہ: (۲)۱۰۶

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً، ۲۲۱

۲۲۔ المائدہ (۵)۵

۲۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۲/۲

۲۴۔ البقرہ: (۲)۱۸۴

۲۵۔ ایضاً، ۱۸۵

۲۶۔ الانفال: (۸)۶۵

۲۷۔ الانفال: (۸)۶۶

۲۸۔ المجادلہ: (۵۸)۱۲

۲۹۔ ایضاً، ۱۳

۳۰۔ البقرہ: (۲)۱۸۰

۳۱۔ النساء: (۴)۱۱

۳۲۔ ایضاً، ۱۵

۳۳۔ النور: (۲۴)۲

۳۴۔ مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۴۴۱۷

۳۵۔ الحدید (۵۷)۳

۳۶۔ ھود: (۱۱)۶

۳۷۔ یونس: (۱۰)۶۴

۳۸۔ فاطر: (۳۵)۴۳

۳۹۔ الانعام: (۶)۵۹

۴۰۔ زرقانی، مناہل العرفان (۲:)۷۸

۴۱۔ صبحی صالح، علوم القرآن: ۳۸۸

۴۲۔ شلبی، الدکتور محمد مصطفیٰ، اصول الفقہ الاسلامی۔ ۵۵۳/۱۔


Marfat.com

۴۳۔ الاحزاب (۳۳):۵۳۔
۴۴۔ شلبی،، الدکتور محمد مصطفیٰ، اصول الفقہ الاسلامی، ۱/ ۵۵۴۔
۴۵۔ ایضاً۔ ۴۶۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۳۵
۴۷۔ ایضاً، ۲/ ۲۲ ۴۸۔ البقرہ: (۲) ۱۸۰ ۴۹۔ الانفال: (۸) ۶۵
۵۰۔ ایضاً، ۶۶ ۵۱۔ الاحزاب: (۳۳) ۵۱ ۵۲۔ الاحزاب: (۳۳) ۵۰
۵۳۔ ابن جریر، تفسیر ابن جریر، ۱/ ۳۵۰
۵۴۔ المجادلہ: (۵۸) ۱۲ ۵۵۔ ایضاً، ۱۳ ۵۶۔ المزمل: (۷۳) ۱
۵۷۔ ایضاً، ۲۰ ۵۸۔ البقرہ: (۲) ۲۳۴
۵۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۱۴۵۲
۶۰۔ البقرہ: (۲) ۱۸۴ ۶۱۔ ایضاً، ۱۸۵ ۶۲۔ ایضاً، ۱۸۰
۶۳۔ الترمذی، السنن، رقم الحدیث: ۲۱۲۱ ۶۴۔ النجم: (۵۳) ۳۔۴
۶۵۔ النحل: (۱۶) ۴۴ ۶۶۔ البقرہ: (۲) ۱۰۶ ۶۷۔ النور: (۲۴) ۲
۶۸۔ البقرہ: (۲) ۱۴۴ ۶۹۔ ایضاً، ۱۸۵
۷۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۲۷
۷۱۔ زرکشی، البرہان ۲/ ۳۲ ۷۲۔ ایضاً، ۱/ ۲۸ ۷۳۔ زمر (۳۹):۳
۷۴۔ النجم: (۵۳) ۲۳ ۷۵۔ اخلاص (۱۱۲):۳
۷۶۔ الطور: (۵۲) ۳۹/ القلم: (۶۸) ۳۶
۷۷۔ الاعراف: (۷) ۳۱ ۷۸۔ الانفال: (۸) ۳۵ ۷۹۔ التوبۃ: (۹) ۳۷
۸۰۔ یوسف: (۱۲) ۱۰۹ ۸۱۔ الاحقاف: (۴۶) ۳۳
۸۲۔ " وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدو دات" (البقرہ: (۲) ۸۰)۔
۸۳۔ البقرہ: (۲) ۸۱ ۸۴۔ الیضاً، ۷۶ ۸۵۔ المائدۃ (۵): ۱۱۶ اور ۱۱۸
۸۶۔ البقرہ: (۲) ۲۱۹ ۸۷۔ النساء: (۴) ۴۳ ۸۸۔ المائدہ: (۵) ۹۰
۸۹۔ النساء: (۴) ۳ ۹۰۔ ایضاً، ۶۵ ۹۱۔ البقرہ: (۲) ۲۶۱
۹۲۔ الرحمٰن ۵۵)، ۶۰ ۹۳۔ البقرہ: (۲) ۲۳۷ ۹۴۔ ایضاً، ۲۶۰
۹۵۔ یوسف: (۱۲) ۶۴ ۹۶۔ النحل: (۱۶) ۵۶ ۹۷۔ یٰس: (۳۶) ۲، ۳، ۴
۹۸۔ الحجر (۱۵) ۷۲ ۹۹۔ الشمس: (۹۱) ۱ تا ۱۰


Marfat.com

## باب چهارم:

# مبادیات ترجمہ قرآن

**فصل اول:**

## تعارف ترجمہ وارتقا

### ترجمہ کا مفہوم واقسام:

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے، ترجمہ کا مادہ ت ر ج م ہ ہے۔ یہ رباعی مجرد کا مصدر ہے۔ جس کے لغوی معنی ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہیں۔

عربی زبان میں ترجمہ کا لفظ چار معنوں میں مستعمل ہے۔

① کلام کو ایسے شخص تک پہنچانا جس تک وہ نہ پہنچا ہو۔
② کلام کی تفسیر اس زبان میں کرنا، جس زبان میں کلام وارد ہوا ہو۔
③ کسی دوسری زبان میں کلام کی تفسیر وتوضیح کرنا۔
④ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا۔

صاحب تاج العروس ترجمہ کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں!

''کسی زبان میں تشریح وتوضیح کرنے والوں کو ''ترجمان'' کہتے ہیں، کلام کو دوسری زبان میں واضح کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ مشہور لغوی جوہری کا قول ہے کہ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔''(۱)

معروف مفسر حافظ ابن کثیر ترجمہ کے مفہوم کے متعلق لکھتے ہیں!

''لفظ ترجمہ کے معنی عربی زبان کی توضیح وتبیین کے ہیں، خواہ اسی زبان میں ہو یا کسی اور زبان میں۔''

عرف عام میں ترجمہ کے لفظ کا مفہوم یہ ہوا کہ ایک زبان میں جو کلام وارد ہوا ہے، اس کے معنی ومفہوم کو اس زبان یا دوسری زبانوں میں اس طرح ادا کرنا کہ اس کے معنی ومقاصد میں فرق نہ پڑے۔

لغت عرب میں ترجمہ کا لفظ دو معانی کے لیے بولا جاتا ہے:

(۱) کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔ بجز اس کے کہ جس کلام کا ترجمہ کیا

Marfat.com

گیا ہے، اس کے معانی کی وضاحت کی جائے۔ اس کی مثال یوں ہے، جیسے ایک ہی زبان کے ردیف کو ہٹا کر اس کی جگہ اسی زبان کا دوسرا ردیف رکھ دیا جائے۔

(۲) ترجمہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک کلام کا مطلوب ومقصود دوسری زبان میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

نظر بریں ترجمہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) لفظی ترجمہ:

لفظی ترجمہ کے معنی یہ ہیں کہ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں اس نظم وترتیب کے ساتھ منتقل کر دیا جائے، جیسے کہ وہ پہلے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اصل کلام کے معنی ومفہوم کو بہر نوع قائم رکھا جائے اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔

(۲) تفسیری ترجمہ:

تفسیری ترجمہ سے مراد یہ ہے کہ ایک کلام کا مطلب دوسری زبان میں کھول کر بیان کر دیا جائے اس میں سابقہ نظم وترتیب اور کلام کے اصل تمام معانی کا قائم رکھنا ضروری ہے یا ضروری نہیں؟

ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ قرآن کریم کا کون سا ترجمہ جائز ہے اور کون سا ناجائز؟ نیز یہ کہ علماء متقدمین کے اقوال اس ضمن میں کیا ہیں؟ ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ترجمہ کی دو قسموں میں سے کون سی قسم تفسیر میں شامل ہے، آیا لفظی ترجمہ یا تفسیری ترجمہ یا دونوں؟

ترجمہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا قطعی طور پر مفہوم متعین کرنا دشوار ہے۔ ویسے کہنے کو یہ ایک زبان کی عبارت کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے، لیکن جب ہم ایک زبان کی معمولی سی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں مکمل کامیابی تقریباً ناممکن ہے، یہاں تک کہ منفرد لفظ کا مترادف تلاش کرنا بھی دقت سے خالی نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ قریب المعنی لفظ یا عبارت ہی کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً عربی میں اھلاً وسھلاً کس قدر آسان بات ہے، لیکن اسے دوسری زبانوں میں آسانی سے اور بے تکلفی کے ساتھ کیسے ادا کیا جائے۔ عربی کا ایک خاص مزاج ہے اور قرآن مجید کی عبارت تو ایسی خصوصیات کی حامل ہے کہ اس کا عکس اتارنا آسان نہیں۔ اس لیے فارسی ہو یا اردو، یا کوئی اور زبان، اصل اور ترجمہ میں فرق پیدا کر دیتی ہے، خود مترجمین کا ذوق اور فہم بھی بے حد فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ براہ راست ترجمہ کی بجائے ترجمہ سے ترجمہ کیا جائے تو فرق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے کسی ترجمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

جیسا کہ ترجمہ کی اقسام سے ظاہر ہوا، ترجمہ کے دو انداز ہیں، ایک لفظی ترجمہ دوسرا با محاورہ ترجمہ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کون سا ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔ لفظی ترجمے کا اصل فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کو

Marfat.com

قرآن پاک کے ہر ہر لفظ کا مطلب پتہ چل جاتا ہے اور وہ ہر آیت کے نیچے اس کا ترجمہ پڑھ کر جان لیتا ہے کہ اس آیت میں کیا کچھ فرمایا گیا ہے۔

لیکن اس فائدے کے ساتھ ساتھ اس طریقے میں کئی پہلو نقص کے بھی ہیں، جن کی وجہ سے ایک غیر عربی دان ناظرہ قرآن مجید سے اچھی طرح مستفید نہیں ہوسکتا۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے لفظی ترجمہ کی بجائے با محاورہ ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔ انھوں نے اس کے لیے لفظ ترجمہ کے بجائے ترجمانی اختیار کیا ہے۔ با محاورہ ترجمہ کے حق میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے جو دلائل دیے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① پہلی چیز لفظی ترجمہ کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے کہ اس میں روانی عبارت زور بیان، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہوتا ہے۔

② جس طرح آدمی دوسری کتابوں کو پڑھتا ہے اور ان سے اثر قبول کرتا ہے۔ اس طرح وہ ترجمہ قرآن کو نہ تو تسلسل سے پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی اثر قبول کرتا ہے۔

③ تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریری کی زبان کو تحریری کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر دیا جائے، تو ساری عبارت غیر مربوط ہو جاتی ہے۔

④ قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے۔ پابندی الفاظ کے ساتھ جو تراجم کیے جاتے ہیں۔ ان میں اصطلاحی زبان کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس اسی بناء پر آج کل لفظی ترجمہ کی بجائے با محاورہ ترجمہ پسند کیا جاتا ہے۔

## قرآن حکیم کے ترجموں کی ضرورت واہمیت:

قرآن حکیم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو اپنے زمانہ نزول سے آج تک اور آج سے ہر آنے والی کل تک کے لیے ایک ضابطہ کامل ہے، جو نہ صرف عرب بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے خواہ وہ انسان کسی براعظم کے ہوں اور کوئی زبان بولتے ہوں اور جب یہ عقیدہ مسلمہ ہے تو لامحالہ انسانوں کا رجوع قرآن کی جانب ضروری مقصود ہوا۔ مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ تمام انسانوں کی زبان عربی نہیں جبکہ قرآن کی زبان عربی ہے پس رجوع ہو تو کیسے؟ کیونکہ رجوع کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کی زبان آتی ہو۔ دور کیوں جائیں؟ عہد رسالت مآب ﷺ میں لوگ باوجود اہل عرب ہونے کے قرآنی تفہیم کے لیے صاحب قرآن کے محتاج تھے۔ جیسا کہ قرآن میں حضور اکرم ﷺ کے فرائض نبوت کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو

Marfat.com

عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۲)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا، مؤمنین پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''

تو جب زمانہ نزول میں ضرورت تفہیم وتفسیر کا یہ عالم تھا تو اس کے بعد اس کی ضرورتوں کا کیا عالم ہوگا؟ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جسے منوانے کے لیے دلیل دی جائے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ زمانہ نزول سے اب تک کوئی عہد ایسا نہیں گزرا کہ جو ضرورت تفہیم وتفسیر سے خالی رہا ہو۔ رسول خدا کے بعد ضرورت تفہیم کی تکمیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی اور ان کے بعد تابعین نے کی اور یوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مفسر صحابہ کرام بہت کم تھے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) نے اپنی مشہور و متداول کتاب الاتقان میں حسب ذیل دس مفسر صحابہ کے نام گنائے ہیں۔(۳)

① حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۱۳ھ/۶۳۴ء)

② حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۲۳ھ/۶۴۴ء)

③ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۳۵ھ/۶۵۶ء)

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ (۴۰ھ/۶۶۱ء)

⑤ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ/۶۸۷ء)

⑥ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ/۶۵۳ء)

⑦ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۱۹ھ/۶۴۰ء)

⑧ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴۵ھ/۶۶۵ء)

⑨ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۴۴ھ/۶۶۵ء)

⑩ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۷۳ھ/۶۹۲ء)

مذکورہ اکابر صحابہ کے علاوہ کچھ دیگر صحابہ سے بھی تفسیری روایات منقول ہیں۔ مگر وہ کم ہیں اور ان کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ بہر حال ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

① حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۳ھ/۷۱۲ء)

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ/۶۷۶ء)

③ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۷۴ھ/۶۶۳ء)

④ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (۷۴ھ/۶۶۳ء)

⑤ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۷۴ھ/۶۹۳ء)

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۵۷ھ/۶۷۶ء)

Marfat.com

امام سیوطی (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) نے مذکورہ بالا صحابہ کے علاوہ دیگر تینتالیس صحابہ وصحابیات کی تفسیری روایات بھی نقل کی ہیں۔

عہد تابعین میں ضرورت تفہیم وتفسیر کی تکمیل کرنے والوں میں درج ذیل نام بہت مشہور ہیں:

① حضرت سعید بن جبیر (۹۵ھ/۷۱۴ء)
② حضرت مجاہد بن جبر مخزومی (۱۰۳ھ/۷۲۱ء)
③ حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس (۸۱ھ/۷۰۰ء)
④ حضرت طاؤس بن کیسان یمان (۱۰۶ھ/۷۲۴ء)
⑤ حضرت عطاء بن ابی رباح (۱۱۴ھ/۷۳۲ء)

ان کا تعلق مکہ کے تفسیری مکتب سے تھا۔ اس مکتب کی تاسیس حضرت عبداللہ بن عباس (۶۸ھ/۶۸۷ء) نے فرمائی تھی۔

یونہی مدینہ کے تفسیری مکتب فکر کے مشہور مفسرین یہ تھے:

① حضرت ابوالعالیہ (۹۰ھ/۷۰۹ء)
② حضرت محمد بن کعب القرظی (۱۰۸ھ/۷۲۶ء)
③ حضرت زید بن اسلم (۱۳۶ھ/۷۵۳ء)

اس مکتب کی بنیاد حضرت ابی بن کعب نے رکھی تھی (۱۹ھ/۶۴۰ء)

عراق کے تفسیری مکتب فکر کے مفسرین میں مشہور اسمائے گرامی یہ تھے:

① حضرت علقمہ بن قیس (۶۲ھ/۶۸۲ء)
② حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی (۶۲ھ/۶۸۳ء)
③ حضرت اسود بن یزید (۹۵ھ/۷۱۴ء)
④ حضرت مرہ ہمدانی (۷۶ھ/۶۹۵ء)
⑤ حضرت عامر شعبی (۱۰۳ھ/۷۲۱ء)
⑥ حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ/۷۲۸ء)
⑦ حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی (۱۱۸ھ/۷۳۶ء)

اس مکتب کے بانی حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۲ھ/۶۵۳ء) تھے۔(۴)

علیٰ ہذا القیاس، ہر دور کے اسلاف اپنے اخلاف میں تفسیر قرآن منتقل کرتے رہے۔ جن علاقوں میں قرآن پہنچا ان علاقوں میں اس کی تفہیم بھی پہنچی۔ اس لیے کہ تفہیم وتفسیر کے بغیر قرآن سمجھ میں آ نہیں سکتا کیونکہ قرآن مجید لغت قریش پر بزبان عربی نازل ہوا۔ مگر باوجود اس کے اہل عرب تفہیم قرآن میں محمد عربی ﷺ کے

Marfat.com

محتاج تھے اور اہل عجم تو پھر اہل عجم ہیں۔ وہ کیوں نہ تفسیر کے محتاج ہوں گے۔

تفہیم وتفسیر قرآن کا مرحلہ اولین دراصل اس کا ''ترجمہ'' ہوتا ہے جس کے بغیر نہ تو کوئی شخص مفہوم و مدعائے قرآنی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تفہیم وتشریح کے لیے خود عربی زبان میں کم وبیش بارہ سو سے زیادہ تفاسیر مطبوعہ موجود ہیں اور نامعلوم کتنی ہیں کہ جو ابھی تک صرف قلمی نسخوں کی شکل میں ہیں۔(۵)

عربی زبان کے علاوہ قرآن مجید کی تفہیم وتفسیر، اولاً ترجموں کی شکل میں ہوئی کیونکہ اس کے بغیر قرآن کے احکام اور اس کے مقاصد معرض بیان میں آنہیں سکتے تھے۔ چنانچہ دنیا میں اب کوئی زبان ایسی نہیں رہ گئی ہے کہ جس کے بولنے والے مسلمان ہوں اور قرآن مجید ان کی زبان میں مترجم نہ ملتا ہو۔

ایک اندازے کے مطابق قرآن مجید کے تراجم دنیا کی سو سے زائد مختلف زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ مثلاً سواحلی، ڈینش، انڈونیشیا، یوگنڈا، جرمن، تھائی لینڈ اور دوسری زبانوں میں اور برصغیر میں سندھی، گجراتی، مرہٹی، گورمکھی، فارسی، پشتو، پنجابی، اردو وغیرہ۔(٦)

یہ تراجم یا تو لفظی ہیں یا با محاورہ یا پھر قرآن مجید کے معانی ومطالب کو دوسری زبان میں آزاد ترجمے کے ذریعے منتقل کیا گیا ہے۔ اس قسم کے تراجم، قرآن مجید کے تشریحی حواشی سے ملتے جلتے ہوتے ہیں جو نہ صرف دوسری زبانوں میں بلکہ عربی زبان میں بھی لکھے گئے ہیں۔(۷)

ڈاکٹر احمد خان کے بقول:

''قرآن کریم کی تفسیر اور ترجمے کو الگ الگ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا دوسری کتابوں کے شروح یا تراجم میں ہوتا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر وہ تفسیر جو کسی زبان میں تحریر کی جائے گی اس میں قرآن کریم کا ترجمہ تو ضرور شامل ہوگا۔ اسی معیار کی بناء پر ہر تفسیر، ترجمہ قرآن کے ضمن میں آتی ہے۔ مگر کچھ ایسی تفاسیر کا وجود بھی ہے جن میں قرآن کریم کا پہلے ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر توضیح وتشریح کہیں مختصر اور کہیں مفصل کی گئی ہے۔''(۸)

قرآن مجید چونکہ مسلمانوں کا سرمایہ علم وحیات اور سرچشمہ ایمان وعرفان ہے اس لیے جب تک مسلمان دنیا میں رہیں گے یہ ناممکن ہے کہ وہ قرآن سے استفادہ نہ کریں اور چونکہ استفادہ کے لیے بنیادی شرط اس کی تفہیم وتفسیر ہے، جو بغیر ترجمے کے نہیں ہوسکتی۔ پس یہی امر مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کی بنیاد بنا ہے اور صبح قیامت تک بنا رہے گا اور ہر نئی بننے والی زبان میں اپنی بے پناہ اہمیت وضرورت کے تحت ترجمہ ہوتا رہے گا۔

## قرآن کا لفظی ترجمہ:

(۱) ترجمہ بالمثل (۲) ترجمہ بغیر المثل

Marfat.com

## (۱) ترجمہ بالمثل:

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی دوسری زبان میں ایسا ترجمہ کیا جائے، جو ہر لحاظ سے اس کی مانند ہو۔ یہاں تک کہ ترجمہ کے مفردات اور اس کا اسلوب و انداز اسلوب قرآن کی جگہ لے لے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ قرآن کی اصل عبارت میں معانی جن تشریعی مسائل پر حاوی ہوں وہ ترجمہ کے اندر بلا کم و کاست موجود ہوں۔ واضح ہو کہ قرآن کریم کا ایسا ترجمہ ممکن نہیں اس لیے نزول قرآن کے اساسی مقاصد دو ہیں:

اول: قرآن کریم حضور ﷺ کی رسالت کی صداقت کی دلیل و برہان کے طور پر نازل ہوا ہے اس کا یہ اعجاز ہے کہ انس و جن جمع ہو کر بھی اس جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سچے رسول تھے۔ اور جو کلام ان پر نازل ہوا، وہ کلام ربانی ہے، انسانی نہیں۔

دوم: نزول قرآن کا دوسرا مقصد بنی نوع انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح و صلاح ہے۔

جہاں تک پہلی غرض کا تعلق ہے وہ بالاتفاق ترجمہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وجوہ اعجاز اگرچہ بہت سے ہیں مثلاً قرآن کریم میں اخبار غیبی کا پایا جانا یا ایک بے عیب شریعت کا حامل ہونا۔ تاہم ہر آیت میں جو اعجاز پایا جاتا ہے۔ اس کا مدار و انحصار اس کی بلاغی خصوصیات پر ہے جو خاص اغراض کے تحت اس میں موجود ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان بلاغی خصوصیات کو دوسری زبانوں میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ ہر ترقی یافتہ زبان بلاغت کی حامل ہوتی ہے۔ تاہم ہر زبان میں ایک خاصیت ہوتی ہے جس میں کوئی دوسری زبان اس کی سہیم و شریک نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں اگر قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کیا جائے۔ جو کسی طرح ممکن نہیں۔ تو اس کی بلاغی خصوصیات ضائع ہو جائیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن اپنے معجزانہ مرتبہ سے گر کر بشری استطاعت کے دائرہ میں داخل ہو جائے گا اور وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے پیش نظر وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

نزول قرآن کا دوسرا مقصد لوگوں کے لیے سعادت دارین کا حصول ہے۔ یہ سعادت قرآن سے احکام و مسائل استنباط کر کے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مدار و انحصار ان معانی اصلیہ پر ہے جس کو سب لوگ سمجھ سکتے اور ادا کر سکتے ہیں اور سب زبانوں میں یہ صلاحیت یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ اس قسم کے معانی کا ترجمہ اور اس سے احکام و مسائل کا اخذ و استنباط ممکن ہے۔ قرآن کے بعض احکام و ارشادات معانی ثانویہ سے مستفادہ ہوتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے استنباطات اسی پر مبنی ہیں۔ یہ معانی ثانویہ قرآن کے لازم میں سے ہیں۔ ورنہ ان کے بغیر قرآن کی حیثیت قائم نہیں رہتی۔ لفظی ترجمہ میں معانی اولیہ کا تحفظ ممکن ہے، مگر ثانویہ کا نہیں۔ اس لیے کہ معانی ثانویہ قرآن کے لوازم میں سے ہیں دیگر زبانوں میں ان کا وجود نہیں۔

مذکورہ بالا بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ قرآن کا لفظی ترجمہ قرآنی مقاصد کی تکمیل میں کسی طرح بھی اصل کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اس لیے اس سے نزول قرآن کی پہلی غرض کلیتہً اور دوسری غرض کسی حد تک رائیگاں ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

## (۲) ترجمہ بغیر المثل:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مترجم اپنی استطاعت کی حد تک قرآن کریم کا صحیح صحیح ترجمہ کرے۔ یہ بات کلام میں ممکن ہے مگر کتاب ربانی میں درست نہیں۔ اس لیے کہ اس سے نظم قرآن اور اس کے معنی ومفہوم میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ مزیں برآں یہ محنت وکاوش عبث اور غیر ضروری بھی ہے۔

## لفظی ترجمہ قرآن کی تفسیر نہیں:

سابقہ حقائق سے لفظی ترجمہ کی بہر دو صنف کا معنی ومفہوم واضح ہوا۔ ہم نے دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت کر دی کہ قرآن کریم کا ترجمہ بالمثل ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ ترجمہ بغیر المثل اگرچہ ممکن ہے مگر وہ جائز نہیں۔ اب باقی رہا یہ سوال کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ ترجمہ بالمثل ممکن اور ترجمہ غیر المثل جائز اور درست ہے تو کیا ان کو تفسیر بزبان دیگر قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ بالمثل کو اگر ممکن فرض کر لیا جائے تو اسے قرآن کی تفسیر نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ کسی دوسری زبان میں قرآن کا ترجمہ بالمثل کرنے سے اس کی شکل وہیئت وہی رہتی ہے صرف زبان بدل جاتی ہے۔ لہٰذا جس زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جائے گا اس کے بولنے والے قرآن کی تشریح وتفسیر اور اس کے اسرار واحکام معلوم کرنے کے لیے اسی طرح محتاج ہوں گے جس طرح ایک عربی شخص جس کی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ اس لیے کہ اس ترجمہ میں صرف ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جاتا ہے۔ جہاں تک شرح وتفصیل کا تعلق ہے اس کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر ترجمہ بغیر المثل کو جائز فرض کر لیا جائے تو یہ بھی قرآن کی تفسیر نہیں کہلا سکتا۔ اس ترجمہ کی صورت میں قرآن کریم ایک ناقص اور نامکمل حالت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ترجمہ کے الفاظ قرآن کے ناقص مفہوم کو پیش کرتے ہیں۔ کامل معنی کی صورت گری نہیں کرتے۔ اس میں شرح وتفسیر کا شائبہ تک موجود نہیں ہوتا۔ اس ترجمہ میں نہ مجمل کی تفصیل پیش کی جاتی اور نہ مطلق کو مقید کیا جاتا ہے۔ استنباط احکام توجیہ معانی اور دیگر امور متعلقہ تفسیر کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔

## قرآن کا تفسیری ترجمہ:

تفسیری ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا معنی ومقصود دوسری زبان میں واضح کر دیا جائے اور ایسا کرتے وقت اصل کلام کی نظم وترتیب اور اس کے جملہ معانی مقصودہ کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اصل

Marfat.com

کلام سے جو معنی مراد ہوتا ہے اس کو سمجھ کر دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے۔
سابقہ بیانات سے لفظی ترجمہ اور تفسیری ترجمہ کا فرق واضح ہو چکا ہے۔ ایک مثال دے کر ہم اس پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾(۹)

''حد درجہ بخل سے کام نہ لو اور نہ ہی اسراف کرو۔''

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھو، اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دو۔''

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ سے قرآن کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ترجمہ حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔ اور کوئی دانا شخص اس فعل کا مرتکب نہیں ہوتا جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ جب اس آیت کا لفظی ترجمہ کیا جائے گا تو صاحب زبان کے قلب و ذہن میں اس بات کا تصور مطلقاً نہیں آئے گا کہ اس تشبیہ بلیغ سے قرآن کا مقصد کیا ہے؟

اس کے برعکس مذکورہ صدر آیات کا تفسیری ترجمہ یہ ہوگا کہ ''بخل و امساک سے کام نہ لو اور نہ ہی اسراف کرو'' گویا بخل و امساک اور اسراف۔ سے روکنے کا یہ موثر ترین انداز ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ جس زبان میں اس کا تفسیری ترجمہ کیا جائے، اس کے مناسب حال ایسے الفاظ میں اس کی صورت گری کی جائے جس سے بخل و امساک اور اسراف کے خلاف انسان میں نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ اس آیت سے قرآن کا جو مطلوب و مقصود ہے وہ تفسیری ترجمہ سے منکشف ہوتا ہے۔ لفظی ترجمہ سے نہیں۔

مندرجہ صدر بیان سے اس بات کا فہم و ادراک آسان ہو گیا کہ قرآن کا تفسیری ترجمہ کسی تردد و تذبذب کے بغیر جائز اور روا ہے۔ نیز یہ کہ تفسیری ترجمہ کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کی شرح و تفسیر دوسری زبان میں بیان کر دیا جائے۔

جس طرح جملہ اہل اسلام کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص بشری استطاعت کی حد تک قرآن کریم کی شرح و تفسیر کی اہلیت سے بہرہ ور ہو۔ بجز اس کے کہ وہ مراد ربانی کے احاطہ کا دعویٰ دار ہو وہ قرآن کی تفسیر کرنے کا مجاز ہے۔ اسی طرح کسی شک و شبہ کے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تفسیری ترجمہ بھی اس اجماع میں شامل ہے، اس لیے کہ تفسیری ترجمہ اور تفسیر میں چنداں فرق امتیاز نہیں پایا جاتا۔ جس طرح تفسیر کرتے وقت مفردات قرآن کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جہاں تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تفصیل سے کام لیا جاتا ہے۔ توجیہ مسائل کی ضرورت ہو یا تقریری دلائل کی، حسب موقع و مقام سب سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ وہ ہر کام کیا جاتا ہے جس کی قرآن کے فہم و تدبیر کے سلسلہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ تفسیری ترجمہ میں بھی یہ سب باتیں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

## تفسیر اور تفسیری ترجمہ کے مابین فرق:

غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیری ترجمہ اور تفسیر میں دو پہلوؤں سے فرق کیا جا سکتا ہے:

(۱) قرآن کریم کی تفسیر اکثر و بیشتر عربی زبان ہی میں کی جاتی ہے۔ جس میں کہ وہ نازل ہوا ہے۔ بخلاف ازیں تفسیری ترجمہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں کیا جاتا ہے۔ ابتداء میں ایسا ہی تھا مگر اب تمام زبانوں میں تفسیریں لکھی جاتی ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ تفسیر کا قاری قرآن کریم کی نظم وعبارت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ بنا بریں اگر تفسیر میں غلطی پاتا ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ بالفرض اگر وہ تفسیری غلطی سے آگاہ نہیں ہوتا تو دوسرا قاری اسے ٹھیک کر دیتا ہے۔ بخلاف ازیں تفسیری ترجمہ میں اس کا امکان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کا قاری قرآن کے معنی ومفہوم سے نابلد ہوتا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ جو ترجمہ وہ پڑھ رہا ہے وہ قرآن کی صحیح تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے قرآن کی زبان سے بے گانہ ہونے کی بنا پر قرآن کریم کی عبارت اور ترجمہ میں موازنہ کرنے کی استطاعت سے محروم ہوتا ہے۔

## تفسیری ترجمہ کی شرائط:

تفسیر قرآن ہو یا تفسیری ترجمہ، امت کے لیے ان کا سیکھنا دینی فرائض میں سے ہے۔ تفسیری ترجمہ تو اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ لاتعداد فوائد کا حامل ہے۔ تفسیری ترجمہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں کیا جاتا ہے۔ اور اس کی بدولت قرآن کے مطالب ومعانی کو ان مسلموں اور غیر مسلموں تک پہنچایا جاتا ہے جو عربی بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مزید برآں اس کے ذریعہ ملحدین کے مکروفریب سے اسلامی عقیدہ کی حمایت وحفاظت کی جاتی ہے۔ مسیحی مشنریوں کی ضلالت وجہالت کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔ انھوں نے دانستہ قرآن کریم کے ایسے ترجمے کیے جو عقائد باطلہ اور تعلیمات فاسدہ کے طومار تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ زبان قرآن سے ناآشنا لوگوں کے سامنے قرآن کو ایسی صورت میں پیش کریں جس سے وہ نفرت کرنے لگیں۔ اسی قسم کے تراجم فاسدہ تھے جن کے خلاف اہل اسلام نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اسی لیے ہم ایسی شرائط کے ذکر وبیان کو ضروری سمجھتے ہیں جن کے ملحوظ رکھنے سے تفسیری ترجمہ صحیح اور مقبول ہو سکے۔

شرائط حسب ذیل ہیں:

(۱) اس ترجمہ میں وہی شرائط ملحوظ ہوں گی، جو تفسیر میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس پر اسی صورت میں اعتماد کیا جائے گا جب وہ احادیث نبویہ، عربی لغت اور اسلامی شریعت کے معتبر اصول وضوابط سے ماخوذ ہو۔

Marfat.com

مترجم کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ قرآنی مطالب کے بیان کرنے میں ایسی تفسیر پر بھروسہ کرے جو ان مآخذ سے منقول ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی رائے سے قرآن کریم کا مطلب بیان کرے۔ یا ایسی تفسیر پر اعتماد کرے جو ان مصادر سے ماخوذ نہ ہو تو اس کا کیا ہوا ترجمہ اسی طرح ناقابل اعتماد ہے جس طرح وہ تفسیر بھروسہ کے لائق نہیں، جو ان سرچشمہ ہائے علمی سے مستفاد نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مترجم گمراہانہ عقائد وافکار کا حامل نہ ہو۔ اس شرط کا مفسر کے اندر بھی پایا جانا ضروری ہے۔ مفسر ومترجم کا رجحان ومیلان جس کسی باطل عقیدہ کی جانب ہوگا تو وہ عقیدہ فاسدہ اس کے فکر ونظر پر چھائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قرآنی فکر سے بہت دور نکل جائیں گے اور ان کے ترجمہ وتفسیر میں بھی اس چیز کی رنگ آمیزی ہوگی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہے اور جس میں کر رہا ہے ان دونوں زبانوں کا بخوبی ماہر اور ان کے اسرار ورموز، طریق استعمال اور وضع ودلالت سے پوری طرح آگاہ ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ پہلے قرآن کریم کی عبارت اور پھر اس کی تفسیر قلم بند کی جائے۔ بعد ازاں تفسیری ترجمہ تحریر کیا جائے۔ تاکہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ یہ قرآن کریم کا لفظی ترجمہ ہے۔

یہ ہیں وہ شرائط جن کو پیش نظر رکھنا اس شخص کے لیے از بس ناگزیر ہے، جو کسی دوسری زبان میں قرآن کریم کی ایسی تفسیر تحریر کرنا چاہتا ہے جو ہر قسم کے نقد وجرح اور عیب ونقص سے پاک ہو۔ (۱۰)

## ترجمہ وتفسیر میں فرق:

ترجمہ کا مفہوم لکھا جا چکا ہے تفسیر سے مراد کسی لفظ کے معنی کو واضح کرنا یعنی کھول کر بیان کرنا ہے۔ ترجمہ اور تفسیر میں درج ذیل فرق ہے:

① ترجمہ اصل الفاظ کے وہ معنی ہوتے ہیں جو اصل کی جگہ لے کر اس کے قائم مقام بن جاتے ہیں بخلاف اس کے تفسیر میں یہ بات نہیں ہوتی۔ تفسیر ہمیشہ اصل کلام کے ساتھ مربوط متصل ہوتی ہے۔ اگر تفسیر کو اصل کلام سے الگ کیا جائے تو کلام لغو ہو جاتا ہے۔

② ترجمہ میں اصل کلام کی حقیقی روح کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ جب کہ تفسیر میں صرف کلام کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، خواہ بطریق اجمال ہو یا تفصیل۔

③ ترجمہ میں شرح وتفصیل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، جب کہ تفسیر میں یہ ضروری ہوتا ہے اس لیے کہ ترجمہ اصل کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں اصل کلام سے کمی بیشی نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اصل کلام میں غلطی ہو تو یہ غلطی ترجمہ میں بھی برقرار رہے گی مگر تفسیر میں یہ بات نہیں ہوتی۔

Marfat.com

④ قرآن پاک کی تفسیر عربی زبان میں بھی کی جا سکتی ہے۔ جب کہ ترجمہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی کیا جاتا ہے۔

⑤ ترجمہ اس دعوے کا کافی ثبوت ہوتا ہے کہ مترجم نے جن معانی و مقاصد کو اصل کلام سے نقل کیا ہے، ان پر اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور صاحب الاصل کے پیش نظر بھی وہی مقاصد تھے۔ بخلاف اس کے تفسیر اس بات سے عاری ہوتی ہے، مفسر اس پر کبھی مطمئن ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ اپنے علم ونظر کی کوتاہی کا اعتراف بھی کر لیتا ہے۔ چنانچہ اکثر مفسرین متشابہات کے معنی و مفہوم کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔

## ترجمہ قرآن کی شرعی حیثیت:

آپ سابقہ عنوان ترجمہ نگاری کی حقیقت میں مطالعہ کر آئے ہیں کہ ترجمہ قرآن مجید کسی نوع کا بھی ہو اس میں وہ خوبی کلام واعجاز اور قوت بیان پیدا نہیں ہو سکتی جو عربی زبان میں موجود ہے۔ عربی زبان میں قرآن مجید کلام اللہ ہے اور ترجمہ کتنا ہی حسین و جمیل کیوں نہ ہو بہر حال وہ ترجمہ اور مفہوم و مطلب ہے اور اعجاز و خوبی کے ان تمام اوصاف سے محروم ہے جو کلام اللہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں اسے کلام اللہ کا مفہوم و ترجمہ ہی کہیں گے، ترجمہ کلام اللہ نہیں کہا جا سکتا۔

اگرچہ ترجمہ قرآن کبھی بھی قرآن مجید کے برابر نہیں ہو سکتا، تاہم ترجمہ قرآن کی ضرورت و اہمیت ناگزیر ہے کیونکہ موجودہ دور میں اسلام کی اشاعت قرآن مجید کے تراجم کے بغیر ممکن نہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت قرآن مجید کی زبان عربی سے ناآشنا ہیں۔ ان کو قرآنی تعلیمات سے آشنا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی مادری زبانوں میں اسلامی اصول وضوابط کے مطابق قرآن مجید کے تراجم کی بہت ضرورت ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم اور بابرکت کلام کو سمجھ سکیں۔

ابتدا میں اگرچہ کچھ لوگ قرآن مجید کے ترجمہ کے حق میں نہ تھے۔ مگر ترجمہ قرآن سے متعلق جھجک اور گو مگو کی یہ کیفیت جو بارھویں صدی ہجری کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں تھی اب دم توڑ چکی ہے۔ عصر حاضر میں قرآن مجید کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ تاہم اس میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعض ترجمے بدنیتی اور اسلام دشمنی کے نقطہ نگاہ سے بھی کیے جانے لگے ہیں۔ اور اس کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم طبقہ قرآن کے پیغام سے قریب ہو، شاہ عبدالقادر کے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دہلوی نے اپنی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یہ لکھا ہے کہ کسی غیر مسلم قوم پر دین حق کی تبلیغ اتمام حجت کی حد تک کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قوم کی زبان میں

Marfat.com

اسلامی اصول پیش کیے جائیں تا کہ وہ سمجھیں۔

اگر اس درجہ ابلاغ دین نہ ہوگا تو وہ قوم ''اصحاب الاعراف'' کی حیثیت میں ہوگی۔

شاہ ولی اللہ کے بڑے بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر قوم کو اس کی زبان میں خدا کا پیغام سمجھائیں اور زبانی اور تحریر افہام و تفہیم کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق حسنہ کو بطور دلیل کے اس کے سامنے پیش کریں اور اس طرف کفر و اسلام کے درمیان امتیاز قائم کر کے دکھائیں۔ اور اگر کسی قوم پر اسی طرح اتمام حجت نہ ہوگا تو وہ قوم ''اصحاب فترت'' کہلائے گی اور اس کا گناہ امت مسلمہ پر ہوگا۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ جوہری، تاج العروس من جواہر القاموس، ۲۱۱/۸۔

۲۔ آل عمران (۳): ۱۶۴۔

۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، (سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۴ء) ص: ۱۸۷۔

۴۔ پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، (ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار فیصل آباد، بار دوم، ۱۹۷۸ء) ص: ۱۰۳ تا ۱۲۰،

۵۔ ماہنامہ آئین، لاہور، تفہیم القرآن نمبر، ۲۰/۱۱: (شمارہ ۷، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء)۔

۶۔ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، (قرآن نمبر، دوسرا ایڈیشن، شمارہ ۶، جون ۱۹۶۸ء): ۳۴۳/۴۱۔

۷۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، فروری ۱۹۹۲ء)، ص ۱۴۔

۸۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، (مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۸۷ء،) ص: ۱۸۔

۹۔ بنی اسرائیل: (۱۷) ۲۹۔

۱۰۔ ماخوذ از المدخل المیزص: ۴۱، ومنہج الفرقان، ۲/۱۷۔۹۰۔


Marfat.com

فصل دوم:

# اردو تراجم القرآن کا آغاز

اردو زبان میں تراجم کا آغاز دسویں صدی ہجری میں مخلوط طور پر تفاسیر کے ساتھ ہوا۔ لیکن یہ سلسلہ چند سیپاروں یا چند سورتوں کی تفاسیر سے آگے نہ بڑھ سکا۔ گیارہویں صدی ہجری میں ہمیں کوئی باقاعدہ مکمل تفاسیر اردو زبان میں دستیاب نہیں ہوئی۔

بارہویں صدی ہجری میں اردو تفاسیر کا اچھا خاصا سرمایہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ جس میں قاضی محمد معظم کی تفسیر ہندی (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) سرفہرست ہے۔ اس کے بعد خاص تراجم کی ابتدا سے قبل (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء) اردو میں حسب ذیل تفاسیر تصنیف ہوئیں۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق "اردو زبان میں عام طور پر قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا رفیع الدین کا اور دوسرا شاہ عبدالقادر کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ترجمے تیرہویں صدی ہجری کے ہیں۔

## ابتدائی اردو تراجم القرآن:

برصغیر کے بعد علماء کی رائے میں عبدالعلی بلگرامی کے ترجمہ آیات مرتبہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء کے بعد تاریخی اعتبار سے پہلا اردو ترجمہ قرآن مجید (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء) شاہ رفیع الدین دہلوی کا ہے جو ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں پہلی بار کلکتہ اسلام پریس سے شائع ہوا۔ (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) میں شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ اور اردو تفسیر موضح القرآن تصنیف ہوا۔ مولوی عبدالحق کی تحقیق کے مطابق ان کے بعد حکیم شریف خاں دھلوی (م ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء) کا ترجمہ شائع ہوا۔

فورٹ ولیم کالج کلکتہ (موسسہ ۱۸۰۱ء) میں جو سلیس اردو میں تصانیف و تالیف کی گئی تھیں، ان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس ترجمہ کا کام ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں شروع ہوا۔ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں تکمیل کو پہنچا۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر گلکرائسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کے منشیوں مولوی امان اللہ شیدا، میر بہادر علی حسینی (میر منشی) نے ذوالحجہ ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں شروع کیا۔ بعد میں مولوی فضل اللہ بھی شامل ہو گئے۔ مرزا کاظم علی جوان ساتھ ساتھ ترجمہ کی زبان درست کرتے جاتے تھے۔ مولوی امان اللہ کے اس کام سے سبک دوش ہونے کے بعد حافظ محمد غوث کا تقرر ہوا اور آخر ۹ رمضان بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۸۰۴ء تقریباً دو سال کے بعد ترجمہ مکمل ہوا۔

Marfat.com

۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں عبداللہ ہوگلی نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۴ء میں امام الدین مسیحی کا ترجمہ ملتا ہے۔ اسی سال ایک امریکی پرسباتیرین پادری نے قرآن پاک کے ایک اور ترجمے کا اضافہ کیا۔ برٹش میوزیم میں بھی تیرہویں صدی کے مندرجہ ذیل تراجم قرآن مجید موجود ہیں:

① ترجمہ قرآن، ۱۲۸۵ھ۔ ۱۸۶۵ء، علمی۔ مترجم نامعلوم الاسم

② محمد ہاشم علی کا ترجمہ قرآن مجید قلمی مرقومہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء۔ ۱۸۶۸ء۔

③ ظہور الدین بلگرامی ترجمہ قرآن مجید قلمی ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء۔

تیرہویں صدی کا سب سے آخری ترجمہ قرآن مجید کنھیا لال الکھداری کا ہے جو ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء۔ ۱۸۸۲ء میں کیا گیا۔

## برصغیر کی اہم ترجمہ نگاری:

کثیر تاریخی روایات کے مطابق برصغیر یعنی پاکستان اور ہندوستان میں ترجمہ نگاری کا آغاز شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے کیا تھا۔ آپ کا تعلق ایک مذہبی علمی گھرانے سے تھا، آپ نے اس سرزمین پر ترجمہ نگاری کا پودا لگایا جس کی آبیاری آپ کی اولاد نے کی اور آج یہ پودا ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہے، آپ نے ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا اور اس کا نام فتح الرحمٰن تھا۔

## فتح الرحمٰن کی تدوین:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنے والد کے مدرسہ میں بارہ ۱۲ سال تعلیم وارشاد کا کام انجام دینے اور علوم اسلامی میں غور وخوض کرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا عزم کیا۔ حجاز مقدس میں مشائخ سے استفادہ کیا۔

حضرت شاہ صاحب جب سفر حجاز سے ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء کو ہندوستان میں لوٹے تو اسی الہامی تحریک کی وجہ سے آپ نے اپنے اندر اصلاح امت کا زبردست جوش محسوس کیا اور آپ نے واپس آتے ہی اصلاح ودعوت کا کام شروع کر دیا۔ ہندوستان میں تقلید کے جمود کو توڑا اور عمل بالحدیث شروع کیا۔ کئی مسائل میں حدیث مرفوع کو اقوال آئمہ پر ترجیح دی (بطور مثال رفع الیدین فی الصلاۃ)۔

اسی سلسلہ میں پہلا کام قرآن مجید کے فارسی ترجمہ وتشریح کا تھا جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں مکمل ہوا۔

آپ کے فارسی ترجمہ کا نام "فتح الرحمٰن" ہے جس پر فارسی ہی میں مختصر حواشی ہیں۔ ترجمہ کی تکمیل کے بعد ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں آپ نے تعلیم وتدریس شروع کر دی۔ ہندوستان میں عجمی زبان کے اندر قرآن کریم کا یہ پہلا ترجمہ تھا۔

Marfat.com

ہندوستان سے فارسی زبان کا ترجمہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ زندہ ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے اردو ترجموں کے ساتھ ناشرین اسے شائع کرتے آرہے ہیں۔

شاہ صاحب کے ترجمہ اور حواشی میں شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت صاف طور پر نظر آتی ہے۔ ترجمہ کی زبان نہایت شستہ اور معیاری ہے۔ اقبال پرنٹنگ دہلی نے پانچ ترجموں والے قرآن کریم میں اس ترجمہ کو سید شریف جرجانی کے ترجمہ فارسی کے نیچے شائع کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس فارسی ترجمہ کی حیثیت تمام اردو تراجم میں ''استاذ'' کی ہے۔ اسی ترجمہ نے آپ کے صاحبزادوں کو ترجمہ قرآن کی راہ بتائی اور عجمی زبان سے (ہندی) میں کلام الٰہی کو سمجھانے کا حوصلہ بخشا اور پھر تینوں ترجمے دوسرے تراجم کے لیے سنگ بنیاد ثابت ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ نے اردو میں با محاورہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ ''موضح القرآن'' کے نام سے تفسیر بھی لکھی جو کہ مختصر ہے، لیکن مستقبل پر لکھی جانے والی تمام تراجم و تفاسیر کی بنیاد یہی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے برادر حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے استفادہ کیا اور پھر دہلی کی اکبری مسجد میں اس کتاب الٰہی کی خدمت میں منہمک ہو گئے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ وتفسیر مکمل ہو جانے کے بعد چھپنا شروع ہو گیا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت بخشی اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا، بعد کے اکثر و بیشتر مترجم حضرات اور مفسرین نے اسی کو بنیاد بنا دیا

ترتیب کے اعتبار سے شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کا ذکر شاہ عبدالقادر صاحب کے بعد آنا چاہیے تھا، کیونکہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ کے اردو با محاورہ ترجمہ کے چند سال بعد مکمل ہوا۔

لیکن شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ چونکہ عمر کے لحاظ سے بڑے ہیں اس لیے ہم نے شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کا عنوان مقدم کر دیا ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب کے تحت اللفظ ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں طبع ہوا۔

## اردو کے تراجم کا سنہری دور:

اردو کے قدیم تراجم پر ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا جامع تبصرہ ہے۔ دیوبند سے ''جائزہ قرآنی تراجم'' کے نام سے ۱۸۶ صفحات کی ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

ان تبصروں سے پتہ چلتا ہے شاہ عالم ثانی کا عہد ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء، تا ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء قرآن مجید کے ترجموں کے لحاظ سے بہت مبارک و ممتاز تھا، مولف جائزہ تراجم اور بابائے اردو ڈاکٹر صاحب نے اس عہد کے کئی

Marfat.com

ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

① ترجمہ حکیم محمد شریف خان دہلوی (وفات ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) جو مکمل تھا مگر طبع نہ ہو سکا۔

② تفسیر حقانی از سید شاہ حقانی ماہروی (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء) تاریخ نثر اردو مولوی احسن مارہروی کے حوالہ سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس ترجمہ کو بھی زیور طبع سے آراستہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔

③ توضیح مجید از سید علی مجتہد لکھنوی (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء/۱۸۳۹ء/۱۸۰۶ء بعہد امجد علی شاہ والی اودھ۔

④ چراغ ابدی" ترجمہ پارہ عم از عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء۔

⑤ تفسیر مرادیہ، پارہ عم از شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی ۱۱۸۴ھ/۷۷۰ا اس ترجمہ اور مختصر تفسیر کو اردو تراجم میں تاریخی ترتیب کے اعتبار سے اولیت کا شرف حاصل ہے۔

⑥ ایک ترجمہ شاہ عالم کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سرپرستی میں کیا گیا ہے، اس نے یہاں ایک دار الترجمہ قائم کیا تھا اور علماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور تھی۔ اس کی تکمیل ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں ہوئی۔

ہندوستان میں "زبان اردو" کی تاریخ میں انیسویں صدی قرآن کے ترجموں کے لیے بہت اہم ہے۔(۱) یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلے "اردو" کو "ہندی" کہا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح ملک فارس کی زبان کو فارسی اور عرب کی زبان کو عربی کہا جاتا ہے۔ اردو کو ہندی کہنے کا ثبوت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن سے بآسانی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ترجمے کے دیباچے میں خود فرماتے ہیں:

> "اس بندہ ناچیز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں، اسی طرح عاجز نے "ہندی زبان" میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں۔ الحمدللہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء میں حاصل ہوئی۔" (۲)

قصہ کوتاہ! انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں قرآن مجید کے سیکڑوں تراجم، حواشی اور تفاسیر لکھے گئے۔ ان میں جزوی بھی تھے اور مکمل بھی۔ منظوم بھی تھے اور منثور بھی۔ مطبوع بھی تھے اور قلمی بھی۔ یہاں ان سب کا ذکر یقیناً باعث طویل ہوگا۔ چنانچہ اس سے صرف نظر کرتا ہوا ذیل میں راقم الحروف صرف ان تراجم کا ذکر سنہ کی ترتیب کے ساتھ پیش کرے گا جو مکمل مطبوع اور منثور ہیں۔ اس فہرست میں قرآن حکیم کے مکمل اور اردو تراجم، عہد بہ عہد جائزہ و ترتیب کے ساتھ پیش کیے جائیں گے۔

Marfat.com

# انیسویں صدی عیسوی کے مکمل اور مطبوعہ تراجم

◄ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء:

مولوی حاجی سید عبداللہ کا ترجمہ مع مختصر تفسیری نوٹس بنام تفسیر موضح القرآن کلکتہ سے شائع ہوا جو آٹھ سو پچاس (۸۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ (۳)

◄ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء:

عبداللہ ہوگلی کا ترجمہ ہے۔ اس کا مطبع معلوم نہیں۔ (۴)

◄ ۱۲۵۲ھ/۱۹۳۶ء:

سید علی مجتہد کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو ''توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید'' کے نام سے حیدری پریس، بمبئی سے چار جلدوں میں شائع ہوا۔ مترجم کا تعلق شیعہ مذہب سے ہے۔ (۵)

◄ ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء:

کرامت علی جونپوری (م ۱۸۷۳ء/۱۲۹۰ھ) کا ترجمہ ہے جو ''کوکب دری'' کے نام سے حیدر آباد دکن کے مطبع اختر دکن سے شائع ہوا۔ ایک ہزار تین سو نوے (۱۳۹۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس طباعت کا نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ (۶)

◄ ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء:

شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ شاہ عبدالقادر کے فوائد ''موضح القرآن'' کے ساتھ کلکتہ کے ایک قدیم مطبع بنام اسلامی پریس میں طبع ہوا۔ یہ پہلا ایڈیشن دو جلدوں میں بالترتیب ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء اور ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں طبع ہوا۔ (۷)

◄ ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء:

مترجم و مطبع وغیرہ کا علم نہیں۔ مگر قیاساً لکھنو کا طبع شدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ضخامت سات سو ستاون صفحات (۷۵۷) ہے۔ اس کا نسخہ برٹش لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کے صفحات میں کافی گڑبڑ ہے۔ (۸)

Marfat.com

◄ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء:

سکندر علی خان نواب مالیر کوٹلہ کا ترجمہ ''تفسیر رحمانی'' کے نام سے مجتبائی پریس دہلی سے طبع ہوا۔ آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے حاشیہ پر شاہ عبدالقادر دہلوی کا موضح قرآن دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حاشیہ پر کچھ عربی میں نوٹ بھی ہیں۔ اس طباعت کا ایک نسخہ بیت القرآن لاہور میں موجود ہے۔ (۹)

◄ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء:

مولانا یعقوب حسن کا اردو ترجمہ ''حمائل شریف مترجمہ اردو'' کے نام سے مطبع حسینی آگرہ سے شائع ہوا۔ یہ دراصل تفسیر جلالین کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ (۱۰)

◄ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء:

مولوی عبدالغفور خان کا اردو ترجمہ جو تفسیر کے ساتھ بنام ''حدائق البیان فی معارف القرآن'' مطبع فاروقی، دہلی سے شائع ہوا۔ (۱۱)

◄ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء:

عبدالصمد بن عبدالوہاب خان کا چار جلدوں میں اردو ترجمہ مع تفسیر ہے جو مولوی عبدالحق نامی ایک شخص نے طبع کرایا تھا۔ ایک ہزار چھ سو بتیس (۱۶۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ قدیم دکنی زبان میں ہے۔ اسے ''تفسیر وہابی مع ترجمہ'' بھی کہا گیا ہے۔ اس طباعت کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن میں بھی موجود ہے۔ (۱۲)

◄ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء:

غلام مہدی خان واصف (متوفی ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) کا ترجمہ ہے جو تفسیر مطالب القرآن مع ترجمہ جلالین وفوائد ومطالب بیضاوی، مظہر العجائب پریس مدراس سے شائع ہوا ہے۔ اس کی ضخامت ایک ہزار نو سو چھ (۱۹۰۶) صفحات ہے۔ (۱۳)

◄ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء:

سید ظہیر الدین بلگرامی کا ترجمہ ہے جو حاشیہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ چھ سو چوالیس (۶۴۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ برٹش میوزیم لائبریری لندن میں موجود ہے۔ (۱۴)

◄ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء:

قطب الدین خان، محمد بہادر دہلوی، نواب (متوفی ۱۸۷۲ء/۱۲۸۹ھ) کا ترجمہ ہے جو مع تفسیر کے ''جامع التفاسیر'' کے زیر عنوان دہلی سے شائع ہوا۔ چھ سو چھ نسٹھ (۶۶۴) صفحات میں قطب الدین خان کی وفات کے بعد آخری چند سورتوں کا ترجمہ مع تفسیر ان کے شاگرد محمد عبدالقادر نے مکمل کیا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ (۱۵)

Marfat.com

◄ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء:

محمد حسین نقوی (متوفی ۱۹۰۵ء/۱۳۲۳ھ) کا ترجمہ مع تفسیر بنام تفسیر حضرت شاہی، مرتضوی پریس دہلی سے طبع ہوا۔ اس کا مکمل نام یہ ہے: ''معاملات الاسرار فی مشاکفات الاخبار المعروف بہ تفسیر حضرت شاہی''۔(۱۶)

◄ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء:

فخر الدین احمد قادری کا ترجمہ جو ''تفسیر قادری'' کے نام سے دو جلدوں میں لکھنو سے شائع ہوا۔(۱۷)

◄ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء:

کنھیالال لکھداری کا ترجمہ جو شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ قرآن سے مدد لیتے ہوئے کیا گیا ہے۔ عربی متن کے بغیر یہ ترجمہ سردار جگجوت سنگھ، نبیرہ راجہ رنجیت سنگھ کی فرمائش پر لکھا گیا ہے۔ ترجمے کے پہلے صفحے پر مترجم کی تصویر بھی چھپی تھی جو مذہباً ہندو تھا۔ یہ دھرم سبھا بھک، لدھیانہ سے شائع ہوا۔ چار سو پندرہ (۴۱۵) صفحات ہیں۔(۱۸)

◄ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء:

عبدالصمد کا ترجمہ ہے جو ''جواہر الصمدیہ'' کے عنوان سے مطبع فاروقی، دہلی سے شائع ہوا۔ اس ترجمے کو جملہ سورتوں کے مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی مختصر تفسیر بھی ہے۔ صفحات دو سو پچھتر (۲۷۵) ہیں۔(۱۹)

◄ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء:

نواب محمد حسین قلی خان کا ترجمہ مع توضیحی الفاظ، مطبع حسینی اثنا عشری، لکھنو سے شائع ہوا۔ اس ترجمے کی زبان قدیم ہے۔(۲۰)

◄ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء:

مولوی فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی نے ''مواہب کلیہ، تفسیر حسینی'' کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا جو مطبع نولکشور لکھنو سے دو جلدوں میں شائع ہوا۔ صفحات آٹھ سو چھتیس (۸۳۶) ہیں۔ (جلد اول ۴۲۰، جلد دوم ۴۱۶ صفحات) اس اشاعت کا ایک نسخہ بیت القرآن لاہور میں موجود ہے۔(۲۱)

◄ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء:

سید علی محمد (۱۳۱۲ھ/م۱۸۹۴ء) کا ترجمہ مع مبسوط حواشی کے، دو جلدوں میں لکھنو سے شائع ہوا۔ اردو میں متن کے بغیر غالباً پہلا ترجمہ جو پاک و ہند میں ایک شیعہ عالم کی طرف سے ہوا، وہ یہی ہے۔(۲۲)

◄ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء:

رفعت رؤف احمد مجددی کا ترجمہ و تفسیر بنام ترجمہ و تفسیر روفی، فتح الکریم پریس، بمبئی سے شائع ہوا۔(۲۳)

Marfat.com

◀ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء:

سید زین العابدین کا ترجمہ الہ آباد، ہندوستان سے شائع ہوا۔ صفحات (۴۳۴) ہیں۔ (۲۴)

◀ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء:

سید نور الحق منعم (۱۳۲۳ھ/م ۱۹۰۵ء) نے نواب سید محمد فیض اللہ خان کی فرمائش پر ترجمہ وتفسیر لکھی تھی۔ مطبع کا علم نہیں ہوسکا۔ (۲۵)

◀ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء:

ابو محمد ابراہیم بن عبد العلی آروی کا ترجمہ بنام تفسیر خلیلی ہے جو مطبع خلیلی آرہ، بھارت سے شائع ہوا۔ (۲۶)

◀ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء:

سید عمار علی رئیس (۱۳۰۴ھ/م ۱۸۸۶ء) کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو ''عمدۃ البیان'' کے نام سے مطبع یوسفی پریس، دہلی سے شائع ہوا۔ ایک ہزار چھ سو چوہتر (۱۶۷۴) صفحات ہیں۔ (۲۷)

◀ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء:

فیروز الدین سیالکوٹی کا ترجمہ ہے۔ مطبع کا علم نہیں ہوسکا۔ (۲۸)

◀ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء:

محمد احسن اللہ عباسی گورکھپوری (۲۹)۔ (۱۳۴۷ھ/م ۱۹۲۸ء) کا ترجمہ جو اسعدی پریس، گورکھپور سے شائع ہوا۔ کل صفحات چار سو اڑسٹھ (۴۶۸) ہیں۔ یہ ترجمہ بلا متن شائع ہوا۔ (۳۰)

◀ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۳ء:

مولوی محمد باقر کا ترجمہ قرآن ہے جو مفید عام پریس سیالکوٹ سے شائع ہوا۔ (۳۱)

◀ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء:

حکیم سید محمد حسن امروہوی ندوی جلالی نے ''غایۃ البرہان'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے جو سید المطابع مراد آباد سے دو جلدوں میں شائع ہوا۔ (۳۲)

◀ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء:

ریورنڈ ڈاکٹر امام الدین امرتسری کا ترجمہ ہے۔ کرسچین مشن پریس الہ آباد میں چھپا۔ یہ عیسائیت کی جانب سے پروپیگنڈا پر مشتمل ہے۔ اس ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن رومن رسم الخط میں شائع ہوا تاکہ غیر اردو داں بھی استفادہ کرسکیں۔ (۳۳)

◀ ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء:

سید علی لکھنو کا ترجمہ وتفسیر بنام ''تنویر البیان'' کے نام سے ترجمہ قرآن مطبع اعجاز محمدی، آگرہ سے شائع ہوا۔ (۳۴)

Marfat.com

◄ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء:

مولانا عبدالمقتدر بدایونی (۱۳۲۳/متوفی ۱۹۱۵ء) نے تفسیر عباسی (عبداللہ بن عباس) کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ حاشیہ پر تفسیر حسینی بھی ہے۔ اس کے ساتھ شاہ عبدالقادر اور شیخ سعدی کے ترجمے بھی ہیں۔ یہ مطبع انوری آگرہ سے شائع ہوا۔ (۳۵)

◄ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء:

مولانا عبدالحق حقانی نے فتح المنان یا تفسیر حقانی کے نام سے آٹھ جلدوں میں ترجمہ و تفسیر مفصل مع مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ جو دارالاشاعت مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔ (۳۶)

◄ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء:

سید عبدالقادر نے ایک ہزار دو سو صفحات پر مشتمل ترجمہ کیا ہے جسے سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) نے نمبر شمار ۲۲۶ میں اسے نامعلوم الاسم تصور کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اس طباعت کا ایک نسخہ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ (۳۷)

Marfat.com

# بیسویں صدی عیسوی کے مکمل اور مطبوعہ تراجم

▪ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء:

عبدالحکیم خان پٹیالوی (۱۳۵۹ھ/م ۱۹۴۰ء) نے تفسیر القرآن بالقرآن مع ترجمہ کیا جو عزیزی پریس، تراوڑی، کرنال سے شائع ہوا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ (۳۸)

▪ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء:

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا ترجمہ ہے جو خیر المطابع لکھنو سے شائع ہوا۔ (۳۹)

▪ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء:

سید امیر علی ملیح آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۷۔۱۹۱۸ء) نے ''مواہب الرحمٰن مع ترجمہ'' کے زیر عنوان یہ خدمت انجام دی۔ یہ ترجمہ نولکشور پریس، لکھنو سے شائع ہوا۔ آٹھ ہزار پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جو تیس جلدوں میں ہے۔ (۴۰)

▪ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء:

سید محمد عمر قادری نے ''کشف القلوب'' کے تاریخی نام سے ترجمہ اور تفسیر لکھی جو ''تفسیر قادری'' کے نام سے مشہور ہے۔ شمس الاسلام پریس، حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔ (۴۱)

▪ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۲ء:

محمد عبدالمجید نے ''تفسیر البیان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے ترجمہ قرآن کیا جو دہلی سے شائع ہوا۔ (۴۲)

▪ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء:

محمد ابوذر سنبھلی نے تفسیر جلالین کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو مطبع اعجاز محمدی، آگرہ سے شائع ہوا۔ (۴۳)

▪ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء:

مرزا محمد امراؤ حیرت دہلوی کا ترجمہ، کرزن پریس دہلی سے شائع ہوا۔ صفحات نو سو بارہ (۹۱۲) ہیں۔ اس طباعت کا ایک نسخہ بیت القرآن لاہور میں ہے۔ (۴۴)

▪ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء:

ڈاکٹر محمد حکیم کا ترجمہ جو ''حمائل التفسیر'' کے نام سے کرنال سے شائع ہوا۔ (۴۵)

Marfat.com

◄ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء:

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے تفسیر ثنائی کے نام سے ترجمہ وتفسیر کا کام کیا جسے مطبع اہل حدیث نے شائع کیا۔ واضح ہو کہ یہ مکمل ترجمہ تھا۔ قبل ازیں مترجم کے جزوی ترجمے اور تفسیریں چھپتی رہی ہیں۔(۴۶)

◄ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء:

نجم الدین سیوہاروی (م ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) کا ترجمہ ہے جو فیض بخش ایجنسی فیروز پور سے شائع ہوا۔ صفحات چار سو ستاسی (۴۸۷) ہیں۔(۴۷)۔

◄ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء:

مولانا نظام الدین حسن کا ترجمہ ہے۔ نولکشور پریس لکھنو سے شائع ہوا۔(۴۸)

◄ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء:

مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ہے جو رفاہ عام پریس لاہور سے شائع ہوا۔(۴۹)

◄ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء:

مولانا محمد احسن تعلقداری کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو احسن التفاسیر کے نام سے چھپا۔ افضل المطابع دہلی سے سات جلدوں میں شائع ہوا۔(۵۰)

◄ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء:

جھوٹے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول کا ترجمہ اخبار ''بدر'' میں بالاقساط چھپتا رہا۔ اسے میرٹھ کے ایک احمدی نے خیر خواہ اسلام پریس، آگرہ سے کتابی صورت میں شائع کیا۔(۵۱)

◄ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء:

شیخ محمد علی دہلوی کا ترجمہ مع حاشیہ ہے جو مطبع اثنا عشری، دہلی سے شائع ہوا۔(۵۲)

◄ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء:

مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ جو کنز الایمان کے نام سے مطبع نعیمی اہل سنت (مرادآباد) سے شائع ہوا۔(۵۳)

◄ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء:

ابو محمد مصلح حیدرآبادی کا ترجمہ ہے جو ''توضیح البیان'' کے نام سے مطبع اہل سنت مرادآباد سے شائع ہوا۔(۵۴)

◄ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء:

مولوی سرور شاہ کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک رسالہ تعلیم الاسلام، رسالہ تفسیر القرآن اور ریویو آف ریلیجنز کے ضمیمے میں چھپتا رہا۔ مطبع معلوم نہ ہو سکا۔(۵۵)

Marfat.com

◀ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء:

محمد انشاء اللہ کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو حمیدیہ اسٹیم پریس، لاہور سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوا۔ کل صفحات تین ہزار سات سو چالیس ہیں۔ یہ تفسیر علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہے۔ تاہم ترجمہ قرآن، محمد انشاء اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طباعت کا ایک نسخہ بیت القرآن لاہور، ایک کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) اور ایک نسخہ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ (۵۶)

◀ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء:

فتح اللہ شیرازی کا ترجمہ مع تفسیری نوٹس کے شائع ہوا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی میں موجود ہے۔ (۵۷)

◀ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء:

فخر الدین ملتانی کا ترجمہ، اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور سے شائع ہوا۔ اس کی تیاری میں سید محمد سرور شاہ، حافظ روشن علی اور دیگر احمدی علماء نے بھی حصہ لیا۔ ضخامت سات سو چار (۷۰۴) صفحات ہے۔ (۵۸)

◀ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء:

شیخ محمد اشرف کا شائع کردہ ترجمہ ہے جو لاہور سے طبع ہوا، کل صفحات سات سو بتیس (۷۳۲) ہیں۔ اس میں دوسرا اردو ترجمہ مولانا وحید الزمان خان کی طرف سے ہے۔ اس کے حاشیے پر مولانا ابو القاسم محمد عبدہ الفلاح کے مفصل تفسیری نوٹس ہیں۔ یہ مختصر نوٹس بہت غور و فکر کے بعد لکھے گئے ہیں ان میں بعض عجیب علمی نکات ہیں (۵۹)

◀ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء:

مقبول احمد دہلوی کا ترجمہ مقبول پریس دہلی سے شائع ہوا۔ نو سو چھیاسٹھ (۹۶۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ نواب حامد علی خان رام پوری کے ایما پر کیا گیا۔ (۶۰)

◀ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء:

یعقوب حسن کا ترجمہ جو ''کتاب الھدیٰ'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کا مقدمہ ''کشاف الھدیٰ'' کے نام سے لکھا گیا ہے۔ (۶۱)

◀ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء:

مولانا محمود الحسن دیوبندی کا ترجمہ جو ''موضح الفرقان'' کے نام سے مدینہ پریس، بجنور سے شائع ہوا۔ (۶۲)

◀ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء:

مولانا محمد عبد الباری فرنگی محلی کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو ''الطاف الرحمٰن بتفسیر القرآن'' کے نام سے تین جلدوں میں چھپا۔ نامی پریس لکھنؤ کی طباعت کا ایک حصہ بیت القرآن لاہور میں موجود ہے۔ (۶۳)

Marfat.com

◄ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء:

محمد رمضان اکبرآبادی کی تفسیر ابن عباس کا عربی سے اردو ترجمہ کیا ہے۔ مطبع گلشن، ہند، آگرہ سے شائع ہوا۔ تین سو ایک صفحات پر مشتمل ہے۔(٦٤)۔

◄ ۱۳۴٦ھ/۱۹۲۸ء:

محمد بن ابراہیم جونا گڑھی نے تفسیر ابن عباس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ نور محمد پریس دہلی سے شائع ہوا۔(٦٥)

◄ ۱۳۴٦ھ/۱۹۲۸ء:

سید احمد حسن دہلوی (متوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کا ترجمہ ہے جو ''احسن الفوائد'' کے نام سے جید برقی پریس دہلی سے طبع ہوا۔ صفحات آٹھ سو اٹھائیس (۸۲۸) ہیں۔ اس کی تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے جس کا نام ''احسن التفاسیر'' ہے۔(٦٦)

◄ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء:

سید ممتاز علی دیوبندی و نجم الدین سیوہاروی کا مشترکہ ترجمہ، جو دارالاشاعت گیلانی پریس لاہور سے چھ جلدوں میں شائع ہوا۔ کل صفحات ایک ہزار ایک سو تینتالیس (۱۱۴۳) ہیں۔ سید ممتاز علی یہ ترجمہ مکمل نہیں کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ بقیہ حصہ نجم الدین سیوہاروی نے پورا کیا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ بیت القرآن لاہور میں موجود ہے۔(٦٧).

◄ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء:

مولانا احمد علی لاہوری (م ۱۳۸۱ھ/۱۹٦۲ء) کا ترجمہ ہے جو انجمن خدام الدین لاہور نے چھاپا تھا۔ ایک ہزار چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ حاشیے پر تفسیری نوٹس شاہ عبدالقادر دہلوی کے ہیں۔ اس طباعت کا ایک نسخہ سنٹرل لائبریری بہاولپور میں موجود ہے۔(٦٨)

◄ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء:

حکیم یٰسین شاہ کا ترجمہ ہے۔ دین محمدی پریس لاہور نے شائع کیا۔ پانچ سو چوبیس (۵۲۴) صفحات ہیں۔(٦٩)

◄ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء:

عبدالدائم جلالی کا ترجمہ قرآن ہے جو حمیدیہ پریس دہلی سے شائع ہوا۔ چھ سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔(۷۰)

◄ ۱۳٦۲ھ/۱۹۴۳ء:

مولوی فیروز الدین کا ترجمہ ہے۔ فیروز سنز لاہور نے چھاپا ہے۔ صفحات نو سو اٹھانوے (۹۹۸) ہیں۔(۷۱)

Marfat.com

- ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء:

محمد سلیمان فاروقی کا ترجمہ ہے۔ دارالاشاعت الفیض امرتسر سے چھپا ہے۔ (۷۲)

- ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء:

محمد اشرف جیلانی کچھوچھوی (م ۱۹۶۱ء/۱۳۸۱ھ) کا ترجمہ قرآن ہے۔ مطبع معلوم نہیں۔ (۷۳)

- ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء:

قاری محمد اسمٰعیل افضل (۸۴) کا ترجمہ ''چراغ ہدایت'' کے عنوان سے شیخ غلام علی اینڈ سنز، علمی پرنٹنگ پریس نے شائع کیا۔ سات سو نوے صفحات ہیں۔ اس ترجمے میں ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ سے بہت مدد لی گئی ہے۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ لیاقت میموریل کراچی میں موجود ہے۔ (۷۵)

- ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء:

ابوالقاسم محمد عتیق کا ترجمہ ہے جو لکھنو سے شائع ہوا۔ (۷۶)

- ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء:

مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی نے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ پانچ جلدوں میں ہے۔ کل صفحات دو ہزار نو سو سینتالیس (۲۹۴۷) ہیں۔ اس کا ایک نسخہ کراچی یونیورسٹی میں بھی موجود ہے۔ (۷۷)

- ۷۵-۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء:

مرزا احمد علی کا ترجمہ مع حواشی ہے۔ کتب خانہ حسینیہ سے شائع ہوا۔ (۷۸)

- ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء:

مولانا عبدالستار دہلوی کا ترجمہ مع احسن التفاسیر، مکتبہ سعود، کراچی سے شائع ہوا۔ (۷۹)

- ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء:

مرزا بشیر الدین محمود کا ترجمہ تفسیر صغیر مع مختصر حواشی ادارۃ المصنفین ربوہ سے شائع ہوا۔ کل صفحات ایک ہزار چار سو چھیاسٹھ (۱۴۶۶) ہیں۔ (۸۰)

- ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء:

غلام احمد پرویز کا قرآنی مفاہیم پر مشتمل اردو ترجمہ ہے جسے میزان پرنٹنگ پریس لاہور نے چھاپا ہے۔ (۸۱)

- ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء:

حافظ محمد داؤد خان بن خورشید احمد خان نے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ ''الفضل الکبیر'' کے نام سے کیا ہے جو مکتبہ الریحان کراچی سے دس جلدوں میں شائع ہوا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) میں موجود ہے۔ (۸۲)

Marfat.com

◄ ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء:

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۹ء) کا ترجمہ قرآن مجید، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوا۔ پندرہ سواسی صفحات (۱۵۸۰) ہیں۔(۸۳)

◄ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء:

ابوالقاسم عتیق فرنگی محلی کا ترجمہ ہے جو ادارہ بحرالعلوم اشاعت القرآن مطبع جاوید سے شائع ہوا۔ اس کے حواشی پر ترجمہ نگار نے مختصر نوٹس بھی دیے ہیں۔ اس طباعت کا ایک نسخہ بیت القرآن، لاہور میں موجود ہے۔(۸۴)

◄ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء:

محمد عبدالقدیر صدیقی قادری کا ترجمہ مع تفسیر، مطبع سرکار عالی، حیدرآباد دکن سے چھ جلدوں میں شائع ہوا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ کراچی یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے۔(۸۵)

◄ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء:

محمد سلیم الدین شمسی کا ترجمہ اردو اور گجراتی میں چھپا ہے جو ملت پرنٹنگ پریس نے شائع کیا۔ نوسو آٹھ صفحات ہیں۔(۸۶)

◄ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء:

الحاج پیر صلاح الدین کا ترجمہ مع تفسیر ہے جو قرآن پبلی کیشنز اسلام آباد نے چار جلدوں میں شائع کیا۔ صفحات دو ہزار نوسو بیالیس (۲۹۴۲) ہیں۔ مترجم احمدی ہے۔(۸۷)

◄ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء:

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کا ترجمہ مع تفسیر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے پانچ جلدوں میں شائع ہوا۔(۸۸)

◄ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء:

سید محمد شاہ کا ترجمہ مع تفسیر ''مطالب الفرقان فی ترجمۃ القرآن'' ہے۔ پیکو آرٹ پریس لاہور سے شائع ہوا۔ اس کی نظر ثانی مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا شہاب الدین اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے کی ہے۔(۸۹)

◄ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء:

سید حامد حسن بلگرامی کا ترجمہ مع تفسیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سے شائع ہوا۔ تین جلدوں میں ہے۔(۹۰)

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۹۵۔

۲۔ ایضاً، ص: ۸۰۔

۳۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص: ۱۱۳، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۹۷۔

۴۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص: ۱۲، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۱۴۔۹۶۔

۵۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم،، ص: ۹۷۔

۶۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، ص: ۱۵۸۔

۷۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۹۲۔

۸۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص: ۱۹۱۔

۹۔ ڈاکٹر احمد خان قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، ص: ۱۰۰۔

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۶۸۔ (۲) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۹۹۔۱۰۰۔

۱۱۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، ص: ۱۳۳، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۰۰۔

۱۲۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۲۷۔

۱۳۔ ایضاً، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۷۰۔

۱۴۔ ایضاً، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۱۰، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۰۱۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۸۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۔

۱۷۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، ص: ۷۶۔

۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۸۶۔

۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۲۷۔

۲۰۔ ایضاً، ص: ۲۱۹ (۲) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۱۰۴۔


Marfat.com

۲۱۔ ایضاً،ص:۷۵۔
۲۲۔ ایضاً،ص:۱۰۳۔
۲۳۔ ایضاً،ص:۸۲۔
۲۴۔ ایضاً،ص:۹۹۔
۲۵۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، ص:۲۶۳۔
۲۶۔ ایضاً،ص:۲۰۴(۲) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم،۱۰۴۔
۲۷۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص:۱۰۵۔
۲۸۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، :۱۸۱۔
۲۹۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین کی کتاب میں ان کا نام ''احسان'' لکھا گیا ہے۔ص:۱۰۵۔
۳۰۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)۲۰۴۔
۳۱۔ ایضاً،ص:۲۱۵(۲) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم ص:۱۰۶۔
۳۲۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص: ۲۱۸، ڈاکٹر صالحہ نے اسے ۱۸۸۷ء کا بتایا ہے، ص:۱۰۴۔
۳۳۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص:۱۰۷
۳۴۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص:۱۶۲۔
۳۵۔ ایضاً،ص:۱۵۷۔
۳۶۔ ایضاً،ص:۱۱۷۔
۳۷۔ ایضاً،ص:۱۴۸۔
۳۸۔ ایضاً،ص:۱۱۹۔
۳۹۔ ایضاً،ص:۱۱۱
۴۰۔ ایضاً،ص:۵۹
۴۱۔ ایضاً،ص:۱۴۱۔
۴۲۔ ایضاً،ص:۲۳۶۔
۴۳۔ ایضاً،ص:۲۵۶۔
۴۴۔ ایضاً،ص:۸۷
۴۵۔ ایضاً،ص:۲۲۱
۴۶۔ ایضاً،ص:۶۶
۴۷۔ ایضاً،ص:۲۵۶۔
۴۸۔ ایضاً،ص:۲۶۲۔
۴۹۔ ایضاً،ص:۱۷۳۔
۵۰۔ ایضاً،ص:۲۰۴۔
۵۱۔ ایضاً،ص:۲۶۴
۵۲۔ ایضاً،ص:۲۳۹
۵۳۔ ایضاً،ص:۴۲
۵۴۔ ایضاً،ص:۲۵۱
۵۵۔ ایضاً،ص:۱۰۰
۵۶۔ ایضاً،ص:۲۱۴
۵۷۔ ایضاً،ص:۱۷۲
۵۸۔ ایضاً،ص:۱۷۶
۵۹۔ ایضاً،ص:۹۰
۶۰۔ ایضاً،ص:۲۵۳
۶۱۔ ایضاً،ص:۲۶۸
۶۲۔ ایضاً،ص:۲۴۶

Marfat.com

۶۳۔ ایضاً، ص:۲۳۱
۶۴۔ ایضاً، ص:۲۶
۶۵۔ ایضاً، ص:۲۶۔
۶۶۔ ایضاً، ص:۳۷۔
۶۷۔ ایضاً، ص:۲۵۴۔
۶۸۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، ص:۴۶۔
۶۹۔ ایضاً، ص:۲۶۸۔
۷۰۔ ایضاً، ص:۱۲۴۔
۷۱۔ ایضاً، ص:۱۸۱۔
۷۲۔ ایضاً، ص:۲۲۵۔
۷۳۔ ایضاً، ص:۲۰۹۔
۷۴۔ ایضاً، ان کا نام یوں بھی لکھا گیا ہے۔ قاری افضل محمد اسماعیل، ص:۲۶۱۔
۷۵۔ ایضاً، ص:۲۰۹۔
۷۶۔ ایضاً، ص:۲۳۸۔
۷۷۔ ۲۸۔
۷۸۔ ایضاً، ص:۴۷۔
۷۹۔ ایضاً، ص:۱۲۶۔
۸۰۔ ایضاً، ص:۶۳
۸۱۔ ایضاً، ص:۱۶۵
۸۲۔ ایضاً، ص:۲۹۔
۸۳۔ ایضاً، ص:۲۹۔
۸۴۔ ایضاً، ص:۱۶۰
۸۵۔ ایضاً، ص:۲۹۵۔
۸۶۔ ایضاً، ص:۲۲۴۔
۸۷۔ ایضاً، ص:۱۰۸
۸۸۔ ایضاً، ص:۲۴۴
۸۹۔ ایضاً، ص:۲۲۶
۹۰۔ ایضاً، ص:۴۵۔۴۶۔

Marfat.com

**فصل سوم:**

# قرآن مجید کے اردو تراجم کے چند نمونے

- ذیل میں مختلف مترجمین کے تراجم کے نمونے پیش کیے جارہے ہیں:
﴿فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ (سورہ انشقاق: آیت ۱۶)
- ترجمہ: از امین احسن اصلاحی "پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔"

اس ترجمہ میں اصلاحی صاحب نے اپنے ترجمہ کا آغاز پس نہیں سے کیا ہے۔ قسم سے پہلے یہاں 'لا' آیا ہے جو نہ تو زائد ہے اور نہ قسم کی نفی کے لیے آیا ہے بلکہ یہ قسم سے پہلے مخاطب کے اس زعم باطل کی پیشگی نفی کے لیے آیا ہے۔

- ترجمہ: از مولانا ثناءاللہ امرتسری "قسم ہے غروب کے وقت کی روشنی کی"

اس ترجمہ میں مولانا صاحب نے لفظ شفق کا ترجمہ غروب کے وقت کی روشنی سے کیا ہے جبکہ اکثر مفسرین لفظ شفق کا ترجمہ شفق ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ مفسر کو چاہیے کہ وہ ہر عربی لفظ کا ترجمہ کرے۔

- ترجمہ: از احمد رضا "مجھے قسم ہے شام کے اجالے کی"

مولانا احمد رضا صاحب بھی ان مفسرین کرام میں سے ہیں جنھوں نے لفظ شفق کو اپنے ترجمہ میں شام کے اجالے سے تعبیر کیا ہے۔ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ احمد رضا صاحب اس فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

- ترجمہ: از عبدالماجد "میں قسم کھاتا ہوں شفق کی"

عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں بالشفق جس طرح شفق سے رات کا آغاز ہوتا ہے، موت سے عالم آخرت کی ابتدا ہوتی ہے۔

- ترجمہ از: ابو منصور "پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں"
- ترجمہ: از محمود الحسن "سو قسم کھاتا ہوں، شام کی سرخی کی"
- ترجمہ: از مودودی "پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں شفق کی"
- ترجمہ: کرم شاہ الازہری "پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی"
- ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾ (سورۃ البروج: آیت ۱۵)
- ترجمہ: از اصلاحی صاحب "عرش بریں کا مالک"

Marfat.com

اس میں اصلاحی صاحب کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ''المجید'' کو عرش کی صفت سمجھا ہے۔ حالانکہ المجید مرفوع ہے۔

- ترجمہ: از مولانا ثناء اللہ ''مالک تخت بڑی بزرگی والا''
- ترجمہ: از احمد رضا ''عزت والا عرش کا مالک''
- ترجمہ: از عبد الماجد ''عرش کا مالک ہے، عظمت والا ہے''
- ترجمہ: از ابو منصور ''عظمت والے عرش کا مالک''
- ترجمہ: از محمود الحسن ''مالک عرش کا بڑی شان والا''
- ترجمہ: از مودودی ''عرش کا مالک بزرگ و برتر''
- ترجمہ: از کرم شاہ الازہری ''عرش کا مالک ہے بڑی شان والا''
- ﴿وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ (سورہ مطففین: آیت ۲۷۔۲۸)
- ترجمہ: از اصلاحی صاحب

''اور اس میں تسنیم کی ملونی ہوگی۔ ایک خاص چشمہ جس پر مقربین بیٹھ کر پئیں گے۔''

یہ اصلاحی صاحب کا ہی خاصہ ہے کہ مذکورہ بالا ترجمہ میں اصلاحی صاحب نے لفظ ''بھا'' میں ب کو بطور ظرف (یعنی جگہ) کے معنی میں لیا ہے۔ دیگر مترجمین نے اس 'ب' کو بمعنی ''سے'' لیا ہے۔ یعنی ایسی جگہ جس سے نکال کر پئیں گے۔

- ترجمہ: از مولانا ثناء اللہ امرتسری

''اور اس کی ملاوٹ تسنیم کے خالص پانی سے ہوگی، وہ ایک چشمہ ہوگا جس پر خدا کے مقرب بندے پئیں گے۔''

مذکورہ بالا ترجمہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں یکسانیت ہے یعنی دونوں نے لفظ ''بھا'' کو ظرف کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

- ترجمہ: از احمد رضا ''اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ چشمہ جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں''
- ترجمہ: از عبد الماجد ''اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی، وہ چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے''
- ترجمہ: از ابو منصور

''اور اس میں (آب) تسنیم کی آمیزش ہوگی، وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین بارگاہ ایزدی پئیں گے۔''

- ترجمہ: از محمود الحسن ''اور اس کی ملونی ہے تسنیم سے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں۔''
- ترجمہ: از مودودی

Marfat.com

''اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی، یہ ایک چشمہ ہے جس کے پانی کے ساتھ مقرب لوگ شراب پئیں گے۔''

- ترجمہ: از کرم شاہ الازہری

''اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی، یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے۔''

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ (التکویر (۸۱) ۱۵ تا ۱۸)

- پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلنے والے، چھپ جانے والے ستاروں کی اور رات کی جب وہ جانے لگتی ہے اور صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے۔ (امین احسن اصلاحی)
- پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے اور چھپ جانے والے تاروں کی اور رات کی جب کہ وہ رخصت ہوئی اور صبح کی جب کہ اس نے سانس لیا۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)
- پس میں قسم کھاتا ہوں، چھپ چھپ کر چلنے والے سیاروں کی اور قسم ہے رات کی جب وہ خوب تاریک ہوجاتی ہے۔ اور قسم ہے دن کی، جب وہ خوب روشن ہوتا ہے۔ (مولانا ثناء اللہ)
- پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے، طلوع ہو جانے والے ستاروں کی اور رات کی جب وہ خوب تاریک ہوجاتی ہے، اور صبح کی جب وہ سانس لیتی (نمودار ہوتی) ہے۔ (ابومنصور)
- سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں، سیدھے چلنے والوں، دبک جانے والوں کی اور رات کی جب پھیل جائے اور صبح کی جب دم بھرے۔ (مولانا محمود الحسن)
- میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی اور چلتے رہنے والوں، جا چھپنے والوں کی اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے۔ (مولانا عبدالماجد)
- پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور میں قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رکے رہنے والے تاروں کی اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے اور صبح کی جب وہ سانس لے۔

(پیر محمد کرم شاہ الازہری)

- تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں، سیدھے چلیں، تھمیں رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے۔ (مولانا احمد رضا)
- ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ (النبا (۷۸) ۱ تا ۳)
- یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔ بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں۔ جن میں یہ لوگ مختلف رائے ہیں۔ (ثناء اللہ امرتسری)
- یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کررہے ہیں۔ بڑی خبر کی، جس میں وہ کئی راہ ہیں۔ (احمد رضا)

Marfat.com

- کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں۔ (محمود الحسن)
- یہ لوگ کس (شئے) کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ اس عظیم خبر کے متعلق؟ جس کے بارے میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ (ابو منصور)
- یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اس بڑے واقعے کی بابت؟ جس کے بارے میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ (عبد الماجد)
- یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ لوگ چہ مگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (مودودی)
- یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ۔ (امین احسن اصلاحی)
- وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ (کرم شاہ الازھری)
- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکھف (۱۸):۱۱۰)

ترجمہ از عبد الرحمٰن کیلانی: کہیے میں تمھیں جیسا انسان ہوں۔

ترجمہ از مولانا محمود الحسن: تو کہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم

ترجمہ از مودودی: اے نبی کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تمہیں جیسا

- ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (الکافرون (۱۰۹):۱)

ترجمہ از عبد الرحمٰن کیلانی: آپ کہ دیجئے اے کافرو!

ترجمہ از مولانا محمود الحسن: تو کہ اے منکرو

ترجمہ از مودودی: کہ دو کہ اے کافرو

- ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (الناس (۱۱۴):۱)

ترجمہ از عبد الرحمٰن کیلانی: آپ کہئے کہ کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں!

ترجمہ از مولانا محمود الحسن: تو کہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی

ترجمہ از مودودی: کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی

Marfat.com

فصل چہارم:

# مستشرقین اور مختلف مکاتب فکر کے قرآنی تراجم

**Orientalists**

The Alcoran of Mahomet(1649)

Ross, Alexander.(1952-1654) الیگزنڈر راس

vol,1:Pages452,،edition.8, London Publication

یہ انگریزی زبان کا پہلا ترجمہ ہے اور Ryer DuSient کے فرانسیسی ترجمے کی نقل ہے۔ جیسا کہ اس کے Title Page سے بھی واضح ہے۔

It is written on the tittle page : The Alcoran of Mahomet. Translated out of Arabic into French By the Sient Du,Ryer.Lord of Nalezair,and Refident for the king of France,at Alexenderia.

قرآن کا ترجمہ شروع کرنے سے پہلے الیگزنڈر نے عیسائی، فرانس اور ترکی مذاہب پر تین خلاصے لکھے۔ جن میں ان کے عقائد کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سورتوں کی فہرست بیان کی ہے اس فہرست میں اس نے سورتوں کے مکی اور مدنی نزول کے ساتھ آیات کی تعداد بھی بتائی ہے۔ وہ قرآن مجید اور رسول اللہ کی تصنیف قرار دیتا ہے اسلام کو محض ترکوں کا مذہب قرار دیتا ہے

Georrge Sale لکھتا ہے:

There have been mistakes of omissions and additions in every page

Alexender عربی زبان سے نا آشنا تھا۔ اس نے بے انتہا ناقص ترجمہ کیا ہے۔ اس نے عربی سے ناواقفیت کی بناء پر عربی زبان سے استفادہ نہیں کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (پروفیسر اختر الواسع، مستشرقین اور انگریزی تراجم(۱)

جارج سیل

**Sale(1697-1736)Geroge**

The quran,commonly called the Alcoran of Muhammad

اگلے مترجم جارج سیل (George Sale)(1697-1736) ہوئے ہیں۔ جارج سیل لندن کے

Marfat.com

تاجر کا بیٹا تھا۔اس نے قانون اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ جارج سیل نے 25 سال عربی زبان سیکھنے میں صرف کیے اس نے اپنے ترجمے کی بنیاد father Lawise Maracci کے لاطینی ترجمے ۱۶۹۸ء پر کی تھی۔

یہ عیسائی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اس وجہ سے اس کے قرآنی ترجمے میں جگہ جگہ عیسائی عقائد کا رنگ نظر آتا ہے۔اس نے قرآنی ترجمے میں بہت زیادہ غلطیاں کی ہیں۔

مقدمہ لکھنے کے بعد اس نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے اور یہ ترجمہ عربی متن کے بغیر ہے۔اس نے قرآن کی تفسیر بھی کی ہے۔اور لغوی تشریح بھی کی ہے مثال کے طور پر

He translated"Rahmat-ul-alamin",Which literacy singity."Lords of the Word"

Sale نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ پاک کے صفاتی نام لینے کی بجائے تساہل سے کام لیا ہے اور اس کا ترجمہ صرف یہ کیا ہے۔

In the Name of the Most merciful God
Yet the exact translation is"In the name of Allah the most gracious and most merciful"

اس نے دانستہ طور پر "یا ایھا الناس" کے قرآنی خطاب کا ترجمہ "اہل ملکہ" یا "اہل عرب" اسلام کے پیغام کو عرب تک محدود کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔سورۃ البقرہ کی آیت 191 والفتنۃ اشد من القتل کا ترجمہ بت پرستی کیا ہے تاکہ ثابت کر سکے کہ اسلام غیر مسلموں کے وجود کو برداشت نہیں کرتا،اس کے علاوہ بے شمار غلطیاں اس نے جان بوجھ کر کیں۔

اس نے کتاب کے آخر میں Index بھی دیا ہے اور قریش کے تمام قبائل کا شجرہ نسب بھی بیان کیا ہے اور آخر میں مکہ کی تصویر بھی بنائی ہے۔اپنے جامع تبصرے میں غلام سرور اور مہر علی نے ان کے گمراہ کن مندرجات کا تعاقب کیا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو(۲)

جان میڈوز راڈویل

**(1808-1900) John Meadows Rodwell**

The Koran(1861)

williams and norgate London

Rodwell نے Cambrige University سے تعلیم حاصل کی یہ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۰ء میں فوت ہوا۔

اس نے George کے ترجمہ قرآن سے مایوس ہو کر ترجمہ لکھا تھا۔اس نے قرآن کی ترتیب توقیفی کو مسترد کر دیا اور ترتیب نزولی پر قرآن کی سورتوں کو رکھا ہے اور سورۃ علق سے ترجمہ کا آغاز کیا ہے۔جاننے کے

Marfat.com

باوجود غلط ترجمے کیے۔ قرآنی خطاب ''عبد'' کی تشریح میں لکھا ہے کہ مکہ اور حجاز کے چند غلام ایمان لائے لہٰذا قرآن انہی سے مخاطب ہے۔

مہر علی لکھتے ہیں:

اس کا مقصد قرآن کے بارے میں مبہم نقطہ نظر پیش کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ قران یہودی اور عیسائی نظریات وعقائد پر مشتمل ہے اور یہ بات باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کے مصنف محمد ﷺ ہیں۔(۳)

ایڈورڈ ہنری پالمر

**Palmer (1840-1882) Henry Edward**

The koran(1880)

Oxford Press, 12, volume, edition23

انگریز مستشریق بچپن سے ہی یتیم ہوگیا تھا اس نے لندن کے سکول سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر اعلیٰ تعلیم Cambrige Unviersity سے حاصل کی وہاں سید عبداللہ سے ملاقات کی جو کہ ہندوستانی استاد تھے۔ اس نے عربی، ترکی، فارسی زبانوں کو سیکھا۔ یہ ایک خفیہ مشن پر ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں مصر گیا ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں مصر میں سازش میں ناکامی کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔

ترجمے کے شروع میں R.A. Niklson کا تعارف ہے اس میں Niklson نے لکھا ہے کہ Palmer نے مستشرق ہونے کی حیثیت سے قرآن کا رد کیا ہے۔

R.A.Nilkson اور غلام سرور لکھتے ہیں:

اس نے قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے 70 سے زائد جگہوں پر اضافے وترمیم کی ہیں اس نے سورہ نحل کی بہت سی آیات کو حذف کر دیا ہے۔

R.A.Niklson said:
In the Chapter 16 called "The Bee" Palmer, Vol. 1 Page 259, a whole verse is left out.

تقریباً 50 سالوں میں اس کے ترجمے کے صرف گیارہ ایڈیشن ہوئے ہیں جن میں صرف 6 انڈیا سے شائع ہوئے ہیں۔ بہت سی غلطیوں کی وجہ سے اس کے ترجمہ قرآن کو وہ اہمیت حاصل نہ ہوئی جو باقیوں کو ہوئی۔(۴)

نسیم جوزف داؤد

**Nessim Joseph Dawood (Birth:1927)**

TheKoran(1956):

London penguin,50th eddition.

یہ عراقی یہودی تھا۔ یہ بیسوی صدی کا سب سے عظیم عربی، انگریزی مترجم تھا۔ اور اس کو شاعری اور

Marfat.com

زبان سے بہت شغف تھا۔اس نے ابن خلدون کا مقدمہ بھی edit کیا ہے۔

Nessim Yousaf David was his real name. He changed David to Dawood when he applied for passward.

اس یہودی مستشرق کے مطابق قرآن بائبل سے ماخوذ ہے اسلام اور آنحضرت کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے۔اس کے ترجمہ میں فحش غلطیاں ہیں۔(۵)

رچرڈ بیل

**Richard Bell (1878-1952)**

Introdution to the Quran

Edition:7,Published in Edinburgh UK, and Tclarks. (1937-1939), 2,volumes

Bell سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا اور جرمنی اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی۔وزارت کے عہدہ پر بھی فائز رہا۔پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے University of edinburgh میں گیا اور وہاں عربی کا استاد رہا۔اس نے ایک کتاب لکھی۔

The origin of Islam in itschristian enviroment (LondonFrankcross,1926) Introduction to the Quran

اس کتاب میں اس نے لکھا کہ اسلام اپنے عقائد اور شعائر میں عیسائیت کا مرہون منت ہے یعنی عیسائیت اصل ہے اور اسلام اس کی نقل ہے۔اس کتاب میں اس نے اسلام اور قرآن کے خلاف بہت عناد کا اظہار کیا ہے۔ایسی غلط اور بے سروپا باتیں اس نے لکھی ہیں کہ اس کے ہم عصر الفرڈ گیوم کہتا ہے: مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ بیل نے متن قرآن کو اس طرح مجروح کیا ہے کہ میں اس کا ترجمہ استعمال نہیں کرتا۔(۶)

آرتھر جان آربری

**Arthur John Arberry.(1905-1969)**

The Koran interpreted(1955)

London George Allen and unwin, 30 edition, 2 volume vol:1 -20-surahs,vol:2, 21-114 surahs are included.

یہ برٹش مستشرق تھا۔عربی، فارسی اور اسلامک سٹڈیز کا سکالر تھا۔اس نے انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا۔ بہت زیادہ شہرت کا حامل تھا۔یہ ترجمہ 30 مرتبہ چھپ چکا ہے اور لندن اور Camridge University میں عربی اور فارسی کا استاد مانا جاتا تھا۔

Marfat.com

مصر میں قیام کے دوران ان نے مسلم تہذیب وتمدن، ادب، ثقافت کا بغور جائزہ لیا۔ اوراس نے پوری ایمان داری کے ساتھ مسلم تراجم کی تعریف کی ہے اور یہ بھی قبول کیا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اللہ کی کتاب ہے۔ قرآن کے اعجاز اور اثر آفرینی کا قائل ہے۔

Arberry کے قرآن کے ترجمہ پر, Bell Ross George نے تنقیدی بحث کی ہے۔

اس کا ترجمہ قرآنی متن کے بغیر ہے اس نے سورتوں اور آیات کی ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا ہے اس نے قرآنی آیات کے متعلق کوئی بھی وضاحتی نوٹس نہیں دیے ہیں۔

اس نے قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے بہت سی غلطیاں کی ہیں مثال کے طور پر آل عمران میں۔ (مع الراکعین) کا ترجمہ کرتا ہے۔

Ma-al-rakin:bowing before him

Bowing with those who bow اس کا درست ترجمہ ہے۔

اس کے تراجم میں کئی فاش غلطیاں ہیں۔ اس کا ترجمہ 1955ء میں شائع ہوا۔ لیکن متروک انگریزی استعمال کی ہے۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ کے ترجمہ میں Art, Hast, Thee, Thou جیسے نامانوس الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بغض کی انتہا یہ ہے کہ علیم کا ترجمہ cunning کیا ہے (۷)

مسلم قرآنی تراجم

1- Abdullah Hakim Khan Patiala:The HolyQuran(1905A.D)

یہ پہلا قرآن کا ترجمہ ہے یہ ترجمہ بہت زیادہ سادہ اور آسان زبان میں ہے اور ظاہری معنی پر دلالت کرتا ہے اس میں عربی متن نہیں ہے۔

قدوائی کے مطابق:

اس میں معجزات کا انکار بھی ہے۔ جنوں اور جنت کا انکار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ حاکم پہلے قادیانی تھے پھر وہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے قادیانی نظریات پر بحث کی ہے۔

2- Mirza Abdul Fazal: The Quran(1911)

No of edition 3, (1912,1916,1955). Allahabad, India, G.A Asghar and Co.

یہ دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ قرآن تصور اور تکمیل کے لحاظ سے بہت زیادہ اغلاط پر مشتمل اس نے اپنی ترتیب نزولی کے مطابق رکھی ہے عربی متن موجود نہیں ہے۔ اس میں بائبل سے حوالہ جات لیے گئے ہیں اور عیسائی عقائد سے متعلق کہیں کہیں اس میں آیات کی تفسیر بھی ہے۔

3- Hairat Dihalwi :The Quran(1916)

Marfat.com

Delhi.India,H.M.Press.1916,3volume,2edition.

ایک دفعہ ۱۹۱۶ء میں چھپا اور دوسری دفعہ ۱۹۳۰ء میں چھپا۔

It is said that there is almost nothing on record about Hairat Dihalwi and his team members.

اس ترجمہ میں کوئی تنقیدی جائزہ اور reveiw بھی نہیں ملتا۔ یہ ترجمہ صحیح معنوں میں ایک اچھا ترجمہ تھا۔ Hairat نے اپنے اس قرآن میں مستشرقین مثلاً Richard Bell, George Sale, Road well کے نظریات جو کہ اسلام مخالف ہیں کا رد کیا ہے۔ خاص کر William Muir جس نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی پر بہت سے حملے کیے ہیں اس کے کام پر نقد کیا ہے۔

یہ قرآنی ترجمہ متن اور تفسیر کے بغیر ہے اس میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ قرآنی آیات کو ان کی مخصوص سورہ کی ذیل میں نہیں لایا گیا بلکہ اپنی مرضی سے آیات کی ترتیب لگائی گئی ہے۔

4- AbdullahYousaf Ali(1872-1953)

The Holy Quran:(1837)

یہ ترجمہ کل تیس پاروں میں ہے۔

اس کے 200 سے زائد edition شائع ہوئے ہیں Cario, Dar-al-kitab al Masri نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے چھاپنا شروع کیا۔

سب سے پہلے مقدمہ لکھا ہے اس میں تفسیر کی ضرورت واہمیت لکھی ہے۔ خلفاء راشدین کے دور میں قرآن کی جمع وتدوین کے بارے میں بتایا ہے. امام جلال الدین سیوطی کی کتاب ''الاتقان'' کی تعریف کی ہے۔ جن تفاسیر سے استفادہ کیا ہے ان کے نام لکھے ہیں، مفردات القرآن، الکشاف، تفسیر کبیر، انوار التنزیل، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر جلالین۔

شاہ ولی اللہ کے دونوں بیٹوں عبدالعزیز کے فارسی قرآن اور عبدالقادر کے اردو قرآن سے استفادہ کیا ہے۔ اپنی تفسیر میں جس مفسر کا زیادہ ذکر کرتے ہیں ان کا نام مولوی عبدالحق حقانی کی تفسیر حقانی ہے ان کا طریقہ کار اپناتے ہیں۔ لغات میں قاموس المحیط اور لسان العرب اور سیرت کی کتب میں سے سیرت ابن ہشام، مولانا شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرت النبی'' سے استفادہ کیا ہے۔

انھوں نے اپنے ترجمے میں اسلامی اصطلاح (Term) استعمال کیں ہیں۔ مثلاً

Macca___________Makkah

Medina___________Madina

Abraham_______Ibrahim لکھا ہے۔

Marfat.com

ان کا منہج یہ ہے Introduction to surah کہ کر سورہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اسباب نزول، وجہ تسمیہ وغیرہ بیان کرتے ہیں اور ترجمہ دونوں لکھتے ہیں۔

Sir E.Desion Ross لکھتے ہیں:

I have read much of it and am filled with admiration, for its accuracy and fine english.

5- Abdul.Majid Darya badi(1892-1977)

The Holy Quran.Translation and Commentary (1337Ah-1977)

Lahore, Pakistan Taj company,

۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہوئے اور دو جلدیں ہیں۔

ترجمہ شروع کرنے سے پہلے انھوں نے Translation Methodology بیان کی ہے مثال کے طور ب کے لیے b، ت کے لیے T استعمال کیا ہے۔

پھر List of Abreviation ہے

| | |
|---|---|
| Biblic | Gerneral |
| SAmean | ASBmean |

بشیر عنایت اللہ (پبلشر) لکھتے ہیں:

ہم مولانا عبدالماجد کے مشکور ہیں کہ انھوں نے انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں ہم تک پہنچایا۔

اس ترجمہ کا جب دوسرا پارہ شروع ہوا تو جنگ عظیم دوم کی وجہ سے کام رک گیا۔ لیکن عوام کے شکر گزار ہیں کہ انھوں اتنا لمبا عرصہ انتظار کیا۔

Molana Abdul Majid Darya badi said:

Quran based on original Arabic with lexical, Histrorical and Geographical comments.

عربی متن کے ساتھ اس کا ترجمہ بناتے ہیں اور پھر Footnotes میں اس کی تفسیر لکھتے ہیں:

مقدمے میں لکھتے ہیں کہ میں نے Translation اور Transliteration میں کچھ اضافے کیے ہیں جو کہ باقی غیر مسلم اور مستشرقین کے تراجم سے مختلف ہیں مثال کے طور پر میں نے اللہ کو Allah ہی لکھا ہے God نہیں لکھا نصرانی کو Nazarane لکھا ہے Christian نہیں لکھا۔

Muhammadan کی بجائے (Religion of Quran and prophet) لکھا ہے

Marfat.com

پھر Macca کی بجائے Makkah اور Medina کی Madina اور Mohammad کی بجائے Muhammad لکھا ہے۔ Ishameal کی بجائے Ismail اور Hojar کی بجائے Hajrah لکھا ہے۔

اس کے علاوہ عربی ناموں کو ویسے ہی انگریزی میں لکھا ہے مثلاً

Nuh،Adam،Mikal،Jibril،Ishaq،Lut،Ibrahim

انھوں نے اپنے ترجمے میں پکھتال کے ترجمے کو ماخذ کے طور پر لیا ہے نواب عماد الملک کا ترجمہ جس کی اشاعت نہیں ہوئی تھی ان کو مل گیا۔ انھوں نے اس قرآنی ترجمے سے بھی استفادہ کیا ہے۔

انھوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر اور عبداللہ یوسف علی کے ترجمے سے بھی مدد لی ہے۔

6- (1966) Abdul RehmanTariq

عبدالرحمان طارق اور ضیاالدین گیلانی نے ترجمہ کیا۔ اس میں عربی متن اور مختصر قرآنی آیات کی تفسیر لکھی ہے ترکی سے شائع ہوا۔

7- (1969): Latif Syed abdul qadir

لطیف سید عبدالقادر کے حوالے سے کہا جاتا ہے انھوں نے ابوالکلام آزاد کی تفسیر کو لکھا تھا اور اسے مکمل کیا تھا جس کا نام ترجمان القرآن ہے جو کہ اردو میں تھی اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔

8- (1974): Ali Hashim Mir

علی ہاشم میر نے The message of Quran ترجمہ کیا ٹوکیو سے شائع ہوا انھوں نے 588 رکوع کی بجائے قرآن کے 600 رکوع بیان کیے ہیں لیکن یہ قرآن کا اچھا ترجمہ ہے۔ (اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں یہ قرآن چھپا ہے)۔

9- (1975): Abdul Hameed Siddiqi

The Holy Quran:Trust bulding urdu bazar Lahore.

30 پاروں پر مشتمل یہ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر ہے مقدمہ میں قرآن کا تعارف اور اس کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا ہے اس کے بعد ماخذ کی List دی ہے جو کہ List of Authority and key to Reference کے نام سے ہے اس میں معالم التنزیل، انوار التنزیل، احکام القرآن الجصاص، تفسیر جلالین، کشاف، ابن کثیر، جامع البیان، ترجمان القرآن، معارف القرآن، تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن پر مشتمل ہے۔

(The Koran Interpected by Arbery)، (محمد اسد The message of Quran)

عبداللہ یوسف علی The Holy Quran سے استفادہ کیا ہے۔

احادیث کی کتب میں صحاح ستہ، مشکوۃ، موطا اور لغات میں لسان العرب، غریب القرآن اور سیرت کی کتب میں سے سیرت ابن ہشام، زاد المعاد، طبقات ابن سعد سے تعارفی نوٹس بیان کیے ہیں۔

Marfat.com

10- (1977):Muhammad Mohsin Taqi Ud Din Khan.

explanatory english Translation of the meaning of Holy Quran

محمد محسن تقی الدین خان، Chicago، 2nd editon سے شائع ہوا۔

اس ترجمے کے ماخذ جریر طبری کی تفسیر پھر ابن کثیر سے اور اس کے علاوہ صحیح بخاری سے احادیث کو لے کر تفسیر بیان کی گئی ہے۔

11- (1979):Mohammad Mufasir Ahmed

محمد مفسر: احمد، The Koran London سے شائع ہوئی۔ ایک (edition) ہے یہ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر ہے لیکن غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔

12- (1980):Zaid Mahmood

The Quran an english Translation of the meaning of Quran

انھوں نے N.J.Dawood کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے پھر دوبارہ انھیں غلطیوں کو دہرایا ہے جو کہ N.J.Dawood نے کی تھی۔

13- (1981):Server Sheikh

The Arabic text and english Translation، 1..eddition، e.imhurts سے شائع ہوا۔

14- (1982)Shakir M.M

Holy Quran, New Yark اس کی 90 فیصد نقل محمد علی لاہوری کے ترجمے سے کی گئی ہے۔

15- (1984): Ali Ahmed

Al-Quran, a centempary translation کراچی سے شائع ہوا۔ دو edition ہیں۔

16- (1996):Quran: Majid Fakhry

بیروت میں فلاسفی کا پروفیسر ہے یہ متن اور مختصر تفسیر پر مشتمل ہے۔

17- (1997):Muhammad farooq Azam

english translation of the meaning of Quran اس کے دو edition ہیں ایک میں عربی متن اور ترجمہ ہے اور دوسرا عربی متن کے بغیر ہے۔

18- (1999): Abdul Haq Bewely and Aisha Bewely

The Noble Quran: The new reading of its meaning in english, Norwich,UK,Bookwork,1999,651pagesU.A.e,1990

Marfat.com

یہ 25 سال کے دورانیہ میں میاں بیوی نے مکمل کیا۔اور انھوں نے قرآن پاک کی اصطلاحات کو ویسے ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ عربی میں آتی ہیں مثال کے طور پر Iman، salat، Taqea اس قرآن کا عربی متن نہیں ہے۔

Kidwai comments

Kidwi coments on this work as it is a pity that this latest edition to the field of english translations of the Quran has not much to recommended it self to the english speaking reading, who still need faithful translation....and helful explanatory notes.

19- (2003): Muhammad Moher Ali

A word for word meaning of the Quran.

Volumes.3,2003,england

یہ ایک اچھی کاوش ہے اور اس میں قرآن کے الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی تشریح بھی کی ہے۔

20- (2005):Syed Wickar Ahmad

english translation of the meaning of quran:Lombard, IL, USA, Book of Sign Foundation,2005,396pages,

It uses modern and easy-to-understand english. It has a very useful introduction. 21-(2007): Lalah Baktiar

The Subline Quran chichago,US

یہ پہلا قرآن ہے جو کہ خاتون نے لکھا ہے اس نے کہا ہے کہ اس کا قرآن حنفی، مالکی اور شافعی مسلک کی بنیاد پر ہے۔اس نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے لیکن کہیں بھی تفصیلی نوٹ بیان نہیں کیے ہیں۔

22- (2008): Muhammad Mahmood Ghali

Towards understanding the ever glorious Quran: CarioDar-an-Nashar ul jamiat Qahera.

یہ مصر کے سکالر اور اسلامک سٹڈیز، الازھر کے عظیم پروفیسر نے ترجمہ کیا ہے۔اس کے اندر ترجمہ کے ساتھ تھوڑی تفسیر بھی بیان کی ہے۔

23- (2009): Wahiduddin Khan

The Quran:New Delhi, India

Marfat.com

یہ ایک اچھا ترجمہ قرآن ہے اس کے اندر آسان زبان میں مشکل الفاظ کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ترجمے کے ساتھ تفسیر بھی بیان کی ہے۔

The level of translation is fairly good. The translator has done a good job in clear the meaning and message of the Holy Quran easy. Remarkably it is faithful to both the Quranic text and to Khan's Urdu rendering in Tadhkir al-Quran. Appended to the work are a few explanatory notes.

## غیر مسلم قادیانی تراجم قرآن

مستشرقین کے فتنہ کے علاوہ ایک اور گمراہ کن فتنہ قادیانیت ہے جن کی نمو ہی برطانوی حکومت کے زیر اثر ہوئی۔ اس کا اصل خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس کے قرآن کے مترجم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ بیسویں صدی میں انھوں نے دیار مغرب کو اپنا مسکن قرار دیا۔

ان کے تراجم میں وہ اپنے آپ کو نبوت محمدی کا قائل ظاہر کرتے ہیں لیکن دراصل مرزا غلام احمد نبی اور مسیح موعود ہونے پر زور دیتے ہیں اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے وہ قرآن کے مفہوم کو مسخ کرتے ہیں یہ فتنہ بہت خطرناک ہے۔ 1974ء میں پاکستان کے قومی اسمبلی نے قادیانیت کو غیر مسلم قرار دیا تھا۔ مختلف ممالک میں ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلم ظاہر کر کے قرآنی تراجم کی تشہیر کی ہے۔ پاکستانی گورنمنٹ کے مختلف بڑے عہدوں پر رہنے کی وجہ سے دیگر ممالک میں ان کا اثر ورسوخ تھا۔ مشہور قادیانی ظفر اللہ خان پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہے ہیں۔ ان قادیانیوں کے بعض تراجم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- Mullana Muhammad Ali (1874-1951)

HolyQuran(1917):

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور سے شائع ہوا ہے 1254 صفحات ہیں ایک جلد میں شائع ہوا ہے۔ یہ قادیانی تھے اس لیے یہ ترجمہ قادیانی عقائد کی ترجمانی کرتا ہے، اس کے مقدمے میں ترجمے کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں برصغیر پاک و ہند میں حالات اتنے خراب ہوگئے کہ ایک ترجمے کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی اور پھر میں نے اس کام کو بخوبی سرانجام دیا۔

انھوں نے بیان القرآن اردو میں تفسیر کی جو کہ تین جلدوں میں ہے وہ بھی لکھی۔ سب سے پہلے مقدمہ لکھا ہے پھر Transliteration کی ہے۔ اس میں ختم نبوت والی تمام آیات کی تفسیر قادیانی عقائد کے مطابق ہے۔

اس نے قرآن کے 54 ناموں کا ذکر کیا ہے جیسے الذکر، الفرقان وغیرہ

مکی اور مدنی سورتوں کی تفصیل بیان کی ہے کہتے ہیں۔ (96 سورۃ) کی آیات بغیر شک وتنبیہ کے

Marfat.com

قرآن پاک کی پہلی آیات ہیں۔انھوں نے کچھ ناموں کو بائبل اور عربی سے موازنہ کیا ہے۔

| Biblian name | Arabic name |
|---|---|
| Aanoon | Haroon |
| Abraham | Ibrahim |

2- Ghulam Server

Translation of the holy Quran(1920)

Singa Pore سے شائع ہوا ہے. اس کے (10) edition ہیں یہ ترجمہ قرآن بہت کم لائبریریوں میں ملتا ہے۔

غلام سرور کے مطابق

''میں نے قرآن کی تفسیر واضح انداز میں لکھنے کو شامل کی ہے مختصر جملے بنائے ہیں تاکہ قاری کے لیے آسانی رہے۔

انھوں نے Rodwell,Sale اور Palmer کے تراجم قرآن کو پڑھا اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی۔

مثال کے طور پر انھوں نے Sale کے قرآنی ترجمے سے یہ بات اخذ کی ہے کہ قرآن کی 113 سورتیں ہیں جن پر بسم اللہ (bismillah) ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات ہیں الرحمٰن اور الرحیم ( Most Merciful, Most Beneficient) لیکن جارج سیل (beneficiantmost،) کے نام سے Translation کرتا ہے اس نے قرآن کی ترتیب توقیفی کو مانا ہے اور جن مشرقین نے کہا کہ قرآن کی ترتیب نزولی ہے اس کا رد کیا ہے۔

3- Shair Ali (1947-1875)

شیر علی نے (یہ احمدیہ تحریک کا بانی تھا اور مرزا غلام قادیانی کا ساتھی تھا۔) 1955 میں The Holy Quran Arabic with english translation کے نام سے لکھا۔ اس کے 13 edditions شائع ہوئے ہیں- اس میں قادیانی عقائد کی جھلک ہے۔

4- (1960):Pir Salah ud din.

-2:edition

The wonderful Quran

پیر صلاح الدین نے ترجمہ کیا ہے

5- (1964): Noori Khadim

Marfat.com

The running commentary of holy Quran

ایک ہی edition ہے اس میں قادیانی عقائد اور صوفی ازم پایا جاتا ہے۔

6- (1969): Mulik Ghulam Frid (1896-1977)

ملک غلام فرید

اس کا قرآن 1969ء میں چھپا (2.edition) تفسیر مرزا البشیر الدین محمد احمد اس قرآنی ترجمے پر منحصر ہے۔

7- Sir Zafar ullah Khan (1893-1985) The Quran(1970)

عربی متن کے ساتھ لکھا تھا۔لندن سے شائع ہوا، یہ نہایت بااثر قادیانی تھا۔پاکستان کی اسمبلی نے 1974ء میں قادیانی کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر لی اور باقی زندگی قادیانیت کی تبلیغ میں گزار دی۔

## نومسلم قرآنی تراجم

1- Muhammad Mahmood Pickhtal (1875-1935)

The meaning of glorious Quran..150 edition(1930)

محمد پکھتال ۱۲۹۲ھ/1875ء میں پیدا ہوئے۔British تھے مشرقی علاقے کے دورے کے دوران انھیں اسلام اور مسلمانوں سے محبت ہوئی۔1917ء میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔مستشرقین اور قادیانی محمد علی کے قرآن کو پڑھ کر ان کے دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ غلطیوں سے پاک قرآن کا ترجمہ ہونا چاہیے۔نواب آف حیدر آباد نے ان کو تعلیمی مشیر مقرر کر لیا۔انھوں نے بہت ہی ایمانداری کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔قادیانیوں کے ترجمہ قرآن میں 147 غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔چنانچہ ایک ہی جلد میں ہے۔ان کا ترجمہ 693 صفحات پر مشتمل ہے یہ عربی متن کے بغیر ہے اور ترجمہ کے ساتھ مختصر تفسیر بیان کی ہے انھوں نے بہت سادہ زبان استعمال کی ہے مثال کے طور پر انگریزی تراجم میں thine, thou, they جیسی ضمائر استعمال ہوئے ہیں لیکن انھوں نے has, you, your کا استعمال کیا ہے جو کہ سمجھے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔انھوں نے 1936ء میں وفات پائی۔(۸)

2- Mohammad Asad(1900-1992)

The massage of the Quran Gibralatar,(1980) spain

محمد اسد اصلاً یہودی خاندان کے تھے۔1926ء میں مسلمان ہوئے۔وہ سعودی عرب میں شاہ عبدالعزیز کے ساتھ رہے اور پاکستان میں بھی رہے "A Road To Macca" ان کی معروف کتاب ہے محمد اسد کا پہلا ترجمہ، سورہ فاتحہ سے سورہ توبہ کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل تھا جو کہ ۱۳۸۴ھ/1964ء میں اسلامک سنٹر جنیوا سے شائع

Marfat.com

ہوا تھا، اس کے بعد مکمل متن اور تفسیر کے ساتھ دوسری مرتبہ اس کی اشاعت دار اندلس جبر الٹر اسپین میں ہوئی جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔ قرآن کے بالکل متوازی ترجمہ دیا گیا ہے اور ہر صفحہ پر تفسیری حواشی دیے گئے ہیں ہر سورۃ کے آغاز میں مختصر دیباچہ تحریر کیا گیا ہے جس میں متعلقہ سورت کے مرکزی مضمون کی نشاندہی کی گئی ہے اس کے اہم مضامین ومباحث کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ترجمہ وتفسیر کے کے آغاز میں مصنف نے ایک مختصر پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اختتام پر چند جملہ جات بھی شامل کیے ہیں۔ جن میں متشابہات، محکمات، حروف مقطعات اسراء و معراج سے متعلق اظہار وخیال کیا گیا ہے۔ تفسیر قرآن کے چند اہم اصول بھی پیش کیے ہیں۔(۹)۔

## اہل تشیع کے قرآنی تراجم

1- Ali Ahmed Khan:(1964)

The holy Quran with translation یہ متن ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے یہ شیعہ کا ترجمہ ہے اس ترجمے میں شیعہ فرقے کے عقائد مثلاً امامیہ، نکاح، متعہ، حضرت علی کی خلافت، رسول اللہ ﷺ کے بعد اور محرم کے مہینے میں ماتم کرنے کے دلائل بیان کیے ہیں۔ انھوں نے قرآنی اصطلاحات کا مکمل ترجمہ نہیں کیا ہے مثال کے طور پر سورہ بقرہ آیت نمبر 3 میں ہے:

(الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ)

Who believe in the unknown and fulfil their (devotion obligations)

حالانکہ الصلوٰۃ Is the basic text of Islam

2- (2004) Qari Ali Quli

The Quran with apharase by pharse english translation

یہ ایران کے شیعہ سکالر ہیں ان کے ترجمے کا اگر پچھلے تراجم سے موازنہ کیا جائے مثلاً میر محمد علی ۱۳۸۴ھ/ 1964ء محمد شاکر ۱۳۸۸ھ/ 1968ء اور محمد باقر ۱۳۹۸ھ/ 1977ء تو ان کے کام میں اعتدال پسندی نظر آتی ہے انھوں نے ترجمہ کے ساتھ مختصر تفسیر بھی بیان کی ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ پروفیسر اختر الواسع، مستشرقین اور انگریزی تراجم، (پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین) (قرآن، البلاغ پبلیکیشنز دہلی، 2015) ص:13-12

۲۔ ایضاً،ص:15-14

۳۔ ایضاً،ص:17-15

۴۔ ایضاً،ص:18-17

۵۔ ایضاً،ص:21-20

۶۔ ایضاً،ص19-18

۷۔ ایضاً،ص20-19

۸۔ ایضاً،ص35-34

۹۔ ایضاً،ص42-41

Marfat.com

# برصغیر کے مسیحی اردو ترجمہ قرآن
# تعارفی جائزہ

دنیا کی کوئی علمی زبان مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ترجمہ سے خالی نہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اردو، جس کا شمار دنیا کی کم عمر ترین علمی زبانوں میں ہوتا ہے، میں قرآن کریم کے تراجم جس کثرت سے ہوئے ہیں اس کی مثال کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔ بلکہ عربی زبان کے تفسیری سرمایہ کے بعد سب سے زیادہ تراجم قرآنی اردو میں پائے جاتے ہیں، جن کی تعداد ۷۰۰ ذکر کی گئی ہے (۱)۔ اردو کے اس مؤقر ذخیرہ تراجم قرآنی میں برصغیر کے مسلم علماء کے ساتھ ساتھ ہندو، سکھ اور عیسائی غیر مسلم مترجمین کے نام بھی سامنے آتے ہیں۔ یہ ایک امر مسلّم ہے کہ ترجمہ مترجم کے عقیدہ اور مسلک کی غمازی کر رہا ہوتا ہے۔ ثانی الذکر غیر مسلم مترجمین کی اکثریت زبان دانی سے قطع نظر Translators are Traitors (ان المترجمین مخربین) کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مسلم نقطہ نظر سے ہٹ کر قرآنیات پر لکھنے والے مسیحی اہل قلم کا نام خصوصی طور پر سامنے آتا ہے (۲)۔ برصغیر کے کلامی ادب میں شامل مسلم مسیحی مناظراتی ادب کا ایک معتدبہ حصہ مسیحی تراجم قرآنی پر مشتمل ہے، جس میں پادری عمادالدین، پادری احمد شاہ، سلطان محمد پال اور پادری جے علی بخش کے تراجم قرآنی شامل ہیں (۳)۔ یہ سبھی مترجمین اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے بپتسمہ لینے والے ہیں۔ پادری عمادالدین اور پادری احمد شاہ نے تراجم قرآنی مکمل جب کہ مؤخر الذکرین کی جزوی تفاسیر مع ترجمہ ہیں۔ ان میں سے "ترجمہ قرآن بہ اردو زبان" از پادری عمادالدین کو زمانی تقدم حاصل ہے۔ نیز یہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ "مولوی" سے ملقب یہ مسیحی مترجم عربی زبان پر عبور اور علوم اسلامیہ میں رسوخ رکھتا تھا بلکہ ارتداد سے قبل اکبر آباد کی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ہے (۴)۔ اس پس منظر کے ساتھ یہ ترجمہ قرآن کافی اہمیت کا حامل ہے۔

ترجمہ قرآن بہ اردو زبان از پادری عمادالدین (نیشنل پریس، امرتسر، ۱۸۹۴ء، بار اول) (۵)

اردو رسم الخط میں یہ اشاعت ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مقدمہ ۲ صفحات جبکہ اختتام پر ۹ صفحات کا اشاریہ اور صحت نامہ (تصحیح اغلاط) بھی شامل ہے۔

Marfat.com

یہ ترجمہ بدون متن معری ہی طبع ہوا ہے۔ چونکہ انجیل مقدس کے اصل متن کی عدم دستیابی کی بنا پر مسیحی معاشرہ میں فقط ترجمہ انجیل (یونانی، لاطینی یا انگریزی) زیادہ رواج پا گیا تھا، غالباً اس پس منظر میں مسیحی اہل قلم کی طرف سے قرآن کو بائبل کی طرح بدون متن پیش کرنے کی یہ شعوری کاوش ہے (۶)۔

اس پہلے مکمل مسیحی ترجمہ قرآن کا سبب پادری موصوف دیباچہ کے ابتدا میں یوں بیان کرتے ہیں؛

''از طرف بندہ مترجم عماد الدین لاہز واضح ہو کہ یہ ترجمہ قرآن کا عربی سے اردو میں بمراد فائدہ عام جو میں نے لکھہ (لکھ) دیا اس کا پہلا سبب مرزا غلام صاحب قادیانی کا وہ قول (۷) ہوا جو انھوں نے مسٹر آتھم سے کہا کہ (قرآن کو بتوجہ دیکھیں)۔۔۔ شاید مرزا صاحب کا منشا یہ ہو کہ ہندوستان کے عام خاص سب مسیحی بتوجہ دیکھیں۔ مگر وہ عربی نہیں جانتے کیونکر بتوجہ دیکھ سکتے ہیں۔ کیا وہ عربی سیکھہ (سیکھ) کے دیکھیں ایسی تکلیف عقلا و نقلا جائز نہیں (نہیں) کہ غیر ملک کے لوگوں کو دیجائے۔ چاہیے کہ قرآن کے حامی اس کا ترجمہ کر کے کھیں (کہیں) کہ سب لوگ بتوجہ دیکھیں مگر انکی طرف اب تک عام فہم عبارت میں اس کا ترجمہ نہ ہوا۔ دو لفظی ترجمے دو معزز بزرگوں (شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر) سے ہوئے جو عربی خوانوں کے فائدے کے لیے ہیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ جب سے ہندوستان میں اسلام آیا ابتک عام فہم عبارت میں قرآن کا ترجمہ انھوں نے نہ کیا (۸)۔ اور فی الحال علماء محمدیہ کا زور تفسیریں لکھنے پر بہت ہے مگر محققین بانصاف صرف متن دیکھنے کے محتاج ہیں تا کہ مدعی کا خالص دعوی پھلے (پہلے) سنین پھر گواہوں کی چستی یا سستی جو کچھ ہو تفسیروں سے دریافت کر کے اپنی تمیزوں سے اپنے لیے آپ فیصلہ کریں۔ لیکن مجھے امید نہیں رہی کہ علماء محمدیہ کا قرآن کا عام فہم ترجمہ عربی سے الگ کر کے کبھی رائج کریں گے شاید یہ نمونہ دیکھ کے کچھ کریں تو اچھا ہے۔ ابتک اہل اسلام اس فطری قانون سے آگاہ نہیں ہوئے کہ جب تک الہامی کوئی کتاب لوگ اپنی مادری زبان میں نہیں پڑھتے اس کی نشیب و فراز انکی روحوں پر ہرگز منکشف نہیں ہوا کرتی۔ پس ان کی طرف سے ناامید ہو کے یہہ ان کا بوجہہ (بوجھ) تمام ہندوستان کے فائدہ کے لیے میں نے اٹھایا۔ اور مرزا صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی کہ قرآن کو دوبارہ نہ صرف بتوجہ دیکھا بلکہ بتوجہ اس کا ترجمہ کیا'' (۹)۔

اپنے ماخذ ترجمہ کے حوالے سے پادری صاحب رقم طراز ہیں:

'' (یہ) ترجمہ لکھتے وقت کتب مفصلہ ذیل میز پر میرے سامنے تھے۔ (۱) لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا (۲) کچھ لفظی بامحاورہ دہلی ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب کا (۳) فارسی ترجمہ آقا جمال صاحب مجتہد ایران کا ہے جو سال گذشتہ (سال گذشتہ) میں درمیان بمبئی کے چھپا عمدہ ہے اور فصیح اور نہایت صحیح ہے۔ (۴) تفسیر جلالین (۵) تفسیر قاضی بیضاوی (۶) تفسیر الفوز الکبیر (۷) تفسیر مدارک التنزیل (۸) تفسیر حسینی۔ یہ تفسیر بہت عمدہ اور جامع ہے کہ بہت سی تفسیروں کے خیالات اسمیں جمع ہیں

Marfat.com

(۹) تفسیر اتقان فی علوم القرآن (۱۰) قاموس در علوم لغت (۱۱) منتھی الارب در لغت (۱۲) صراح۔"(۱۰)

- ہر سورت کے آغاز میں عدد سورت، نام، مکی، مدنی اور تعداد آیات ورکوع مندرج ہے۔ مثلاً
  (۲) سورہ بقرہ مدنی ہے آیات ۲۸۶ رکوع ۴۰
- "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ "اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں" ۱۱۳ سورتوں کی بجائے سورت توبہ سمیت ۱۱۴ سورتوں کے شروع میں دیا گیا ہے۔
- آیات کے نمبر انجیل کی طرح اختتام کی بجائے شروع آیت میں دیئے گئے ہیں۔
- نیز آیات کے نمبر شمار فلوگل Flugel کے ۱۸۳۴ء میں لیپزگ (Leipzig) جرمنی سے شائع کردہ قرآن کریم کی ترتیب سے ہیں۔ جو کہ ہمارے ہاں متداول مصاحف سے مختلف ہے۔ اس میں تعداد آیات تو یکساں ہے لیکن آغاز واختتام آیت میں فرق ہے۔ مقالہ میں آیات کے نمبر طبع ہذا کے مطابق ہے۔
- متن کے باہر "ع" سے پارے کے رکوع کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے اوپر رقم رکوع مندرج ہے مگر آیات رکوع اور سورت کے رکوع کے نمبر کا اظہار نہیں کیا گیا۔ تیسویں پارے میں سورۃ النازعات کے بعد رکوع نمبر نہیں دیے گئے۔
- ہر رکوع نئی سطر سے شروع کیا گیا ہے۔
- آغاز پارے کا اظہار متعلقہ آیت رالفاظ کو تحت الخط یعنی ان پر ایک لائن کھینچ کر کیا گیا ہے
- اگرچہ اس وقت فورٹ ولیم کالج اور سرسید کی تحریک کے نتیجہ میں معاصر مذہبی ادب میں آسان انشاء پردازی اور اردو محاورہ کا استعمال راہ پا چکا تھا۔ لیکن ہندی، عربی اور فارسی ترکیبات کے عام استعمال کی وجہ سے ترجمہ ہذا میں یہ اسلوب نہیں پایا جاتا۔
- رسم الخط کے حوالے سے اکثر " ھ " کی بجائے "ہ" اور "ں" کی بجائے "ن" کا مشاہدہ عام ہے۔ مثلاً کچھہ، یھہ، کھیں، پھلے، سنین، وغیرہ یہی وجہ ہے کہ مقالہ ہذا میں اس ترجمہ کی منقول عبارات کو بعینہ اسی رسم الخط میں نقل کیا گیا ہے۔
- زبان دانی کے اعتبار سے اپنے دور کی تحریروں کے ہم پلہ ہے۔

نمونہ ترجمہ

- (۱) الم اس کتاب میں کچھ شک نھیں ہے اہل خوف کے لیے ہدایت ہے (۲) جو ان دیکھے (ان دیکھے) پر ایمان لاتے اور نماز (۱۱) پڑھتے اور جو کچھہ (کچھ) ان کو ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۱۲)۔
- سورۃ اخلاص مکی ہے آیات ۴
  اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

Marfat.com

(۱) تو کہہ اللہ ایک ہے (۲) اللہ بے نیاز ہے (۳) اسنے کوئی نہیں جنا اور نہ وہ خود جنا گیا (۴) اور اسکا ہمسر کوئی نہیں (۱۳)۔

- بعض اوقات مفردات کے معانی ہندی محاورہ یا الفاظ میں کیے ہیں۔ حالانکہ معاصر مسلم و مسیحی تحریروں میں ان الفاظ کے مترادف آسان اردو الفاظ مستعمل تھے۔ جیسے

انداداً ہمتا وقودھا بالن رغداً محظوظ ہو کے کہاؤ (کھاؤ)

- ترجمہ میں قوسین کا اضافہ کر کے توضیحات کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحیی کی جو خدا کا کلمہ (یعنی عیسیٰ) کا مصدق اور ایک سید ہے اور عورتوں سے پاک اور ایک نبی ہوگا۔ (آل عمران: ۳۸)

- بعض دفعہ ان قوسین میں آیات کا سیاق و شان نزول بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تو کیا سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے کچھ اچمبا تھے۔ (یہ وہ بعض عیسائی کہلاتے ہیں جو بعہد دقیانوس پہاڑ کی غار میں چھپے تھے جب مسیحی مارے جاتے تھے (الکھف: ۱۸)

وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اسکا کام از حد گذشتہ ہے (وہ امیہ بن خلف یا عیینہ بن حفص تھا کہ صحبت سے حضرت کی منع کرتا تھا (الکھف: ۲۳)

- بعض جگہ محذوف الفاظ کا ترجمہ قوسین میں کیا گیا ہے۔

پھر اس کے بعد ایک سال یہ آئے گا جس میں لوگ بارش پائیں گے اور (انگور) نچوڑیں گے۔

(یوسف: ۹۴)

- بعض جگہ آیات میں مستعمل عربی الفاظ و تراکیب کو اسی طرح ترجمہ میں استعمال گیا ہے۔

اے مسلمانوں تم (محمد کو) راعنا نہ کہا کرو و انظرنا کہا کرو۔ (بقرہ: ۱۰۴)

کیا ان کافروں نے نہ دیکھا کہ آسمان اور زمین رتق تھے (یعنی شیء واحد) پھر ہمنے انھیں فتق کر دیا (یعنی جدا جدا (انبیاء: ۳۱)

- ترجمہ میں فارسی تراکیب کا عام استعمال ہے۔

مشرق اور مغرب خدا کی ہے جدھر تم منہ کرو ادھر خدا کا مونہہ ہے خدا فراخ دانندہ ہے (بقرۃ: ۱۱۵)

- ترجمہ میں ہندی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

جو خدا کے سوا انداد (ہمتا) ٹھہراتے ہیں (بقرۃ: ۱۵۸)

اور جو مورث مرد یا عورت کلالہ ہو یعنے کہنڈی چہری (کھنڈی چھری) یعنے اوت نپوت جسکے نہ باپ ہے نہ بیٹا اور خصم والیوں کا لینا بھی حرام ہے۔ (نساء: ۱۵)

- جہاں قرآن نے مسیحی عقائد پر تنقید کی ہے وہاں مسیحی مترجم خاموشی سے بلا کسی تعلیق کے گذر جاتے ہیں۔

Marfat.com

اے اہل کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو اور خدا کی نسبت صرف حق بات بولو۔ مسیح ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اسنے مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح ہے اس میں سے (یعنی خدا میں سے) پس تم اللہ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز آؤ تمھارا بھلا ہوگا۔ ( النساء :۱۶۹)

وہ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور سب کو جو زمین میں ہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون اس کے ارادہ کو روک سکیگا۔ ( المائدة :۱۹)

- بعض اوقات ترجمہ میں اردو محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔

اور جو نصیحت انھیں ملی تھی اس سے حظ اٹھانا بھول گئے۔ ( المائدہ :۱۶)

- سورۃ النساء آیت ۱۷۰ کے ترجمہ میں کتابت کی غلطی کی وجہ ترجمہ میں تبدیلی آگئی ہے۔ "مسیح کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانیگا اور نہ مقرب فرشتے "جو کہ دراصل" مسیح اس کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانیگا" تھا۔

- بعض جگہ قوسین میں مسلم عقائد کے خلاف توضیحات درج ہیں۔

اور تجھے گمراہ پایا ( کہ سب کے ساتھ بت پرست تھا (العیاذ باللہ) پھر ہدایت کی (اسلام کی) اور تجھے محتاج پایا (جب مکہ میں تھا) پھر تونگر کردیا (مدینہ میں) ( الضحیٰ :۶۔۷)

- اسی طرح بعض جگہ عربی الفاظ کا معنوی اعتبار سے اردو میں غلط مفہوم ادا کرنے والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

اے اہل کتاب ہمارا رسول (محمد) بیان سنانے کو تمھاری طرف اس وقت آیا ہے جبکہ رسولوں میں گھاٹا ( گھاٹا) پڑ گیا تھا۔ اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ مکاروں میں اچھا مکار ہے۔

آخر میں ۷ صفحات پر مشتمل ایک انڈیکس بعنوان "فہرست بعض مضامین قرآن معہ بعض اشارات بحث طلب" کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ نقد مسیحیت پر مبنی قرآنی مقامات کا ترجمہ کرتے ہوئے پادری صاحب بلا تعلیق اس مقام سے گذر گئے لیکن قرآن کے بارے اپنی فکر کو اس فہرست میں عیاں کیا ہے۔ قرآنی بیانات کا ایک پادری کی نظر سے مفہوم کشید کرتے ہوئے یہاں تحریف معنوی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس اشاعت کا یہ حصہ مسیحی نقطہ نظر سے مفید مطلب ہے۔ اس میں شامل بعض عنوانات ملاحظہ ہوں۔

رحمٰن ۔ یہہ لفظ حضرت نے کلیسا سے لیا عرب میں مروج نہ تھا اہل مکہ نہیں جانتے اور نہیں مانتے کسی اہل کتاب خبردار سے پوچھہ کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ رعد ۲۹؛ مریم ۲۹ وانبیاء ۳۷؛ فرقان ۶۱،۶۰ (۱۴)

زبعری قریشی نے مباحثہ میں محمد کو بند کردیا اسپر قریش نے تالیاں بجائیں۔ زخرف ۵۷ (۱۵)

آیات قرآنی پر جب لوگ غور کریں تو محمد (ﷺ) کو پاس سے ہٹنا چاہئے ورنہ شیطان بہلا وادیگا۔ (نعوذ باللہ) (انعام ۶۰) (۱۶)

Marfat.com

سدرۃ المنتہی (نجم ۱۴) غالباً یہ مطلب مکاشفات ۲۲: ۲ سے بتصرف لیا ہے۔ (۱۷)
عیسائی لوگ قیامت تک کافروں کے اوپر غالب رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ ہے (ال عمران (۴۸) (۱۸)
شیطان نبیوں کے خیالوں میں بوقت نبوت کچھ ڈالدیا کرتا ہے (حج ۵۲، ۱۵) (۱۹)
وحی یا الہام شیطان سے بھی ہوا کرتا ہے یعنی شیطان بھی وحی کرتا ہے (انعام ۱۲۱، ۱۱۳، ۱۱۲) وحی یا الہام جو اللہ سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں (شوری ۵۰) اور تینوں قسموں میں صرف دوسری قسم کا الہام محمد کو ملا ہے (۵۱) قرآن کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ پہلی اور دوسری قسم کے الہام میں سے کچھ بھی کبھی محمد کو ملا ہو آیت میں تیسری قسم پر انحصار ہے۔ اس لیے رسول کریم کا قول کہلایا ہے اور واضح رہے کہ یہ تیسری قسم الہام کی غیر مقبول ہے (۲۰)۔
دعوی نبوت سے پہلے حضرت نے قریش کو خوب ٹٹول لیا تھا کہ اگر کوئی نبی ان میں اٹھے اور کوئی کتاب ان میں بھی نازل ہو وہ مانیں گے یا نہیں اور انھوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ مانیں گے جب دعوی نبوت ہوا تو اب نہیں مانتے ہیں (فاطر، صافات ۱۶۷) (۲۱)
ہر متنفس گنہگار ہے (نحل، فاطر) عصمت انبیاء کا خیال قرآن سے نہیں صرف مسیح یسوع کی عصمت کا اقرار قرآن کرتا ہے (آل عمران ۳۲، ۲۱) کہ اسے اور اس کی والدہ کو شیطان نے نہیں چھوا۔ (۲۲)
مثل قرآن، قرآن کی مثل لاؤ (یونس ۳۹، ۴۰) کس چیز میں مانند لاویں ایسی عبارت لائیں یا مطالب وہ کہتا ہے ایسے مطالب لاؤ (طور ۳۴) (۲۳)
لوگ بے فائدہ فصاحت لفظی مانگتے پھرتے ہیں کوئی عیسائی اس پر توجہ نہ کرے۔ قرآن ہرگز فصاحت لفظی کا مدعی نہیں ہے ایک لفظ بھی ایسا دعوی نہیں دکھاتا۔ عبارت کے اعتبار سے اہل عرب نے صاف کہا کہ ہم اس قرآن کی مانند بنائیں گے۔ (انعام ۹۳) (۲۴)
برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ سامنے آئی ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلم مسیحی مناظراتی ادب بہت وقیع اور وسیع ہے جس میں طرفین کی طرف سے اسلام اور عیسائیت پر متنوع تحریریں سامنے آئیں اور اسی ضمن میں مسیحی اہل قلم کے قرآن کریم کے تراجم و تفسیر بھی منصۂ شہود پر ظاہر ہوئے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگرچہ بہت سے مسلم علماء نے بائبل کی ثقاہت کے حوالے سے اس کے داخلی اور خارجی پہلو پر قلم اٹھایا لیکن ترجمہ و تفسیر بائبل پر مسلم کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سلسلہ میں مسیحی نقطہ نظر سے غیر معتبر انجیل برنباس کے اردو ترجمہ از مولوی محمد حلیم انصاری (۲۵) اور جزوی تفسیر بائبل "تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام" از سر سید احمد خاں (۱۸۹۸ء) (۲۶) کے سوا اور کوئی مسلم کاوش معروف نہیں ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم علماء کی اکثریت بائبل میں تحریف لفظی کے قائل تھی اس لیے انھوں نے اسے درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا۔ صاحب "موج کوثر" جان آرنلڈ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

Marfat.com

"اگر تفسیر بائیبل کا کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہو جائے تو پھر عیسائیوں کو یہ ثابت کرنا دشوار نہ ہو گا کہ اگر انجیل صحیح ہے تو (نعوذ باللہ) قرآن ضرور جھوٹ ہے (۲۷)"۔

برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بائبل کی ثقاہت پر معترض ہونے کے باوجود مسلم علماء نے کلیسا کے ہاں رائج بائبل سوسائٹیوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کیا۔ جب کہ اس کے برعکس مسیحی منادین فرقہ بندی اور عدم فصاحت کے آڑ لے کر مسلمانوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ مثلاً پادری ای ایم ویری، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی نسبت منادین کے لیے عمادالدین کے کردہ اس ترجمہ کو بہتر گردانتے ہیں (۲۸)۔ اگر کلیسا کو مسلمانوں میں متداول تراجم پر اعتماد نہیں تھا تو چاہیے تھا کہ کلیسا کی زیر نگرانی ایک مستند ترجمہ کا اہتمام کیا جاتا اور مسلم مترجمین کی غلطیوں کو آشکار کرتے۔ دوسری طرف مسیحی کارپردازوں کی زیر نگرانی مسلم علماء کا کردہ ترجمہ قرآن بوجوہ منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا۔ یوں ان حالات میں بظاہر انفرادی کاوش اور کلیسا کے نگرانی سے ماوراء کردہ تراجم مسلم قارئین کے نزدیک قابل اعتناء نہیں۔

مقالہ از ڈاکٹر ساجد اسداللہ

Marfat.com

# حوالہ جات

(۱) سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد (خصوصی اشاعت: برصغیر میں مطالعہ قرآن) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، (اعجاز فاروق اکرام، ڈاکٹر، برصغیر میں مطالعہ قرآن-تراجم وتفاسیر) ص ۸۵

(۲) ان مسیحی تراجم وقرآنیات کے مقاصد کو ڈاکٹر سفیر اختر صاحب ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:۔
''[برصغیر میں] عیسائیوں نے قرآن کریم کے حوالے سے جو قلمی تحریری کام کیا ہے اس کا مقصد قرآن پاک کے صحیح مترجمین ومفسرین کے مقاصد سے بہت مختلف تھا اور خاصی حد تک نازیبا اور پست مقصد تھا پادریوں کی ان کاوشوں کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ قرآن کریم کے منزل من اللہ، کتاب ہدایت اور خدا کے آخری پیغام ہونے کی بہرصورت (معاذ اللہ) تردید کی جائے۔ اس کی صداقت وتعلیمات پر یقین و عقیدہ کو مسلسل کمزور کیا جائے اور اس کوشش کے نتیجے میں مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی جدوجہد عام ہوسکے یہ حقیقت ہے کہ مشنریوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا اور ان کے چھاپے ہوئے ترجموں اور تفاسیر قرآن کو مسلمانوں میں کبھی بھی پذیرائی اور قبول عام حاصل نہیں ہوا۔''
(سہ ماہی ''عالم اسلام اور عیسائیت''، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۹۳ء (اختر راہی، مسیحی اہل قلم کے اردو تراجم و تفاسیر قرآن) ص ۴)

(۳) ترجمہ قرآن بہ اردو زبان از پادری عماد الدین، (نیشنل پریس، امرتسر ۱۸۸۴ء)، صفحات ۴۰۳؛ ترجمہ قرآن (اردو) از پادری احمد شاہ، (زمانہ پریس، کانپور ۱۹۱۵ء)، ص ۸۰۵؛ تفسیر قرآن از پادری جے علی بخش، (مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۳۵ء)، صفحات ۵۷۲؛ سلطان التفاسیر، پادری سلطان محمد پال، (ایم کے خان مہان سنگھ، لاہور، س ن)، صفحات ۴۸۱

(۴) صابری، امداد، جہاد آزادی کے روشن چراغ المعروف فرنگیوں کا جال، دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۱۔۱۶۲

(۵) بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) اس کا ایک اور ایڈیشن رومن رسم خط میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ (القرآن فی کل اللسان، ادارہ عالمگیر تحریک قرآن، حیدرآباد دکن، طبع ثالث ۱۳۶۶ھ) ص ۶۔۷

(۶) یہ امر واقعہ ہے کہ الہامی کتب کے پیروکاروں کے ہاں ایک تقدس اور احترام کے ساتھ ان کتب پر ایمان ہوتا ہے۔ مسیحی کارپردازوں کی طرف سے اشاعت تراجم قرآنی سے قبل مسلمانوں کے ہاں بغیر متن کے معری ترجمہ قرآن کی اشاعت کی روایت موجود نہ تھی۔ ایسی اشاعت میں قرآنی تقدس کا

Marfat.com

احساس مفقود رہتا ہے۔ زیر بحث ترجمہ دیکھ کر بھی قرآنی احترام وتقدس کا قطعاً احساس نہیں ہو پاتا۔ مسلم عقیدہ کے مطابق الفاظ قرآنی منزل من اللہ ہیں جب کہ غالب مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ انجیل کے الفاظ من وعن الہامی نہیں بلکہ الہام وکشف کو انسانی الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔( فینڈر، سی جی، میزان الحق، (پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۱۹۶۲ء)، ص۱۶۴)اس لیے الفاظ اتنے اہم نہیں جب کہ مسلم عقیدہ کے مطابق قرآنی الفاظ کلام الٰہی ہونے کی بناء پر خاص تقدیس کے حامل ہیں۔

(۷) مرزا صاحب نے سابقہ مسلم اور نو مسیحی پادری عبداللہ آتھم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے۔( قادیانی، غلام احمد، مرزا، جنگ مقدس، (قادیان)، ص۱۵۱

(۸) پادری صاحب کا یہ دعوی تاریخی حقائق کے خلاف ہے کیونکہ اس وقت تک قرآن پاک کے کئی ایک تراجم ہو چکے تھے مگر منظر عام پر کم آئے تھے اس کی ایک وجہ اس دور تک جاری مسلم علماء کے ہاں یہ ایک نزاعی بحث تھی کہ قرآن کریم کا ترجمہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علمائے دین کی مخالفت ترجمہ وتفسیر کے کام میں مانع رہی "فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی نگرانی میں مسلم علماء نے جو ترجمہ قرآن کیا اس کے بارے مرقوم ہے: "شروع ترجمہ میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین وآئین سے برخلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی میں ہوتا ہے آخرش جو اہل علم تھے انھوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔)( ڈاکٹر سید حمید شطاری، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک، حیدر آباد ۱۹۸۲ء، ص۱۹۴)۔ مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۸ء (لاہور) میں ڈپٹی نذیر احمد نے کہا، "میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ گناہ ہے کیونکہ ترجمہ میں معجزہ بیانی نہیں آ سکتی۔'' کیونکہ ان کے خیال میں، "اگر ہم قرآن کو اصل زبان میں سمجھتے ہوتے تو ہم اس سے کہیں بہتر مسلمان ہوتے جیسے اب ہیں"، بعد ازاں ان کی یہ رائے بدل گئی اور انھوں نے خود بامحاورہ شگفتہ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جو ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔( صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد دہلوی۔ احوال وآثار، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص۲۶۴۔۲۶۵)

(۹) عماد الدین، ترجمہ قرآن بہ اردو زبان، (نیشنل پریس، امرتسر، ۱۸۹۴ء) ص ا

(۱۰) ایضاً، ص۲

(۱۱) پادری صاحب کے ہم سفر، اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے نو مسیحی سلطان محمد پال نے اپنی تفسیر میں یہاں الصلوۃ کا ترجمہ دعا کیا ہے۔''اور جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو دعا پر ثابت قدم رہتے ہیں''(پال، سلطان محمد، سلطان التفاسیر، (ایم کے خاں مہان سنگھ، لاہور، س ن)، ص۲۲

Marfat.com

(۱۲) ترجمہ قرآن بہ اردو زبان، ص ۳
(۱۳) ایضاً، ص ۲۹۴
(۱۴) ایضاً، ص ۲۹۹
(۱۵) ایضاً
(۱۶) ایضاً، ص ۲۹۷
(۱۷) ایضاً، ص ۳۰۰
(۱۸) ایضاً
(۱۹) ایضاً
(۲۰) ایضاً، ص ۳۰۳
(۲۱) ایضاً، ص ۳۰۱
(۲۲) ایضاً،
(۲۳) ایضاً، ص ۳۰۲
(۲۴) ایضاً، ص ۳۰۲
(۲۵) انصاری، محمد حلیم، مولوی، انجیل برنباس (اردو) (کشمیر بک ڈپو، لاہور، ۱۹۱۶ء)، صفحات ۳۶۹
(۲۶) سر سید احمد خاں، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، (غازی پور) یہ جزوی تفسیر بائبل تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ دس مقدموں پر مشتمل پہلی جلد ۱۸۶۲ء اور توریت کی کتاب پیدائش کی تفسیر پر محتوی دوسری جلد ۱۸۵۶ء میں طبع ہوئی جب کہ ۱۸۸۷ء میں سامنے ہونے والی تیسری جلد انجیل متی باب اول تا باب پنجم کی تفسیر پر مشتمل ہے
(۲۷) محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص ۸۴
(۲۸) Wherry, The Muslim Controversy, p.vi (Preface)

Marfat.com

Marfat.com

## باب پنجم:

# مبادیات علم تفسیر

### فصل اول:

### ضرورت تفسیر:

قرآن مجید کا نزول جن لوگوں میں ہوا وہ اہل زبان تھے۔ اس کے حقائق و لطائف کو سمجھتے تھے۔ ان کی فصاحت و بلاغت کی دنیا معترف تھی۔ بلکہ وہ اپنے علاوہ اور لوگوں کو عجمی (گونگے) سمجھتے تھے۔ اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اپنے آپ کو اس کتاب مبین کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی زبان دانی کے متعلق خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

الصحابة ارباب اللسان اعلم الخلق بمعانی الکلام (۱)

''صحابہ کرام صاحب زبان تھے اور مخلوق میں سب سے بہتر کلام کے معنی کو سمجھنے والے تھے۔''

لیکن ان کو بھی بعض دقتیں پیش آتی تھیں حالانکہ یہ نفوس ذکیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل درجہ رکھتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت شدت الم اور فرط محبت و عقیدت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا بلکہ وہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا کہے گا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ (۲)

یہ صحیح بخاری میں اس طرح سے ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے جو سنح میں تھا' گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور سیدھے مسجد میں سے ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر تھا (حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو چوما۔ ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ فرمانے لگے ''آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا۔ وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی آ چکی۔ اس کے بعد دوسری موت نہیں لائے گا۔ بعد ازاں انھوں نے خطبہ دیا۔ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف جانے لگے۔ حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا:

''من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات۔ و من کان یعبداللہ عزوجل

Marfat.com

فان الله حی لا یموت"

''جوتم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔''

پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا آپ پھر جائیں گے؟ جو اپنی ایڑیوں پر پھر گیا وہ اللہ کا نقصان نہیں کرے گا۔ اللہ عنقریب شکر کرنے والوں کو اجر دے گا۔''

خدا کی قسم ایسے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے لوگ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے اس آیت کو اتارا ہے۔ جونہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے پڑھا تو لوگوں نے آپ سے سن کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا (۳) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم آدمی سے ایسی خبر چھپی ہوئی تھی کہ ان کو اصل وضاحت کی ضرورت پڑی۔ اسی طرح سے حضرت عمر کو کلالہ کے بارے میں علم نہ تھا۔ چنانچہ یہ روایت ہے:

عن مرة الهمدانی قال قال عمرؓ: ثلاث لان یکون النبی صلی الله علیه وسلم بینهن لنا احب الی من الدنیا وما فیها؛ الکلالة، والخلافة وابواب الربا(٤)

''مرۃ الھمدانی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ تین چیزوں کی وضاحت فرما دیتے تو مجھے یہ چیز دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔ کلالہ، خلافہ اور ربا۔''

ایک روایت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں ہے:

"نزلت یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکلالة والنبی صلی الله علیه وسلم فی مسیرله والی جنبه حذیفة بن الیمان فبلغها النبی صلی الله علیه وسلم حذیفة وبلغها حذیفه عمر بن الخطاب وهو یسیر خلفه فلما استخلف عمر سأل عنها حذیفة ورجا ان یکون عنده تفسیرها فقال له حذیفة: والله انك لعاجزا ان ظننت ان امارتك تحملنی ان احد ثك فیها بما لم احدثك یومئذ فقال عمر: لم ارد هذا رحمك الله(٥)

''جب یہ آیت یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکلاله اتری تو رسول اللہ ﷺ سفر میں

Marfat.com

تھے۔ آپ کے پہلو میں حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان تھے۔ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سنائی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنائی جو کہ ان کے پیچھے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ سوچ کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ان کے پاس اس آیت کی تفسیر ہوگی۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! آپ عاجز ہیں اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کی امارت مجھے اس بات کے بیان کرنے پر آمادہ کردے گی جس کا میں آپ کو اس دن نہ بتا سکا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ آپ پر رحم کرے میرا یہ خیال نہ تھا۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ ما فاطر السمٰوٰت والارض (فاطر السمٰوٰتِ والارضِ کیا ہے؟) یہاں تک کہ دو اعرابی آئے جو کنوئیں کے متعلق جھگڑ رہے تھے ایک نے کہا انا فطرتھا (۶) (میں نے اس کی ابتدا کی ہے)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فاکھۃ وابا (۷) (پھل اور چارہ) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ أیّ سماء تظلنی وأیّ أرض تقلنی اِن أنا قلت فِی کتاب الله مالا أعلم (۸) (مجھے کون سا آسمان سایہ دیگا اور کون سی زمین اٹھائے گی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو)۔ قرآن مجید کی آیت وَحَنَاناً مِّن لَّدُنَّا (۹) (ہماری طرف سے مہربانی) کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا واللہ لا ادری ما حنانا (۱۰) (اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ حنان کیا ہے؟)۔

اس سے معلوم ہوا قرآن مجید کی تفسیر کی ضرورت اس کے نزول کے ساتھ ہی پیش آنا شروع ہوگئی۔ کیونکہ آغاز وحی خود ایک نئی بات تھی۔ جس کے متعلق اذہان میں کئی قسم کے سوالات اٹھتے تھے۔ اگرچہ قرآن مجید خود اپنے متعلق کہتا ہے: بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ (۱۱) (بلکہ یہ واضح آیات ہیں) اور الـر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ (۱۲) (یہ واضح کتاب کی آیات ہیں)۔ اس کے باوجود قرآن مجید کے کئی ایسے مقامات ہیں جو تفسیر کے متقاضی ہیں۔ علامہ ابن خلدون کے اس قول: ان القرآن نزل بلغة العرب وعلیٰ اسالیب بلاغتهم فكانوا كلهم يفهمونه ويعلمون معانيه فى مفرادة تراكيبه (۱۳) (قرآن مجید لغت عرب اور ان کے اسلوب بلاغت کے مطابق اترا۔ وہ تمام اس کو سمجھتے تھے اور اس کے مفردات کے معانی اور تراکیب جانتے تھے اس کے باوجود قرآن مجید کے ایسے مقامات ہیں جن کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفسیر بیان فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآن مجید پر غور وفکر اور تدبر کرنے کے واقعات سے کتب تفسیر اور حدیث بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ تفسیر الطبری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوز هن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن (۱۴)

Marfat.com

''ہم میں سے جب کوئی دس آیات کی تعلیم حاصل کر لیتا تو اس وقت تک ان سے آگے نہ گزرتا جب تک کہ ان کے معانی نہ سمجھ لیتا اور ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا۔''

کلام الٰہی کی تفسیر کی اہمیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلم تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کا ذکر فرما کر انہیں علم سے موصوف بیان فرمایا۔ ایک آدمی کہنے لگا آپ پر فدا ہو جاؤں۔ آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ تو آپ ہی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ اللہ کے اس ارشاد کی تفسیر جانتے تھے۔

﴿إِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَی﴾(۱۵)

''تحقیق جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے وہ آپ کو ایک بہترین انجام تک پہنچا دے گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے امت کو فہم قرآن کا بہت شوق تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مکثت سنتین ارید ان اسئل عمر عن المراتین اللتین تظاهرتا علیٰ رسول الله ﷺ ما یمنعنی الا مهابته فقال: هی عائشةؓ و حفصةؓ(۱٦)

''میں دو سال تک انتظار کرتا رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت مجھے روکے ہوئے تھی۔ آخر میں نے پوچھ ہی لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔''

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من قرء االقرآن ولم یفسره کان کالا عمیٰ أو کالأعرابی أی الجاهل الذی لا یتعلم(۱۷)

''قرآن مجید کو جو شخص پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا تو وہ نابینا یا اعرابی یعنی جاہل کی مانند ہے جس نے تعلیم حاصل نہیں کی۔''

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے:

أحب الخلق الی الله اعلمهم بما انزل الله(۱۸)

''مخلوق میں سے اللہ کو زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ کی نازل کردہ (کتاب) کو زیادہ جانتا ہو۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والله ما انزل الله اية احبُّ ان یعلم فیمن نزلت وما یعنی بها(۱۹)

''اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو کوئی بھی آیت اتاری ہے میں چاہتا ہوں کہ پتہ چل جائے کہ وہ کس بارے میں اتری ہے اور اس سے کیا مراد ہے۔''

Marfat.com

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رحل مسروق فی تفسیر آیة الی البصرة فقیل له ان الذی یفسرها رحل الی الشام فتجهز ورحل الی الشام حتی علم تفسیرها(۲۰)

''مسروق رحمہ اللہ نے ایک آیت کی تفسیر کی طلب میں بصرہ کا سفر کیا۔ ان سے کہا گیا اس کی تفسیر کرنے والا شام چلا گیا ہے۔ تو وہ تیار ہو کر شام چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس آیت کی تفسیر معلوم کر لی۔''

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ) اس آیت وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَماً كَثِيراً وَسَعَةً وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِراً إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ (۲۱) (جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ پھر اس کو موت آ جائے) کے متعلق فرمایا: طلبت اسم هذا الرجل اربع عشره سنته حتی وجدته قال ابن عبدالبر: هو ضمیرة بن حبیب (۲۲) (میں نے اس آدمی کا نام معلوم کرنے میں ۱۴ سال لگائے۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو گیا ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس کا نام ضمیرہ بن حبیب تھا)۔

ایاس بن معاویہ کا قول ہے:

مثل الذین یقرون القرآن وهم لا یعلمون تفسیره کمثل قوم جاء هم کتاب من عند ملیکهم لیلا ولیس عندهم مصباح فقد اخلتهم روعة ولا یدرون ما فی الکتاب ومثل الذی یعرف التفسیر کمثل رجل جاء هم بمصباح فقرأوا ما فی الکتاب (۲۳)

''ان لوگوں کی مثال جو قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن اس کی تفسیر نہیں جانتے اس قوم کی مانند ہے جن کے پاس ان کے بادشاہ کی طرف سے رات کے وقت ایک خط آیا جب ان کے پاس چراغ نہیں تھا ان پر رعب طاری ہو گیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خط میں کیا ہے اور شخص کی مثال جو تفسیر کو جانتا ہے ایسے آدمی کی مانند ہے جو چراغ لے کر آ گیا تو انھوں نے خط میں جو کچھ تھا پڑھ لیا۔''

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا جو ان سے علم حاصل کرنے آئے تھے:

لو طلبتم کتاب الله لوجدتم فیه شفاء لما تریدون فقالوا: قد تعلمنا القرآن فقال: ان فی تعلمکم القرآن شغلا الأعمار کم وأعمار أولادکم فقالوا: کیف یا أبا علی؟ فقال: لن تعلموا القرآن حتیٰ تعرفوا إعرابه ومحکمه ومتشابهم و ناسخه من منسوخه فاذا عرفتم ذٰلك استغنیتم عن کلام فضیل وابن عیینة (۲٤)

''اگر آپ اللہ کی کتاب میں جستجو کریں تو آپ کو اپنا مطلوب مل جائے۔ انھوں نے کہا ہم نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی ہے۔ تو حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا آپ کے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں

Marfat.com

آپ کی اور آپ کی اولاد کی عمریں ختم ہو سکتی ہیں۔ انھوں نے کہا اے ابوعلی یہ کیسے؟ فرمانے لگے آپ قرآن مجید کو اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک اس کے اعراب محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ نہ جانیں۔ جب آپ یہ جان لیں تو فضیل اور ابن عیینہ کے کلام سے مستغنی ہو جائیں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم و فضل میں کوئی شک نہیں تھا۔ ہم لوگ تو ان کے کسی ایک عمل کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیده لو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما ادرك مد احد هم ولا نصیفه (۲۵)

''میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) جتنا سونا خرچ کرے تو وہ ان کے مد (تقریباً ایک سیر) یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا (بلحاظ درجہ و ثواب)۔''

بطور نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر قرآن کی طلب سے متعلق چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جب قرآن مجید کی یہ آیت روزہ کے متعلق نازل ہوئی ''وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ'' (۲۶) (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ آپ کے لیے فجر کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے) تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے اپنے تکیے کے نیچے ایک سفید اور ایک سیاہ دھاگہ رکھ لیا تاکہ اس وقت کھا پی سکیں جب تک یہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''ان وسادتك اذا لعریض بل هو سواد اللیل وبیاض النهار'' (۲۷) (آپ کا تکیہ تو بہت چوڑا ہے بلکہ وہ تو رات کی سیاہی اور دن (صبح) کی سفیدی ہے (یہ سفید و سیاہ دھاگے نہیں)۔ اسی طرح لفظ ''ظلم'' کے معنی سمجھنے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الجھن ہوئی۔ قرآن مجید میں ہے ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ'' (۲۸) (جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ انھوں نے ظلم کو نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت پر ہیں)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ظلم کے عام معنی زیادتی کے لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد شرک ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت بطور وضاحت تلاوت فرمائی: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۲۹) (بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔ یہ پورا واقعہ کتب احادیث اور تفاسیر میں موجود ہے۔ (۳۰)

ان دو مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی قرآن مجید کی بعض آیات کو سمجھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درجات کے لحاظ سے فہم قرآن کے معاملہ میں برابر نہ تھے۔ جب آیت ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (۳۱) (آج کے

Marfat.com

دن میں نے آپ کے لیے آپ کا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت آپ پر پوری کر دی اور اسلام کو دین ہونے کے لحاظ سے آپ کے لیے پسند فرمایا) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کمال دین کی خوشخبری سن کر خوش ہوئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمانے لگے کمال کے بعد نقص ہوتا ہے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کوچ فرما جائینگے۔ وہ سچ فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد ۸۱ دن حیات رہے (۳۲)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اصحاب بدر کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا یہ نوجوان (امیر المومنین کے ہاں) ہماری معیت میں داخل ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے ہم عمر ہمارے بھی بیٹے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انه لمن قد علمتم

''یہ جن لوگوں میں سے ہے آپ کو علم ہے۔''

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بھی بلایا تھا تا کہ ان کو میرے متعلق بتا سکیں۔ ان صحابہ کرامؓ سے پوچھا ان آیات کے متعلق کیا خیال ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (۳۳)

''جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور آپ نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو اللہ کی تسبیح بیان کریں اور اس سے استغفار کریں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

بعض نے کہا فتح و نصرت کی صورت میں اللہ کی حمد اور استغفار کا حکم ہے۔ بعض نے کہا ہم نہیں جانتے۔ مجھ سے پوچھا، ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا:

هو اجل رسول الله ﷺ اعلمه الله اذا جاء نصر الله و الفتح۔ فتح مكة فذاك علامة اجلك" فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا ، ، قال عمرؓ: ما اعلم منها الا ما تعلم (۳٤)

''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ آپ کی موت کی علامت تھی۔ پس آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کریں اور اس سے استغفار کریں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کے متعلق وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔''

ہم ہر لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے درجہ میں کم ہیں۔ ان کے متعلق بالکل درست کہا گیا ہے:

اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامت

Marfat.com

وابرها قلوبا اعمقها علما واقلها تكلا ، اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا هم علىٰ اثرهم وتمسكنوا بما استطعتم من اخلاقهم وسِيرهم فأنهم كانوا على الهدىٰ المستقيم (۳۵)

''یہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھی تھے۔ وہ اس امت میں سے افضل تھے اور پاکیزہ دل تھے۔ علم میں عمیق تھے۔ کم تکلف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کرلیا۔ ان کی فضیلت کو جانو۔ ان کے آثار کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرتوں کو اپناؤ۔ وہ لوگ راہ راست پر تھے۔''

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ السلمی قاری القرآن اور مشہور تابعی فرماتے ہیں:

حدثنا الذين كانوا يقرونا القرآن كعثمان بن عفان وعبدالله بن مسعود وغيرهما انهم كانوا اذا تعلموا من النبى صلى الله عليه وسلم عشر آيات لم يجاوزوها حتىٰ يعلموا ما فيها من العلم والعمل قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جميعا ولهذا كانوا يبقون مدة فى حفظ السورة (۳٦)

''ہمیں عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں نے بتایا جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ سے دس آیات سیکھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہ جاتے جب تک ان سے متعلق علم حاصل نہ کر لیتے اور ان پر عمل نہ کر لیتے۔ انھوں نے کہا ہم نے قرآن کو سیکھا اور ساتھ ہی علم و عمل کو بھی سیکھا اس لیے وہ ایک سورت کے حفظ کرنے میں کافی مدت لگا دیتے تھے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان الرجل اذا قرء البقرة وآل عمران جُلّ فى أعيننا (۳۷)

''کوئی آدمی جو البقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں عظیم ہو جاتا)۔''

ایک روایت میں ہے:

اقام ابن عمر على حفظ البقرة ثمانيِ سنين (۳۸)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے البقرہ حفظ کرنے میں آٹھ سال لگائے۔''

مجاہد تابعی فرماتے ہیں:

عرضت المصحف علىٰ ابن عباسؓ ثلاث عرضات من فاتحه الى خاتمه استوقفته عند كل آية واسئله عنها (۳۹)

میں نے ابن عباس کے سامنے ابتدا سے آخر تک تین مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ ہر آیت پر انہیں روک کر اس کے متعلق سوال کرتا تھا۔''

Marfat.com

زمانہ قدیم سے علمائے امت نے قرآن مجید کی تفسیر پر بہت محنت کی اور بڑی وقیع کتب لکھیں۔ علمی، ادبی، صرفی، نحوی، لغوی، منقول اور معقول ہر لحاظ سے قرآن مجید کی تشریح کی گئی۔ لیکن اللہ کے کلام کی تشریح ختم نہیں ہوسکتی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً﴾ (٤٠)

''کہہ دیجئے اگر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی سمندر بن جائیں تو سمندر میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ختم ہوجائیں گے۔ اور اگرچہ ہم اس کی مثل اور لے آئیں۔''

موجودہ دور میں بھی علماء مقدور بھر قدماء سے استفادہ کر کے عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ اس سمندر میں جتنے بھی غوطے لگائے جائیں گے اتنے ہی موتی اور جواہر حاصل ہونگے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وحاجة الأمة ماسة إلى فهم القرآن الذي هو حبل الله المتين والذكر الحكيم والصراط المستقيم الذى لا تزيغ به الأهواء ولا تلتبس به الألسن ولا يخلق عن كثرة الترديد ولا تنقضي عجائب ولا يشبع منه العلماء" (٤١)

''امت کو فہم قرآن کی سخت ضرورت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے۔ اس کو خواہشات ٹیڑھا نہیں کرسکتیں اور نہ زبانیں خلط مبحث کرسکتی ہیں۔ وہ زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوسکتے۔ اور نہ ہی علماء اس سے سیر ہوسکتے ہیں۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا يكون احد فقيها حتى يحمل الآية الواحدة على محامل متعددة (٤٢)

''کوئی آدمی اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک کہ ایک ہی آیت کو متعدد جگہوں پر نہ رکھے۔''

قرآن مجید خود اپنی آیات پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (٤٣)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔''

دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (٤٤)

''اگر ہم قرآن کو ایک پہاڑ پر اتارتے (حالانکہ پہاڑ بہت سخت ہوجاتا ہے) تو آپ دیکھتے

Marfat.com

کہ وہ اللہ کے ڈر سے جھلک رہا ہے اور پھٹ رہا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں اس لیے لوگوں سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾(۴۵)

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ لیکن کوئی نصیحت پکڑنے والا بھی ہو۔''

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں قرآن پاک کی تفسیر ہر دور میں لکھی گئی۔ آئندہ سطور میں اس امر کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے کہ اتنی تفاسیر ہونے کے باوجود جدید دور میں اس کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے۔

## قرآن مجید اور جدید علوم:

قرآن مجید ہر دور کے علوم و معارف کا خزانہ ہے۔ خارجی کائنات میں روز بروز تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ انسان بے شمار سائنسی انکشافات کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال رہا ہے۔ ان سائنسی علوم کی طرف قرآن مجید میں اشارے ملتے ہیں جو ایک صاحب بصیرت عالم کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ " وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" (۴۶) (تمھارے وجود کے اندر بے شمار حقائق ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں) اس آیت میں علم بیالوجی کی طرف اشارہ ہے۔ "قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ" (۴۷) (آپ فرما دیں زمین میں پھرو۔ پھر دیکھو اس نے پیدائش کو کس طرح سے شروع کیا) میں کائنات کی ابتدا کی طرف اشارہ ہے۔ "قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ" (۴۸) (تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنھوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات کو) جھٹلایا) اس میں علم اثریات یا علم تاریخ کی طرف اور قوموں کے عروج و زوال کی طرف اشارہ ہے۔ موریس بکائے نے اس سلسلے میں اچھی کوشش کی ہے۔

انسانی معاشرہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا اس کے لباس، طعام اور رہن سہن میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ علم معاشیات، سیاسیات، عمرانیات اور دیگر علوم جن کا انسانی تہذیب و ثقافت سے تعلق ہے ترقی کے نئے انداز اختیار کر رہے ہیں۔ جدید دور میں اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کو بنیاد بنا کر ان تمام علوم کی اسی نقطہ نظر سے شناخت کی جائے اور جدید ذہن کے شکوک و شبہات کو دور کیا جائے۔ ظاہر ہے یہ کام تفسیر قرآن ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ قرآن مجید، تورات، انجیل، زبور، ژند، پاژند اور ویدوں کی طرح اساطیر کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کا تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ باعمل مسلمان اس پر اپنی فراست و نور بصیرت کے ساتھ نئے نئے علوم کا انکشاف کریں۔ اور عہد جدید کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں۔

Marfat.com

# قرآن مجید کے وضاحت طلب مقامات

قرآن مجید کے بعض مقامات وضاحت طلب ہیں۔ وہ لازماً تفسیر کے متقاضی ہیں۔ ان مقامات کو اللہ تعالیٰ نے بعض مصلحتوں کے تحت مبہم رکھا ہے تاکہ انسان کا جذبہ تحقیق ماند نہ پڑے۔ مثلاً:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾(٤٩)

''انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں تمہیں دنیا میں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔''

اس سے اخنس بن شریق مراد ہے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گیا (۵۰)

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾(٥١)

''آپ میں سے صاحب فضل و وسعت اپنے رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ اٹھائیں۔''

میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں (۵۲)۔

آیت ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ (۵۳)

''جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے۔'' اور

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾(٥٤)

''جو صداقت لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔''

دونوں میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔(۵۵)

اسی طرح

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾(٥٦)

''وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا۔''

میں اکیلا عروہ الثقفی مراد ہے (۵۷) اسی طرح سورہ نور میں وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ (۵۸) (جس نے اس امر کا بڑا بوجھ اٹھایا) میں عبداللہ بن اُبی مراد ہے (۵۹) مزید وضاحت کے لیے امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب الاتقان نہایت مفید ہے۔

Marfat.com

## غریب القرآن:

قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تفسیر جاننا بھی بہت ضروری ہے۔غریب کے لغوی معنی اجنبی کے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

غريب بعيد عن وطنه الجمع غرباء والانثى غريبة

''غریب اپنے مسلک سے دور آدمی کو کہتے ہیں۔اس کی جمع غرباء ہے اور مونث غریبہ ہے۔''

صاحب لسان العرب مزید فرماتے ہیں: اغترب الرجل کے لفظی معنی آدمی نے غیر لوگوں میں شادی کی جو رشتے میں قریبی نہ تھے۔(۶۰)

الغريب الغامض من الكلام وكلمة غريبة (٦١)

''غریب سے مراد ایسا کلام ہے جو مشکل ہو۔اسی سے غریبہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔''

قرآن مجید کے بعض غریب الفاظ درج ذیل ہیں:

① لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ (٦٢)

''کس دن کے وعدے کے لیے تاخیر کی گئی۔''

اى اخرت التاجيل : ضدا التعجيل (٦٣)

''تاخیر کی گئی تاجیل کا لفظ تعجیل کا متضاد ہے۔''

② اثل: فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَى أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيْلٍ (٦٤)

''انھوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر زور کا نالہ چھوڑ دیا۔اور ان دو (عمدہ) باغوں کو بدل کر دو باغ ایسے کر دیے جن میں بدمزہ میوے اور جھاؤ کا درخت اور تھوڑے سے بیری کے درخت رہ گئے۔''

الاثل: شجر شبيه بالطرفاء الات اعظم منه تصنع منه الاقداح ومن ذلك حديث ان منبر النبى كان من اثل الغابة(٦٥)

''اثل ایک درخت ہے جو جھاؤ کی مانند ہوتا ہے لیکن اس سے بڑا ہوتا ہے۔اس سے پیالے بنائے جاتے ہیں۔اسی سے حدیث ہے۔رسول اللہ ﷺ کا منبر جنگل کے اسی اثل سے بنا ہوا تھا۔''

قرآن مجید میں اثل کا اردو ترجمہ جھاؤ ہی کیا گیا ہے۔

③ الشواظ: يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّار (٦٦)

''تم پر آگ کے شعلے بھیجے جاتے ہیں۔''

الشواظ: النار التى لادخان فيها (٦٧)

Marfat.com

''شواظ ایسی آگ ہے جو دھوئیں کے بغیر ہو۔''

④ حور: حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ (٦٨)

حوریں جو خیموں میں بند بیٹھی ہونگی۔''

حور: شديدات البياض، وشديدات الملـ واحدها حوراء ومنه قيل حواری (٦٩)

''حوریں بہت زیادہ سفید، بہت زیادہ سیاہ پتلیوں والی۔ اس کا واحد حوراء ہے اور اسی سے حواری کہا گیا ہے۔''

⑤ ابا: وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (٧٠)

''اور پھل اور چارہ۔''

الاب: المرعی

''اب کے معنی چارہ کے ہیں۔'' (۷۱)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے نزدیک غریب الفاظ کی سب سے بہترین تشریح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال ہیں اور وہ جو صحیح بخاری میں ہے (۷۲)

## تفسیر قرآن میں احتیاط:

آخر میں ہم سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے ایک حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر کی شدید حاجت کے باوجود ہر کہ ومہ کو جو دل میں آیا، کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ کلام الٰہی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے نہایت ہی محتاط رویہ برتنے کی تاکید آئی ہے۔ خیر القرون کے لوگ اس لحاظ سے بہت محتاط تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار" (۷۳)

''جو شخص قرآن مجید کے متعلق اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

معتمر بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

قال: كانوا يكرهون ان يفسروا حديث رسول اللهﷺ برآيهم كما كانوا يكرهون ان يفسروا القرآن برآيهم (٧٥)

''وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا اسی طرح برا سمجھتے تھے، جس طرح قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا۔''

ان تہدیدات کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سلف امت رحمۃ اللہ تفسیر قرآن کے متعلق نہایت محتاط تھے۔

Marfat.com

عبیداللہ بن عمر رحمۃ اللہ سے روایت ہے۔

لقد ادركت فقهاء المدينة وانهم ليعظمون القول في التفسير، منهم سالم بن عبدالله، والقاسم بن محمد وسعيد بن المسيب ونافع (٧٦)

''فقہائے مدینہ کو میں نے دیکھا کہ وہ تفسیر کے متعلق کلام کو بہت بڑی بات سمجھتے تھے۔ سالم بن عبداللہ، قاسم رحمۃ اللہ بن محمد، سعید بن المسیب اور نافع رحمۃ اللہ انہیں لوگوں میں شامل ہیں۔''

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو سعید بن المسیب رحمۃ اللہ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق پوچھتے ہوئے سنا۔ تو انھوں نے فرمایا:

" لا اقول في القرآن شيئا" (٧٧)

''میں قرآن مجید کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔''

نصر بن علی کہتے ہیں، میں نے اصمعی سے کہتے ہوئے سنا:

يتقى من حديث رسول الله ﷺ كما يتقى من تفسير القرآن (٧٨)

''حدیث رسول اللہ ﷺ میں اس طرح احتیاط کی جائے جس طرح قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔''

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر قرآن امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو رسول اللہ ﷺ نے بدرجہ اتم نبھایا اور اس کی عملی تفسیر بھی پیش کی۔ بعد ازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس میدان میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اس کی عملی تفسیر بن کر دنیا کے قائد ہادی بن گئے۔ تابعین عظامؒ اور دیگر علماء امت بھی حسب ضرورت اس کام کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ اب بھی قرآن ہی وہ چشمہ صافی ہے جس سے خود پیاس بجھا کر مسلمان دیگر اقوام کو بھی سیراب کر سکتے ہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان اس کتاب کو خوب سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور پھر اقوام عالم کو اس کی طرف دعوت دیں، کیونکہ اب دنیا کی رہنمائی اور قیادت کے لیے صرف یہی کتاب ہے۔ باقی تمام کتابیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود غیر مسلموں نے کیا ہے کہ اگر اس عہد میں کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن مجید ہی ہے۔ آج کے اس مشینی دور میں جبکہ لوگوں کے پاس فراغت بہت کم ہے، علماء امت کی ذمہ داری ہے کہ خاص مقاصد کو پیش نظر رکھ کر نہایت مختصر اور سادہ لیکن شگفتہ اور شستہ زبان میں قرآنی مضامین کو اظہار خیال کا مرکز ومحور بنائیں۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان، علوم الحدیث المعروف مقدمہ، ۱۹۔
۲۔ ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، ۱/۱۳۸۔
۳۔ آل عمران (۳)، ۱۴۴، بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۱۶۶۔
۴۔ الطبری، جامع البیان (دارالمعارف مصر) ۹/۴۳۸
۵۔ ایضاً، ۴۳۵۔
۶۔ سیوطی، التحبیر فی علم التفسیر، ص: ۱۹۸۔
۷۔ عبس (۸۰): ۳۱۔
۸۔ سیوطی، التحبیر فی علم التفسیر، ص: ۱۹۹۔
۹۔ مریم (۱۹): ۱۳۔
۱۰۔ سیوطی، التحبیر فی علم التفسیر، ص: ۱۹۹۔
۱۱۔ العنکبوت (۲۹): ۴۹۔
۱۲۔ یوسف (۱۲): ۱۔
۱۳۔ ابن خلدون، مقدمۃ، الفصل الخامس، (بیروت) ۸/۴۳۔
۱۴۔ طبری، جامع البیان، (مصر ۱۹۶۸ء) ۱/۳۵، عبدالعزیز، تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما، ۱/۶، زرکشی، البرہان، ۲/۱۰۷۔
۱۵۔ القصص (۲۸): ۸۵، الشوکانی، فتح القدیر، ۱/۱۴۔
۱۶۔ فتح القدیر، ۱/۱۴
۱۷۔ عبدالعظیم، احکام من القرآن والسنۃ، ۷۔
۱۸۔ شوکانی، فتح القدیر، ۱/۱۴۔
۱۹۔ ایضاً۔
۲۰۔ ایضاً۔
۲۱۔ النساء (۴): ۱۰۰۔
۲۲۔ الشوکانی، فتح القدیر، ۱/۱۴۔
۲۳۔ ایضاً۔
۲۴۔ ایضاً۔
۲۵۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ، (جامعۃ أم القری المکۃ المکرمہ) ۱/۵۱۔
۲۶۔ البقرہ (۹): ۱۸۷۔
۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۶۴۷۔


Marfat.com

۲۸۔ الانعام(۶):۸۴۔ ۲۹۔ لقمان(۳۱):۱۳۔
۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح ۲/ ۷۰۴، تفسیر ابن مسعود ۲/ ۷۰ ۷-۷۶ ۷۔
۳۱۔ النصر (۱۱۰) ۱۔۳
۳۲۔ خازن، لباب التاویل فی معانی التاویل،۲/ ۹۔
۳۳۔ النصر(۱۱۰) ۱۔۳
۳۴۔ بخاری، الجامع الصحیح ۲/ ۷۴۳، ترمذی، السنن ۲/ ۱۷۲، احمد، المسند، (القاہرہ،۱۳۱۳ھ) ۱/ ۳۳۷، تفسیر ابن عباس ۲/ ۹۹۰-۹۹۶۔
۳۵۔ البغوی، معالم التنزیل ۲، ۳، ۳۲۰-۲۱، محمد مالک، التحریر فی اصول التفسیر، ۱۰۷-۱۰۸۔
۳۶۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی، ۱۳/ ۳۳۱۔ ۳۷۔ ایضاً۔
۳۸۔ ایضاً۔
۳۹۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۴۸۔
۴۰۔ الکہف (۱۸):۱۰۹۔ ۴۱۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ،۱۳/ ۳۳۰۔
۴۲۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، (اصح المطابع، کراچی، (اردو ترجمہ)) ص:۱۷
۴۳۔ محمد (۴۷):۲۴۔ ۴۴۔ الحشر (۵۹):۲۱۔
۴۵۔ القمر (۵۴):۱۷۔ ۴۶۔ الذاریات (۵۱):۲۱۔
۴۷۔ العنکبوت (۲۹):۲۰۔ ۴۸۔ آل عمران (۳):۱۳۷۔
۴۹۔ البقرۃ (۲):۲۰۴۔ ۵۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲، ۱۴۵۔
۵۱۔ النور (۲۴):۲۲ ۵۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۱۴۵۔
۵۳۔ التوبہ (۹):۴۰۔ ۵۴۔ الزمر (۳۸):۳۳۔
۵۵۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۱۴۵۔ ۵۶۔ آل عمران (۳):۱۷۳۔
۵۷۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر (المکتبۃ العلمیۃ لاہور، ۱۹۷۰) ص:۱۶۱۔
۵۸۔ النور (۲۴):۱۱۔ ۵۹۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۱۴۷۔
۶۰۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱/ ۶۳۹۔ ۶۱۔ ایضاً، ۶۴۔

غریب القرآن ایک فن ہے جس پر باقاعدہ کتب لکھی گئیں۔ درج ذیل مصنفین زیادہ معروف ہیں۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ/ ۶۸۷ء)، ابوسعید ابان بن تغلب بن رباح البکری (م ۱۴۱ھ/ ۷۵۸ء)، ابو فید مورج بن عمرو السدوسی (م ۱۹۵ھ/ ۸۱۰ء)، ابومحمد یحییٰ بن المبارک الیزیدی (م ۲۰۲ھ/ ۸۱۷ء)، النضر بن شمیل (م ۲۰۲ھ/ ۸۱۷ء)، ابوعبیدۃ بن المثنیٰ (م ۲۱۰ھ/ ۸۲۵ء)، الاخفش الاوسط سعید

Marfat.com

بن مسعدة (م ٢٢١ھ/ ٨٢٦ء) ابوعبید القاسم بن سلام (م ٢٢٤ھ/ ٨٣٨ء)، محمد بن سلام الجمحی (م ٢٣١ھ/ ٨٤٥ء)، ابن قتیبة (م ٢٧٦ھ/ ٨٨٥ء)، ابو طالب المفضل بن سلمة (م ٣٠٨ھ/ ٩٢٠ء)، ابن درید (م ٣٢١ھ/ ٩٣٣ء)، ابو زید احمد بن سہل البلخی (م ٣٢٢ھ/ ٩٣٤ء)، محمد بن عثمان الجعد (م ٣٢٢ھ/ ٩٣٤ء)، نفطویہ (م ٣٢٣ھ/ ٩٣٥ء)، محمد بن عزیز السجستانی (م ٣٣٠ھ/ ٩٤١ء)، ابوعمر محمد بن عبدالواحد الزاہد (م ٣٤٥ھ/ ٩٥٦ء)، ابوبکر محمد بن انصاری النقاش (م ٣٥١ھ/ ٩٦٢ء)، احمد بن محمد المرزوقی (٤٣١ھ/ ١٠٣٩ء)، مکی بن محمد القیسی (م ٤٣٧/ ١٠٤٥) محمد بن یوسف الکلفرطابی (م ٤٥٣ھ/ ١٠٦١)، الراغب الاصفہانی (م ٥٠٢ھ/ ١١٠٨ء)۔ (از المدینی، المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، (جامعة أم القری المکة المکرّمہ) ١، ٨-١٠، مقدمة المحقق)

٦٢۔ المرسلات (٧٧): ١٢۔
٦٣۔ المدینی، المجموع المغیث، ١/ ٣٤۔
٦٤۔ سباء (٣٤): ١٦۔
٦٥۔ المدینی، المجموع المغیث، ١/ ٣٠۔
٦٦۔ الرحمٰن (٥٥): ٣٥۔
٦٧۔ ابن قتیبہ، غریب القرآن، ٤٣٨۔
٦٨۔ الرحمٰن، (٥٥): ٧٢۔
٦٩۔ ابن قتیبہ، غریب القرآن، ٤٤٣۔
٧٠۔ عبس، (٨٠) ٣١۔
٧١۔ ابن قتیبہ، غریب القرآن، ٥١٥۔
٧٢۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، ٤٠۔
٧٣۔ بغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، ١/ ١٣۔
٧٤۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ١٣، ٣٨١۔
٧٥۔ المدینی، المجموع المغیث، ١/ ٦۔
٧٦۔ الطبری، جامع البیان، ١/ ٣٧۔
٧٧۔ ایضاً
٧٨۔ المدینی، المجموع المغیث، ١/ ٧۔

Marfat.com

**فصل دوم :**

# تفسیر اور تاویل کا مفہوم

قرآن مجید کے پہلے مخاطب اگرچہ اہل زبان تھے لیکن پھر بھی قرآن مجید جیسی ہمہ پہلو کتاب کی وضاحت اور تفسیر کی ضرورت تھی۔ اس لیے علم تفسیر کی ابتدا نزول قرآن ہی سے ہو چکی تھی۔ حضرت محمد ﷺ خود قرآن مجید کے پہلے مفسر تھے۔ جتنا قرآن مجید نازل ہوتا رسول اللہ ﷺ اس کی تشریح فرما دیتے اور آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی وضاحت کرتے۔ اس ضمن میں خاص کر خلفائے راشدین، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن مسعود زیادہ مشہور ہیں۔(۱)

صحابہ کرام اور تابعین حضرات مفسر ضرور تھے لیکن خاص بات یہ تھی کہ قرآن کی شرح میں موشگافیوں اور الجھنوں میں نہیں پڑتے تھے۔ بلکہ وہ سادہ انداز میں قرآن کو سمجھتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ ان کا سمجھنے اور سمجھانے کا انداز فلسفیانہ نہیں تھا۔ اموی عہد میں عربی ماحول اور زبان کے عروج کی وجہ سے بھی تفسیر کی بحیثیت ایک علم سے زیادہ ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن عباسی عہد میں عجمیوں کے اختلاط اور فلسفیانہ موشگافیوں کے سبب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تفسیر ایک باضابطہ علم کی صورت میں لوگوں کے سامنے آئے تاکہ کوئی شخص قرآن مجید کے معانی کو غلط رنگ دے کر امت کو گمراہ نہ کر سکے۔ چنانچہ اس علم نے ایک مدون علم کی صورت اختیار کی اور مختلف پہلوؤں سے اس کی خدمت کی گئی۔ اس طرح سے یہ انتہائی وسیع علم بن گیا اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا گیا اور ہوتا رہے گا۔

## تفسیر کے لغوی معنی:

لغوی لحاظ سے تفسیر کی درج ذیل تعریفیں کی گئی ہیں:

① التفسیر تفعیل من الفسر وھو البیان والکشف ویقال: ھو مقلوب السفر تقول: اسفر الصبح اذا اضاء وقیل: ماخوذ من التفسرۃ: وھی اسم لما یعرف به الطبیب المرض۔ (۲)

Marfat.com

''لفظ تفسیر کا مادہ فسر ہے اور یہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے معنی واضح کرنے اور کھولنے کے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سفر سے مقلوب ہے۔ آپ کہتے ہیں'' اسفر الصبح ''یعنی صبح سفید ہوگئی۔ جب وہ خوب روشن ہو جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ تفسیر تفسرۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ ان آثار و علامات کا نام ہے جن سے طبیب مرض کو پہچان سکتا ہے۔''

④ الفسر: البيان وقد فسرت الشئى افسر بالكسر فسر او التفسير مثله واستفسرته كذا اى سألته أن يفسره لى والفسر: نظر الطبيب الى الماء وكذلك التفسيرة واظنه مولدا (٣)

''فسر کے معنی بیان کے ہیں۔ فسرت الشئی کا مطلب ہے میں نے مفہوم کو خوب واضح کیا۔ باب ضرب یضرب (فعل یفعل) سے ہے۔ تفسیر کے بھی یہی معنی ہے استفسرته كذا میں نے اس سے استفسار کیا یعنی اس سے کہا کہ مجھے یہ کھول کر بتائیے۔ فسر کے معنی طبیب کا اس پانی (پیشاب) کو دیکھنا ہے جو کہ بیمار لاتا ہے اسی طرح تفسرۃ ہے میرا خیال ہے کہ لفظ تفسرۃ اسم تھا بعد میں اس کو فعل بنالیا گیا۔''

تفسیر کا مادہ تفسرۃ قرار دینا ذوق سلیم کے لحاظ سے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

③ الفسر: البيان فسر الشئى يفسره بالكسر، ويفسره بالضم: فسر او فسره ابانه والتفسير مثله۔ قال ابن الاعرابى: التفسير والتاويل المعنى واحد۔ وقوله عزوجل: واحسن تفسيرا، الفسر: كشف المغطى والتفسير: كشف المراد عن اللفظ المشكل والتاويل احد المحملين الى ما يطابق، الظاهر واستفسرته كذا اى سالته ان يفسره لى۔ (٤)

''فسر کے معنی بیان کے ہیں۔ یہ باب فعل یفعل کسرہ اور فعل یفعل ضمہ دونوں سے آتا ہے، اس نے کسی چیز کو واضح کیا تفسیر کے معنی اسی طرح سے ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا تفسیر تاویل اور معنی ایک ہی چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول'' واحسن التفسیر'' اسکے معنی تفسیر اور بیان کے ہیں) فسر بند چیز کو کھولنا، تفسیر کا مطلب مشکل الفاظ سے پردہ اٹھانا ہے۔ تاویل سے مراد دو احتمالوں میں سے ایک کو ظاہر کے مطابق کرنا ہے۔ استفسرته كذا کا مطلب میں نے اس سے کہا وہ تجھے واضح طور پر بیان کرے۔''

④ التفسير لغة الاستبانة والكشف۔ (٥)

''تفسیر کے لغوی معنی کھولنا اور بیان کرنا ہیں۔''

⑤ امام زرکشی نے لکھا ہے:

وقال الاخرون: هو مقلوب من سفر ومعنا ايضا الكشف، يقال: سفرت المراة سفورا: اذا القت خمارها عن وجهها وهى سافرة، واسفر الصبح:

Marfat.com

اضاء وانما بنوه علی التفعیل لانه للتکثیر۔ (٦)

''بعض علماء کا خیال ہے تفسیر سفر سے مقلوب ہے۔ اس کے معنی کھولنے اور بیان کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے سفر المراہ سفورا جب عورت اس نے اپنی اوڑھنی چہرے سے اتار دی وہی سافرۃ ایسی خاتون جو چہرے سے پردہ اتار دے اس کو سافرۃ کہا جاتا ہے واسفر الصبح اضاء۔ صبح روشن ہوگئی۔ اس کا وزن تفعیل کا ہے کیونکہ یہ تکثیر کے لیے ہے۔''

⑥ امام راغب مزید فرماتے ہیں:

التفسر والسفر یتقارب معنا هماکتقارب لفظیهما۔ (٧)

''تفسر اور سفر معنی میں قریب ہیں جس طرح کے دونوں الفاظ میں قریب ہیں۔''

⑦ امام راغب مزید فرماتے ہیں:

الفسر: اظهار المعنی المعقول ومنه قیل: لما ینبی عنه البول تفسیرة وسمی بها قارورة الماء والتفسیر فی المبالغة کالفسر۔ وتفسیر قد یقال فیما یختص بمفردات الالفاظ وغریبها وفیما یختص بالتاویل ولهذا یال: تفسیر الرویا وتاویلها۔ (٨)

''فسر کا مطلب معقول معنی کا اظہار ہے اس سے تفسرۃ کا لفظ ماخوذ ہے اس سے مراد قارورۃ ہے جس سے پیشاب کا پتہ چلایا جائے۔ تفسیر (باب تفعیل مبالغہ سے ہے) فسر کی مانند ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تفسیر مفرد اور غریب الفاظ سے مختص ہے اور اسی کو تاویل کہا جاتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے تفسیر رؤیا اور تاویل رؤیا ایک ہی چیز ہیں۔''

ان تمام لغوی تعریفوں سے معلوم ہوا کہ تفسیر کے معنی تفصیل، بیان، اظہار، کھولنا، واضح کرنا اور کشف کے ہیں۔ علماء لغت نے حالات کے تقاضوں کے مطابق ان الفاظ کے معنی بیان کیے ہیں یہ سب معانی ایک دوسرے سے مربوط معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

# تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

قدماء کی رائے ہے کہ لفظ تفسیر کے معنی وضاحت کے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک تفسیر کی تعریف گھڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے موضوع اور مسائل کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تفسیر چند قواعد کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ دیگر علوم میں میسر آجاتے ہیں۔ اس بنا پر تفسیر کی توضیح میں یہی تعریف کافی ہے کہ

انه بيان كلام الله

''تفسیر کتاب اللہ کے مطالب بیان کرنے کا نام ہے۔''(۹)

متقدمین نے علوم یا مطالعات شرعیہ کو حسب عادت کسی نہ کسی اعتبار سے ایک ضابطے کی صورت میں جمع کر دیا انہیں میں سے تفسیر بھی ایک علم ہے چنانچہ انھوں نے کہا کہ علوم شرعیہ میں یا الفاظ قرآن کے تلفظ صحت سے بحث کرنا علم قرآت کہلاتا ہے اور حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ سند کے اعتبار سے جانچ پڑتال علم حدیث ہے۔ قرآن کے مطالب ومقاصد کا اظہار ہی علم تفسیر ہے، یہ ایک سادہ سی تعریف ہے۔

علامہ زرکشی نے البرہان میں علم تفسیر کی مختصر تعریف یوں کی ہے:

علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه۔ (۱۰)

''علم تفسیر وہ علم جس میں نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ قرآن مجید کا فہم حاصل ہو۔ اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جا سکے۔''

ابوحیان نے تفسیر کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيها التى تحمل عليها حالة التركيب۔ (۱۱)

''تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، انکے مفہوم ومدلول، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں۔''

جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے:

Marfat.com

التفسير في الاصطلاح: علم نزول الآيات وشونها واقاصيصها والاسباب النازلةفيها ثم ترتيب مكيها ومدنيهاو محكمها ومتشابها وناسخها ومنسوخها، وخاصها وعامها، ومطلقها ومقيدها، ومجملهاومفسرها وحلالها وحرامها، ووعدها ووعيدها، وأمرها ونهيها وعبرها وأمثالها۔ (۱۲)

''اصطلاح میں تفسیر کا یہ مطلب ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں نزول آیات، انکے متعلقہ واقعات وقصص اسباب نزول، مکی و مدنی کی ترتیب، محکم ومتشابہ کا بیان، ناسخ ومنسوخ، خاص وعام، مطلق ومقید، مجمل و مفسر، حلال وحرام، وعدووعید، اوامر ونواھی، عبرت اور امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔''

تفسیر کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی:

ان تفسير القرآن: هو بيان الكنوز والذخائر الثمينة التي احتوا ها لا صلاح البشرية كتب انزلنه اليك مبارك ليدبروا اياته وليتذكر اولوا لباب۔ (۱۳)

''تفسیر ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کی حدتک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟''

(امام حسین بن مسعود البغوی نے تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے:

وهو الكلام في اسباب نزول الآية وشانها وقصصها واصل التفسير من التفسيرة وهو الدليل من الماء الذي ينظر فيه الطبيب فيكشف عن شان النزول قصها۔ (۱۵)

''تفسیر وہ علم جس میں اسباب نزول آیات، ان سے متعلق واقعات اور قصص پر کلام کیا جاتا ہے۔ تفسیر کا مادہ تفسرہ ہے یہ وہ پانی ہے جس میں طبیب دیکھ کر مریض کے متعلق بتاتا ہے اسی طرح تفسیر میں آیات کے شان نزول اور اس سے متعلقہ قصے کے متعلق بتایا جاتا ہے۔''

مشہور مستشرقین کہتے ہیں:

Tafsir: In Islam the world means particularly the commentaries on the Quran and the science of interpreting the sacred book (16).

(اسلام میں تفسیر کے لفظ کا معنی خاص کر قرآن کی شروحات اور اس کے علوم ہیں جو کہ کتاب مقدس کی وضاحت کریں)

المختصر مندرجہ بالا تمام تعریفوں کا لب لباب یہی ہے کہ تفسیر قرآنی علوم ومعانی انسانی طاقت کے مطابق کھول کر وقت، ماحول اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کا نام ہے جو تا قیامت جاری رہے گا یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک تفسیر قرآن پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

Marfat.com

# تفسیر کے لفظ کا قرآن مجید میں استعمال

قرآن مجید میں لفظ تفسیر صرف ایک مقام پر استعمال ہوا ہے؟

﴿وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (۱۷)

''نہیں لائیں گے وہ کوئی مثال مگر ہم آپ کے پاس اس سے بہتر اور عمدہ بیان لائیں گے۔''

امام المفسرین الطبری رحمۃ اللہ نے اس آیت کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تفسیر سے مراد تفصیل اور مجاہد کی روایت میں تفسیر سے مراد بیان لیا ہے (۱۸)۔ زمخشری اس آیت کے تحت اس طرح سے لکھتے ہیں:

ولا یاتونك بسوال عجیب من سوالاتهم الباطلة كانه مثل فی البطلان الا اتیناك نحن بالجواب الحق الذی لا محید عنه وبما هو احسن معنی ومؤوی من سوالاتهم۔ ولما كان التفسیر هو التكشف عما یدل علیه الكلام وضع موضع معناه فقالو تفسیر هذا الكلام كیت وكیت كما قیل: معناه كذا وكذا۔ (۱۹)

''وہ آپ کے پاس اپنے باطل سوالوں میں سے کوئی باطل سوال لائیں گے جو باطل ہونے میں ایک مثال ہوگا تو ہم آپ کے پاس اس سے بہتر جواب لائیں گے۔ جو حق ہونے میں اپنی مثال ہوگا اور ان کے سوالات کا درست جواب ہوگا۔ جس چیز پر کلام دلالت کرے اس کو کھولنے کا نام تفسیر ہے۔ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کہتے ہیں اس کلام کی اس طرح سے تفسیر ہے جیسے کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ اور یہ ہیں۔''

Marfat.com

# تفسیر کے لفظ کا حدیث میں استعمال

تفسیر کا لفظ حدیث شریف میں بھی مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ الجامع الصحیح البخاری میں ہے:

عن ابی هریرة قال: کان اهل الکتاب یقرون التوراة بالعبرانیة ویفسرونها بالعربیة لاهل الاسلام ، فقال رسول اللهﷺ: لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم وقولوا آمنا بالله وما انزل الینا وما انزل الیکم (۲۰)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی وضاحت (ترجمہ وتشریح) اہل اسلام کے لیے عربی میں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ بلکہ تم کہو ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔''

امام الدارمی نے لکھا ہے:

حدثنا معتمر عن أبیه قال لیتقی من تفسیر حدیث رسول اللهﷺ کما یتقی من تفسیر القرآن (۲۱)

''حضرت معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا حدیث رسول اللہ ﷺ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے احتیاط کی جائے جس طرح قرآن کی تفسیر میں احتیاط کی جاتی ہے۔''

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن عمر بن الخطاب ان آخر ما نزلت آیة الربا وان رسول اللهﷺ قبض ولم یفسرها لنا فدعوا الربا والریبة (۲۲)

''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربا کی آخری آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ فوت ہو گئے اور آپ نے اس کی ہمارے لیے تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ آپ ربا اور ریبا کو چھوڑ دیں (سود اور شک) ان تمام روایات میں تفسیر سے مراد وضاحت، تفصیل اور بیان ہے۔''

Marfat.com

# تاویل

## تاویل کا لغوی مفہوم:

لغوی لحاظ سے تاویل کی درج ذیل تعریفیں کی گئی ہیں۔

① التاویل: اصله من الاول وهو الرجوع فكأنه صرف الآية الى ماتحمله من المعانى (۲۳)

''تاویل کا مادہ اول ہے۔ جسکے معنی رجوع کرنا ہیں۔ گویا یہ آیت کو اس طرف لے جاتی ہے جس چیز کا معانی تقاضا کرتے ہیں۔''

② اشتقاق التاويل من الاول وهو الرجوع يقال: او لته فاول: اى صرفته فانصرف (٢٤)

''تاویل کا لفظ اول سے مشتق ہے۔ اس کے معنی رجوع کے ہیں۔ کہا جاتا ہے میں نے اس کو اصل کی طرف لوٹا دیا تو وہ لوٹ گیا۔''

③ لسان العرب میں ہے:

الاول الرجوع آل الشئى يوول اولا ومآلأرجع واول اليه الشئى رجعه (٢٥)

''اول رجوع کے معنی میں ہے۔ انجام اور لوٹنا بھی اس کے معنی ہیں۔''

④ اوله وتاوله فسره (٢٦)

''اولہ اور تاولہ کے معنی فسرہ کے ہیں۔''

⑤ قال ابن الاثير: هو من آل الشئى يوول الى كذا اى رجع وصار اليه (٢٧)

''ابن اثیر نے کہا وہ آل یوؤل سے ماخوذ ہے یوؤل الی کذا کے معنی ہیں وہ لوٹ گیا اور اس کی طرف چلا گیا۔''

⑥ ابوالعباس احمد بن یحیٰی نے تاویل کے متعلق فرمایا:

التاويل المعنى والتفسير واحد (٢٨)

Marfat.com

''تاویل معنی اور تفسیر ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔''

⑦ وقال ابو عبید: التاويل: المرجع والمصير ماخوذ من آل يؤل الى كذا اى صار اليه واولته صريته اليه (۲۹)

''ابوعبید نے کہا تاویل کا مفہوم مرجع اور مصیر ہے۔ یہ آل یؤول سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ اس کی طرف لوٹ گیا اور اولتہ کے معنی ہیں میں نے اس کو لوٹا دیا۔''

⑧ ابن فارس نے ''الصاحبی'' میں لکھا ہے:

التاويل: آخر الامر وعاقبة اشتقاق الكلمة من المال وهو العاقبة والمصير (۳۰)

''کاموں کے انجام کو تاویل کہتے ہیں۔ اس کلمہ کا اشتقاق مال سے ہے جس کے معنی انجام اور مصیر کے ہیں۔''

⑨ بعض علماء کے نزدیک تاویل ایالہ (سیاست وحکمرانی) سے ماخوذ ہے۔ نظر برایں گویا تاویل کنندہ کلام پر حکمرانی کرتا ہے اور اسے مناسب موقع اور مقام پر رکھتا ہے۔ زمخشری نے اساس البلاغہ میں لکھا ہے:

آل الرعيته ايالته حسنة وهو حسن الايالة(۳۱)

''اس نے رعیت پر بہت اچھی حکمرانی کی۔ وہ بہت بہترین حکمران ہے۔''

## تاویل کا اصطلاحی مفہوم:

لسان العرب میں ہے تاویل سے مراد ظاہری لفظ کو اس کی اصلی وضع سے اس طرف منتقل کرنا ہے جو کہ دلیل کا محتاج ہو۔ اگر وہ نہ ہو تو ظاہری لفظ کو نہ چھوڑا جا سکے۔ اسی لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع وسجود میں کثرت سے سبحانک اللھم وبحمدک پڑھا کرتے تھے۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کرتے تھے یعنی آپ کا یہ عمل اللہ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے:

فسبح بحمد ربك واستغفره

''آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے۔''(۳۲)

## سلف کی نگاہ میں تاویل کا اصطلاحی مفہوم:

علمائے سلف کے ہاں تاویل سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔(۱) کلام کے معنی ومفہوم کو واضح کرنا خواہ وہ ظاہری کلام کے موافق ہو یا مخالف۔ اس صورت میں تاویل اور تفسیر مترادف ہیں۔ مشہور تابعی مجاہد جب یہ کہتے ہیں کہ علما قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں تو ان کی مراد تاویل سے تفسیر ہی ہے۔ اور مشہور مفسر طبری کی بھی یہی رائے ہے(۳۳)۔ (۲) کسی کلام سے مفہوم ومقصود مراد ہونا ہی تاویل ہے۔ کچھ عرصے تک (غالباً چوتھی صدی ہجری)

Marfat.com

تاویل کا لفظ تفسیر کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا۔ چنانچہ ابن قتیبہ کی تفسیر کی معروف کتاب ''کتاب مشکل القرآن'' اسی دور میں لکھی گئی۔(۳۴)

بعد میں فقہاء نے تاویل کے معنی کچھ اور ہی مقرر کر دیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث سے ایسے معنی کا استنباط جو الفاظ کے ظاہری معنی سے مختلف ہو۔ علماء کی عبارتوں میں اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں کہ یہ آیت یا حدیث اتنی صریح ہے کہ اس کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یعنی اس کے کوئی معنی ظاہری معنوں کے خلاف ہو ہی نہیں سکتے۔ بعد میں مسلمانوں میں ایسے فرقے پیدا ہو گئے جنھوں نے تاویل کو اپنے ذاتی رجحانات اور میلانات کے جواز کے طور پر استعمال کیا محمد حسین الذہبی نے ''جمع الجوامع'' جلد۲ صفحہ ۵۶ سے نقل کیا ہے:

التاویل: حمل الظاهر على المحتمل المرجوح فان حمل عليه لدليل فصحيح۔ اولما يظن دليلا فى الواقع ففاسد، اولا لشئى فلعب لاتاويل (۳۵)

''ظاہر معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں۔ اگر دلیل کی بنا پر ایسا کیا جائے تو درست ہے۔ ظنی دلیل کی بنا پر مرجوح معنی مراد لینا فاسد اور اگر یقینی یا ظنی کوئی دلیل بھی نہ ہو تو یہ نصوص کے ساتھ مذاق ہے تاویل نہیں ہے۔''

## تاویل کے لفظ کا قرآن مجید میں استعمال:

قرآن مجید میں تاویل کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ تَأْوِيْلَهُ يَوْمَ يَأْتِيْ تَأْوِيْلُهُ﴾ (۳۶)

اس آیت میں تاویل سے مراد واقعہ ظہور پذیر ہونا ہے۔ ایک مقام پر یہ لفظ ہیں:

﴿وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيْلِ الأَحْلاَمِ بِعَالِمِيْنَ﴾(۳۷)

یہاں تاویل سے خوابوں کی تعبیر مراد ہے۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں:

﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِه﴾(۳۸)

اس آیت میں تاویل سے یہ تفسیر اور تعین مراد ہے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد ہے:

﴿ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً﴾(۳۹)

اس آیت میں تاویل سے نتیجہ اور انجام مراد ہے۔

## تاویل کے لفظ کا حدیث میں استعمال:

حدیث میں تاویل کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

Marfat.com

میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے خوب پیا۔ پھر میں نے بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو دے دیا۔ انھوں نے پوچھا:

فما اولته يا رسول اللهﷺ قال: العلم

''اے اللہ کے رسول ﷺ اس کی کیا تاویل ہے۔ فرمایا علم۔''(۴۰)

یہاں تاویل سے مراد تعبیر ہے۔

صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں ہے حضرت قتادہ نے فرمایا:

ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح

''ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا۔''

ان ستاروں کو تین وجہ سے پیدا کیا گیا۔ آسمان دنیا کی زینت۔ شیطانوں کے لیے رجم اور رہنمائی کے لیے علامتیں۔

فمن تاول فيها بغير ذلك اخطا واضاع نصيبه وكلف مالا علم له به

''جس نے اس کے علاوہ اس کی تفسیر کی اس نے غلطی کی اور اپنے حصے کو ضائع کیا اور ایسا تکلف کیا جس کا اس کو علم نہ تھا۔''(۴۱)

یہاں تاویل بمعنی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نماز دو رکعت فرض ہوئی وہ سفر کی مقرر ہوگئی اور حضر کی پوری کی گئی۔ امام زہری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کس وجہ سے پوری نماز پڑھتی ہیں، انھوں نے فرمایا:

تاولت كما تاول عثمان

''وہ حضرت عثمان کی طرح تاویل کرتی ہیں۔''(۴۲)

یہاں تاویل سے مراد اجتہاد ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا تاویل کے معنی خوابوں کی تعبیر، نتیجہ، اجتہاد اور مرضی سے معنی مراد لینا ہیں۔

## علما کے نزدیک تفسیر اور تاویل کے معنی کا تعین:

ابو عبید اور علماء کے ایک گروہ نے کہا:

هما بمعنى

''یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔''(۴۳)

امام راغب نے کہا

التفسير: اعم من التاويل واكثر استعماله فى الالفاظ ومفرداتها واكثر

Marfat.com

استعمال التاویل فی المعنی والجمل۔ واکثر ما یستعمل فی الکتب الالھیۃ۔ والتفسیر: یستعمل فیھا وفی غیرھا (٤٤)

''تفسیر کے لفظ میں تاویل سے زیادہ عموم ہے اوراس کا اکثر استعمال الفاظ اوراس کے مفردات میں ہوتا ہے۔جبکہ تاویل کا اکثر استعمال معانی اور جملوں میں ہوتا ہے۔اوراس کا زیادہ استعمال کتب مقدسہ کے لیے کیا جاتا ہے جبکہ تفسیر کا لفظ کتب مقدسہ اور دیگر کتب کے سلسلہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔''

ایک نظریہ یہ بھی ہے تفسیر ایسے لفظ کا بیان ہے جو ایک ہی معنی کا متحمل ہو۔جبکہ تاویل ایسے لفظ کی توجیہ ہے جو کئی معانی کا محتمل ہو۔لیکن اس سے ہی معنی مراد لیے جائیں جو کہ دلیل سے ظاہر ہوں (۴۵)

ماتریدی نے اس فرق کو اس طرح سے واضح کیا ہے:

التفسیر: القطع علی ان المراد من اللفظ ھذا وشھادۃ علی اللہ انہ عنی باللفظ ھذا فان قام علیل مقطوع بہ فصحیح والا فتفسیر بالرآی وھو المنھی عنہ والتاویل ترجیح احد المحتملات بدون القطع والشھادۃ علی اللہ (٤٦)

''تفسیر کا مطلب قطعیت کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد یہ ہے اگر اس کی کوئی قطعی دلیل موجود ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے۔جو کہ ممنوع ہے۔تاویل سے مراد مختلف معانی جن کا احتمال ہو، میں سے ایک کو ترجیح دینا ہے اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔''

ایک اور نظریہ یہ بھی ہے:

التفسیر: یتعلق بالروایۃ والتاویل: یتعلق بالدرایۃ (٤٧)

''تفسیر کا تعلق روایت سے ہے جبکہ تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔''

ایک یہ بھی خیال ہے جو کتاب اللہ میں واضح اور سنت صحیحہ میں معین ہو وہ تفسیر کہلاتا ہے کیونکہ اس کے معنی ظاہر ہوتے ہیں اور تاویل وہ ہے جو علماء استنباط کریں۔(۴۸)

ابونصر قشیری کا یہ خیال ہے:

التفسیر: مقصور علی الاتباع والسماع والاستنباط مما یتعلق بالتاویل (٤٩)

''تفسیر کا مدار اتباع اور سماع پر ہے جبکہ تاویل کا تعلق استنباط سے ہے۔''

امام حسین البغوی فرماتے ہیں:

فاما لتاویل وھو صرف الایۃ الی معنی محتمل یوافق ما قبلھا وما بعدھا غیر مخالف الکتاب والسنۃ من طریق الاستنباط قدرخص فیہ العلماء ما لتفسیر: وھو الکلام فی اسباب نزول آیۃ وشانھا و قصتھا (٥٠)

''تاویل سے مراد آیت کے استنباط سے ایسے معنی مراد لینا ہیں جو سیاق وسباق سے ہم آہنگ ہوں اور

Marfat.com

کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں۔علما نے اس بات کی اجازت دی ہے۔تفسیر: آیت کے اسباب نزول اوراس سے متعلقہ واقعہ کا بیان ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے تفسیر اور تاویل کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ یوں ہے:

قال ابو عبيد و طائفة فى قوله تعالى: وما يعلم تاويله الا الله : التاويل: التفسير وفرق بينهما آخرون فقال ابو عبيد الهروى: التاويل رداحد المحتملين الى ما يطابق الظاهر والتفسير كشف المراد عن اللفظ المشكل : وحكى صاحب النهاية ان التاويل نقل ظاهر اللفظ عن وضعه الاصلى الى ما يحتاج الى دليل لولاه ما ترك ظاهر اللفظ وقيل: التاويل ابداء احتمال لفظ معتضد بدليل خارج عنه ومثل بعضهم بقوله تعالىٰ لا ريب فيه۔ قال: من قال: لا شك فيه فهو التفسير ومن قال: لانه حق فى نفسه لا يقبل الشك فهو التاويل (۵۱)

(ابوعبید اور علماء کی ایک جماعت نے اللہ کے قول وما يعلم تاويله الا الله کے متعلق فرمایا ہے تاویل سے مراد تفسیر ہے۔ دوسرے لوگوں نے ان دونوں لفظوں کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ ابوعبید هروی نے کہا تاویل دو احتمالوں میں سے ایک ہے جو ظاہر کے مطابق ہو اور تفسیر مشکل لفظ کے مطلب کی نقاب کشائی ہے صاحب نہایہ (ابن اثیر) فرماتے ہیں تاویل سے مراد ظاہری لفظ کے معنی کو اپنی اصلی شکل سے ایسے معنی کی طرف منتقل کرنا ہے جو دلیل کا محتاج ہو۔ اگر وہ دلیل نہ ہو تو ظاہری لفظ کو چھوڑا نہ جاسکے۔ یہ بھی کہا گیا ہے تاویل سے مراد لفظ کو ایسے معنی پہنانا ہیں جو خارجی دلیل سے قائم ہوں۔ بعض نے اس کی مثال اللہ کی اس قول سے دی ہے لا ريب فيه جس نے اس کے معنی لا شك فيه کیے ہیں تو یہ تفسیر ہے اور جس نے کہا وہ فی نفسہ حق ہے (قرآن مجید) وہ شک کو قبول نہیں کرتا تو یہ تاویل ہے)۔

مندرجہ بالا تمام اقوال کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر سے مراد کشف و بیان، وضاحت اور تفصیل ہے۔ اس کے وثوق کا انحصار اس بات پر ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہو۔ تاویل میں ایک لفظ کے جتنے بھی معانی کی گنجائش موجود ہو ان میں سے ایک معنی کو دلیل کی وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ترجیح اجتہاد کی بنا پر ہوتی ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ عبدالعظیم، احکام من القرآن والسنہ، ص:۸۔

۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۳/۱۷۳۔

۳۔ الجوہری، الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ، ۲/۱۸۱۔

۴۔ ابن منظور، لسان العرب، ۲/۵۴۔

۵۔ تاج الدین ابومحمد احمد، کتاب الدرر اللقیط، من بحر المحیط، ۱/۱۳۔

۶۔ زرکشی، البرہان فی فی علوم القرآن، ۲/۱۴۷۔ ۷۔ ایضاً، ۱۴۸۔

۸۔ الراغب الاصفہانی، معجم مفردات الفاظ القرآن، ۳۹۴۔

۹۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۱۴۔ ۱۰۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۱/۱۳۔

۱۱۔ ابومحمد ابن حیان، تفسیر بحر المحیط، ۱/۱۴۔ ۱۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۷۴۔

۱۳۔ عبدالعظیم، احکام من القرآن والسنہ، ص:۳۔

۱۴۔ منہج الفرقان، ۲/۶، بحوالہ التفسیر والمفسرون، ۱/۱۳۔

۱۵۔ البغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، ۱/۱۴

16. Shorter encyclopedia of slam,538.

۱۷۔ الفرقان (۲۵): ۳۳۔

۱۸۔ طبری، جامع البیان عن تاویل آیۃ القرآن، ۱۹/۱۱۔

۱۹۔ زمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر، الکشاف، ۲/۴۰۸۔

۲۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۱۱۲۵۔ ۲۱۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۱۴۔

۲۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۱۶۵۔ ۲۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۳/۱۷۳۔

۲۴۔ بغوی، معالم التنزیل، ۱/۱۴۔ ۲۵۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱/۳۲۔


Marfat.com

۲۶۔ ایضاً،۳۳۔
۲۷۔ ابن الاثیر ابوالسعادات المبارک، النہایہ فی غریب الحدیث، ۸۰/۱۔
۲۸۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳۳/۱۱۔
۲۹۔ ایضاً، ۳۴/۱۱۔
۳۰۔ محمد ادیب الصالح، تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی، ۳۵۷/۱۔
۳۱۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱۶/۱۔
۳۳۔ عبدالعظیم، احکام من القرآن والسنہ، ۴۔
۳۴۔ ایضاً، غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، ۱۶۔
۳۵۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱۸/۱۔
۳۶۔ الاعراف (۷):۵۳۔
۳۷۔ یوسف، (۱۲):۴۴۔
۳۸۔ آل عمران (۳):۷۔
۳۹۔ النساء، (۴):۵۹۔
۴۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱۸/۱۔
۴۱۔ ایضاً، ۴۵۴۔
۴۲۔ ایضاً، ۱۴۸/۱، مسلم، الجامع الصحیح، ۲۶۱/۱۔
۴۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۷۳/۲۔
۴۴۔ ایضاً۔
۴۵۔ ایضاً۔
۴۶۔ ایضاً۔
۴۷۔ ایضاً۔
۴۸۔ ایضاً۔
۴۹۔ ایضاً۔
۵۰۔ بغوی، معالم التنزیل، ۱۴/۱۔
۵۱۔ احمد بن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۵۲۶۳/۱۳۔
۵۲۔ ابن الاثیر، النہایہ فی غریب الحدیث، ۸۰/۱۔

Marfat.com

فصل سوئم:

# مفسر قرآن کے لیے ضروری علوم

قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔اس کی تفسیر ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ نہایت ذمہ دار علماء عظام ہی اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔اس کلام کی تفسیر بیان کرنے یا لکھنے والے کے لیے کچھ علوم سے واقفیت ضروری ہے۔میری دانست کے مطابق ان کی تفصیل یہ ہے۔

## ا۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔اس کو معلوم ہو کہ مختلف واقعات اور حقائق کہاں تفصیل سے ہیں اور کہاں کہاں مجمل ہیں۔ارکان اسلام کی تشریح و توضیح بھی حسب ضرورت مختلف مواقع پر مختلف طرح سے آتی ہے۔کسی شخص نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا:

ما احسن طرق التفسير؟

"تفسیر کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟۔"

تو آپ نے فرمایا:

ان اصح الطرق فی ذٰلك ان يفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مكان فانه قد فسر فی مواضع آخر وما اختصر فی مكان فقد بسط فی موضع آخر ـ (۱)

"اس سلسلے میں صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن سے ہو۔ جو چیز ایک جگہ مجمل ہوگی وہی دوسری جگہ مفصل ہوگی۔ جو ایک جگہ مختصر ہوگی تو وہ دوسری جگہ وسعت سے ہوگی۔"

واقعہ اسراء و معراج کو لیجیے محض سورہ بنی اسرائیل سے بات مکمل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ساتھ سورہ النجم کو نہ ملایا جائے۔انبیاء کے قصص کا بھی یہی حال ہے۔قرآن مجید چونکہ کتاب ہدایت ہے۔ قصص و واقعات کی کتاب نہیں ہے، اس لیے اللہ علیم و حکیم نے ہر چیز کو اس کی ضرورت کے مطابق بیان کیا۔حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ

Marfat.com

فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (۲)

''اور بے شک یونس پیغمبروں میں سے تھا۔ جس وقت بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ گیا۔ قرعہ اندازی کی گئی تو وہ دھکیلے ہوؤں میں سے ہوگیا۔ اس کو مچھلی نگل گئی اور وہ ملامت میں پڑا ہوا تھا۔ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا تو اس کے پیٹ میں اس دن تک رہتا جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

اس تسبیح کا ذکر دوسرے مقام پر یوں ہے:

﴿وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (۳)

''اور مچھلی والے (کو یاد کر) جب وہ خفا ہو کر (اپنی قوم کے پاس سے) چل دیا۔ وہ سمجھا کہ ہم اس کو تنگ نہ کریں گے (یا عذاب میں بتلا نہ کریں گے) تب وہ (اپنے قصور کا قائل ہوا) اندھیروں میں پکار اٹھا تیرے سوا کوئی سچا خدا نہیں۔ بے شک میں قصوروار تھا''

## ۲۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

علم حدیث کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا ہی ناممکن ہے۔ پھر اس کی تفسیر کس طرح سے ممکن ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے پہلے مفسر تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (٤)

''ہم نے آپ پر ذکر (قرآن مجید) اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت سے بتائیں جو ان کی طرف اترا ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فان أعياك ذٰلك فعليك بالسنه فانها شارحة للقرآن وموضحة له (٥)

''اگر آپ کو یہ چیزیں قرآن مجید میں نہ ملیں تو پھر سنت کی طرف رجوع کریں۔ بے شک وہ قرآن کی شارح اور وضاحت کرنے والی ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كل ما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مما فهم من القرآن (٦)

''رسول اللہ ﷺ نے جو بھی فیصلہ کیا وہ قرآن ہی سے سمجھ کر کیا۔''

ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ﴾(۷)

''ہم نے آپ پر سچی کتاب اس لیے اتاری ہے تا کہ آپ لوگوں کے فیصلے اسی طرح سے کریں جس طرح سے اللہ نے آپ کو دکھلایا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

الا انی اوتیت القرآن ومثله معه یعنی السنة (۸)

''خبردار مجھے قرآن دیا گیا اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا یعنی سنہ۔''

لہٰذا قرآن مجید کے بعد دوسرا درجہ سنت کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتے اور ہمیشہ مدنظر رکھتے۔ حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کے استفسار پر کہ پہلا فیصلہ کس چیز کے ساتھ کریں گے۔ انھوں نے فرمایا اللہ کی کتاب کے ساتھ۔ دوبارہ رسول اللہ ﷺ نے استفسار کیا، اگر اس میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اجتهد برائی:

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔''

حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله ﷺ

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کی رائے کو اپنے رسول کی رضا کے مطابق کر دیا۔''(۹)

کتب احادیث کی کتب تفسیر اور عام کتب تفسیر میں کئی آیات کی تفسیر حضرت محمد ﷺ سے مروی ہے۔ بطور مثال آیت: فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ (۱۰) (پس اگر طلاق دے اس کو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اور خاوند سے نکاح کرے۔ اب اگر دوسرا اس کو طلاق دے دے تو پھر ان دونوں پر گناہ نہیں ہے کہ آپس میں رجوع کر لیں (نکاح) اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھیں گے) کے تحت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لعن الله المحلل والمحلل له

''اللہ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت کی۔''(۱۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شادی کسی جگہ ہوئی پھر قدرتی طور پر اس عورت کو وہاں سے طلاق ہوگئی۔ تو

Marfat.com

اس کا نکاح پہلے خاوند سے ہو سکتا ہے مرضی سے ایک رات کسی اور آدمی سے نکاح کرا کے خود طلاق لینا مراد نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ خواہ اس کو کروانے والے کوئی بھی ہوں خواہ کوئی صاحب جبہ و دستار ہی ہو۔ وہ بھی اس لعنت کا حصہ ہیں۔ گویا ایسا کرانا زنا کے مترادف ہے۔

## ۳۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم:

جن نفوس قدسیہ کی موجودگی میں قرآن مجید نازل ہوا وہ اس کے متعلق اور لوگوں سے ہر لحاظ سے زیادہ فہم رکھتے تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں جب ہمیں تفسیر قرآن اور سنت دونوں میں نہ ملے تو

رجعنا فی ذلك إلى أقوال الصحابة (۱۲)

''ہم اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کریں گے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اللہ کی کتاب میں جو آیت بھی اتری ہے مجھے علم ہے کہ کس کے متعلق اتری ہے اور کہاں اتری ہے۔

لو اعلم مكان احد أ علم بكتاب الله منى تناله المطايا الأ تيته (۱۳)

''اگر میں کسی ایسے شخص کو جانوں جو مجھ سے کتاب اللہ کو بہتر جانتا ہو اور اس تک سواری سے رسائی ممکن ہو تو بھی میں پہنچ جاؤں۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرماتے ہیں:

اجتهاد هم فوق اجتهادنا (۱۴)

''ان کا اجتہاد ہمارے اجتہاد پر فوقیت رکھتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی فہم قرآن کے الگ الگ درجات ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللهم فقهه فى الدين وعلمه التاويل (۱۵)

''اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عنایت فرما اور تاویل سکھا دے)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود فرماتے ہیں: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بہترین ترجمان القرآن ہیں۔''(۱۶)

نعم ترجمان القرآن

مشہور مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درج ذیل ہیں:

خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین (۱۷)

Marfat.com

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کا قول اس سلسلہ میں بہت اہم ہے جب ہم قرآن میں تفسیر نہ پائیں نہ ہی سنت میں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ اس کو زیادہ جاننے والے ہیں کیونکہ احوال وقرائن جو انھوں نے مشاہدہ کیے وہ انہیں کے لیے مخصوص تھے۔

ولما لهم من التفهم التام والعلم الصحيح والعمل الصالح ولا سيما علماء هم وكبراء هم (۱۸)

''ان کا فہم تام، علم صحیح اور عمل صالح تھا۔ خاص کر ان میں سے علماء اور بڑے لوگ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے نمونے بھی کتب تفسیر وحدیث میں موجود ہیں بلکہ ان کے نام پر کتب تفسیر شائع بھی ہو چکی ہیں۔(۱۹) ان کی تفسیر کے چند نمونے یہ ہیں۔ حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ البقرہ کی تلاوت کی اور اس کی تفسیر شروع کی تو ایک آدمی کہنے لگا:

لو سمعت هذا الديلم لا سلمت (۲۰)

''اگر اسے دیلمی سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔''

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا جب کے وہ امیر الحاج تھے۔ انھوں نے منبر پر سورہ النور کی تلاوت کی اور تفسیر بیان فرمائی تو ایک شخص نے کہا:

لو سمعت الروم لا اسلمت (۲۱)

''اگر رومی سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک محرم آدمی پر کپڑے دیکھ کر فرمایا انـزع عـنـك هـذا (یہ اتار دیجیے) وہ کہنے لگا اس کے متعلق قرآن مجید کی آیت پڑھیے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (۲۲)

''جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے رک جاؤ۔''

## ۴۔ کلام عرب:

ہر اچھا مصنف اپنی کتاب کی مقبولیت کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ لوگوں کے اذہان، احوال وظروف، اور معاشرت کو سامنے رکھے۔ ان کے رہن سہن، تہذیب وتمدن، انداز گفتگو، اصطلاحات اور ضرب الامثال کو نظر انداز نہ کرے۔ اگر کوئی مصنف اس بات کو درخور اعتنا نہ سمجھے تو پھر اس کی کتاب اس لحاظ سے معیاری نہیں ہوتی کہ لوگوں میں اس کی مقبولیت ہو۔ قرآن مجید اس لحاظ سے کسی بھی کتاب سے پیچھے نہیں ہے۔ اسی لیے ان کا اس اعتراض پر کہ:

﴿أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا﴾ (۲۳)

Marfat.com

''کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے۔''

اللہ نے فرمایا:

﴿قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا﴾(۲۴)

''اگر زمین میں فرشتے مطمئن ہو کر پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتے رسول بنا کر اتارتے۔''

قرآن مجید کو صحیح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دور کی صحیح تصویر سامنے ہو۔ کلام عرب اور ان کے اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقفیت ہو۔ مختلف الفاظ کو وہ لوگ کن معانی میں استعمال کرتے تھے۔ ان کے آداب معاشرت کیا تھے۔ ان تمام چیزوں کی معرفت ہو۔ عام تاریخی کتابوں میں ایک سطحی سی تصویر نظر آتی ہے کیونکہ عام طور پر ایک سے ایک نقل کرتا چلا گیا۔ قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس زمانے کے عرب معاشرے سے بخوبی واقف ہو۔ ان کے عادات واطوار کی صحیح تصویر اس کی نگاہوں کے سامنے ہو۔ اور یہ تصویر اس زمانے کے ادبی وعلمی شہپاروں کو پڑھنے سے صحیح طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے۔ یہ بڑا صبر طلب اور محنت آزما کام ہے۔ اس سلسلے میں صحیح طور پر جاہلیت کے دواوین بھی ممد ومعاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ عام طور پر مدارس و جامعات میں پڑھائی جانے والی زبان اور مختلف ادبی کتب کی بھی وہ زبان نہیں جس میں قرآن اترا۔ قرآن مجید سمجھنے کے لیے جاہلیت کے اشعار امرا القیس، عمرو بن کلثوم، عنترۃ، طرفہ زہیر اور قس بن ساعدۃ کے کلام کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

پورے عرب کی فصاحت و بلاغت قرآن کے سامنے عجز و نیاز سے جھکی ہوئی نظر آتی ہے اس لیے ایک مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس زبان میں ذوق پیدا کرے اور پورے انہماک کے ساتھ اسے سمجھنے کی باقاعدہ مشق کرے۔ ان لوگوں کو ان کی معاشرت میں چلتے پھرتے دیکھے۔ ان کے مذہبی معتقدات اور رسوم کیا تھے۔ ان کی سیاست کیا تھی؟ یہ سب چیزیں ان کے دواوین اور ادب میں مل سکتی ہیں۔ لہٰذا ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

الشعر ديوان العرب فاذا خفى عليهم الحرف من القرآن الذى انزله الله بلغتهم رجعوا الى ديوانهم فالتمسوا معرفة ذلك (۲۵)

''اشعار عربوں کے رجسٹر ہیں۔ جب قرآن میں جس کو اللہ نے ان کی زبان میں اتارا کوئی چیز ان سے مخفی ہوتی تو وہ اپنے دیوانوں کی طرف رجوع کرتے اور اس کی معرفت حاصل کر لیتے۔''

## ۵۔ مکی اور مدنی کی معرفت:

قرآن مجید کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ

Marfat.com

وہ اس کے متعلق معلومات رکھتا ہو۔ ابو القاسم الحسن بن محمد بن حبیب النیشا پوری اپنی کتاب التنبیہ علی فضل علوم القرآن میں فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کے بہترین علوم میں اس کے نزول اور جہات کا علم اور مکہ اور مدینہ میں نازل ہونے کی ترتیب ہے۔ جو مکہ میں نازل ہوا اور اس کا حکم مدنی ہو اور جو مدینہ میں نازل ہوا اور اس کا حکم مکی ہو (۲۶)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معرفت مکی اور مدنی کے متعلق مکی اور عز الدیرینی رحمہ اللہ کی تصانیف زیادہ معروف ہیں (۲۷) سیوطی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں مکی اور مدنی کی اصطلاحات کے سلسلے میں تین زیادہ مشہور ہیں:

(ا) مکی وہ جو قبل از ہجرت نازل ہوا اور مدنی وہ جو بعد از ہجرت نازل ہوا۔ خواہ وہ سفر میں نازل ہوا یا مکہ میں یا عام الفتح یا حجۃ الوداع کے موقع پر۔

(ب) مکی وہ جو مکہ میں نازل ہوا۔ اگرچہ ہجرت کے بعد نازل ہوا۔ اور مدنی جو مدینہ میں نازل ہوا۔

(ج) مکی وہ جس میں اہل مکہ سے خطاب ہوا۔ اور مدنی وہ جس میں اہل مدینہ سے خطاب ہوا (۲۸) قاضی ابوبکر الانتصار میں فرماتے ہیں:

الم يرجع في معرفة المكي والمدني لحفظ الصحابه والتابعين ولم يرو عن النبي صلى الله عليه وسلم من ذلك قول لانه لم يومر به ولم يجعل الله من علم ذلك من فرائض الأمة (۲۹)

"مکی اور مدنی کی معرفت کا انحصار صحابہ اور تابعین کے حفظ پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی قول مروی نہیں ہے اور نہ ہی آپ کو اس کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ نے اس کا علم حاصل کرنا امت کے فرائض میں سے بھی نہیں رکھا۔"

اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ایک روایت ابن سعد نے واقدی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے پوچھا قرآن مجید کا کونسا حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا ستائیس سورتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ باقی تمام قرآن مجید مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے (۳۰) مزید تفصیل کے لیے سیوطی کی الاتقان اور زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

## ۶۔ اسباب النزول:

قرآن مجید کی آیت کا نزول جن حالات میں ہوا۔ ان کی معرفت ضروری ہے۔ اگرچہ ہر آیت کے ساتھ کوئی واقعہ ملانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جن آیات سے متعلق اہم واقعات مربوط ہیں ان کا شان نزول معلوم ہو جانے سے کئی عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا جاننا مفسر کے لیے بہت مفید اور ضروری ہے۔ چنانچہ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

بيان سبب النزول طريق قوى فى فهم معانى القرآن (۳۱)

Marfat.com

''اسباب نزول کا بیان معانی قرآن کے فہم کے لیے قوی طریقہ ہے۔''
امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
معرفة سبب النزول يعين على فهم الآية فان العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب (۳۲)
''اسباب نزول کی معرفت آیت کے فہم میں مدد دیتی ہے۔ سبب کو جاننا مسبب کو جاننے کی رہنمائی کرتا ہے۔''
اس کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محمد رحمہ اللہ بن سیرین نے ایک آیت کی متعلق عبیدہ رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ وہ لوگ انتقال فرما گئے جو ان چیزوں کو جانتے تھے جن کے متعلق قرآن نازل ہوا۔
﴿واما اليوم فكل احد يخترع شيئا ويختلق افكا وكذبا ملقيا زمامه الى المال غير مفكر فى الوعيد للجاهل بسبب الاية﴾ (۳۳)
''آج کل ہر آدمی ایک چیز اختراع کرتا ہے اور جھوٹ باندھتا ہے اور اس کو جہالت سے منسلک کر دیتا ہے۔ وہ اس بات کو نہیں سوچتا کہ اس آیت کے سبب سے جاہل کے لیے کیا وعید ہے۔''
اس کے بعد امام الواحدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس بات نے مجھے اسباب نزول سے متعلق کتاب لکھنے کی طرف رجحان دلایا۔
لينتهى اليه طالبوا هذا الشان والمتكلمون فى نزول القرآن (۳۴)
''تاکہ اس علم کے طالب اور متکلم اس کی طرف رجوع کریں۔''
بعض آیات کے شان نزول معلوم ہو جانے سے بعض اہم مسائل کی رہنمائی ملتی ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی میں نے ایک عورت کو باغ میں پکڑ کر اس سے معانقہ اور بوس و کنار کیا۔ لیکن جماع نہیں کیا آپ جو سزا مناسب سمجھیں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ وہ آدمی چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی اگر وہ اپنی پردہ پوشی کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اس کی طرف دوڑائی اور فرمایا کہ اسے آپ کے پاس لائیں۔ وہ واپس آیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔
﴿اقم الصلوٰة طرفى النهار وزلفا من اليل ان الحسنات يذهبن السيات ذلك ذكرٰ للذكرين﴾
''دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصے میں نماز قائم کریں۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو

Marfat.com

لے جاتی ہیں۔ یہ نصیحت پکڑنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ صرف اس کے لیے ہے یا سب کے لیے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

بَلْ لِلنَّاسِ کَافَّةً (۳۵)

''بلکہ سب لوگوں کے لیے۔''

شان نزول کے بارے میں مولانا فراہی فرماتے ہیں۔ صورت معاملہ یہ ہے کہ جس وقت جو سورت نازل کی گئی ہے اس غرض سے کی گئی ہے کہ جو معاملات محتاج توضیح وتشریح ہیں ان کی توضیح وتشریح کردی جائے۔ اور کلام ایسا ہو کہ اس کے نظم میں کسی قسم کا التباس اور ابہام نہ ہو۔ جس طرح ایک ماہر اور حکیم خطیب اپنے سامنے کے خاص حالات ومقتضیات کی بنا پر ایک خطبہ دیتا ہے کہ بسا اوقات وہ ایک خاص معاملے کا ذکر اگرچہ نظر انداز کر جاتا ہے لیکن اس کا کلام اس طرح کے تمام معاملات واحوال پر حاوی ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذکر تو کسی خاص معاملے یا کسی شخص کا کرتا ہے لیکن کلام ایک عالمگیر بارش کی طرح بالکل عام اور ہمہ گیر ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم کا نزول بھی ہوا (۳۶) مناع القطان فرماتے ہیں سبب نزول سے متعلق مندرجہ ذیل علماء کی کتب معروف ہیں: علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ (م ۲۳۴ھ/۸۴۸ء) ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری (م ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) کی کتاب اسباب النزول۔ برھان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری رحمہ اللہ (م ۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء) نے الواحدی کی کتاب کا اختصار لکھا۔ احمد بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء)۔ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) کی کتاب لباب المنقول فی اسباب النزول (۳۷)۔ جدید کتب میں مقبل بن ھادی الوداعی کی کتاب الصحیح المسند من اسباب النزول بہت مستند ہے۔ جسے دار الارقم الکویت نے شائع کیا ہے۔

## ۷۔ علم الناسخ والمنسوخ:

نسخ کے لغوی معنی ازالے اور مٹانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:

نسخت الشمس الظل ای ازالة (۳۸)

''سورج نے سائے کو منسوخ کر دیا یعنی ہٹا دیا۔''

اس کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ﴾ (۳۹)

''اللہ شیطان کا ملایا ہوا مٹا دیتا ہے۔ پھر اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔''

اس کے ایک معنی نقل کرنے کے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے:

نسخت الکتاب (۴۰)

Marfat.com

''میں نے کتاب نقل کی۔''

لسان العرب میں ہے:

نسخ الشئی ینسخه نسخا وانتسخه واستنسخه۔ اکتبه عن معارضه التهذیب: اکتتابك کتابا عن کتاب حرفا بحرف والاصل نسخة والمکتوب عنه نسخة لانه قام مقامه والکاتب ناسخ ومنسخ (۴۱)

''نسخ الشئی ینسخه نسخا وانتسخه واستنسخه کے معنی ہیں اس نے معارضہ سے لکھا۔ التہذیب میں ہے آپ کا ایک کتاب سے حرف بحرف لکھنا۔ اصل کو نسخہ کہتے ہیں اور جس سے لکھا جائے وہ نسخہ ہے کیونکہ وہ قائم مقام ہے اور کاتب ناسخ اور منتسخ ہے۔''

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُم تَعمَلُونَ (۴۲)

''آپ جو کچھ عمل کرتے تھے ہم اس کو لکھتے تھے)۔''

یہی دونوں معانی ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نقل فرمائے ہیں (۴۳)

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا اطلق النسخ فی الشریعة اریدبه المعنی الاول لانه رفع الحکم الذی تکلیفه للعباد اما باسقاطه الی غیر بدل او الی بدل (۴۴)

'' شریعت میں جب نسخ کے معنی لیے جائیں تو اس سے مراد پہلے معنی (ازالہ) ہیں۔''

کیونکہ اس سے ایسا حکم اٹھتا ہے جس کی لوگوں پر پابندی ہوتی ہے۔ اس کو ویسے ہی ہٹا دیا جاتا ہے یا اس کا بدل آجاتا ہے) الفراء کہتے ہیں:

النسخ ان تعمل بآیة ثم تنزل آیه آخری فتعمل بها وتترك الاولیٰ (۴۵)

''نسخ یہ ہے کہ ایک آیت پر عمل کیا جائے۔ پھر دوسری اترے تو اس پر عمل کیا جائے اور پہلی کو چھوڑ دیا جائے۔''

ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ (۴۶)

''ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی دوسری لے آتے ہیں۔''

لہٰذا قرآن مجید کے مفسر کے لیے ناسخ اور منسوخ کا جاننا بہت ضروری ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قصہ گوئی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اتعرف الناسخ والمنسوخ

Marfat.com

"کیا آپ ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں۔"
اس نے کہا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا
هلكت و اهلكت (٤٧)
"تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔"
اس بارے میں درج ذیل علماء کی کتب معروف ہیں: قتادہ بن دعامہ السدوسی رحمہ اللہ (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء) ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (م ۲۲۴ھ/۸۳۸ء) ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ/۸۸۸ء) مکی بن ابی طالب حموش بن محمد بن مختار القیسی رحمہ اللہ (م ۳۱۳ھ/۹۲۵ء) ابوبکر محمد بن القاسم بن محمد المعروف ابن الانباری رحمہ اللہ (م/ ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) ابوجعفر النحاس احمد بن محمد بن اسماعیل المرادی رحمہ اللہ (م ۳۳۸ھ/۹۴۹ء) ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامہ ابونصر رحمہ اللہ (م ۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد المعروف ابن العربی رحمہ اللہ (م ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء) ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) (۴۸)

## ۸۔ علم التاریخ:

قرآن مجید میں پچھلی قوموں کے احوال وواقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہے:
﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشاً فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ﴾ (٤٩)
"ہم نے ان سے پہلے کئی قومیں تباہ کر دیں جو قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں (ہمارا عذاب اترتے وقت) وہ لوگ شہروں کو چھانتے پھرے کہ کہیں ان کو پناہ ملے۔"
ان واقعات کا مقصد محض قصہ گوئی یا تلذذ حاصل کرنا نہیں بلکہ:
﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (٥٠)
"جو شخص عقل رکھتا ہے یا کان لگا کر دل سے سنتا ہے اس کے لیے تو ان (قصوں) میں نصیحت ہے۔"
مفسر قرآن کے لیے تاریخ اسلام کے علاوہ تاریخ عالم پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ اس تاریخ کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھ سکے۔ قرآن مجید نے عاد، ثمود قوم نوح، قوم ابراہیم، اصحاب مدین اور بنی اسرائیل کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ تورات اور انجیل میں بیان کردہ واقعات میں غلطیاں ہیں لیکن جو کچھ قرآن نے بیان کیا ہے وہ صداقت ہے صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ فرعون اور موسیٰ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کیسے بنی اسرائیل پر زیادتی کرتا تھا اور کس طرح اس نے ان کا تعاقب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کر دیا اور اس

Marfat.com

کے جسم کو محفوظ رکھا۔اس واقعہ کے بارے میں قرآن ہی ہماری صحیح رہنمائی کرتا ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اس سے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْياً وَعَدْواً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لا إِلَهَ إِلاَّ الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَاْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ آلآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ﴾(۵۱)

''ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے شرارت اور تعدی سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا تو کہہ اٹھا میں نے یقین کر لیا کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمابرداروں میں سے ہوں۔اب یہ کیا کہتا ہے اور پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فسادیوں میں سے تھا آج تیری لاش کو ہم بچا لیں گے اس لیے کہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال (عبرت) ہو۔بے شک بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔''

پروفیسر ڈاکٹر موریس بوکائے نے فرعون کی ممی کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ وہی فرعون تھا جس کے بدن کو محفوظ کرنے کا قرآن نے وعدہ کیا وہ فرماتے ہیں:اس کا دنیاوی وجود خدا کی مرضی سے تباہ ہونے سے بچا لیا گیا تا کہ وہ لوگوں کے لیے نشان عبرت بنے جیسا کہ قرآن حکیم میں تحریر ہے۔(۵۲)

اس سلسلے میں کتب سماوی،توراۃ اور انجیل بھی ممد ثابت ہوسکتی ہیں تاریخ کی کتب میں طبقات ابن سعد، تاریخ طبری،تاریخ الکامل لابن اثیر،تاریخ اسلام للذہبی،اور البدایہ والنھایہ وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔

## ۹۔ علم تجوید وقراءت:

اس علم سے واقفیت بھی مفسر کے لیے ضروری ہے قرآن مجید کو صحت الفاظ کے ساتھ ادا کرنا علم قراءت یا تجوید کہلاتا ہے۔قرآن مجید کی تلاوت اہل زبان کی طرح کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ غلط مخارج سے معانی بدل جاتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً ﴾(۵۳)

''قرآن کو ترتیل سے ''ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة " (٥٤)

''قرآن کا ماہر بزرگ لکھنے والوں کے ساتھ ہوگا۔''

Marfat.com

بعض علماء اس کی فرضیت کے قائل ہیں علامہ محمد نصر مکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

قد اجتمعت الامة المعصومة عن الخطأ علي وجوب التجويد من زمان النبي الى زماننا ولم يختلف فيه احد منهم وهذا من اقوى الحجج۔ (۵۵)

''خطا سے معصوم امت رسول اللہ ﷺ کے دور سے لیکر آج تک اس بات پر متفق ہے کہ علم تجوید واجب اور لازم ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں یہ اس کے فرض ہونے کی بڑی دلیل ہے۔''

علم قرات کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے (۵۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا امام ذہبی رحمۃ اللہ نے درج ذیل سات صحابہ کرام کو مشہور قاری بیان فرمایا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ، پھر فرماتے ہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحابہ کی ایک جماعت نے قرات پڑھی ان میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن السائب شامل ہوئے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ (م ۱۱۸ھ/ ۷۳۶ء) عبداللہ بن کثیر المکی القرشی (م ۱۲۰ھ/ ۷۳۸ء یا ۱۲۲ھ/ ۷۳۹ء) عاصم رضی اللہ عنہ بن ابی النجود الکوفی (م ۱۲۷ھ/ ۷۴۴ء) ابوعمر بن العلاء بن عمار البصری رضی اللہ عنہ (م ۱۵۴ھ/ ۷۷۰ء) حمزہ بن حبیب بن عمارہ التیمی رضی اللہ عنہ (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۴ء) نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ (م ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء) ابوعلی بن حمزہ الاسدی الکسائی (م ۱۸۹ھ/ ۸۰۴ء) (۵۸)۔

اس علم پر بہت سے لوگوں نے تصانیف کی ہیں۔ ''الغایہ فی القرات العشر'' کے مقدمہ میں ترتیب زمانی کے ساتھ ان لوگوں کو اس علم کے اولین مولفین قرار دیا گیا ہے۔ یحیٰی بن یعمر رحمۃ اللہ (م ۹۰ھ/ ۷۰۸ء) ابان بن تغلب رحمۃ اللہ (م ۱۴۱ھ/ ۷۵۸ء) مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ (م ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) ابوعمرو بن العلاء رحمۃ اللہ (م ۱۵۴ھ/ ۷۷۰ء) حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ (م ۱۵۶ھ/ ۷۷۳ء) زائدہ بن قدامہ الثقفی رحمۃ اللہ (م ۱۶۱ھ/ ۷۵۸ء) ہارون بن موسی الاعور رحمۃ اللہ (م ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء) عبدالحمید بن عبدالحمید الاخفش الاکبر (م ۱۷۷ھ/ ۷۹۳ء) یحیٰی بن آدم رحمۃ اللہ (م ۲۰۳ھ/ ۸۱۸ء) یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمۃ اللہ (م ۲۰۵ھ/ ۸۲۰ء) ابوعبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ (م ۲۲۴ھ/ ۸۳۸ء) ابو حاتم سھل بن محمد السجستانی رحمۃ اللہ (م ۲۵۵ھ/ ۸۶۸ء) احمد بن جبیر بن محمد الکوفی رحمۃ اللہ (م ۲۵۸ھ/ ۸۷۱ء) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ (م ۳۱۰ھ/ ۹۲۲ء) ابوبکر احمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ (م ۳۲۴ھ/ ۹۳۵ء) ابوبکر احمد بن الحسین بن مہران النیشا پوری رحمۃ اللہ (م ۳۸۱ھ/ ۹۹۳ء) ابو محمد مکی بن ابی طالب رحمۃ اللہ (م ۴۳۷ھ/ ۱۰۴۵ء) ابوعمر الدانی رحمۃ اللہ (م ۴۴۴ھ/ ۱۰۵۲ء) (۵۹)

بعد ازاں کئی اور کتب بھی لکھی گئیں ان میں ابو محمد الشاطبی رحمۃ اللہ (م ۵۹۰ھ/ ۱۱۹۴ء) کی منظومہ کتاب ''حرز الامانی ووجہ التھانی فی القرات السبع المثانی'' ہے جو ''الشاطبیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی اس کی کئی شروح لکھی گئیں پھر محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ (۸۳۳ھ/ ۱۴۲۹ء) نے النشر فی القرات العشر لکھی بعد ازاں اور بھی کئی کتب تصنیف ہوئیں۔ (۶۰)

Marfat.com

## ۱۰۔ علم المحکم والمتشابہ:

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے محکم اور متشابہ کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ محکم کے لغوی معنی ''متقن'' کے ہیں۔ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحکیم العالم وصاحب الحکمه والحکیم ایضا المتقن لامور وقد حکم من باب ظرف ای صار حکیما واحکمه فاستحکم ای صار محکما (٦١)

''حکیم عالم اور صاحب حکمت کو کہتے ہیں۔ حکیم سے مراد امور کو مضبوط اور مصوّن کرنے والا بھی ہے۔ اور حکم باب ظرف سے حکیم ہوگیا (مضبوط ہوا) اور احکمه فاستحکم ''اس نے اسے مضبوط کیا اور وہ مضبوط ہوگیا۔''

ابن منظور کہتے ہیں:

احکمت الشئی فاستحکم۔ صار لحکما (٦٢)

''میں نے کسی چیز کو مستحکم اور مضبوط کیا تو وہ مضبوط اور مستحکم ہوگئی۔''

اس لحاظ سے قرآن مجید مضبوط اور محکم کلام ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمزوری اور ضعف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اوروں کو چیلنج کرتا ہے کہ کوئی اس جیسی اور چیز لائیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾(٦٣)

''کہہ دیجئے اگر سارے آدمی اور جن مل کر یہ چاہیں کہ اس طرح کا قرآن لائیں تو بھی نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔''

اور فرمایا:

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾(٦٤)

''یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں۔ پھر حکمت والے خبیر کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی۔''

اسی طرح مشابہ اور متشابہ کے معنی ملتی جلتی چیز کے ہیں۔ اور المتشابهات المتماثلات (٦٥) (ملتی جلتی) ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

الشبه والشبه والشبیه: المثل والجمع: اشباه واشبه الشئی الشئی: ما ثله و فی المثل: من اشبه اباه فما ظلم واشبه الرجل امه وذلك اذا عجز وضعف(٦٦)

''شبہ، شب اور شبیہ کے معنی مثل ہیں۔ اور اس کی جمع اشباہ ہے۔ اور اشبہ الشئی الشئی کے معنی مشابہت اور مماثلت ہیں مثال میں کہا جاتا ہے من اشبہ اباہ فما ظلم (جو شخص اپنے باپ کے مشابہ ہوا اس نے زیادتی

Marfat.com

نہ کی) اور اشبہ الرجل امہ (آدمی اپنی ماں کے مشابہ ہوا) اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ عاجزی اور کمزوری کا اظہار ہو۔"

لیکن ہماری مراد یہاں پر یہ مشابہ نہیں۔ بلکہ ایسا مشابہ ہے جو محکم کے مد مقابل ہو۔

الشبه الالتباس وامور مشتبه و مشبه مشكله (٦٧)

"شبہ التباس اور امور مشتبہ مشکل امور ہیں۔"

امام شوکانی نے ان دونوں کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

المحكم: ما له دلالة واضحته والمتشابه ما له دلالة غير واضحته (٦٨)

"محکم وہ ہے جس کی دلالت واضح ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی دلالت غیر واضح ہو۔"

محکم ایسی آیات ہیں جن کے معنی اور مفہوم میں کسی وقت اور اشتباہ کی گنجائش نہ ہو۔ یہ اپنے مدعا کو صریح اور واضح بیان کرتی ہیں۔ جبکہ مشتبہ آیات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ پوری طرح سے واضح نہیں ہوتیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے:

﴿هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ﴾(٦٩)

"اسی نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض آیتیں کھلی ہوئی صاف مضمون کی ہیں۔ وہ تو قرآن مجید کی جڑ ہیں۔ (جن کو محکم کہتے ہیں) اور بعض آیتیں متشابہ ہیں (کئی پہلو رکھتی ہیں) پھر جن کے دل پھرے ہوئے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور اس کی تاویل کی تلاش کے لیے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی اصلی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو مضبوط علم والے ہیں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ان پر۔ یہ آیتیں (محکم و متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور جن کو عقل ہے وہی سمجھانے سے سمجھتے ہیں۔"

ان آیات میں برزخی زندگی کی کیفیات اور دیگر چیزوں کا ذکر ہے جن کے متعلق واضح معلومات نہیں ہیں۔ اس لیے ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ مختلف مفسرین نے آیات متشابھات کی نشاندہی کی ہے۔ اس موضوع پر لکھنے والے معروف علماء یہ ہیں ابو القاسم برہان الدین محمود بن حمزہ الکرمانی الشافعی رحمہ اللہ (م ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء) کی کتاب البرہان فی متشابہ القرآن ہے۔ فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر الرازی (م ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) کی کتاب درۃ التنزیل وغرۃ التاویل، علم الدین علی بن محمد السخاوی (م ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) کی کتاب کا نام المرتاب فی المتشابہ ہے۔ یہ وہ نظم ہے جس کو "السخاویہ" کہتے ہیں (۷۰)

Marfat.com

## ۱۱۔ علم لغت:

قرآن مجید کی عربی زبان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صاحب زبان ہونے کی وجہ سے فطری ذوق اور طبعی رجحان کے باعث بہتر سمجھتے تھے۔لیکن عربی زبان میں اور بہت سی بولیاں اور لہجے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے والا اس کی لغت پر مہارت تامہ رکھتا ہو۔کیونکہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ بلکہ لغوی کے ساتھ اصطلاحی مفہوم کا بھی اس کو علم ہو۔قرآن کے الفاظ صلاۃ، زکوٰۃ اور حج اپنے اصطلاحی مفہوم رکھتے ہیں۔ان کے متعلق اگر محض لغت سے مدد لی جائے تو گمراہی پھیلے گی۔لغت کی اہمیت کا اندازہ امام مالک کے اس قول سے ہوتا ہے:

﴿لو اوتی برجل غیر عالم للغات العرب یفسر کتاب الله الا جعلته نکالا﴾(۷۱)

''اگر میرے پاس کوئی ایسا آدمی لایا جائے جو لغت عرب کو جانے بغیر کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اس کو سزا دوں گا۔''

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یحل لاحد یومن بالله والیوم الاٰخر ان یتکلم فی کتاب الله اذا لم یکن عالم بلغات العرب (۷۲)

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ لغت عرب میں مہارت حاصل کیے بغیر قرآن حکیم کے متعلق رائے زنی کرے۔''

لغت کی معروف کتابوں میں جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن منظور رحمہ اللہ (م ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) کی لسان العرب اور ابوالفیض محمد بن محمد المرتضٰی الزبیدی رحمہ اللہ (م ۲۰۵ھ/۸۲۰ء) کی تاج العروس فی شرح القاموس بہت مفید ہیں (۷۳)

## ۱۲۔ علم نحو:

علم نحو کے جاننے سے اعراب کی درستی ہوتی ہے۔الفاظ صحیح ادا کیے جاتے ہیں کیونکہ اعرابی حالت کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں۔نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علم النحو ویسمی: علم الاعراب وھو علم یعرف به کیفیته الترکیب العربی صحة وسقما وکیفیئة ما یتعلق بالالفاظ من حیث وقوعھا فیه (۷۴)

''علم النحو کو علم الاعراب بھی کہتے ہیں۔اس علم سے عربی کی صحت وسقم کے لحاظ سے ترکیب کا پتہ چلتا ہے۔

Marfat.com

اور جو چیزیں الفاظ کے وقوع کے لحاظ سے تعلق رکھتی ہیں ان کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں۔''

مشہور نحوی ابوعبید نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص عربی میں اس لیے مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح بول سکے اور قراءت کو درست کر سکے تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا اس کو عربی سیکھنا چاہیے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی تلاوت کرتا ہے اور اس کو غلط معنی پہنا کر اپنی ہلاکت کا سامان پیدا کرتا ہے (۷۵) سورۃ الفاتحہ میں انعمت کی ت پر فتحہ کی بجائے اگر ضمہ پڑھ لیا جائے تو معنوں میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے بلکہ انسان کفر تک جا پہنچتا ہے۔ سب سے پہلے اس علم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ابوالاسود الدولی رحمہ اللہ نے لکھا۔ پھر خلیل بن احمد فراھیدی رحمہ اللہ اس علم میں مشہور ہوئے۔ (۷۶) بعد ازاں جمال الدین بن ہشام رحمہ اللہ کی مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب کافی معروف ہوئی (۷۷)

## ۱۳۔ علم صرف:

علم صرف کا جاننا مفسر کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ اس سے الفاظ کے اوزان اور صیغوں کا پتہ چلتا ہے۔ ابن فارس کا قول ہے:

من فاته علمه فاته المعظم (۷۸)

''جو اس علم سے محروم رہا وہ علم کے بڑے حصے سے محروم رہا۔''

جن لوگوں کو صیغوں کا پتہ نہ چلے وہ تفسیر قرآن میں ہمیشہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ واحد جمع کا پتہ نہ چلنے سے بھی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال زمخشری نے قرآن مجید کے اس ارشاد سے دی ہے:

﴿يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ (۷۹)

''جس دن لوگوں کو ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے''

کسی نے امام کو ام کی جمع قرار دیا اور کہا کہ لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ حالانکہ اس کو جہالت کی بنا پر علم ہی نہ تھا کہ ام کی جمع امام نہیں ہوتی بلکہ امہات ہوتی ہے (۸۰) اس قسم کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ نواب صدیق بن حسن فرماتے ہیں۔ اس علم کے متعلق سب سے پہلے لکھنے والا شخص ابوعثمان المازنی البصری ہے۔ پھر ابوالفتح بن جنی نے ایک مختصر کتاب التصریف الملکی لکھی اور پھر ابن حاجب کی کتاب الشافیہ کافی مشہور ہوئی۔ (۸۱)

## ۱۴۔ علم الاشتقاق:

اس علم کے بارے میں ابجد العلوم میں ہے:

Marfat.com

علم يباحث عن كيفيته خروج الكلم بعضها عن بعض بسبب مناسبة بين المخرج والمخارج بالاصاله والفروعية لكن لا بحسب الجوهرية بل بحسب الهئية (۸۲)

''ایسا علم جس میں کلمات کے ایک دوسرے سے خروج پر بحث کی جاتی ہے۔ کیونکہ مخرج اور مخارج میں اصل اور فرع کے لحاظ سے تعلق ہوتا ہے۔ جوہر کے لحاظ سے نہیں بلکہ شکل کے لحاظ سے۔''

اس سلسلے میں کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً شیطان کا مادہ ش۔ی۔ط ہے یا ش۔ط۔ن ہے۔ اسی طرح رحیم کا معاملہ ہے (۸۳) اسی طرح کئی الفاظ ہیں جن کا اشتقاق کے ذریعے پتہ چلتا ہے۔ لفظ مسیح کے دو مادے ہیں سیاحة اور مسح اگر پہلا ہو تو اس کے معنی سیاحت کرنے والا اور اگر دوسرا مادہ ہو تو پھر اس کے معنی چھونے والا کے ہوں گے۔ دوسرا زیادہ قرین قیاس ہے (۸۴) اس علم پر دو معروف کتابیں ہیں۔ قاضی محمد بن علی الشوکانی کی نزھة الاحداق اور نواب صدیق بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی العلم الخفاق من علم الاشتقاق (۸۵)

## ۱۵۔ علم بلاغت:

اس میں علم معانی، علم بیان اور علم بدیع تین علوم شامل ہیں۔ علم معانی کی رو سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کلام کی مخصوص تراکیب سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ علم بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں قسم کی ترکیب اپنا مفہوم ادا کرنے میں واضح ہے یا پوشیدہ اور علم بدیع کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلام کو پرکشش کیسے بنایا جا سکتا ہے (۸۶) اس لحاظ سے اس علم کا جاننا بھی مفسر کے لیے بہت ضروری ہے۔ تینوں علوم پر علیحدہ علیحدہ کتب موجود ہیں۔ جار اللہ زمخشری کی کتاب الکشاف بہت اہم ہے۔ اسی طرح ابو مسعود کی تفسیر کی کتاب اور نواب سید صدیق بن حسن کی تفسیر کی کتاب فتح البیان فی مقاصد القرآن بہت جامع ہیں (۸۷)

## ۱۶۔ علم اصول فقہ:

عبدالوہاب خلاف اس علم کی یوں تعریف کرتے ہیں:

هو العلم: بالقواعد والبحوث التى يتوصل بها الى استفادة الاحكام الشرعية العلمية من ادلتها التفصيلية اوهى: مجموعة القواعد والبحوث التى يتوصل بها الى استفادة الاحكام الشرعية العلمية من ادلتها التفصيلية (۸۸)

''یہ ایسے قواعد و مباحث کا علم ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ علمیہ کے استفادہ تک تفصیلی دلائل سے رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ یا ایسے قواعد اور بحوث کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ علمیہ تک عقلی دلائل سے رسائی ممکن ہے۔''

Marfat.com

مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس علم کے متعلق غور وفکر کرے تا کہ صحیح نتائج تک پہنچ سکے۔اس کے متعلق سب سے پہلی کتاب لکھنے والے امام شافعی ہیں (۸۹) امام فخر الدین اور بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا اور احمد شاکر رحمہ اللہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں (۹۰)۔

مختلف فرقوں میں علم اصول فقہ پر کتب لکھی گئی ہیں۔ان میں مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور حنفیہ کی مشہور کتب موجود ہیں۔لیکن تمام کو محیط امام محمد بن علی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ہے جس کی تلخیص نواب صدیق بن حسن القنوجی نے حصول المامول من علم الاصول کے نام سے لکھی (۹۱)۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۳/۳۶۳، ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ۲۹۔

۲۔ الصفت (۳۸): ۱۳۹-۱۴۴۔

۳۔ الانبیاء (۲۱): ۸۷۔

۴۔ النحل، (۱۶): ۴۴۔

۵۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۳/۳۶۳۔

۶۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲، ۱۷۶۔

۷۔ النساء (۴): ۱۰۵۔

۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۷۶۔

۹۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۳، ۳۶۴۔

۱۰۔ البقرہ (۲): ۲۳۰۔

۱۱۔ محمد احمد عیسوی، تفسیر ابن مسعود، ۲، ۱۲۲۔

۱۲۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۳/۳۶۴۔

۱۳۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۲/۱۵۔

۱۴۔ شافعی، الرسالہ، بحوالہ افغانی، علوم القرآن، ۸۱۔

۱۵۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۳/۳۶۵۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۳۶۔

۱۸۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن، ۱/۵، بحوالہ مباحث فی علوم القرآن، ص: ۳۳۷۔

۱۹۔ تفسیر ابن عباس، تفسیر ابن مسعود (دونوں مطبوع ہیں)۔

۲۰۔ طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱/۳۶۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ الحشر، (۵۹) ۷، تفسیر ابن مسعود، ۲، ۶۳۳_۶۳۴

۲۳۔ بنی اسرائیل (۱۷): ۹۴۔

۲۴۔ ایضاً، ۹۵۔

۲۵۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۱/۲۹۴۔

۲۶۔ ایضاً، ۱۹۲۔

۲۷۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۸۔

۲۸۔ ایضاً، ۹۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً۔

۳۱۔ ایضاً، ۲۸۔

۳۲۔ ایضاً۔


Marfat.com

۳۳۔ الواحدی، اسباب النزول، ص:۴۱۔ ۳۴۔ ایضاً،
۳۵۔ ھود(۱۱):۱۱۴، تفسیر ابن مسعود، ۲/۳۴۶۔۳۴۷۔
۳۶۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۱، مقدمہ۔
۳۷۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۲۸، مباحث فی علوم القرآن، ۶۔۷۔
۳۸۔ الرازی، مختار الصحاح، ۳/۲۷، زرکشی، البرہان، ۲/۲۹، شوکانی، ارشاد الفحول، ۱۶۱۔
۳۹۔ الحج، (۲۲):۵۲۔
۴۰۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۲/۲۹، سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۲۰۔
۴۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳/۶۳۔ ۴۲۔ الجاثیہ(۴۵):۲۹۔
۴۳۔ ابن الجوزی، نواسخ القرآن، ۲۰۔ ۴۴۔ ایضاً۔
۴۵۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳/۶۳۔ ۴۶۔ البقرہ(۲):۱۰۶۔
۴۷۔ ابن الجوزی، نواسخ القرآن، ۲۹، الناسخ والمنسوخ، ۷۔
۴۸۔ زرکشی، البرہان، ۱/۲۸۔ ۴۹۔ ق(۵۰):۳۶۔
۵۰۔ ایضاً، ۳۷۔ ۵۱۔ ایضاً، یونس، (۱۰):۹۰۔۹۲۔
۵۲۔ موریس بکائے، بائبل قرآن اور سائنس، ص:۳۰۵
۵۳۔ المزمل(۷۳):۶۔
۵۴۔ سنن ابی داؤد مع عون المعبود، ۱/۵۴۳، (باب فی ثواب قراۃ القرآن)
۵۵۔ محمد نصر مکی، نہایۃ القول المفید فی علوم التجوید، ص:۹۔
۵۶۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ۴۳۷۔
۵۷۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۱۷۰۔
۵۸۔ زرکشی، البرہان، ۱/۳۲۷-۳۲۹، سیوطی، الاتقان، ۱/۳۷، مباحث، ۱۷۱-۲۔
۵۹۔ ابوبکر احمد بن الحسین، الغایۃ فی قرات العشر، ۷۔
۶۰۔ ایضاً۔ ۶۱۔ رازی، مختار الصحاح، ۶۲۔
۶۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۲/۱۴۳۔ ۶۳۔ بنی اسرائیل(۱۷):۸۸۔
۶۴۔ ھود(۱۱):۱۔ ۶۵۔ رازی، مختار الصحاح، ۱۳۸۔
۶۶۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۳/۵۰۳۔ ۶۷۔ ایضاً، ۵۰۴۔
۶۸۔ شوکانی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، ۱۶۱۔
۶۹۔ آل عمران(۳):۷۔

Marfat.com

۷۰۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳۱۹/۱، شوکانی، فتح القدیر، ۳۱۴/۱-۱۹۔
۷۱۔ زرکشی، البرہان، ۱۶۰/۲۔
۷۲۔ الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ۱۵۸۔
۷۳۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ۲۴۲۔
۷۴۔ نواب صدیق بن حسن، ابجد العلوم، ۵۶۰/۲۔
۷۵۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۰/۲۔
۷۶۔ مقدمہ ابن خلدون، ۵۴۶۔۴۷۔
۷۷۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۵۶۳/۲۔
۶۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۰/۲۔
۷۹۔ بنی اسرائیل (۱۷): ۷۱۔
۸۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۰/۲۔
۸۱۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۳۴۷/۲۔
۸۲۔ ایضاً، ۶۲۔۶۳۔
۸۳۔ نظام الدین الحسن بن محمد، غرائب القرآن، ۵۱/۱۔
۸۴۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۱/۲۔
۸۵۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۶۵/۲۔
۸۶۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۱/۲۔
۸۷۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۱۳۳/۲۔۱۳۴۔
۸۸۔ عبدالوہاب خلاف، علم اصول فقہ، ص: ۱۲۔
۸۹۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۷۲/۲۔
۹۰۔ محمد بن ادریس الشافعی، الرسالہ، (القاہرہ) ص: ۱۳
۹۱۔ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ۷۳/۲۔

Marfat.com

فصل چہارم:

# مفسر قرآن کے آداب وشرائط

مفسر قرآن کے لیے مندرجہ ذیل آداب وشرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔

## ا۔ صحت اعتقاد:

انسان پر عقیدے کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے انسان صحیح اور غلط اعمال کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایک بدعقیدہ آدمی آیات قرآنی کی تحریف اور تنقیص سے باز نہیں آتا۔اس لیے محدثین عام طور پر ایسے بدعتی کی روایت نہ لینے پر متفق ہیں جو بدعت کا داعی ہو۔چنانچہ مشہور امام جرح وتعدیل ابو حاتم محمد بن حبان بستی فرماتے ہیں:

الداعية الى البدع لا يجوز الاحتجاج به عند ائمتنا قاطبة لا اعلم بينهم فيه خلافا (۱)

''ہمارے تمام آئمہ کے نزدیک بدعت کی طرف دعوت دینے والے سے احتجاج (دلیل لینا) کرنا جائز نہیں۔اس سلسلے میں ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

## ۲۔ حسن نیت:

تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

انما الاعمال بالنيات (۲)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

انسان تمام آلائشوں سے ذہن کو پاک کر کے کلام اللہ کو پڑھے اور پھر اس لحاظ سے اس کی تفسیر کرے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے بجا فرمایا ہے:''قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے۔اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت کا داعیہ ودیعت فرمایا ہے۔اگر اس داعیہ کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بقدر کوشش اور بقدر توفیق الٰہی اس سے فیض پاتا ہے۔اور اگر اس داعیہ کے سوا کسی اور داعیہ کی تحریک سے کسی حقیر مقصد کے لیے وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو لكل امر مانوى (۳) (ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی) کے اصول کے مطابق وہ وہی چیز پاتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔قرآن مجید کی اس خصوصیت کی

Marfat.com

وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تعریف فرمائی ہے:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيْراً وَيَهْدِيْ بِهِ كَثِيْراً﴾ (٤)

''اللہ اس کے ذریعے سے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے''

اور اس کے بعد اس ہدایت اور ضلالت کا ضابطہ بھی بیان فرمایا کہ:

وما یضل به الا الفسقین (٥)

''اس کے ذریعے سے نہیں گمراہ کرتا مگر انہی لوگوں کو جو کہ نافرمان ہوتے ہیں۔''

یعنی جو لوگ فطرت کی راہ سے ہٹ کر چلتے ہیں اور ہدایت سے بھی ضلالت ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو وہی چیز دیتا ہے جس کے وہ بھوکے ہوتے ہیں۔ (٦)

حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نیت کی پاکیزگی کو اہمیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لو علمت ان احدا يطلبه بنيته يعني: الحديث لا تبعته حتى احدثه في بيته (٧)

''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص حدیث رسول اللہ ﷺ کو نیت کے ساتھ طلب کرتا ہے تو میں اس کے گھر اس کے پیچھے جا کے اسے حدیث سناؤں۔''

## ۳۔ نفسانی خواہشات سے پرہیز:

خواہشات انسان کو صحیح راستے سے بھٹکا دیتی ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان اپنے غلط نظریات کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے نرم کلام اور ادبی زبان سے مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بقول مناع القطان روافض معتزلہ اور قدریہ کے غالی لوگوں کا یہی وطیرہ ہے (۸) قرآن مجید میں ہے:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ (٩)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنایا۔''

## ۴۔ حسن خلق:

مفسر قرآن ایک مبلغ کا مانند ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں حسن اخلاق ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (١٠)

''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

لہٰذا مفسر قرآن میں ان تمام اخلاق کا پایا جانا ضروری ہے جو ایک مسلمان کے شایان شان ہیں۔ وہ امانت، دیانت اور صداقت کے اعلیٰ درجے کا حامل ہو۔ کم گو ہو۔ اس میں شرم و حیا ہو۔ وہ غیبت کرنے والا نہ ہو۔ ہمیشہ وعدے کو پورا کرے۔ ان تمام چیزوں کا ذکر قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ملتا ہے۔ خود

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ میں یہ صفتیں بدرجہ اولیٰ موجود تھیں۔ خاموشی کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من صمت نجا (١١)

''جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے:

من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه (١٢)

''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔''

سچائی مومن کی بہترین صفت ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے حضرت سفیان الثقفی نے پوچھا کہ آپ میرے متعلق کس چیز سے زیادہ خائف ہیں؟

فاخذ بلسان نفسه (١٣)

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا۔''

اور فرمایا: یہ زبان سے خطرے کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا عن نتن ماجاء به (١٤)

''جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں۔''

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيْلا﴾ (١٥)

''زنا کے قریب نہ جاؤ۔ بلاشبہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔''

ویسے بھی بے حیائی بری چیز ہے اور حیا و شرم انسانی عظمت کی علامتیں ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما كان الفحش في شيئى الا شانه وما كان الحياء في شيئى الا زانه (١٦)

''بے حیائی جس چیز میں ہو اس کو معیوب کر دیتی ہے۔ اور حیا جس چیز میں ہو اس کو زینت بخش دیتی ہے۔''

ایک اور ارشاد نبوی ہے:

لكل دين خلق و خلق الاسلام الحياء (١٧)

''ہر دین کا خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے''

وعدے سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولا﴾ (١٨)

''عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے متعلق سوال ہوگا۔''

Marfat.com

## ۵۔ عملی نمونہ:

قرآن مجید کا ہر لفظ قابل عمل ہے۔ مفسر قرآن کے لیے احکام قرآنی کے مطابق زندگی بسر کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس کی مثال یہود و نصاریٰ کے علماء کی مانند ہوگی۔ حضرت زیاد بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی چیز کا ذکر کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ذاك عند اوان ذهاب العلم

''یہ علم کے جانے کے وقت ہوگا۔''

میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ علم کیسے چلا جائے گا۔ جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ قیامت تک رائج رہے گا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثقلتك امك يا زياد ان كنت لا راك من افقه الرجل بالمدينة او ليس هذه اليهود والنصارى يقرؤن التواراة والانجيل لا يعلمون بشئى مما فيهما (۱۹)

''زیاد آپ کی ماں آپ کو گم پائے۔ میں آپ کو مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ عقلمند آدمی سمجھتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ تورات وانجیل کی تلاوت نہیں کرتے ہیں پھر بھی ان میں سے کسی چیز کو نہیں جانتے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی کا قول اس سلسلے میں مشعل راہ ہے: کامیابی اور فلاح کی راہ صرف یہ ہے کہ آدمی قرآن کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی ہمت کرے۔ اور اس کے لیے ہر قربانی پر آمادہ ہو جائے۔ کچھ عرصے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر آدمی اس آزمائش میں اپنے آپ کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کے لیے کامرانی کی راہیں کھلنا شروع ہو جاتی ہیں (۲۰) ویسے بھی بے عمل عالم کی مذمت میں کئی آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ موجود ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: بے عمل عالم جہنم میں اپنی انتڑیوں کے گرد کولھو کے بیل کی مانند چکر لگائے گا۔ (۲۱)

## ۶۔ عزت نفس:

مفسر قرآن کا یہ مقام ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہ ہو۔ علم حاصل کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو اس کے سامنے آ کر ادب سے بیٹھے۔ اس کو خود اپنی عزت اور وقار کا ہمیشہ پاس رہے۔ بڑے بڑے آئمہ اس بات کا خیال رکھتے تھے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ امام مالک کے متعلق فرماتے ہیں:

كان مجلسه مجلس وقار وحلم وعلم (۲۲)

''ان کی مجلس وقار، حلم اور علم سے مزین ہوتی تھی۔''

امام حسن بصری نے بعض علماء کو حکمرانوں کے دروازوں پر دیکھ کر فرمایا:

Marfat.com

جئتم بالعلم علی رقابکم الی ابوابهم فزهدوا فیکم اما انکم لو جلستم فی بیوتکم حتی یکونوا هم الذین یرسلون الیکم لکان اعظم لکم فی اعینهم تفرقتم فرق الله بین اعصائکم (۲۳)

''آپ علم کو اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ان کے دروازوں تک آئے ہیں تو انھوں نے آپ سے بے رغبتی کی۔ اگر آپ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور وہ آپ کی طرف پیغام بھیجتے تو آپ ان کی نظروں میں عظیم ہوتے۔ آپ نے گروہ بندیاں کیں۔ اللہ نے آپ کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔''

علماء کی شان یہ ہے کہ وہ امراء کے سامنے نہیں جھکتے۔ حجاج بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ رحمۃ اللہ بن مبارک کے پاس خراسان کے حاکم کا بیٹا آیا اور کہنے لگا کہ اسے حدیث سنائی جائے۔ تو آپ نے انکار فرمایا اور حدیث بیان نہ کی۔ جب وہ باہر جانے لگا تو عبداللہ رحمۃ اللہ بن مبارک اسے الوداع کہنے کے لیے گھر کے دروازے تک نکلے۔ وہ کہنے لگا اے ابوعبدالرحمن میں نے آپ سے حدیث بیان کرنے کا عرض کیا تو آپ نے نہ سنائی۔ لیکن آپ میرے ساتھ گھر کے دروازے تک تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا:

اما نفسی فاهنتها لك واما حديث رسول الله فانی اجله عنك (۲۴)

''میں نے اپنے نفس کو آپ کے سامنے عاجز کر دیا۔ لیکن میں حدیث رسول اللہ ﷺ کو آپ سے عظیم سمجھتا ہوں۔''

ان کا مطلب یہ تھا کہ صاحب اقتدار لوگوں کے سامنے حدیث رسول اللہ ﷺ کو بیان کرنا مناسب نہیں۔ عبدالرحمن بن حرملہ الاسلمی فرماتے ہیں:

ماکان انسان یجتری علی سعید بن المسیب یساله عن شیئی حتی یستاذنه کما یستأذن الامیر (۲۵)

''کوئی انسان سعید رحمۃ اللہ بن مسیّب کے پاس آنے کی جرات نہ کرتا۔ یہاں تک کہ ان سے اسی طرح اجازت لی جاتی جس طرح حکمرانوں کے پاس جانے کی اجازت لی جاتی ہے۔''

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے ابن خیاط فرماتے ہیں:

یدع الجواب فلا یراجع هیبه
والسائلون نواکس الاذقان
نور الوقار وعز سلطان التقی
فهو المهیب ولیس ذا سلطان (۲۶)

''جواب چھوڑ دیتے ہیں ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے مراجعت نہیں کی جاتی۔ سوال کرنے والے سرخم کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ وقار کی روشنی اور تقویٰ کے غلبے کی عزت ہے۔ وہ صاحب ہیبت ہیں اگرچہ حکمران نہیں ہیں۔''

Marfat.com

## ۷۔ اظہار حق:

حق کا اظہار کرنے والے علماء کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

افضل الجهاد كلمه حق عند سلطان جائر (۲۷)

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا بہترین جہاد ہے۔''

نیکی کی تبلیغ کرنا اور برائی سے روکنا امت مسلمہ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ مفسر قرآن کو اس کا بہترین داعی ہونا چاہیے۔ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده لتامرون بالمعروف ولتنهون عن المنكر او ليوشكن الله ان يبعث عليكم عذابا منه فتدعونه فلا يستجاب لكم (۲۸)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آپ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ورنہ اللہ تم پر عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کرو گے اور وہ قبول نہ ہوگی''

حق کا اظہار اور برائی سے روکنا مومن کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من رای منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه ذٰلك اضعف الايمان (۲۹)

''آپ میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو چاہیے کہ ہاتھ سے روک دے۔ اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے۔ اگر زبان سے بھی نہ روک سکتا ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''

## ۸۔ احترام علماء:

دل کی گہرائیوں سے علماء کی قدر و منزلت کرنا مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے وہ کبھی اس سے غافل نہ ہو۔ ترجمان القرآن ابن عم الرسول جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ علماء کا بہت احترام کرتے تھے۔ حالانکہ پیغمبر ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی تھی جس سے ان کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: اللهم علمه الكتاب (۳۰) (اے اللہ اسے کتاب اللہ کا علم عنایت فرما) ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب بطور ادب تھام لی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے ایسا نہ کریں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انا هٰكذا نفعل بكبرائنا وعلمائنا (۳۱)

''ہم اپنے بزرگوں اور علماء سے ایسا ہی کرتے ہیں۔''

علماء کے احترام کے متعلق ایک حدیث ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله تعلموا العلم وتعلموا للعلم السكينة والوقار وتواضعوا لمن تتعلمون منه (۳۲)

Marfat.com

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم سیکھو اور علم کے لیے سکینت اور وقار سیکھو اور جن سے آپ علم حاصل کرتے ہیں ان سے تواضع سے پیش آؤ۔‘‘

اس کے علاوہ اگر اس سے بڑے مفسر اور علماء موجود ہوں تو وہ طالبان علم کو ان کی طرف رہنمائی کرنے سے گریز نہ کرے جیسا کہ علماء اور محدثین کا شیوہ ہے۔

## ۹۔ تفکر و تدبر:

قرآن مجید اپنی آیات پر غور کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ اس لیے مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ آیات قرآنی میں غور وخوض کرے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کے یہ الفاظ ہیں:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (۳۳)

’’کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔‘‘

قرآن مجید کے علمی جواہر ریزوں سے مستفید ہونے اور دوسروں کو مستفید کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی آیات پر بہت زیادہ غور کیا جائے۔

## ۱۰۔ انداز بیاں:

قرآن مجید کا انداز بیاں بہت دلنشین ہے۔ سیرت اور حدیث کی کتابوں میں کئی لوگوں کے واقعات موجود ہیں جو قرآن مجید سے متاثر ہو کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دلچسپی قائم رکھنے کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ صرف ایک مقام کو یہاں پر نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (۳۴)﴾

’’آپ نے خیال نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ (اچھی بات) کی مثال کس طرح بیان کی ایک پاکیزہ درخت کی سی جس کی جڑ مضبوط ہے، اور شاخیں آسمان میں (اوپر کی طرف) اپنے مالک کے حکم سے ہر موسم پر پھل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس لیے مثالیں بیان کرتا ہے، کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور کلمہ خبیثہ کی مثال (شرک، کفر اور گندی بات) اس پلید درخت کی سی ہے۔ جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جاتا ہے، اس کے لیے قرار نہیں۔‘‘

المختصر یہ کہ قرآن مجید کے مفسر کے لیے ان تمام صفات وشرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ایک عالم اور محدث کے لیے ضروری ہیں۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ عثمان بن صلاح، علوم الحدیث، ۱۴۹۔
۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹/۱۔
۳۔ ایضاً۔
۴۔ البقرہ(۲):۲۶۔
۵۔ ایضاً۔
۶۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مقدمہ
۷۔ الخطیب البغدادی، الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع، ۳۳۸/۱۔
۸۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۳۵۔
۹۔ الفرقان، (۲۵):۳، ۴۔
۱۰۔ مالک بن انس، الموطا، ۶۵۱۔
۱۱۔ الدارمی، السنن، ۲، ۲۹۹۔
۱۲۔ امام مالک، موطا، سنن ابن ماجہ، الخطیب التبریزی، بحوالہ مشکاۃ المصابیح، ۴۱۳۔
۱۳۔ الترمذی، السنن، ۶۳/۲۔
۱۴۔ الترمذی، السنن، بحوالہ مشکاۃ المصابیح، ۴۱۳۔
۱۵۔ بنی اسرائیل (۱۷):۳۲۔
۱۶۔ الترمذی، السنن، بحوالہ مشکاۃ الصابیح، ۴۱۴۔
۱۷۔ مالک، موطا، ۶۵۱۔
۱۸۔ بنی اسرائیل، (۱۷):۳۴۔
۱۹۔ ابن ماجہ، السنن مع شرح مفتاح الحاجۃ، ۳۰۳۔
۲۰۔ تدبر قرآن، مقدمہ، ۱۔۷۔
۲۱۔ تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ۴۳۶۔
۲۲۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ۲۱۱/۱۔
۲۳۔ الفارسی محمود بن احمد، اسماء رجال المصابیح، ۸۸۔
۲۴۔ الخطیب البغدادی، احمد بن علی، الجامع لاخلاق الراوی، ۳۳۶/۱۔
۲۵۔ ایضاً، ۱۸۴۔
۲۶۔ ایضاً، ۱۸۴، ۱۸۵۔
۲۷۔ محمد ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ۱، ۸۰۶۔
۲۸۔ الترمذی، السنن، ۳۹/۲۔
۲۹۔ ایضاً، ۴۰۔
۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱۷/۱۔
۳۱۔ بیہقی، احمد بن الحسین، السنن، الکبریٰ، ۲۲۱/۶۔
۳۲۔ ہیثمی نور الدین علی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۳۴۔
۳۳۔ محمد، (۴۷):۲۴۔
۳۴۔ ابراہیم، (۱۴):۲۴۔۲۶۔


Marfat.com

فصل پنجم:

# تفسیر قرآن کی اقسام

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کلام الملوک ملک الکلام۔ اس کا ایک ایک لفظ اس بات کا ثبوت ہے۔ یہ ہمہ پہلو کتاب ہے۔ اس لیے اس کی تفسیر کے لیے اپنی فہم وفراست کے مطابق اصحاب علم وفضل نے مختلف انداز اختیار کیا۔ بعض۔ نے نہایت مختصر اور بعض نے نہایت مفصل کتب لکھیں بعض نے صرف وجوہ قرات پر اور بعض نے الفاظ کے معانی پر زور قلم صرف کیا۔ بعض نے صرف کے نقطہ نظر سے تبصرہ فرمایا۔ بعض نے نحو کے لحاظ سے اس کی نقاب کشائی کی۔ چند ایک نے صرف آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال صحابہ اور فرمودات تابعین کی روشنی میں اس دینی خدمت کو انجام دیا۔ کچھ نے ان کے ساتھ اسرائیلی روایات کو بھی مدنظر رکھا۔ بعد ازاں اور لوگوں نے ان روایات کی تنقیح کی۔ بعض نے ناسخ ومنسوخ پر بحث کی، بعض نے احکام شرعیہ کی آیات پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ بعض مفسرین نے فلسفہ اور علم کلام کے دلائل کو بحث کا موضوع بنایا۔ کچھ اور نے مجازات قرآنی کو سامنے رکھا۔ کسی نے غریب القرآن کو زیر بحث لانے کی جدوجہد کی۔ کچھ لوگوں نے آیات کے پس منظر پر روشنی ڈالی۔ غرض اپنے اپنے ذوق کے مطابق مفسرین نے اس صحیفہ ہدایت کی خدمت کی۔

ان تمام کتب تفسیر پر غور کر کے عام طور پر آئمہ تفسیر نے کتب تفسیر کی دو قسمیں قرار دیں:

(۱) تفسیر بالماثور (۲) تفسیر بالرائے

## تفسیر بالماثور

اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں آثار ومنقول روایات پر کفایت کی جائے۔ یعنی قرآن وسنت، اقوال صحابہ، فرمودات تابعین اور سیر وتاریخ کی مستند روایات کو ہی مدنظر رکھا جائے۔ اسی کا نام تفسیر منقول بھی ہے(۱) اس مکتبہ فکر کے حامل حضرات کا یہ خیال ہے کہ قرآن خود کئی مقامات پر اپنی تشریح کرتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے شرح طلب باتوں کی وضاحت فرما دی۔ اس پر مزید صحابہ وتابعین نے بیان فرمایا۔ ان کے بعد مزید بحثوں میں پڑنے سے ایمان کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس مدرسہ فکر کے حامل حضرات کو اصحاب الحدیث بھی کہتے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی بے شمار مثالیں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (٢)
''پس آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ تو وہ ان پر پھر آیا۔ بلاشبہ وہ پھر آنے والا مہربان ہے۔''

ان کلمات کی وضاحت دوسرے مقام پر اس طرح سے ہے:
﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (٣)
''ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہمیں نہ بخشیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اسی طرح سے ارشاد ہے:
إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِيْنَ (٤)
''تحقیق ہم نے قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا۔ بلاشبہ ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔''

اس لیلہ مبارکہ کی توضیح قرآن مجید نے اس طرح سے فرمائی ہے:
﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (٥)
''تحقیق ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں نازل کیا۔''

رسول اللہ ﷺ کائنات ارضی پر قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔ آپ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق مبارکہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:
كان خلقه القرآن (٦)
''آپ کا اخلاق قرآن تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے کئی آیات قرآنی کی تفسیر بیان فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مفاتيح الغيب خمس ثم قرأ ان الله عنده علم الساعة (٧)
''غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔ پھر آپ نے آیت ان الله عنه علم الساعه کی تلاوت فرمائی۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں:
مفاتيح الغيب خمس لا يعلمها الا الله لا يعلم ما في غد الا الله ولا يعلم ما تغيض الارحام الا الله ولا يعلم متى ياتى المطر احد الا الله ولا تدرى نفس باى ارض تموت ولا يعلم متى تقوم الساعة الا الله (٨)
''غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا۔

Marfat.com

رحم جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کسی کو موت کہاں آئے گی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی پانچ چابیوں کا ذکر فرما کر سورہ لقمان کی وہی آیت مکمل تلاوت فرمائی جس میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے۔(۹)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب آیت الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيْمَانَهُم بِظُلْمٍ (۱۰) (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان میں ظلم نہیں ملایا) اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات بہت گراں گزری اور کہنے لگے کہ ہم میں سے کون ہے جس نے ایمان سے ظلم کو نہ ملایا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ یہ نہیں ہے (بلکہ ظلم سے مراد شرک ہے) کیا آپ حضرت لقمان کا قول جو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا نہیں سنتے:

﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (۱۱)

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

تفسیر القرآن بالسنہ کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾(۱۲)

"ہم نے قرآن کو آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو واضح کر کے بتا دیں جو ان پر اتارا گیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے افضل لوگ تھے۔ ان کی بیان کی ہوئی تفسیر کے ثقہ اور صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ ان کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ امام حاکم فرماتے ہیں:

ان التفسیر الصحابی الذی شهد الوحی والتنزیل له حکم المرفوع (۱۳)

"صحابی کی تفسیر کے لیے جو وحی اور تنزیل کے وقت موجود تھا مرفوع روایت کا حکم ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفاسیر کی مثالیں کتب احادیث اور تفاسیر میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾(۱٤)

"وہ جو لفظ بھی بولتا ہے اس کے پاس نگران مستعد ہوتا ہے۔"

تو انھوں نے فرمایا:

یکتب الخیر والشر لا یکتب : یا غلام اسرج الفرس ویا غلام اسقنی الماء (۱۵)

"خیر اور شر لکھا جاتا ہے۔ یہ نہیں لکھا جاتا اے غلام گھوڑے پر زین ڈال۔ اے غلام مجھے پانی پلا۔"

Marfat.com

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ (۱۶)(آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے) کی تفسیر اس طرح سے مروی ہے: لم یکن رسول الله یقرأ ولا یکتب (۱۷) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے) ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی آیات کی تفسیر مروی ہے۔ تابعین کے اقوال بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض پایا۔کتب تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول سے یہی مراد نہیں کہ ان میں مندرجہ بالا امور کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بلکہ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں کو ہر لحاظ سے فوقیت ہوتی ہے۔اگر چہ اور چیزیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

## تفسیر بالماثور کی مشہور کتب:

مناع القطان نے درج ذیل کتب کو اس زمرہ میں شمار کیا ہے (۱۸)

① التفسیر المنسوب الی ابن عباس رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ/ ۶۸۷ء)
② تفسیر ابن عینیہ (ابوسفیان بن عینیہ بن میمون (م ۱۹۸ھ/ ۸۱۳ء) (۱۹)
③ تفسیر ابن ابی حاتم (عبدالرحمن بن محمد (م ۲۹۱ھ/ ۹۰۳ء) (۲۰)
④ تفسیر ابی الشیخ ابن حیان (ابوالشیخ عبداللہ (م ۳۶۹ھ/ ۹۷۹ء) (۲۱)
⑤ تفسیر ابن عطیہ (عبدالحق بن غالم المغربی (م ۵۴۶ھ/ ۱۱۵۱ء) (۲۲)
⑥ تفسیر بحر العلوم، ابواللیث السمرقندی (م ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ء) (۲۳)
⑦ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، احمد بن ابراہیم (م ۴۲۷ھ/ ۱۰۳۵ء) (۲۴)
⑧ جامع البیان، الطبری ابوجعفر محمد بن جریر (م ۳۱۰ھ/ ۹۲۲ء) (۲۵)
⑨ تفسیر ابن ابی شیبہ (ابوبکر عبداللہ (م ۲۳۵ھ/ ۸۴۹ء) (۲۶)
⑩ معالم التنزیل، البغوی، حسین (م ۵۱۶ھ/ ۱۱۲۲ء) (۲۷)
⑪ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر (م ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۴ء) (۲۸)
⑫ الجواہر الحسان، ابوعبدالرحمن الثعالبی (م ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء) (۲۹)
⑬ الدر المنثور فی التفسیر الماثور، السیوطی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) (۳۰)
⑭ فتح القدیر، شوکانی محمد بن علی (م ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء) (۳۱)

ان میں بعض کتب اور ان کے مولفین کا تعارف درج ذیل ہے۔

### ا۔ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔خود فرماتے ہیں:

Marfat.com

ولدت وبنوها شم فی الشعب (۳۲)

''میں اس وقت پیدا ہوا جب بنوہاشم شعب میں تھے۔''

گویا آپ ہجرت نبوی ﷺ سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ نے گھٹی دی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فلا نعلم احدا حنکه رسول اللهﷺ بريقه غيره (۳۳)

''ہم ان کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں جانتے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے گھٹی دی ہو۔''

ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں تھی۔ بعض اوقات ان کے گھر جاتے اور رات گزارتے۔ چونکہ ذہین وفطین تھے اور علم وعمل کا شوق رکھتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی نماز کو دیکھ کر دیگر لوگوں کو روایت فرماتے (۳۴) رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی:

اللهم فقهه فی الدين وعلمه التاويل (۳۵)

''اے اللہ اسے دین میں سمجھ عنایت فرما اور تاویل سکھا۔''

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

اللهم علمه الكتاب (۳۶)

''اے اللہ اس کو کتاب کا علم دے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت میں بڑھے اور انھوں نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فیض پایا اس سے گولڈزیہر کی اس غلط بیانی کی تردید ہوتی ہے جس میں وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وكثيرا ما نجد من مصادر العلم المفضلة ۔ لدى ابن عباس اليهودين الذين اعتنقا الاسلام: كعب الاحبار و عبدالله بن سلام (۳۷)

''ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علم کے بڑے مصدر دو یہودی تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا کعب احبار اور عبداللہ بن سلام۔''

اہل علم کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے جس کو محض اعتراض کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ احمد امین مصری نے بھی مستشرقین کے طریقہ کو اپناتے ہوئے یہی انداز اختیار کیا ہے (۳۸) محمد حسین ذہبی نے ان کی کافی تردید کی ہے (۳۹) مسلمانوں کے ہاں صحیح بخاری کا درجہ قرآن مجید کے بعد ہے اس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے:

يا معشر المسلمين كيف تسألون اهل الكتاب عن شيئى وكتابكم الذى انزل علىٰ نبيكم صلى الله عليه وسلم احدث الاخبار بالله تقرؤنه محضا لم يشب وقد حدثكم الله ان اهل الكتاب قد بدلوا كتب الله وغيروا فكتبوا

Marfat.com

بايدهم فقالوا هو من عندالله ليشتروا به ثمنا قليلا ، اولا ينهاكم ماجاء كم من العلم عن مسألتهم ، فلا والله ما راينا منهم رجلا قط يسألكم عن الذی انزل عليكم ـ (٤٠)

''مسلمانو! آپ اہل کتاب سے کیوں پوچھتے ہیں؟ جبکہ آپ کی کتاب جو آپ کے نبی ﷺ پر اتاری گئی سب سے بعد اللہ کے ہاں سے اتری ہے تم اسے پڑھتے ہو وہ خالص ہے۔ اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو بدلا اور تحریف کیا۔ اپنی مرضی سے لکھ کر کہنے لگے یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر سکیں۔ وہ علم جو آپ کے پاس آیا ہے کیا آپ کو اس بات سے نہیں روکتا کہ آپ ان سے سوال کریں؟ خدا کی قسم میں نے ان میں سے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ آپ سے اس چیز کے متعلق پوچھتا ہو جو آپ پر اترا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اگر کبھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ احبار یا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کچھ پوچھا تو محض معلومات کے لیے یا تصدیق کے لیے یا تردید کے لیے تھا۔ نہ کہ مصدر سمجھ کر۔ اہل علم کی دیانت کا تقاضا ہے کہ وہ دونوں پہلو عیاں کرتے ہیں۔ احمد امین اور مستشرقین سے بھی یہ توقع تھی کہ وہ علمی دیانت کے تحت صحیح بخاری کی اس روایت کو بیان کریں گے لیکن ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کا مقصد علمی حقائق کو بیان کرنا نہیں بلکہ اسلام کو ہدف تنقید بنانا مقصود تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لغت عرب کے ماہر تھے (۴۱) ان کی وفات ۶۸ھ/۶۸۷ء میں ہوئی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ (علی کے بیٹے) نے جنازہ پڑھایا (۴۲) ان کی تفسیر بنام تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس شائع ہوئی ہے۔ جسے ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے جمع کیا ہے۔ دوسری کتاب بنام: تفسیر عباس جامعہ ام القریٰ سے شائع ہوئی ہے۔ جسے ڈاکٹر عبدالعزیز نے احادیث کی کتب سے جمع کیا ہے اور ان کی سند پر بحث کی ہے۔

حضرت ابن عباس کی تفسیر کے ماخذ درج ذیل ہیں:

① رسول اللہ ﷺ

② کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

③ لغت عرب اور شعر جاہلی سے بہت استشہاد کرتے تھے۔ ایک خاص واقعہ قابل ذکر ہے کہ آپ صحن کعبہ میں قرآن کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ نافع بن الازرق اور نجدۃ بن عویمر خارجیوں نے بعض آیات کے متعلق شعر عرب سے استشہاد کے متعلق کہا تو آپ نے بیان کر دیا۔ (۴۳)

④ فہم ثاقب: رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اثر تھا اور خاندانی فصاحت و بلاغت سے آپ خود تفسیر بیان کرتے تھے (۴۴)۔ مناع القطان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے لیے آٹھ اسانید کو بیان کیا ہے (۴۵)

Marfat.com

## ۲۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف تفسیر الطبری:

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ۲۲۴ھ/۸۳۸ء میں طبرستان میں پیدا ہوئے (۴۶) ان کے متعلق خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

كان ابن جرير احد الائمة يحكم بقوله ويرجع الى معرفته وفضله۔ جمع من العلوم ما لم يشاركه فيه احد من اهل عصره فكان حافظا لكتاب الله (٤٧)

''ابن جریر اماموں میں سے ایک تھے جن کی بات کو وقعت دی جاتی تھی۔ ان کے علم و معرفت کی طرف لوگوں کی نگاہیں اٹھتی تھیں۔ علوم میں کوئی ہم عصر ان کا ثانی نہ تھا۔ آپ قرآن مجید کے حافظ تھے''۔

ان کی وفات ۳۱۰ھ/۹۲۲ء میں ہوئی (۴۸) ان کی تفسیر کے متعلق ابوحامد الاسفرائینی فرماتے ہیں:

لو سافر رجل الى الصين فى تحصيل تفسير ابن جرير لم يكن كثيرا (٤٩)

''اگر کوئی تفسیر ابن جریر کے حصول کے لیے چین کا سفر کرے تو یہ زیادہ نہیں ہوگا''۔

امام نووی فرماتے ہیں:

كتاب ابن جرير فى التفسير لم يصنف احد مثله (٥٠)

''تفسیر ابن جریر جیسی کسی نے تفسیر نہیں لکھی''۔

ان کی تفسیر کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

① تفسیر بالماثور میں احادیث نبوی، اقوال صحابہ اور تابعین پر اعتماد کرتے ہیں۔
② روایات کو اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ترجیح بھی بیان کرتے ہیں۔
③ ناسخ و منسوخ کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔
④ وجوہ اعراب بیان کرتے ہیں اور آیات سے استنباط احکام کرتے ہیں۔
⑤ بعض اوقات اسرائیلی روایات بیان کر کے عام طور پر ان پر تنقید کرتے ہیں۔ (۵۱)

## ۳۔ تفسیر بحر العلوم:

ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی الفقیہ مشہور مفسر ہیں۔ ان کا لقب امام الہدی ہے۔ آپ کے استاد ابو جعفر الہندوانی ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

① تفسیر القرآن المسمی بحر العلوم۔
② کتاب النوازل فی الفقہ۔
③ خزانہ الفقہ۔

Marfat.com

④ تنبیہ الغافلین۔

⑤ البستان، ان کی وفات ۳۷۳ھ/۹۸۳ء یا ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں ہوئی (۵۲)

تفسیر بحر العلوم کے متعلق حاجی خلیفہ فرماتے ہیں: ابو اللیث نصر بن محمد الفقیہ السمرقندی کی تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ جس کی احادیث کی تخریج شیخ زین الدین قاسم بن قطلو بغا (۸۹۹ھ/۱۴۹۳ء) نے کی ہے (۵۳)

یہ کتاب ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی طالب علم اس کی تحقیق کر کے اسے اہل علم کے سامنے پیش کرے۔ یہ القاہرہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اس تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''یہ تین بڑی جلدوں میں مخطوط کی صورت میں دار الکتب العربیہ میں موجود ہے۔ اس کے مکتبہ الازہر میں دو نسخے موجود ہیں۔ میں نے اس تفسیر کو پڑھا ہے۔ اس نے مجرد رائے سے تفسیر بیان کرنے کی حرمت کے متعلق لکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کو مؤلف تفسیر سلف سے بیان کرتا ہے۔ جس میں صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اسناد کی طرف اس کی توجہ بہت کم ہے۔ اور عام طور پر روایات پر جرح و تعدیل بھی نہیں کرتے۔ لیکن یہ کتاب تفسیر بالروایہ اور درایہ کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن عقلی جانب پر نقلی جانب غالب ہے۔ اس لیے اس کو تفسیر بالماثور میں شمار کیا گیا ہے۔ (۵۴)۔ اس کتاب کے قلمی نسخوں کی موجودگی اور اس کے مؤلف کے اسناد ذکر نہ کرنے کو استاد عبد العظیم الزرقانی نے بھی اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے (۵۵)

## ۴۔ الکشاف والبیان عن تفسیر القرآن:

مولف کتاب ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری تھے۔ آپ عظیم قاری مفسر قرآن اور واعظ تھے۔ اور بہت دیندار آدمی تھے (۵۶) ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں۔ آپ یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے اتنی بڑی تفسیر لکھی جو دیگر تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔ (۵۷) یاقوت حموی فرماتے ہیں۔ ثعلبی ایک عظیم قاری، مفسر، واعظ، ادیب، ثقہ، حافظ اور صاحب تصانیف تھے (۵۸)۔ ابن الاثیر آپ کی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں۔ ان کو ثعلبی اور ثعالبی دونوں طرح سے یاد کیا جاتا ہے (۵۹)۔ آپ نے ابو طاہر بن خزیمہ اور ابو بکر بن مہران قاری سے کسب فیض کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ابو الحسن الواحدی شامل ہے۔ آپ کا انتقال ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء میں ہوا (۶۰)۔ یہ تفسیر قلمی سورت میں سورہ الفرقان تک مکتبہ الازہر میں موجود ہے۔ باقی مفقود ہے۔ محمد علی الصابونی نے یہی بیان کیا ہے (۶۱) ان کی تفسیر کے متعلق امام ابن اثیر فرماتے ہیں کہ وہ دیگر تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے (۶۲)۔ محمد حسین الذہبی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔ اس کتاب کو میں نے دیکھا کہ قرآن کی تفسیر سلف سے ہے۔ اگرچہ اسناد کا اختصار ہے۔ مقدمہ کتاب میں انھوں نے اس کا ذکر کر دیا ہے۔ کتاب میں مسائل نحویہ کا ذکر بھی ہے۔ بعض اوقات الفاظ کی تشریح لغت سے کرتا ہے۔ شعر عربی سے بھی استشہاد کرتا ہے۔ اس میں فقہ کے احکام بھی ہیں۔ کتاب میں کئی علمی پہلوؤں پر گفتگو ہے۔ قریب تھا کہ یہ کتاب تفسیر بالماثور کے دائرے سے

Marfat.com

نکل جاتی، کیونکہ بعض اوقات اسرائیلیات کو بغیر کسی تبصرے کے بیان کرتا ہے (۶۳)۔ یاقوت حموی فرماتے ہیں۔ آپ کی تفسیر انواع واقسام کے معنی واسرار کی جامع ہے۔ اس میں اعراب وقراءت کے بارے میں شاندار مباحث ہیں (۶۴)۔

امام ابن تیمیہ نے اس تفسیر کے متعلق فرمایا:

الثعلبی هو فی نفسه فيه خير و دين وكان حاطب ليل ينقل ما وجد فی كتب التفسير من صحيح و ضعيف و موضوع (٦٥)

"ثعلبی خود دیندار اچھے آدمی ہیں۔ لیکن وہ حاطب لیل تھے۔ کتب تفسیر میں جو صحیح ضعیف اور موضوع روایات ملتی ہیں ان کو نقل کر دیتے ہیں۔"

## ۵۔ معالم التنزیل:

حسین بن مسعود بن محمد البغوی کی کنیت ابو محمد تھی (۶۶)۔ آپ الفراء یا ابن الفراء کے نام سے مشہور ہیں (۶۷) ابن خلکان کے مطابق آپ کا لقب ظہیر الدین ہے (۶۸)۔ صرف یاقوت حموی آپ کی پیدائش ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء لکھتے ہیں (۶۹) اکثر مصادر میں آپ کی وفات ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء مروالروز میں ہے (۷۰)۔ آپ مفسر، محدث اور فقیہ مشہور تھے۔ اور آپ کو کہا جاتا ہے: بحر فی العلم (۷۱) (علم کے سمندر ہیں) آپ ہمیشہ باوضو ہو کر پڑھاتے (۷۲)۔ آپ صائم النہار اور قائم الیل تھے (۷۳)۔ آپ کے کئی استاد ہیں۔ سب سے مشہور ابوعلی الحسین بن محمد بن احمد المروزی الشافعی (۴۶۲ھ/۱۰۶۹ء) ہیں جو کہ شیخ خراسان کے نام سے مشہور ہیں (۷۴) دوسرے مشہور استاد جن سے شرح السنہ میں بہت سی روایات ہیں ابو عمر عبدالواحد بن احمد الھروی (۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء) ہیں (۷۵)۔ محمود الفارسی نے آپ کے شاگردوں کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ جو بڑے علماء ثابت ہوئے (۷۶)۔ ان میں سے زیادہ مشہور محمد بن الطائی الھمدانی (۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء) صاحب الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین ہیں (۷۷) البغوی کی کئی تصانیف ہیں۔ جن میں معالم التنزیل (۷۸) مصابیح السنہ (۷۹) شرح السنہ (۸۰) شمائل النبی المختار اور التہذیب فی الفقہ مشہور ہیں (۸۱)۔

معالم التنزیل بڑی مشہور تفسیر ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

البغوی تفسيره مختصر من الثعلبی لكنه صان تفسيره عن الاحاديث الموضوعة والاراء المتبدعة (٨٢)

"تفسیر بغوی تفسیر ثعلبی سے مختصر ہے۔ لیکن انھوں نے (بغوی) اس تفسیر کو موضوع احادیث اور بدعتی آراء سے مبرا رکھا ہے۔"

تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن محمد الحسینی (م ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء) نے اس کتاب کا اختصار لکھا (۸۳)

Marfat.com

آپ نے اپنی تفسیر کے شروع میں مآ خذ ومراجع کا ذکر کیا ہے(۸۴) اس کے بعد ایک فصل فضائل قرآن میں لکھی، تفسیر بالراء بیان کرنے والوں کو تہدید کی ہے(۸۵) آپ کی تفسیر میں قرآن وحدیث، صحابہ تابعین اور مستند روایات کو بیان کیا گیا جیسا کہ الخازن نے ذکر کیا ہے(۸۶) بعض اوقات آپ نے بھی اسرائیلی روایات بیان کی ہیں(۸۷) المختصر یہ تفسیر کتب تفسیر بالماثور میں بہت اہم ہے۔

## ۶۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز:

ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی ۴۸۱ھ/۱۰۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء میں فوت ہوئے (۸۸) آپ بڑے ذہین، فقیہ، عالم حدیث لغوی ادیب اور شاعر تھے (۸۹) آپ نے اپنے والد سے روایت کی۔ ابوعلی غسانی العمری بھی آپ کے استاد تھے۔ ان کے شاگردوں میں ابوبکر بن ابی حمزہ ابوالقاسم بن جیش اور ابوجعفر بن مضاء شامل ہیں۔ (۹۰) آپ کی تفسیر کے متعلق ابوحیان فرماتے ہیں: تنقیح اور تحقیق کے لحاظ سے ان کی تفسیر کا پایہ بہت بلند ہے(۹۱) اور ابن خلدون نے لکھا کہ ''ان کی تفسیر دیار مغرب واندلس میں نہایت مقبول ومستحسن خیال کی جاتی ہے(۹۲) ابوحیان نے اپنی تفسیر البحرالمحیط میں اس تفسیر کو زمخشری کی تفسیر سے زیادہ جامع اور غیر صحیح مواد سے پاک قرار دیا ہے(۹۳) امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

و تفسير ابن عطية( وامثاله اتباعاً للسنة والجماعة واسلم من البدعة من تفسير الزمخشری (٩٤)

''ابن عطیہ اور ان جیسے لوگوں کی تفسیر میں اتباع سنت ہے۔ یہ زمخشری کی تفسیر سے زیادہ محفوظ اور بدعت سے محفوظ ہے۔''

محمد حسین الذہبی نے اس کا نسخہ دارالکتب المصریہ میں دیکھا اور پڑھا ہے۔ اور اس کے انداز نگارش کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ، ابن جریر الطبری رحمہ اللہ سے یہ نقل کرتے ہیں۔ شعر عربی اور لغت عرب سے بھی عبارتوں کو مزین کرتے ہیں (۹۵)۔

## ۷۔ تفسیر القرآن العظیم:

عمادالدین ابوالفدا اسماعیل بن عمرو بن کثیر الشافعی (۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء) میں پیدا ہوئے (۹۶) آپ کے اساتذہ میں ابن الشحنہ، الآمدی، ابن عساکر، حافظ المزی اور امام ابن تیمیہ شامل ہیں(۹۷) آپ کی شادی بھی حافظ المزی کی بیٹی سے ہوئی (۹۸)۔ الداؤدی کے مطابق: وكان قدوة العلماء والحفاظ وعمدة اهل المعانی والالفاظ (۹۹) حافظ ابن حجر نے اور دیگر لوگوں نے آپ کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے:

اشتغل بالحديث مطالعة متونه ورجاله و جمع التفسير و شرع فی كتاب كبير فی الاحكام (١٠٠)

Marfat.com

''علم حدیث کے مطالعہ میں متن اور رجال کے لحاظ سے مشہور ہوئے۔اور تفسیر کو جمع کیا اور احکام کے بارے میں ایک بڑی کتاب لکھی۔''

صاحب شذرات الذھب فرماتے ہیں:

كان كثير الاستحضار قليل النسيان جيد الفهم (١٠١)

''صاحب حافظہ، کم نسیان والے اور جید الفہم تھے۔''

ان کی وفات ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء میں ہوئی (۱۰۲)۔

تفسیر ابن کثیر قرآن مجید کی نہایت اہم تفاسیر میں سے ایک ہے۔اس کتاب کا درجہ الطبری کے بعد سمجھا جاتا ہے۔اس تفسیر کا مولف پہلے تفسیر قرآن بالقرآن کرتا ہے۔ پھر بالحدیث اور پھر اقوال سلف کو لاتا ہے۔اس تفسیر کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے لیکن بقول محمد حسین الذہبی اس کا اکثر حصہ انھوں نے اپنے استاد ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ہی بیان کیا ہے۔(۱۰۳)

جرح وتعدیل کا بھی اس کتاب میں خیال رکھا گیا ہے۔مثال کے طور پر جب وہ سورہ البقرہ کی آیہ مبارکہ: وَبَيِّنَـٰتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ (۱۰۴) کو بیان کرتے ہیں۔تو اس کے راوی ابومعشر نجیح بن عبدالغنی المدنی کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔(۱۰۵)

محمد بن جعفر الکتانی اس تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:

فانه مشحون بالاحاديث والآثار باسانيد مخرجيها مع الكلام عليها صحة وضعفا (١٠٦)

''اس تفسیر میں احادیث اور آثار مع اسانید بہت ہیں اور ان پر صحت اور ضعف کے لحاظ سے کلام بھی کیا گیا ہے۔''

اس اہم تفسیر کو دو مشہور مستشرقین سپرنگر اور گولڈ زیہر بالکل نظر انداز کر گئے ہیں (۱۰۷) یہ کتاب کئی بار شائع ہو چکی ہے۔محمد علی الصابونی نے اس کا اختصار بھی لکھا ہے جو مطبوع ہے۔

## ۸۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن:

الذہبی لکھتے ہیں کہ ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبی الجزائری المغربی مالکی المذہب تھے۔ابن سلامہ البکری فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ الثعالبی بہت نیک، عالم، زاہد، عارف اور بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ وہ طلب علم میں الجزائر، تیونس اور مصر بھی گئے۔ان کی عظمت کو ان کے ہم عصر بھی تسلیم کرتے تھے۔خود ان کا بیان ہے کہ مغرب کے کسی عالم نے ان سے کہا: انت آية فی علم الحديث (۱۰۸) (آپ علم حدیث میں ایک علامت ہیں)۔ان کی کتب میں اس تفسیر کے علاوہ الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز، تحفہ الاخوان فی

Marfat.com

اعراب بعض آیات القرآن اور جامع الامہات فی احکام العبادات شامل ہیں (۱۰۹)

آپ کی وفات ۸۷۶ھ/۱۴۶۷ء الجزائر میں ہوئی (۱۱۰) الجواہر الحسان الجزائر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں ہے اور دوسرا المکتبہ الازہریہ میں ہے (۱۱۱)۔ اس کتاب کے مولف نے خود لکھا ہے کہ یہ کتاب تفسیر ابن عطیہ کا اختصار ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم کے علاوہ سنن ابی داؤد، سنن الترمذی التذکرۃ القرطبی، عبدالحق کی العاقبہ، اور امام بغوی کی مصابیح السنہ سے بھی استفادہ کیا ہے (۱۱۲) مؤلف نے بعض اسرائیلی روایات بھی نقل کی ہیں۔ لیکن ان پر تعاقب بھی کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ نمل کی آیت ۲۰: وَتَفَقَّدَ الطَيرُ فَقَالَ مَالِی لَآارَی الهُد هُدامُ كَانَ مِنَ الغَائِبِين کے تحت بعض اسرائیلی روایات بھی نقل کی ہیں۔ پھر خود فرماتے ہیں: والله اعلم ما صح من ذلك (۱۱۳) (اللہ جانتا ہے اس میں کیا چیز صحیح ہے)۔ یہ تفسیر نہایت مفید ہے۔

## ۹۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور:

جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء میں پیدا ہوئے (۱۱۴) پانچ یا سات سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا۔ قرآن مجید آٹھ سال کی عمر میں حفظ کیا (۱۱۵) آپ کے شاگرد علامہ داؤدی کے مطابق سیوطی کے اساتذہ کی تعداد ۵۱ ہے (۱۱۶) آپ کا حافظہ بہت تیز تھا۔ آپ نے ۵۰۰ سے زائد کتب تالیف کیں (۱۱۷) قرآن سے متعلق آپ کی تصنیف الاتقان فی علوم القرآن ہے (۱۱۸) آپ نے علوم دینیہ کے ہر فن پر کتاب لکھی۔ خود فرماتے ہیں:

ورزقت التبحر فی سبعة علوم: التفسير والحديث، والفقه، والنحو، والمعانی والبيان، والبديع علىٰ طريقة العرب والبلغاء لا علىٰ طريقة العجم واهل الفلسفة (۱۱۹)

''مجھے سات علوم میں ادراک حاصل ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان بدیع عرب اور بلغاء کے طریقہ پر نہ کہ اہل عجم اور اہل فلسفہ کے فلسفہ کے طریقہ پر''

آپ کا انتقال جمعہ کی صبح ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء میں ہوا (۱۲۰) الدر المنثور کو کیتانی نے ان تفاسیر میں شامل کیا ہے۔ جن میں احادیث ہیں۔ (۱۲۱) امام سیوطی فرماتے ہیں:

وقد جمعت كتابا مسندا فيه تفاسير النبیﷺ والصحابة فيه عشر الف حديث ما بين مرفوع و موقوف وقد تم ولله الحمدا فی اربع مجلدات وسميته ترجمان القرآن (۱۲۲)

''میں نے ایک مستند کتاب لکھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے مستند تفسیر بیان کی ہے۔

Marfat.com

مرفوع اور موقوف احادیث پر مشتمل ہے۔ اللہ کے فضل سے وہ کامل ہوگئی ہے۔ وہ چار جلدوں میں ہے۔ میں نے اس کا نام ترجمان القرآن رکھا ہے۔''

ترجمان القرآن کا اختصار خود سیوطی نے الدر المنثور کے نام سے کیا ہے۔ اسانید کو حذف کر کے صرف متن پر اکتفا کیا ہے۔ اور جس کتاب سے روایت لی اس کا ذکر کیا ہے (۱۲۳) سیوطی نے ''الاتقان'' میں ایک تفسیر المسمی مجمع البحرین و مطلع البدرین کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ''الاتقان'' کو مقدمہ قرار دیا ہے (۱۲۴) اس میں رائے کو بالکل بھی دخل حاصل نہیں۔ سیوطی حاطب لیل ہیں۔ اس لیے صحت کا التزام کم ہی کیا ہے۔ تفسیر درمنثور سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

## ۱۰۔ فتح القدیر:

محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر سے قبل ہی قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر بڑے بڑے شیوخ سے ملے (۱۲۵) آپ نے ان علماء سے بہت سی کتابیں پڑھیں۔ جن میں صحیحین، علم المصطلح، اصول فقہ اور بحر ذخار بغیرہ شامل ہیں۔ شیخ عبدالقادر بن احمد سے الصحیحین پڑھیں (۱۲۶) جب آپ خود پڑھتے تھے تو ساتھ پڑھاتے بھی تھے۔ بعض کتب تراجم والے آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، مورخ، ادیب، نحوی، منطقی، متکلم اور حکیم تھے (۱۲۷) آپ نے تقلید، بدعات و خرافات اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر قلم اٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں:

فقد سلط الله علىٰ اهله من عدهم عقوبة لهم حيث لم ينتهوا عن المنكرات ولـم يـحرصوا علىٰ العمل بالشريعة المطهرة كما وقع من تسليط الخوارج ثم تسليط القرامطه والباطنية ثم تسليط الترك والفرنج ونحوهم (۱۲۸)

''جب یہ لوگ برے کاموں سے نہ رکتے تھے اور نہ شریعت مطہرہ پر عمل کرتے تھے تو ان کو سزا دینے کے لیے ان پر اللہ نے دشمن مسلط کر دیئے۔ خارجی مسلط ہوئے۔ پھر قرامطہ مسلط ہو گئے اور باطنیہ فرقے کے لوگ مسلط ہوئے۔ پھر اور فرنگی قسم کے لوگ مسلط ہو گئے۔''

آپ نے اصلاح عقیدہ پر بہت سی کتب تصنیف کیں۔ آپ کی غیر مطبوعہ ۱۸۹ کتب اور مطبوعہ اڑتیس کا پتہ چلتا ہے۔ (۱۲۹)۔ آپ کا انتقال ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں ہوا (۱۳۰)۔

امام شوکانی اپنی تفسیر میں عام طور پر یہ انداز اختیار کرتے ہیں:

(۱) فضائل سور (۲) القرأۃ (۳) الفقہ (۴) الاعراب (۵) اسباب نزول (۶) الناسخ والنسخ (۷) المعنی الاجمالی (۸) الاحکام المستنبطہ من الآیۃ (۹) الاحادیث النبویہ والآثار الصحابہ۔ (۱۳۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق ان کا سلف الصالح ہی کا مذہب ہے (۱۳۲)۔ امام شوکانی چونکہ متاخرین

Marfat.com

میں سے ہیں اس لیے اپنی تفسیر میں دیگر تفاسیر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ معتزلہ میں سے زمخشری کا ذکر کرکے اس کا رد کرتے ہیں۔ انھوں نے اس میں جن تفاسیر کو سامنے رکھا ہے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں: تفسیر الطبریٰ (م ۳۱۰ھ/۹۲۲ء) تفسیر ابن عطیہ (م ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء) تفسیر القرطبی (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء) تفسیر ابن کثیر (م ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) تفسیر ابی حیان (م ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء) الدر المنثور للسیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) (۱۳۳)

امام شوکانی حضرت علی کے فضائل بعض ضعیف احادیث سے بیان کرکے خاموش ہو جاتے ہیں۔ شاید یہ مصلحت کا تقاضا تھا (۱۳۴) مجموعی طور پر تفسیر فتح القدیر قدیم و جدید نظریات کا اچھا نمونہ ہے۔

## تفسیر بالرائے:

محمد حسین الذہبی فرماتے ہیں:

یطلق الرأی علی الاعتقاد و علیٰ الاجتهاد وعلیٰ القیاس ومنه اصحاب الرأی ای اصحاب القیاس

''رائے کے لفظ کا استعمال اعتقاد، اجتہاد اور قیاس کے لیے ہوتا ہے۔ اسی سے اصحاب الرای کا لفظ مستعمل ہے۔ یعنی اصحاب القیاس۔''

تفسیر بالرای سے مراد قرآن کی اجتہاد سے تفسیر بیان کرنا ہے۔ (۱۳۵) بعض نے تفسیر بالرائی سے مراد ایسی تفسیر لی ہے جس میں مفسر قرآن بیان معنی میں اپنے فہم خاص اور مجرد رائے سے استنباط کرتا ہے (۱۳۶)۔ ان دونوں طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے اور قیاس کو اگر شریعت کے تابع رکھنا جائے تو اس سے شریعت کی روح متاثر نہیں ہوتی۔ اور فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر رائے اور اجتہاد کو غلط طور پر استعمال کیا جائے تو یہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔ اس کو اہل علم نے تفسیر بالرائی محمود اور تفسیر بالرائی مذموم قرار دیا ہے (۱۳۷)

مشہور جرمن نو مسلم احمد ون ڈنفر نے تفسیر بالرأی کی اس طرح وضاحت کی ہے:

Tafsir-bi-e-ray is not based directly on transmission of knowledge by the predecessor, but on the use of reason and ijtihad (138)

(تفسیر بالرائی کی بنیاد علم کی روایت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں عقل اور اجتہاد کا استعمال ہوتا ہے)

ایسی تفسیر جو اپنی مرضی سے کی جائے جس میں محض رائے ہو رسول اللہ ﷺ نے ناجائز قرار دی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (۱۳۹)

''جس نے اپنی مرضی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔''

دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا:

Marfat.com

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار (۱٤۰)

''جس نے قرآن مجید کے متعلق علم کے بغیر بیان کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔''

اس قسم کی تفاسیر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے بیان کی ہیں۔ اگر تفسیر بالرائی کو غور وفکر سے بیان کیا جائے تو یہ دین کی خدمت ہے اور ملحدین کے جواب بھی ان میں آتے ہیں۔ جدید علوم وفنون کے ذریعے جو نئے نئے موضوعات سامنے آئے اس مکتب فکر کے حامل لوگوں نے ان کو اپنا موضوع بنایا۔ اور ایک متوازن نظریہ پیش کیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی اس گروہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ اصحاب الرائی کی خدمت کا دائرہ بھی خاصا وسیع اور قابل قدر ہے۔ اس گروہ نے قرآن وسنت کے فقہی مضمرات کی نشاندہی کی۔ فکری اور کلامی نکتہ سنجیوں کو نکھارا۔ اور تعبیر وتشریح کے دائروں میں وسعت وعمق پیدا کیا۔ یہ اسی گروہ کا فیضان ہے کہ اسلام ایک مکمل اور منضبط نظریہ حیات کی شکل میں مدون ہوا (۱۴۱)۔

امام ابن تیمیہ کا ارشاد اس سلسلے میں نہایت مفید ہے:

فھذه الاثار الصحیحة وما شاکلها عن آئمة السلف محمولة علی تحرجهم عن الکلام فی التفسیر بما لا علم لهم به فاما من تکلم بما یعلم من ذلک لغة و شرعا فلا حرج علیه (۱٤۲)۔

''آئمہ سلف سے یہ آثار صحیحہ جو منقول ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تفسیر بیان کرنے میں حرج ہے جو علم کے بغیر بیان کی گئی ہو۔ جہاں تک لغت اور شریعت پر مبنی تفسیر کا تعلق ہے اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

## تفسیر بالرائے کی مشہور کتب:

مناع القطان نے درج ذیل کتب کو اس زمرہ میں شمار کیا ہے (۱۴۳)

① تفسیر ابی بکر عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم (م ۲۴۰ھ/۸۵۴ء)

② تفسیر محمد بن عبدالوہاب (م ۳۰۳ھ/۹۱۵ء) (۱۴۴)

③ تفسیر قاضی عبدالجبار (م ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء) (۱۴۵)

④ تفسیر الکشاف، جاراللہ محمود زمخشری (م ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء)

⑤ مفاتیح الغیب، فخر الدین ابو عبداللہ محمد الرازی (م ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء)

⑥ تفسیر ابن فورک (مشہور متکلم) (۱۴۶)

⑦ الجامع لاحکام القرآن، ابو عبداللہ محمد القرطبی (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء)

⑧ انوار التنزیل واسرار التاویل، عبداللہ بن عمر (م ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء)

Marfat.com

⑨ مدارک التنزیل، عبداللہ بن احمد النسفی (م ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء)

⑩ لباب التاویل، علاؤ الدین ابوالحسن علی (م ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء)

⑪ البحر المحیط، ابوعبداللہ محمد (م ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء)

⑫ غرائب القرآن، نظام الدین حسن (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) (۱۴۷)

⑬ تفسیر الجلالین، جلال الدین محلی (م ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء) جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

⑭ السراج المنیر، شمس الدین محمد الشربینی (م ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء) (۱۴۸)

⑮ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، ابوالسعود (م ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء)

⑯ روح المعانی، محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

ان میں سے بعض کتب اور ان کے مؤلفین کا تعارف درج ذیل ہے:

## ۱۔ تفسیر قاضی عبدالجبار المعروف تنزیہ القرآن عن المطاعن:

قاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد فرقہ معتزلہ کے شیخ تھے۔ ان کے اساتذہ میں ابوالحسن بن سلمہ اور عبدالجبار بن جعفر شامل ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ابوالقاسم علی بن الحسن التنوخی، الحسن بن علی العمری الفقیہ اور ابومحمد عبدالسلام القزوینی المفسر المعتزلی بہت مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء میں ہوئی (۱۴۹)۔

اس کتاب کے متعلق محمد حسین الذہبی کہتے ہیں۔ اس میں سورہ الحمد تا والناس تک بیان ہے۔ لیکن ہر آیت کی تشریح نہیں ہے۔ بلکہ یہ مختلف مسائل پر مبنی ہے۔ بعض اوقات خود سوال کر کے ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اس میں نحوی مسائل ہیں۔ پوری کتاب میں زیادہ تر توجہ اپنے معتزلی عقائد کی صداقت پر صرف کی گئی ہے۔ بعض اوقات غیر مسلموں کے سوالات کے جواب بھی آجاتے ہیں۔ معتزلہ کے عقائد میں سے ایک اہم بات آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کا انکار ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت لِّلَّذِيْنَ أَحْسَنُواْ الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ (۱۵۰) (جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید ہے) میں مزید سے مراد رویت باری تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے لیکن قاضی صاحب کے مطابق مزید سے مراد ثواب میں اضافہ ہے۔ اس لیے اس آیت میں وہ روایت خداوندی مراد نہیں لیتے کیونکہ روایت خداوندی ان کے مطابق (اہل سنت) کے ہاں ہر قسم کے اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے۔ پھر اس کے ذریعے الحسنی پر اضافہ کیسے ممکن ہے (۱۵۱)

## ۲۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل:

ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری اللغوی ۴۶۷ھ/۱۰۵۵ء میں زمخشر میں جو کہ خوارزم کی ایک بستی ہے، پیدا ہوئے (۱۵۲) یاقوت حموی نے بھی زمخشر کی بستی کی طرف ان کی نسبت کا ذکر کیا ہے (۱۵۳) سیوطی فرماتے ہیں:

Marfat.com

جار اللہ کی وجہ تسمیہ ایک مدت تک مکہ مکرمہ میں ان کا قیام ہے۔ ان کے اساتذہ میں سے ابوالخطاب بن البطر ہیں اور شاگردوں میں سے السّلفی اور زینب الشعریۃ بہت مشہور ہیں۔ نحوی، لغوی، متکلم اور مفسر تھے۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ ان کا انتقال ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء میں ہوا (۱۵۴) ابن خلکان فرماتے ہیں کہ اپنے وقت کے معتزلہ کے امام تھے۔ اعتزال کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس کے داعی تھے (۱۵۵)

زمخشری نے اپنی تفسیر میں معتزلی عقائد پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ ان کی کتاب لغت، ادب اور بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق اس کی تکمیل ۵۲۸ھ/۱۱۳۳ء میں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ زمخشری کو اپنی تفسیر پر ناز تھا وہ (زمخشری) خود یہ اشعار دہرایا کرتے تھے:

ان التفاسير فی الدنيا بلا عدد
وليس فيها لعمری مثل كشافی
ان كنت تبغی الهدیٰ فالزم قرأته
فالجهل كالداء والكشاف كالشاف (١٥٦)

''دنیا میں بے شمار تفاسیر ہیں۔ مگر میری زندگی کی قسم کشاف جیسی کوئی نہیں۔ اگر آپ ہدایت کی طلب میں ہیں تو اسے پڑھتے رہیں کیونکہ جہالت ایک بیماری ہے جس سے کشاف شفا دیتی ہے۔''

محمد حسین الذہبی فرماتے ہیں اگر اعتزال سے صرف نظر کر لیا جائے تو الکشاف سب پر سبقت لے جائے گی اور زمخشری جیسا کوئی آدمی نہیں جو قرآن کے جمال اور اس کے سحر بلاغت سے نقاب الٹ سکے۔ اس نے لغت عرب اور اشعار کا بھی خیال رکھا ہے (۱۵۷) الذہبی نے اپنی کتاب میں ابن بشکوال، حیدر الھروی، ابوحیان صاحب تفسیر بحر المحیط، ابن خلدون اور السبکی وغیرہ کے تعریفی کلمات الکشاف کے متعلق قلمبند کیے ہیں۔ لیکن وہ ان کے نظریہ اعتزال پر تنقید کرتے ہیں (۱۵۸) قاضی احمد بن محمد بن منصور المنیرۃ المالکی (م ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء) نے کشاف پر حاشیہ لکھا جس میں انھوں نے کشاف میں موجود معتزلی عقائد کا رد کیا ہے (۱۵۹) ان تمام باتوں کے باوجود اس کتاب کی درج ذیل خوبیاں بیان کی جاسکتی ہیں: (۱) حشو و زوائد سے خالی ہے (۲) قصص و اسرائیلیات میں بہت کمی ہے (۳) بیان معانی میں لغت عرب اور ان کے اسلوب کا خیال رکھا گیا ہے (۴) اس کتاب میں علم معانی، بیان اور بلاغت کے بڑے نکتے بیان کیے گئے ہیں (۱۶۰)

## ۳۔ تفسیر مفاتیح الغیب:

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین بن علی فخر الدین الرازی ۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء میں پیدا ہوئے (۱۶۱)۔ انھوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ کمال السمعانی اور المجد الجیلی سے علم حاصل کیا (۱۶۲) السیوطی نے انہیں محی السنہ البغوی کے تلامذہ میں شمار کیا ہے (۱۶۳) جو کہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ محی السنہ البغوی کی وفات

Marfat.com

۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں ہوئی (۱۶۴) رازی کی پیدائش سے بھی قبل ہوگئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی غلطی سیوطی سے کیسے ہوئی، کہ ایک کی وفات ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں لکھ کر اور دوسرے کی پیدائش ۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء میں لکھ کر اسے اس کا شاگرد قرار دیا گیا۔ یہ بڑے مشہور متکلم ہیں۔ ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں:

ونسیج وحدہ ، شھرتہ تغنی عن استقصاء فضائلہ وتصانیفہ فی علم الکلام والمعقولات سائرۃ ولہ التفسیر الکبیر والمحصول فی اصول الفقہ وشرح الاسماء الحسنی وشرح المفصل للزمخشری وشرح الوجیز للغزالی وشرح سقط الزند لابی العلاء المعری (۱۶۵)

''اپنی طرز کے منفرد آدمی تھے۔ ان کی شہرت ان کے فضائل شمار کرنے سے مستغنی کر دیتی ہے۔ علم کلام اور معقولات میں ان کی تصانیف معروف ہیں۔ ان میں سے تفسیر کبیر، اصول فقہ میں المحصول، شرح الاسماء الحسنی، شرح المفصل للزمخشری، شرح وجیز للغزالی اور شرح سقط الزند لابی العلا المعری معروف ہیں۔''

ان کی وفات ۶۰۶ھ/۱۲۰۷ء میں ہوئی (۱۶۶) ابن قنفذ نے ان کی وفات ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء لکھی ہے۔ جس کی تردید ان کی کتاب کے محقق نے ہی کر دی ہے (۱۶۷)

تفسیر کبیر میں امام رازی نے ربط آیات کا خیال رکھا ہے۔ علم کلام کے مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔ فلاسفہ کے اقوال نقل کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں۔ معتزلہ کے عقائد پر بھی بحث کی گئی ہے۔ مخالفین کے اعتراضات بڑی صراحت سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات جواب کافی وشافی نہیں ہوتا (۱۶۸) اس لیے ان کی تفسیر کے متعلق حاجی خلیفہ فرماتے ہیں: امام رازی نے اپنی تفسیر کو حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا پلندہ بنا دیا ہے۔ وہ تفسیر سے اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ قاری اس کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں گم ہو جاتا ہے (۱۶۹)۔ ابوحیان کہتے ہیں کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بے شمار غیر ضروری باتوں کو یکجا کر دیا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس میں تفسیر کے بہت سے علمی نکات ہیں۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ تفسیر کبیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے (۱۷۰)۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس کتاب میں تفسیر بھی ہے تو بعض علمی نکات بھی ہیں۔ البتہ فلسفہ کے بعض مسائل ہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر کو مکمل نہ کر سکے۔ اس کی تکمیل شہاب الدین بن خلیل الدمشقی (۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء) اور نجم الدین احمد بن محمد (۷۲۹ھ/۱۳۲۸ء) نے کی (۱۷۱) تفسیر کبیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یونانی علوم نے کس طرح مسلمانوں کے عقائد پر اثر ڈالا اور مسلمانوں نے کس انداز سے ان کو جواب دیا۔ امام رازی نے اپنے دور کے عقلی رجحانات سے بھی خوب پردہ اٹھایا ہے۔

### ۴۔ الجامع لاحکام القرآن:

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری خزرجی اندلس کے رہائشی تھے۔ آپ بڑے عابد وزاہد آدمی تھے۔ آپ کے

Marfat.com

اساتذہ میں ابوالعباس بن عمر قرطبی مولف المفہم فی شرح مسلم اور مشہور محدث ابوعلی حسن بن محمد البکری شامل ہیں (۱۷۲)۔ آپ کی کتب میں تفسیر کے علاوہ شرح الاسلام الحسنی، کتاب التذکار فی افضل الاذکار اور کتاب التذکرۃ باموار الاخرۃ شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء میں ہوئی (۱۷۳)۔

ان کی کتاب کے متعلق ابن فرحون فرماتے ہیں کہ یہ بڑی نفع بخش تفسیر ہے۔ اس میں قصص اور روایات نہیں ہیں۔ مؤلف اسباب نزول، اقسام قرات اور اعراب پر بحث کرتا ہے۔ لغت اور اشعار عرب کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ اور ناسخ و منسوخ پر تبصرہ کرتا ہے (۱۷۴) قرطبی اپنی تفسیر میں صوفیاء، معتزلہ، قدریہ، روافض اور فلاسفہ پر بہت تنقید کرتے ہیں۔ اسرائیلی واقعات کا تذکرہ کم ہی کرتے ہیں۔ الطبری اور ابن عطیہ جیسے مفسرین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ احکام سے متعلقہ آیات پر تفصیل سے دلائل بیان کرتے ہیں (۱۷۵)

## ۵۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی:

ابوالخیر ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی الشافعی ایران میں شیراز کی ایک بستی البیضاء سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ شیراز کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر کے علاوہ المنہاج و شرحہ فی اصول الفقہ، کتاب الطوالع فی اصول الدین اور مختصر الوسیط فی الفقہ شامل ہیں۔ ان کی وفات ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں ہوئی۔ الاسنوی نے ان کی وفات ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء لکھی ہے (۱۷۶)

تفسیر بیضاوی مطبوع ہے۔ یہ الکشاف کا اختصار ہے۔ لیکن اس میں الکشاف کے معتزلی نظریات کی تردید اور اہل سنت کے عقائد کا اثبات ہے۔ لیکن بعض اوقات بیضاوی بھی صاحب کشاف کی پیروی میں بہ جاتے ہیں جو اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہوتا ہے۔ ایک تو سورتوں کے فضائل میں وہی موضوع احادیث بیان کر دیں اور دوسرے جن کے اثر نہ کرنے کی بات کی ہے، یہ بھی ہو بہو زمخشری کی نقل ہے (۱۷۷)۔ بیضاوی جیسے فاضل عالم سے اس بات کی توقع نہ تھی۔ حاجی خلیفہ فرماتے ہیں کہ اس تفسیر میں اعراب اور معانی تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔ حکمت و کلام سے وابستہ معلوم تفسیر کبیر سے لی گئی ہیں۔ اشتقاق سے متعلقہ مسائل راغب اصفہانی سے لیے ہیں۔ جب کہ نکات بیضاوی نے اپنی فکر سے اختراع کیے ہیں (۱۷۸)۔ اس کتاب کے ۴۰ سے زیادہ حواشی ہیں جن میں سے مشہور ترین تین ہیں۔ (۱) حاشیہ قاضی زادۃ (۲) حاشیہ الخفاجی (۳) حاشیہ القونوی (۱۷۹)۔ اس کتاب کا مطالعہ قرآن مجید کی صحیح تفہیم کے لیے بہت مفید ہے۔

## ۶۔ مدارک التنزیل و حقائق التاویل المعروف تفسیر النسفی:

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی بہت مشہور عالم تھے (۱۸۰) ان کے اساتذہ میں سے محمد بن عبدالستار الکردی اور احمد بن محمد العتابی بہت معروف ہیں (۱۸۱) تفسیر کے علاوہ متن الوافی فی الفروع، الکافی شرح

Marfat.com

الوافی، کنز الدقائق فی الفقہ، المنار فی اصول الفقہ اور العمدۃ فی اصول الدین کے مولف ہیں (۱۸۲) نسفی کی نسبت نسف کے شہر کی طرف ہے۔ جو جیحون اور سمرقند کے درمیان واقع ہے (۱۸۳) آپ کی وفات ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء میں ہوئی۔ عبدالحئی لکھنوی نے ان کی وفات ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء لکھی ہے (۱۸۴)

یہ کتاب الکشاف اور تفسیر بیضاوی کا اختصار ہے۔ اس میں بہت عمدہ اضافے ہیں اور معتزلہ کے عقائد کی بہت اچھے انداز سے تردید کی گئی ہے۔ اس میں علم بلاغت کے نکتے، علم قرات، وجوہ اعراب اور اہل سنت کے صحیح نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ فقہ کے مسائل اور نحو کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسرائیلی روایات بہت کم ہیں (۱۸۵) بلکہ بعض اوقات ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ (۱۸۶)

''ہم نے سلیمان علیہ السلام کو امتحان میں ڈالا اور ان کی کرسی پر ایک جسم کو ڈال دیا۔ پھر انھوں نے رجوع کیا۔''

نقل کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

واما ما روی من حديث الخاتم والشيطان وعبادة الوثن فی بيت سليمان عليه السلام فمن اباطيل اليهود (۱۸۷)

''حدیث خاتم شیطان اور سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت کی پوجا وغیرہ کے افسانے یہود کی اباطیل میں سے ہیں۔''

اسی طرح آیت: مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ (۱۸۸) (جس سے وہ خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں)۔ پر تبصرہ فرماتے ہیں:

وللسحر حقيقة عند اهل السنه كثر هم الله وعند المعتزله هو تخييل وتمويه

''اہل سنت کے مطابق جادو ایک حقیقت ہے۔ جبکہ معتزلہ اسے محض خیال اور جھوٹ تصور کرتے ہیں۔''

## ۷۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن:

علاؤ الدین ابوالحسن علی بن محمد بغدادی المعروف خازن بغداد میں ۶۷۸ھ/۱۲۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ خازن کی وجہ تسمیہ دمشق کے ایک کتب خانے میں بطور خازن کام کرنا ہے۔ (۱۸۹) بغداد میں ابن الدوالیبی سے اور دمشق میں آکر القاسم بن مظفر اور وزیرہ بنت عمر بن شرف تلمذ حاصل کیا (۱۹۰) ان کی تصانیف تفسیر کے علاوہ شرح عمدہ الاحکام اور مقبول المنقول ہیں۔ ان کی وفات ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء میں حلب میں ہوئی (۱۹۱)

ان کی تفسیر معالم التنزیل للبغوی کا اختصار ہے۔ اور اس میں انھوں نے بعض اضافے بھی کیے ہیں۔ جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

Marfat.com

لما كان هذا الكتاب كما وصفت احببت ان انتخب من غرر فوائده و درر فرائده۔ متضمنا لنكته واصوله مع فوائد نقلتها وفرائد لخصتها من كتب التفسير المصنفة (۱۹۲)

''جب یہ کتاب (معالم التنزیل) اسی طرح ہے جس طرح میں نے بیان کیا۔ میں نے پسند کیا کہ اس کے عمدہ فوائد اور نایاب موتیوں کا انتخاب کروں جو اس کے نکات و اصول کو اپنے اندر سمو لے۔ اور اس کے ساتھ میں نے بھی کتب تفاسیر سے فوائد اور نایاب چیزوں کو نقل کیا ہے۔''

ان کی کتاب میں بعض اسرائیلی روایات بھی ہیں۔ جن پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔ مثلاً آیت إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَداً (۱۹۳) (جب نوجوانوں نے غار میں پناہ لے لی۔ انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے معاملے میں بھی بہتری دے) کی تشریح کرتے ہوئے عجیب واقعات نقل کیے ہیں۔ جن کی صحت و سقم کا بالکل علم نہیں۔ بلکہ محض اسرائیلی روایات ہیں۔ اور پھر ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔ (۱۹۴) تفسیر خازن میں تاریخی واقعات اور فقہی مسائل ہیں۔ اور اس میں دعوت دین کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے (۱۹۵)۔

## ۸۔ البحر المحیط المعروف تفسیر ابی حیان:

اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف غرناطی المعروف ابوحیان ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں پیدا ہوئے (۱۹۶)۔ ان کے اساتذہ میں سے مشہور عبدالنصر بن علی المریوطی، ابوطاہر اسماعیل بن عبداللہ الملیجی اور شیخ بہاؤ الدین بن النحاس ہیں۔ خود فرماتے ہیں ''میں نے چار سو پچاس اشخاص سے علم حاصل کیا'' (۱۹۷) آپ عظیم شاعر اور لغوی تھے۔ صرف و نحو میں یکتائے روزگار تھے۔ تفسیر، حدیث اور تراجم رجال میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر کے علاوہ غریب القرآن، شرح، التسہیل، نہایۃ الاعراب اور خلاصۃ البیان شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء میں ہوئی (۱۹۸)

مؤلف مفردات کے معانی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور صرف و نحو کے علمی نکات پر بڑی بحثیں کرتے ہیں۔ اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور مختلف قراتوں کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ قرآن کے بلاغی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ فقہی مسائل سے بھی اعتراض نہیں برتتے۔ اور آئمہ سلف کے مذہب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ (۱۹۹)۔

اس کتاب کا اختصار ان کے شاگرد تاج الدین احمد بن عبدالقادر نے (م ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء) لکھا۔ جو کہ بحر المحیط کے ساتھ ہی شائع ہوا ہے (۲۰۰) معتزلہ کے رد میں بہت لکھا ہے۔ اور زمخشری پر بڑی تنقید کی ہے۔ بلکہ بعض اوقات اعتزال کا بہت مذاق اڑاتے ہیں (۲۰۱)

Marfat.com

## ۹۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان:

نظام الدین الحسن محمد بن الحسین القمی الخراسانی نیشاپوری المعروف النظام العرج نیشاپور کے شہر قم میں پیدا ہوئے (۲۰۲)۔عربی زبان، علوم عقلیہ، ادب وانشاء اور علم تفسیر وتاویل میں عظیم مرتبہ کے حامل تھے (۲۰۳)۔ عابد وزاہد تھے۔تصوف سے خاص شغف تھا۔ان کی تصانیف یہ ہیں۔تفسیر قرآن، شرح شافعیہ ابن حاجب، شرح تذکرۃ خواجہ نصیر الدین طوسی (علم ہئیت میں ہے) رسائل فی علم الحساب، کتاب اوقاف القرآن (۲۰۴) ان کی وفات کا صحیح علم نہیں بعض نے تفسیر کا اختتام ۸۵۰ھ میں بتایا ہے۔اسی لحاظ سے نویں صدی کے عالم ہیں۔بعض نے وفات ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء لکھی ہے (۲۰۵)

اس تفسیر میں مختلف فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ربط آیات بیان کرتے ہیں۔یہ ربط انھوں نے تفسیر کبیر سے لیا ہے۔پھر بڑے اچھوتے انداز سے معانی ومطالب بیان کرتے ہیں۔فقہی مسائل پر بھی بحث کرتے ہیں۔ علم کلام کے مسائل کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور مخالفین کے دلائل کی تردید کرتے ہیں۔اس تفسیر میں تصوف کا عنصر بھی ہے۔ان کی طرف شیعہ ہونے کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مذہب شیعہ کی تردید کرتے ہیں۔تفسیر کی علمی قدر وقیمت بہت زیادہ ہے (۲۰۶)۔

## ۱۰۔ تفسیر الجلالین:

جلال الدین سیوطی پر تفسیر الدر المنثور کے ذکر میں کلام ہو چکا ہے۔جلال الدین محمد بن احمد بن محمد ابراہیم المحلی الشافعی ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء میں مصر میں پیدا ہوئے (۲۰۷) آپ نے بدر محمود الاقصرائی، برہان، ہجوری، الشمس البیاطی اور علاء البخاری سے علم حاصل کیا (۲۰۸) علم منقول ومعقول میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ان کی تصانیف میں سے شرح جمع الجوامع فی الاصول، شرح المنہاج فی فقہ الشافعیہ، شرح الورقات فی الاصول اور یہ تفسیر مشہور ہیں۔آپ کی وفات ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء میں ہوئی (۲۰۹)۔

تفسیر جلالین کی وجہ تسمیہ اس کی دو علماء کے ہاتھوں تکمیل ہے۔جن دونوں کے نام جلال الدین تھے۔ المحلی نے الکہف سے والناس تک تفسیر لکھی۔اور الفاتحہ سے شروع کی۔فاتحہ سے سورہ الاسراء تک لکھنے کا ارادہ تھا لیکن فرشتہ اجل کو لبیک کہہ دیا۔پھر سورہ البقرہ سے اسراء تک السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے لکھی۔اس طرح یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔(۲۱۰)

یہ تفسیر نہایت جامع اور مختصر ہے۔اس کتاب پر مختلف حاشیے لکھے گئے ہیں جن میں حاشیہ الجمل اور حاشیہ الصاوی بہت مشہور ہیں۔ایک حاشیہ قبس النیرین شمس الدین محمد بن العلقمی نے ۹۵۲ھ میں لکھا ہے اور ایک الجمالین جسے نور الدین علی بن سلطان محمد القاری نے ۱۰۱۰ھ میں لکھا (۲۱۱) حاشیہ کمالین کتاب کے ساتھ مطبوع ہے۔

Marfat.com

## ۱۱۔ السراج المنیر :

شمس الدین محمد بن محمد الشربینی الشافعی الخطیب قاہرہ کے ساکن تھے (۲۱۲)۔ انھوں نے شیخ احمد البرلسی، النور المحلی، البدر المشہدی اور الشہاب الرملی سے کسب فیض کیا (۲۱۳) آپ بہت متقی اور شب زندہ دار آدمی تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح المنہاج، شرح کتاب التنبیہ اور یہ تفسیر جس کا اصل نام السراج المنیر فی الاعانۃ علی معرفۃ بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر ہے۔ بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں وفات پائی (۲۱۴)۔

یہ تفسیر نہایت سہل الفہم اور معتدل ہے یعنی نہ طویل اور نہ ہی بالکل مختصر۔ اس تفسیر میں صحیح اور حسن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ابن جریر الطبری، زمخشری، اور بیضاوی کی روایت کردہ بعض ضعیف حدیثوں کو بھی ہدف تنقید بنایا گیا ہے (۲۱۵)۔ مولف تفسیری نکات بیان کرتے ہیں۔ بعض فقہی مسائل پر بطور ضرورت تبصرہ فرماتے ہیں۔ بعض اوقات اسرائیلی روایات بھی بغیر تبصرہ نقل فرما دیتے ہیں مولف نے تفسیر الرازی سے بہت استفادہ کیا ہے (۲۱۶)۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔ قدیم تفسیروں کو اچھے انداز سے جمع کیا گیا ہے۔

## ۱۲۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم :

ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں ۸۹۳ھ/۱۴۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانا علمی تھا۔ والد صاحب اور دیگر اکابر سے کسب فیض کیا۔ ۹۵۲ھ/۱۵۴۵ء میں مسند افتاء پر متمکن ہوئے۔ ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ اور حضرت ابوایوب انصاری کے پہلو میں دفن ہوئے (۲۱۷)

یہ تفسیر ابی السعود کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس میں بلاغت کے ایسے نکتے بیان کیے گئے ہیں جو پہلے کسی نے بیان نہ کیے تھے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اس سے استفادہ کیا۔ مؤلف کتاب الکشاف اور بیضاوی کا بہت ذکر کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ تفسیریں اسکے زیر مطالعہ رہیں (۲۱۸) انھوں نے اہل سنت کے طریقے کے مطابق تفسیر لکھی۔ اعتزال سے الگ رہے۔ لیکن الکشاف اور بیضاوی کی وضعی روایات فضائل السور میں بیان کی ہیں۔ جو کہ بالاتفاق موضوع ہیں۔ مؤلف قراءت کا خیال رکھتا ہے۔ اسرائیلی روایات کم بیان کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کلبی جیسے کذاب راویوں کی روایات کو بھی تفسیر میں جگہ دیتا ہے۔ بعض فقہی مسائل کو بھی زیر بحث لاتا ہے۔ (۲۱۹) بسم اللہ کے متعلق بحث کرتا ہے کہ یہ ہر سورت کا حصہ ہے یا نہیں اور سورہ الفاتحہ کی دیگر آیتوں کی طرح ایک مستقل آیت ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام، امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل اور حنفیہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (۲۲۰)

## ۱۳۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی :

ابوالثناء شہاب الدین محمود آفندی آلوسی بغدادی، بغداد کے محلہ کرخ میں ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں پیدا

Marfat.com

ہوئے۔(۲۲۱) تعلیمی سلسلے میں اپنے والد محترم، الشیخ خالد النقشبندی اور الشیخ علی السویدی سے منسلک رہے۔(۲۲۲) علم کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ اکثر یہ شعر پڑھتے:

سهري لتنقيح العلوم الذلي
من وصل غانية وطيب عناق (۲۲۳)

''علم کی نوک پلک سنوارنے کے لیے میری بیداری مجھے خوبصورت اور عطر بیز مغنیاؤں کی ملاقات سے بہتر محسوس ہوتی ہے۔''

شافعی المسلک تھے۔ بعض مسائل میں حنفی فقہ کی طرف رجحان رکھتے۔ آخری عمر میں اجتہاد کی طرف میلان ہوگیا۔ ان کی تصانیف میں سے یہ زیادہ مشہور ہیں: تفسیر روح المعانی، حاشیہ علی القطر، شرح المسلم فی المنطق اور الفوائد السنیہ فی علم آداب البحث۔ ان کی وفات ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں ہوئی (۲۲۴)۔

یہ تفسیر تمام قدیم تفسیروں سے استفادہ کر کے لکھی گئی ہے اس میں ابن عطیہ، تفسیر ابی حیان، تفسیر الکشاف، تفسیر ابی السعود، تفسیر البیضاوی اور تفسیر الرازی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو بعد میں ان پر تنقید بھی کرتے ہیں اور اپنی رائے کا آزادی سے اظہار کرتے ہیں (۲۲۵)۔ یہ تفسیر اہل سنت کے مذہب کی ترجمان ہے اور معتزلی عقائد کی تردید میں ہے۔ اس میں حکمت کے مسائل بھی ہیں۔ نحوی مسائل اور فقہی باتوں کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسرائیلی روایات اور موضوع احادیث پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ قرات کا بھی ذکر ہے اور اسباب نزول کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات صوفیہ کے باطنی معانی بھی بیان کرتے ہیں (۲۲۶) سورہ الدخان کی آیت: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ (۲۲۷) (ہم نے اسے بابرکت رات میں نازل کیا) کے تحت شب برات کی فضیلت میں بعض روایات نقل کی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی موضوع روایات پر تنقید بھی کی ہے۔ ایک روایت نقل کی ہے کہ اس میں ایک خاص نماز کا ثواب ۲۰ سال کے حج مبرور اور ۲۰ سال کے مقبول روزوں کے برابر ملتا ہے۔ فرماتے ہیں امام بیہقی نے اسے بیان کر کے فرمایا ہے کہ یہ موضوع اور منکر روایت ہے۔ اس کے بعض رواۃ مجہول ہیں۔ پھر تفسیر بحر المحیط سے ابوبکر بن العربی کا قول نقل کیا ہے:

لا يصح فيها شيئي (۲۲۸)

''اس روایت کے متعلق کوئی چیز بھی درست نہیں۔''

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص:۳۴۷، محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۱۵۳، ۱۵۴، عبدالعظیم معانی، احکام من القرآن والسنہ، ص:۱۱، محمد حنیف ندوی، مطالعہ قرآن، ص:۲۸۳۔

۲۔ البقرہ (۲):۳۷۔

۳۔ الاعراف (۷):۳۴۔

۴۔ الدخان (۴۴):۳۔

۵۔ القدر (۹۷):۱۔

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲/۱۸۶۔

۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸/۵۱۳-۵۱۶۔

۸۔ ایضاً، ۳۷۵، تفسیر سورہ الرعد ۱۳۔

۹۔ ایضاً، ۲۹۱، تفسیر سورہ الانعام ۶۔

۱۰۔ الانعام (۶):۸۲۔

۱۱۔ لقمان (۳۱):۱۳، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸/۵۱۳۔

۱۲۔ النحل (۱۶):۴۴۔

۱۳۔ الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ص:۶۶۔

۱۴۔ ق (۵۶):۱۸۔

۱۵۔ عبدالعزیز، تفسیر ابن عباس، ۲/۸۱۷۔

۱۶۔ العنکبوت (۲۹):۴۸۔

۱۷۔ محمد احمد عیسوی، تفسیر ابن مسعود، ۲/۴۸۶۔

۱۸۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص:۳۵۹، ندوی، محمد حنیف، مطالعہ قرآن، ص:۲۸۴، الصابونی، التبیان علوم القرآن، ص:۱۸۵

۱۹۔ الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالہ المستطرفہ، ۴۱۔

۲۰۔ محمد حسن بن احمد، الامام الشوکانی مفسر، ۱۰۹۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ الصابونی، التبیان، ۱۸۵۔

۲۴۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون ۱/۲۲۷، احمد ون ڈنفر، علوم القرآن (انگریزی)، ص:۱۳۷۔

۲۵۔ محمد حسن، الامام الشوکانی مفسر، ۳۴۶۔

۲۶۔ ایضاً، ۱۱۸۔

۲۷۔ احمد ون ڈنفر، علوم القرآن، ۱۳۸۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ محمد حسن، الامام الشوکانی مفسر، ۳۴۶۔

۳۰۔ الصابونی، التبیان، ۱۸۵۔

۳۱۔ محمد حسن، الامام الشوکانی مفسر، ۳۵۰۔

Marfat.com

۳۲۔ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ۱۱/۹۰، ابن حجر عسقلانی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۳/۱۹۳۔
ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۲/۳۴۳۔

۳۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۸/۲۹۵۔ ۳۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱/۳۱۴، ۳۲۸، ۳۴۵۔

۳۵۔ ایضاً، ۳۱۴، ۳۲۸، ۳۳۵۔

۳۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، ۱/۱۷، الذہبی، احمد بن عثمان، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۴۰

۳۷۔ اگناز گولڈزیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ۸۶، (ترجمہ عبدالحکیم نجار)

(اس مقام پر اس مستشرق نے ابن سعد اور کتاب الاغانی کی موضوع روایات کو بیان کیا ہے۔ جبکہ ثقہ روایت کو نقل نہیں کیا۔ عام طور پر مستشرقین کا یہ انداز ہے کہ وہ اسلام پر اسی انداز سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ شخص بہت خطرناک دشمن اسلام تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے متعلق بہت ہرزہ سرائی کی ہے۔ بعد میں آنے والے شاخت اور یان بال وغیرہ اس کے خوشہ چین ہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں اس کے احادیث نبویؐ پر اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔)

۳۸۔ احمد امین، فجر الاسلام، ۲۰۱۔

۳۹۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۴۷-۷۳۔

۴۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۳۶۹، ۲/۱۰۹۷۔

۴۱۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۲۶۰۔

۴۲۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۴۰۔

۴۳۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۱۲۰-۱۲۳، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶/۳۶۶۔

۴۴۔ عبدالعزیز، تفسیر ابن عباس (مقدمہ)، ۲۱ (چاروں باتیں)

۴۵۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۶۱-۳۶۲۔

۴۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۰۷۔ ۴۷۔ ایضاً، ۱۷۷۔

۴۸۔ ایضاً، ۱۵۷، محمد الحمیری، الروض المعطار فی اخبار الاقطار، ۳۸۶۔

۴۹۔ یاقوت الحموی معجم الادباء، ۶/۴۲۴، الذہبی، تذکرۃ، ۲/۱۲۷۔

۵۰۔ سیوطی، الاتقان، ۲/۱۹۰۔ ۵۱۔ الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ۱۸۶

۵۲۔ داؤدی، طبقات المفسرین، ۱/۳۲۷، محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۲۴-۲۲۵۔

۵۳۔ حاجی خلیفہ مصطفیٰ ابن عبداللہ، کشف الظنون، ۱/۴۴۱۔

۵۴۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۲۵-۲۲۶۔

۵۵۔ محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ۱/۴۹۷۔

Marfat.com

۵۶۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۲۷۔
۵۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱/۹۷۔ ۵۸۔ یاقوت الحموی، معجم الادباء، ۵/۳۷۔
۵۹۔ ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، ۱/۱۹۴۔
۶۰۔ معجم الادباء، ۵/۳۶-۳۸، ابن العماد، شذرات الذہب، ۲/۲۳۰-۲۳۱۔
۶۱۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۶۹، الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ۱/۱۸۷۔
۶۲۔ ابن الاثیر، اللباب، ۱/۱۹۴۔
۶۳۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۲۹-۲۳۹۔
۶۴۔ معجم الادباء، ۵/۳۷۔ ۶۵۔ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ۲۲۔
۶۶۔ ابن العماد، شذرات الذہب، ۴/۴۸-۴۹، شاہ عبدالعزیز محدث، بستان المحدثین، ۱۳۶۔
۶۷۔ الحسینی، طبقات الشافعیۃ، ۲۰۱، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، (لیڈن، لندن۔ جدید ایڈیشن، ۱۹۶۰)، ۱/۸۹۴۔
۶۸۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ۲، ۱۳۶۔
۶۹۔ الحموی، معجم البلدان، ۱، ۱۳۶۔
۷۰۔ الذہبی، تذکرۃ، ۴/۵۲، ابن العماد، شذرات الذہب، ۴/۴۸، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۱۲/۱۹۳، الصفدی، الوافی بالوفیات، ۱۳/۶۳۔
۷۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۴، ۲۴۵، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۲، ۱۳۶، السبکی، طبقات الشافعیہ، ۴، ۲۱۴۔
۷۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۲، ۱۳۶۔ ۷۳۔ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین، ۱۳۶۔
۷۴۔ الذہبی، تذکرۃ، ۴/۵۲۔
۷۵۔ ابن نقطہ، کتاب التقیید، ۱/۳۰۵۔۳۰۶، ۲/۱۵۷-۱۵۸۔
۷۶۔ محمود الفارسی، اسمائے رجال المصابیح، ۲۳۔
۷۷۔ الذہبی، تذکرۃ، ۴/۵۲، السبکی، الطبقات الشافعیہ، ۴/۱۰۱۔۲۱۵۔
۷۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۲/۱۷۲۶۔ ۷۹۔ مطبوعہ القاہرہ۔
۸۰۔ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۳، (۱۶ جلد)
۸۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۱۲، ۱۹۳ (مخطوط ہے)
۸۲۔ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ۲۲۔
۸۳۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۲/۲۸۵، حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، ۲۱۵۔
۸۴۔ البغوی، معالم التنزیل، ۱/۶۰۴ (تیرہ مکمل)

Marfat.com

۸۵۔ ایضاً، ۱۵۸۔ ۸۶۔ الخازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ۱/۳۔

۸۷۔ البغوی، معالم التنزیل، ۳/۳ ۲۷۔ ۲۷۵، ۴/ ۵۶۔ ۵۸۔ (دونوں اسرائیلی روایات کی مثالیں ہیں)

۸۸۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/ ۲۳۸۔

۸۹۔ ایضاً، ۲۳۹۔ ۹۰۔ ایضاً۔

۹۱۔ ابوحیان، البحر المحیط، ۱/ ۹۔ ۹۲۔ ابن خلدون، المقدمہ، ۴۴۰۔

۹۳۔ ابوحیان، البحر المحیط، ۱/ ۱۰۔ ۹۴۔ ابن تیمیہ، الفتاویٰ، ۱۳/ ۳۶۱۔

۹۵۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۲/ ۲۴۰۔

۹۶۔ ایضاً، ۲۴۲۔ ۹۷۔ ایضاً۔

۹۸۔ ایضاً۔ ۹۹۔ الداودی، طبقات المفسرین، ۳۲۷۔

۱۰۰۔ ابن حجر، الدرر الکامنۃ، ۱/ ۳۳۷۔ ۱۰۱۔ ابن العماد، شذرات الذہب، ۶/ ۲۳۱۔

۱۰۲۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/ ۲۴۲۔

۱۰۳۔ ایضاً، ۲۴۴۔ ۱۰۴۔ البقرہ (۲): ۱۸۵۔

۱۰۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (۱) ۲۱۶، سہیل اکیڈمی لاہور۔

۱۰۶۔ الکتانی، الرسالہ المستطرفۃ، ۱۹۵۔ ۱۰۷۔ احمدون ڈنفر، علوم القرآن، ۱۳۸ (انگریزی) (گولڈزیہر کی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں۔ بلکہ ابن کثیر کو صرف ایک جگہ بطور مؤرخ ذکر کیا ہے۔ مذاہب التفسیر، ۲۰۰، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مستشرقین کے سر سبد گل کی علمی حیثیت کیا ہے)۔

۱۰۸۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱، ۲۴۷۔

۱۰۹۔ سخاوی، الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، ۴، ۱۵۲۔

۱۱۰۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرین، ۱/ ۲۴۸۔

۱۱۱۔ ایضاً، ۲۵۰۔ ۱۱۲۔ ایضاً، ۲۴۸۔ ۲۵۰۔

۱۱۳۔ الثعالبی، جواہر الحسان، ۳، ۱۵۹، بحوالہ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/ ۲۵۱۔

۱۱۴۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/ ۲۵۱۔

۱۱۵۔ ایضاً۔ ۱۱۶۔ ایضاً، ۲۵۱۔

۱۱۷۔ ایضاً، ۲۵۲۔

۱۱۸۔ طبع مطبعہ الازہر، القاہرہ، الطبعہ الثانیہ، ۱۹۲۵ء/ ۱۳۴۳ھ۔

۱۱۹۔ سیوطی، طبقات المفسرین، ۱۲۔

Marfat.com

۱۲۰۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۲۵۲/۱۔
۱۲۱۔ الکتانی، الرسالہ المستطرفہ، ۱۹۵۔
۱۲۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۳/۲۔
۱۲۳۔ سیوطی، الدر المنثور، ۲/۱، بحوالہ محمد حسین الذہبی، ۲۵۲/۱، ۲۵۳۔
۱۲۴۔ سیوطی، الاتقان، ۱۹۰/۲۔
۱۲۵۔ الشوکانی، البدر الطالع ۲، ۲۱۵، مطبعہ السعادہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔
۱۲۶۔ ایضاً، ۵۲/۱، مطبعہ الترقی، دمشق، ۱۹۶۰۔
۱۲۷۔ عمر رضا کحالہ، معجم المولفین (مطبعہ الترقی دمشق، ۱۹۶۰) ۵۳/۱
۱۲۸۔ اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین، (مطبعہ البھیۃ استنبول 1955) ۳۶۵/۲۔
۱۲۸۔ الشوکانی، الدواء العاجل، ۶۵، بحوالہ شوکانی مفسر ۶۳/۱۔
۱۲۹۔ محمد حسن بن احمد، الامام الشوکانی مفسر، ۸۲، ۹۸۔
۱۳۰۔ الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ۱۵۲۔
۱۳۱۔ الشوکانی مفسر ۱۴۹/۱۔
۱۳۲۔ الشوکانی، فتح القدیر، ۲۱۱/۲۔
۱۳۳۔ الشوکانی مفسر، ۱۰۷، ۱۱۲۔
۱۳۴۔ ایضاً، ۳۴۴-۳۲۶۔
۱۳۵۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۲۵۵/۱۔
۱۳۶۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۵۱۔
۱۳۷۔ عبدالعظیم، احکام من القرآن والسنہ، ۱۳۔
۱۳۸۔ احمدون ڈنفر، علوم القرآن، ۱۳۲۔
۱۳۹۔ البغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، ۱۳/۱۔
۱۴۰۔ ایضاً۔
۱۴۱۔ محمد حنیف ندوی، مطالعہ قرآن، ۲۸۴۔
۱۴۲۔ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ۳۹۔
۱۴۳۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ۳۶۳-۳۶۶۔
۱۴۴۔ ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، ۲۰۶/۱۔
۱۴۵۔ السیوطی، طبقات المفسرین، ۵۹-۶۰۔

Marfat.com

۱۴۶۔ میاں منظور احمد، تاریخ تفسیر و اصول تفسیر، ۲۲۔
۱۴۷۔ حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ۲۸۱ (اس کتاب کو مناع القطان نے ذکر کیا ہے)
۱۴۸۔ ایضاً، ۲۹۲ (اس کو مناع القطان نے ذکر نہیں کیا)
۱۴۹۔ سیوطی، طبقات المفسرین، ص ۵۹/۱۰، محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۳۹۱/۱۔
۱۵۰۔ یونس (۱۰): ۲۶، الترمذی، السنن، ۱۳۸/۲ (اللہ کو دیکھا)
۱۵۱۔ تفسیر القاضی، ۱۵۹، بحوالہ التفسیر والمفسرون ۳۹۲/۱-۴۰۳۔
۱۵۲۔ ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، ۵۰۲/۱، ۵۰۷۔
۱۵۳۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان، ۳، ۱۴۷۔
۱۵۴۔ سیوطی، طبقات المفسرین، ۱۲۰-۱۲۱۔
۱۵۵۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱۷۰/۵۔
۱۵۶۔ حاجی خلیفہ، کشف اظنون، ۱۴۷۶/۲۔
۱۵۷۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۴۳۳/۱۔
۱۵۸۔ ایضاً، ۴۳۵-۴۴۲۔
۱۵۹۔ ایضاً، ۴۶۸ (یہ حاشیہ کشاف کے ساتھ مطبوع ہے)
۱۶۰۔ محمد عبد العظیم الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ۵۳۷/۱۔
۱۶۱۔ سیوطی، طبقات المفسرین، ۱۱۵، ابن خلکان، وفیات، ۲۵۲/۴۔
۱۶۲۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۲۹۰/۱۔
۱۶۳۔ سیوطی، طبقات المفسرین، ص: ۱۱۵۔ ۱۶۴۔ ایضاً، ۵۰۔
۱۶۵۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۲۴۹/۴۔ ۱۶۶۔ ایضاً، ۴، ۲۵۲۔
۱۶۷۔ ابو العباس احمد بن الحسن، الوفیات، ۳۰۸۔
۱۶۸۔ حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین، ۲۳۷۔
۱۶۹۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱۷۵۶/۲۔
۱۷۰۔ ایضاً۔ ۱۷۱۔ ایضاً۔
۱۷۲۔ محمد حسین الذہبی، تفسیر والمفسرون، ۱۲۳/۳، سیوطی، طبقات المفسرین، ۹۲۔
۱۷۳۔ ابن فرحون، الدیباج المذہب فی معرفہ اعیان علماء المذہب، 317-318۔
۱۷۴۔ ایضاً، ۳۱۷۔ ۱۷۵۔ التفسیر والمفسرون، ۱۲۵/۳۔
۱۷۶۔ جمال الدین عبد الرحیم الاسنوی، طبقات الشافعیہ، ۲۸۳/۱، ابن العماد، شذرات الذہب، ۳۹۲/۵-۳۹۳۔

Marfat.com

۱۷۷۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۲۹۷-۲۹۸۔

۱۷۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۱۲۷۔ ۱۷۹۔ ایضاً۔

۱۸۰۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۰۴، عبدالحی لکھنوی الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ، ۱۰۱-۱۰۲۔

۱۸۱۔ التفسیر والمفسرون، ۱/۳۰۴۔ ۱۸۲۔ ایضاً۔

۱۸۳۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان، ۵/۲۸۵۔

۱۸۴۔ ابن حجر الدرر الکامنہ ۲/۲۴۷، الفوائد البھیہ، ۱۰۲۔

۱۸۵۔ الذہبی التفسیر والمفسرون، ۱/۳۰۵-۳۰۹۔ ۱۸۶۔ ص (۳۸): ۳۴۔

۱۸۷۔ نسفی، مدارک التنزیل، ۲/۴۲۔

۱۸۸۔ البقرہ (۲): ۱۰۲، نسفی، مدارک التنزیل، ۱/۵۱۔

۱۸۹۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۱۰۔ ۱۹۰۔ ایضاً۔

۱۹۱۔ ایضاً۔

۱۹۲۔ الخازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ۱/۳۔ ۱۹۳۔ الکہف (۱۸): ۱۰۔

۱۹۴۔ الخازن، لباب التاویل، ۴/۱۹۷-۲۰۴۔

۱۹۵۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۱۴-۳۱۶۔

۱۹۶۔ ایضاً، ۳۱۷۔ ۱۹۷۔ ایضاً۔

۱۹۸۔ ایضاً، ۳۱۷-۳۱۸۔ ۱۹۹۔ ایضاً، ۳۱۸۔

۲۰۰۔ مطبوع، مکتبہ النصر الحدیثہ الریاض۔

۲۰۱۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۱۔

۲۰۲۔ نظام الدین الحسن، غرائب القرآن، ۱/۳، (مقدمہ المحقق) التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۱-۳۲۲۔

۲۰۳۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۱-۳۲۲۔

۲۰۴۔ ایضاً، ۳۲۲، حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۳۹۱، ۲/۱۱۹۵، ۱۵۲۱۔

۲۰۵۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون ۲/۱۱۹۰، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۲۔

۲۰۶۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۳-۳۲۸۔

۲۰۷۔ ایضاً، ۳۲۳۔ ۲۰۸۔ ایضاً۔

۲۰۹۔ ایضاً، ۳۲۴۔

۲۱۰۔ تفسیر جلالین، ۴ (مقدمہ، ابتدا میں اس بات کا اظہار ہے کہ سورہ فاتحہ کو اسی وجہ سے آخر میں لکھا گیا ہے)

۲۱۱۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۲۷۔

Marfat.com

۲۱۲۔ ایضاً، ۳۳۸۔
۲۱۳۔ ایضاً۔
۲۱۴۔ ایضاً، ۳۳۹۔
۲۱۵۔ السراج المنیر، ۱/۲۶۵، بحوالہ التفسیر والمفسرون، ۱/۳۴۱۔
۲۱۶۔ ذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۴۲-۳۴۵۔
۲۱۷۔ ایضاً، ۳۴۵-۳۴۶۔
۲۱۸۔ ابوالسعود، التفسیر، ۱/۳، الفوائد البہیہ، ۸۲۔
۲۱۹۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۴۹-۳۵۲۔
۲۲۰۔ ابوالسعود، تفسیر ابی السعود، ۱/۵-۷۔
۲۲۱۔ الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۵۲۔
۲۲۲۔ ایضاً، ۳۵۲-۳۵۳۔
۲۲۳۔ ایضاً، ۳۵۳۔
۲۲۴۔ ایضاً، ۳۵۳-۳۵۴۔
۲۲۵۔ ایضاً، ۳۵۶۔
۲۲۶۔ ایضاً، ۳۵۶-۳۶۲۔
۲۲۷۔ الدخان (۴۴): ۳۔
۲۲۸۔ محمود آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۲۵/۱۱۰-۱۱۱۔

Marfat.com

فصل ششم:

# ابتدائی مکاتب تفسیر اور مشہور مفسرین کرام

## (۱) مکہ کا تفسیری مکتب:

مکہ کا تفسیری مکتب حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے طفیل قائم ہوا۔ آپ اپنے تابعین تلامذہ کے درمیان بیٹھ کر درس قرآن دیتے اور اس کے مشکل مطالب کی توضیح کیا کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ ان سے جو باتیں سنتے ان کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

اس مکتب کے ساختہ پرداختہ اشخاص میں سے مشہور حسب ذیل تھے۔

(۱) سعید رحمہ اللہ بن جبیر (۲) مجاہد رحمہ اللہ

(۳) عکرمہ رحمہ اللہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۴) طاؤس رحمہ اللہ بن کیسان الیمانی

(۵) عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ

یہ سب آزاد کردہ غلام تھے۔ قلت و کثرت روایت کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔
اب ہم ان میں سے ہر ایک کا تفسیری مرتبہ و مقام بتائیں گے۔ وہ کس حد تک قابل اعتماد تھے۔

## (۱) سعید بن جبیر (م ۹۵ھ/۷۱۴ء):

آپ کا نام سعید رحمہ اللہ بن جبیر بن ہشام اسدی اور کنیت ابو محمد یا ابو عبد اللہ ہے۔ یہ حبشی الاصل اور سیاہ فام مگر عمدہ سیرت و کردار کے حامل تھے۔ آپ نے اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے استفادہ کیا۔

## تفسیر قرآن میں آپ کا مقام:

آپ کبار تابعین میں سے تھے اور حدیث و تفسیر و فقہ میں ان کے سرخیل تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قراءت و تفسیر کا درس لیا اور ان ہی کے وابستہ دامن رہے۔ (۱)

Marfat.com

جناب سعید رحمۃ اللہ نے مختلف صحابہ کی قراءتیں حفظ کر رکھی تھیں اوران کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔اسماعیل بن عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ سعید رحمۃ اللہ بن جبیر ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ ایک رات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھتے ،دوسری رات زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مطابق اور اسی طرح ہر شب جداگانہ انداز سے تلاوت کرتے ۔(۲)

اس میں شبہ نہیں کہ مختلف قرءاتیں جمع کرنے کی بناپرآپ قرآن کریم کے معانی ومطالب سے بھی پوری طرح آگاہ وآشنا ہوگئے تھے۔مگرقرآن کریم کی تفسیر بالرائے بیان کرنے سے احتراز کیا کرتے تھے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

''ایک شخص نے سعید رحمۃ اللہ سے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی ۔ وہ ناراض ہوگئے اور کہا میرے جسم کا ایک حصہ گر جائے تو وہ مجھے گوارہ ہے مگر قرآن کی تفسیر لکھنا پسندنہیں ۔''(۳)

سعید رحمۃ اللہ بن جبیر کی ذات میں تمام تابعین کا علم یکجا ہوگیا تھا۔دوسرے لوگ صرف ایک ایک فن میں مہارت وبصیرت رکھتے تھے۔مگرآپ جامع الفنون تھے۔خصیف ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تابعین میں طلاق کے مسائل سب سے زیادہ سعید رحمۃ اللہ بن مسیب جانتے تھے۔مناسک حج کا علم عطاءکوحاصل تھا۔حلال وحرام کے عالم طاؤس تفسیر کے جاننے والے مجاہد رحمۃ اللہ اوران سب کے جامع سعید رحمۃ اللہ بن جبیر تھے۔''(۴)

انہی وجوہ کے پیش نظر سعید رحمۃ اللہ کے استاذ محترم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے علم پر بھروسہ کرتے اور جو شخص ان سے فتویٰ پوچھنے آتا،اس کوسعید کا پتہ دیتے تھے۔جب اہل کوفہ آپ سے مسائل دریافت کرنے آتے تو آپ فرماتے کیا سعید رحمۃ اللہ بن جبیر تمھارے یہاں موجود نہیں؟عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

''سعید رحمۃ اللہ بن جبیر خدا سے جاملے۔سطح زمین پر کوئی شخص نہیں جوان کے علم کا محتاج نہ ہو۔''

بعض علماء کی رائے میں ان کا علمی پایہ مجاہد رحمۃ اللہ وطاؤس رحمۃ اللہ سے بھی بلند ہے۔قتادہ کا قول ہے کہ سعید رحمۃ اللہ تابعین میں سب سے بڑے مفسر تھے۔علماء جرح وتعدیل نے آپ کوثقہ قرار دیا ہے۔ابوالقاسم طبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ''سعید ثقہ حجت اورامام المسلمین تھے۔''ابن حبان رحمۃ اللہ نے آپ کوثقات میں شمار کیااور کہا کہ''سعید فاضل اورمتقی انسان تھے۔''اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے میں متفق ہیں۔

۹۵ھ/۷۱۴ء ماہ شعبان میں جب کہ آپ کی عمرانچاس برس تھی حجاج نے آپ کوشہید کروادیا۔واقعہ شہادت سے قبل آپ کا حجاج کے ساتھ ایک مناظرہ منقول ہے جس سے آپ کے قوت ایمان وایقان اورتوکل علی اللہ کا پتہ چلتا ہے۔(۵)

Marfat.com

## ۲) مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۱ء):

مجاہد بن جبر ابوالحجاج مخزومی ۲۱ھ/۶۴۲ء میں خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حالت سجدہ میں بمقام مکہ ۱۰۴ھ/۷۲۲ء میں بعمر تراسی سال وفات پائی۔

## مجاہد بحیثیت مفسر:

مجاہد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے تلامذہ کی نسبت بہت کم تفسیری اقوال نقل کیے ہیں۔(۶)

اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ میں آپ سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ وامام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی الجامع الصحیح کی کتاب التفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ کے بکثرت اقوال نقل کرتے ہیں۔ آپ کی ثقاہت وعدالت کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟ فضل بن میمون روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے مجاہد رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا:

''میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تیس مرتبہ قرآن سنایا۔''(۷)

مجاہد رحمہ اللہ سے یہ قول بھی مروی ہے:

''میں نے تین مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا۔ ہر آیت پڑھ کر دریافت کرتا کہ یہ کیسے اور کہاں نازل ہوئی۔''(۸)

ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔ اس لیے کہ قلت پر مشتمل خبر میں کثرت کی نفی نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حفظ وضبط اور تجوید وقراءت کے لیے مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس کو تیس مرتبہ قرآن سنایا ہو۔ پھر اس کے بعد قرآن کے معانی ومطالب اور اسرار ورموز معلوم کرنے کے لیے تین مرتبہ اور سنایا ہو۔ جیسا کہ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مجاہد رحمہ اللہ، ابن عباس سے قرآن کی تفسیر دریافت کررہے ہیں اور اس کے ہمراہ ان کی تختیاں بھی ہیں۔ ابن عباس نے کہا لکھتے جاؤ۔ حتی کہ مجاہد رحمہ اللہ نے مطلوبہ تفسیر پوچھ لی۔(۹)

امام ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ابوبکر الحنفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے سنا:

''مجاہد رحمہ اللہ سے منقول تفسیر تمھیں میسر آجائے تو اسے کافی خیال کرو۔''(۱۰)

امام ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''پوری امت مجاہد رحمہ اللہ کی امامت اور ان سے اخذ واحتجاج کرنے پر متفق ہے۔ صحاح ستہ کے جامعین نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔''(۱۱)

علماء کے یہ بیانات اس بات کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں مجاہد رحمہ اللہ کا پایہ کس قدر بلند

Marfat.com

ہے مگر بایں ہمہ بعض علماء اس کی تفسیر سے استناد نہیں کرتے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں ابوبکر بن عیاش سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اعمش رحمہ اللہ سے کہا:

''کیا بات ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ کے تفسیری اقوال پر اعتماد نہیں کیا جاتا؟ اعمش رحمہ اللہ نے کہا لوگوں کا خیال ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں۔''

مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر پر صرف یہی حرف گیری کی گئی ہے۔ جہاں تک صداقت و عدالت کا تعلق ہے اس ضمن میں کوئی شخص بھی انھیں مطعون نہیں کر سکا۔ نظر بریں مجاہد رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے میں کلام نہیں۔ باقی رہا اہل کتاب سے اخذ و استفادہ تو میں نہیں سمجھتا کہ مجاہد رحمہ اللہ نے اس ضمن میں جائز حدود سے تجاوز کیا ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ حبر امت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کے تلمیذ رشید ہیں جو اہل کتاب سے اخذ و روایت کے بارے میں تشدد سے کام لیتے تھے۔

## (۳) عکرمہ (م ۸۱ھ/۷۰۲ء):

ابو عبداللہ عکرمہ رحمہ اللہ بربری مدنی مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ دیار مغرب کے علاقہ بربر کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا۔

### عکرمہ رحمہ اللہ کی توثیق میں علماء کا اختلاف:

عکرمہ رحمہ اللہ کی توثیق میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ بعض ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور بعض غیر ثقہ۔

### معترضین کے دلائل:

جو علماء عکرمہ رحمہ اللہ کو ثقہ قرار نہیں دیتے ان کا کہنا یہ ہے کہ عکرمہ رحمہ اللہ جسارت و بے باکی سے کام لیتے تھے اور اس بات کے مدعی تھے کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے وہ اسے جانتے ہیں۔ وہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ عکرمہ رحمہ اللہ ابن عباس پر جھوٹ باندھنے کے خوگر تھے۔ نیز یہ کہ عکرمہ رحمہ اللہ خارجی تھے اور کہا کرتے تھے کہ ابن عباس بھی خوارج میں سے ہیں۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں یہ سب اعتراضات نقل کر کے ان کے قائلین کے نام بھی بتائے ہیں۔

ایک شخص نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ایک آیت کے معنی دریافت کیے۔ فرمایا ''مجھ سے نہ پوچھیے اس شخص سے دریافت کیجیے جس کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہیں (یعنی عکرمہ رحمہ اللہ سے)۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نافع سے کہا:

''نافع خدا سے ڈرو اور مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ باندھو جیسے عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس پر باندھا۔''

Marfat.com

## ابطال دلائل:

معترضین کے یہ تمام دلائل بے بنیاد ہیں اور ان میں کوئی صداقت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عکرمہ رحمہ اللہ حضرت ابن عباس کی صحبت و رفاقت میں رہا کرتے تھے۔ اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کثرت روایت کی بنا پر آپ کی صداقت و عدالت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ایک فطری امر ہے اور اس کو کسی طرح بھی افترا پردازی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کثرت روایت ایسا عیب نہیں جس سے راوی کی ثقاہت جاتی رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ وہ کثیر الروایہ ہیں۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور مجھے رفاقت نبوی کے سوا دوسرا کوئی کام نہ تھا۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ کثرت روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صداقت مشکوک ہوگئی؟

عکرمہ رحمہ اللہ پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ اس سے نابلد نہ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ کاش جو لوگ میری تکذیب کرتے ہیں میرے روبرو کریں اور میں انھیں جواب دوں۔ عثمان بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ میں ابوامامہ سہل بن حنیف کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ عکرمہ رحمہ اللہ بھی آ گئے۔ کہنے لگے ابوامامہ! میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتائیے کہ کیا آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ ''عکرمہ رحمہ اللہ جو کچھ بھی مجھ سے سن کر بیان کرے اس کی تصدیق کیجیے اس نے مجھ پر جھوٹ نہیں باندھا'' ابوامامہ نے جواب دیا ''جی ہاں!''

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عکرمہ رحمہ اللہ خارجی تھے، تو یہ عظیم بہتان ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''اگر عکرمہ رحمہ اللہ کا خارجی ہونا ثابت ہو بھی جائے تو اس سے ان کی روایت میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اس بدعت کے داعی نہ تھے۔ مگر یہ بات کسی دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی''۔ (۱۲)

## معدلین کے براہین:

باانصاف نقاد حدیث کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ جلیل القدر تابعی قابل اعتماد تھے اور اس کی ثقاہت و عدالت شک و شبہ سے ملوث نہیں تھے۔ اس کی شان میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ رقابت کا شاخسانہ ہے اور اس کا مقصد ان سے لوگوں کو ہٹانا اور روکنا ہے۔ ذیل میں علمائے جرح و تعدیل کے چند اقوال درج کیے جاتے ہیں:

① امام مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''میں نے جناب احمد رحمہ اللہ بن حنبل سے پوچھا کہ کیا عکرمہ رحمہ اللہ کی روایت سے احتجاج کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔''

② محدث ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب تم دیکھو کہ کوئی شخص عکرمہ رحمہ اللہ اور حماد رحمہ اللہ بن ابی سلمہ پر نکتہ چینی کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا اسلام مشکوک ہے۔''

Marfat.com

③ امام عجلی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''عکرمہ رحمہ اللہ ایک ثقہ تابعی ہے۔ اس پر خارجی ہونے کا الزام ایک بہتان ہے۔''

④ امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''ہمارے سب اصحاب عکرمہ رحمہ اللہ کی روایات سے احتجاج کرتے ہیں۔''

⑤ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دیگر محدثین آپ سے روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ پہلے عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ بعدازاں ان کی تعدیل کرنے لگے۔

⑥ امام مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عکرمہ رحمہ اللہ سے اخذ ونقل پر جملہ محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ہمارے معاصر اکابر محدثین نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے۔ مثلاً احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابن راہویہ، یحیٰی بن معین، ابوثور رحمہ اللہ وغیرہم۔ میں نے ابن راہویہ سے عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس سوال پر اظہار حیرت کرتے ہوئے کہا ''عکرمہ رحمہ اللہ ہمارے نزدیک امام الدنیا ہیں۔''

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صدر محدثین سے بڑھ کر جرح وتعدیل کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ جب یہ اکابر محدثین عکرمہ رحمہ اللہ کی تعدیل وتوثیق کرتے ہیں تو اس کو نظر انداز کرکے دوسروں کے جرح ونقد کو کیسے تسلیم کر لیا جائے؟

## عکرمہ رحمہ اللہ کا تفسیری پایہ:

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تفسیر قرآن میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ علماء نے بڑی فراخ دلی سے اس کا اعتراف کیا ہے۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں:

① محدث ابن حبان فرماتے ہیں: ''عکرمہ رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے فاضل قرآن وفقہ تھے۔''

② عمرو بن دینار کا قول ہے: ''جابر بن زید نے مجھے چند سوالات بتلا کر کہا کہ عکرمہ رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں پوچھیے وہ علم کے بحر بیکراں ہیں۔''

③ امام شعبی کہا کرتے تھے: ''عکرمہ رحمہ اللہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم آج روئے زمین پر موجود نہیں۔''

خلاصہ کلام یہ کہ عکرمہ رحمہ اللہ روایت حدیث میں امین، علم وفضل میں دوسروں پر فائق اور کتاب اللہ کے فہم وادراک میں یکتائے روزگار تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ورثہ علمی کا مالک ہونے کے اعتبار سے انھیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے ۸۱ھ/۷۰۲ء میں وفات پائی۔ (۱۳)

## (۴) طاؤس بن کیسان یمانی (م ۱۰۶ھ/۷۲۴ء):

اسم گرامی طاؤس بن کیسان کنیت ابوعبدالرحمن اور نسبت الیمانی الحمیری ہے۔ عبادلہ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) اور دیگر صحابہ سے کسب فیض

Marfat.com

کیا۔ طاؤس رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ میں پچاس صحابہ کی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کر چکا ہوں۔ آپ بہت بڑے عالم و فاضل اور مفسر قرآن تھے۔ دیگر صحابہ کی نسبت آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے چشمہ علم و فضل سے زیادہ نفع اٹھایا۔ اسی لیے ہم نے ان کا تذکرہ مکہ کے تفسیری مکتب فکر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب و تلامذہ میں کیا ہے۔

طاؤس بڑے عابد و زاہد اور متقی انسان تھے۔ حتی کہ ان کے استاذ گرامی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ''میں طاؤس کو جنتی خیال کرتا ہوں۔''

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ کا قول ہے ''میں نے طاؤس رحمۃ اللہ جیسا صالح آدمی نہیں دیکھا۔''

اصحاب صحاح ستہ نے طاؤس سے روایت کی ہے۔

''امام ابن معین رحمۃ اللہ کہتے ہیں'' طاؤس ثقہ ہیں۔''

محدث ابن حبان فرماتے ہیں:

''طاؤس اہل یمن کے عبادت گزاروں میں شامل تھے۔ آپ تابعین کے سردار اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ نے چالیس حج کیے۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

''طاؤس رحمۃ اللہ اہل یمن کے استاذ تھے۔ آپ نے بہت حج کیے۔ ۱۰۶ھ/۷۲۴ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔''(۱۴)

## (۵) عطاء بن ابی رباح (۱۱۴ھ/۷۳۲ء):

ابو محمد عطاء رحمۃ اللہ بن ابی رباح مکی القرشی ۲۷ھ/۶۴۱ء کو پیدا ہوئے اور ۱۱۴ھ/۷۳۲ء میں وفات پائی۔ آپ جسمانی نقائص و عیوب کے باوجود پیکر علم و فضل تھے۔ آپ کا رنگ سیاہ، آنکھ بھینگی، ناک چپٹی، لنگڑے اور ہاتھ سے معذور بھی تھے۔ آخر میں اندھے ہو گئے۔

جناب عطاء رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا۔ عطاء کا اپنا بیان ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کا زمانہ پایا۔ آپ ثقہ فقیہ عالم اور کثیر الحدیث تھے۔ اہل مکہ کی فتویٰ نویسی آپ کی ذات پر ختم ہو گئی تھی۔ جب اہل مکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرنے آتے تو آپ فرماتے: ''اہل مکہ! تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطاء رحمۃ اللہ جیسا شخص موجود ہے۔''

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا:

''میں نے اپنے ملنے والوں میں عطاء رحمۃ اللہ جیسا کسی کو نہیں پایا اور نہ جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا آدمی دیکھا۔''

امام اوزاعی رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

''جب عطاء فوت ہوئے تو وہ سب لوگوں کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھے۔''

سلمہ بن کُہیل کا قول ہے:

''رضائے الٰہی کے لیے علم حاصل کرنے والے میں نے صرف تین آدمی دیکھے ہیں:

(۱) عطاء (۲) مجاہد رحمہ اللہ (۳) طاؤس۔''

ابن حبان رقم طراز ہیں: ''علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے عطاء تابعین کے سرخیل تھے۔''

اصحاب صحاح ستہ آپ سے اخذ و نقل کرتے ہیں۔ (۱۵)

## عطاء کا علمی مقام:

علماء کے مندرجہ صدر بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عطاء بہت اونچے درجے کے عالم راست گفتار اور ثقہ تھے۔ ان کے استاذ گرامی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ احکام حج سے متعلق معلومات کے سلسلہ میں عطاء کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جملہ تلامذہ پر برتری حاصل ہے۔ قتادہ کہا کرتے تھے:

''تابعین کے جید علماء چار تھے:

① مناسک حج کے سب سے بڑے عالم عطاء تھے۔

② سب سے بڑے مفسر قرآن سعید رحمہ اللہ بن جبیر تھے۔

③ سیر و مغازی میں سب سے زیادہ شہرت عکرمہ رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی۔

④ حلال و حرام کے عظیم عالم حسن بصری تھے۔

تحقیق و تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں عطاء کثیر الروایت نہ تھے بلکہ ان کے دوسرے رفقاء اس ضمن میں ان سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر قرآن میں عطاء کی نسبت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ مگر عطاء کو تفسیر قرآن میں جو مقام حاصل ہے اس کی وجہ سے اس میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ قلت روایت کی وجہ ان کی کثرت احتیاط اور تفسیر بالرائے سے ان کا اجتناب و احتراز ہے۔ عبدالعزیز رحمہ اللہ ابن رفیع بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ عطاء نے کہا ''مجھے نہیں معلوم'' سائل نے کہا ''اپنی رائے سے بیان کیجئے'' کہا ''مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری رائے کو دین قرار دیا جائے۔''

## (۲) مدینہ کا مدرسہ تفسیر:

اس مدرسہ کی تاسیس و تشکیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی مرہون منت ہے۔ بکثرت صحابہ مدینہ ہی کے

Marfat.com

ہو کر رہ گئے اور دیگر اسلامی بلاد و امصار کی جانب نقل مکانی نہ کی۔ مدینہ میں اقامت پذیر رہ کر وہ اپنے اتباع و اصحاب کو قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کا درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں تفسیر کے ایک مدرسہ کی بنا پڑی اس مدرسہ میں کثیر تابعین نے مشاہیر صحابہ سے تفسیر کا درس لیا۔ ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس مدرسہ کے اولین مؤسس تھے اور اکثر تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔ اس لیے کہ تفسیر قرآن میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کی نسبت زیادہ شہرت رکھتے تھے اور بکثرت تفسیری اقوال آپ سے نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں۔

## مدرسہ ہذا کے مشاہیر:

اس عہد میں مدینہ میں بہت سے تابعین سکونت پذیر تھے، جو تفسیر میں خصوصی شہرت کے حامل تھے ان میں سے مندرجہ ذیل تین بزرگ زیادہ مشہور ہیں:

(۱) ابو العالیہ رحمہ اللہ (۲) محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ (۳) زید بن اسلم رحمہ اللہ

ان میں سے بعض نے حضرت ابی سے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ استفادہ کیا۔ اب ہم ان ہر سہ اکابر کے مختصر سیر و سوانح اور ان کے علمی مرتبہ و مقام پر روشنی ڈالیں گے۔

### (۱) ابو العالیہ (م ۹۰ھ/۷۰۹ء):

اسم گرامی رفیع بن مہران اور کنیت ابو العالیہ ہے۔ آپ نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دو سال بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا۔ آپ ثقہ تابعین میں شمار ہوتے تھے اور تفسیر میں خصوصی شہرت رکھتے تھے۔

اکابر محدثین مثلاً ابن معین رحمہ اللہ ابو زرعہ رحمہ اللہ و ابو حاتم رحمہ اللہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے پر متفق ہیں۔ ابو العالیہ قرآن کریم کے بہترین حافظ تھے۔ قتادہ ابو العالیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"نبی کریم ﷺ کی وفات کے دس سال بعد میں نے قرآن کریم پڑھا۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تفسیر قرآن کا ایک ضخیم نسخہ منقول ہے۔ اس کو ابو جعفر رازی نے بروایت ربیع بن انس رحمہ اللہ از ابو العالیہ رحمہ اللہ از ابی بن کعب رحمہ اللہ نقل کیا ہے۔ یہ اسناد صحیح ہے۔ مفسر ابن جریر رحمہ اللہ ابن ابی حاتم اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اس نسخہ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی مسند میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ بقول صحیح تر آپ نے ۹۰ھ/۷۰۹ء میں وفات پائی۔ (۱۶)

Marfat.com

## (۲) محمد بن کعب القرظی (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء):

نام نامی محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القرظی المدنی اور کنیت ابوحمزہ یا ابوعبداللہ ہے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا۔ حضرت ابی سے بالواسطہ روایت کی۔ آپ ثقاہت و عدالت، زہد و تقویٰ، کثرت حدیث و تفسیر قرآن میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ابن سعد فرماتے ہیں: ''محمد بن کعب ثقہ عظیم عالم اور مفسر قرآن تھے۔ اصحاب ستہ نے بالاتفاق آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔''

ابن عون رحمہ اللہ کا قول ہے: ''میں محمد بن کعب سے بڑھ کر مفسر قرآن نہیں دیکھا۔'' (۱۷)

محدث ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''محمد بن کعب مدینہ کے فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے کہ اچانک چھت گر پڑی۔ جس سے آپ اور چند رفقاء کی موت ہوگئی۔ یہ ۱۱۸ھ/۷۲۶ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھہتر برس کی تھی۔''

## (۳) زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ/۷۵۳ء):

اسم گرامی زید بن اسلم العدوی المدنی اور کنیت ابواسامہ یا ابوعبداللہ ہے۔ آپ ان کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے روایت تفسیر میں شہرت حاصل کی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابوزرعہ رحمہ اللہ، ابوحاتم رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی ثقاہت و عدالت پر ان عظیم محدثین سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہوسکتی ہے۔ ارباب صحاح ستہ سے اخذ و روایت کرنے پر متفق نظر آتے ہیں۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے معاصرین میں کثرت علم کی بنا پر ممتاز تھے اور آپ کے بعض ہم عصر آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) زید بن اسلم کے یہاں حاضر ہو کر ان سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے کہا ''آپ اپنی قوم کی علمی مجالس چھوڑ کر عمر بن خطاب کے غلام زید بن اسلم کے یہاں جاتے ہیں۔'' زین العابدین رحمہ اللہ نے فرمایا ''آدمی اس شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے جس سے کچھ دینی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔''

علمائے مدینہ میں سے جن لوگوں نے زید بن اسلم سے تفسیر کا درس لیا ان میں سے مشہور ترین حسب ذیل تھے۔

① امام مالک بن انس رحمہ اللہ صاحب موطا۔
② زید بن اسلم رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ نے ۱۳۶ھ/۷۵۳ء میں وفات پائی۔ (۱۸)

Marfat.com

## (۳) عراق کا مکتب تفسیر:

عراقی مکتب تفسیر اپنے وجود وظہور میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مرہون منت ہے آپ کے سوا وہاں اور بھی صحابہ مقیم تھے جن سے اہل عراق نے تفسیر قرآن کا درس لیا۔ مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس مکتب فکر کے اولین استاذ تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس کی وجہ آپ کی شہرت اور ان سے مرویات ومنقولات کی کثرت ہے۔ نیز اس لیے کہ جب جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ کا والی مقرر کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ معلم ووزیر بنا کر روانہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ آپ کی صحبت اختیار کرنے اور دوسروں کی نسبت آپ سے زیادہ استفادہ کرنے لگے۔

اہل عراق کو عموماً اہل الرائے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اختلافی مسائل کے ذکر و بیان میں یہ لفظ اکثر سننے میں آتا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اولین شخص تھے جس نے اس نظر واستدلال کی طرح ڈالی۔ پھر علمائے عراق بھی اسی ڈگر پر چل پڑے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیری مدرسہ فکر میں بھی اسی کی پیروی کی جانے لگی اور قرآن کی تفسیر رائے واجتہاد کی اساس پر شروع ہوئی۔ اس لیے کہ شرعی مسائل میں استنباط نصوص قرآن وسنت میں اپنی رائے کو استعمال کرنے ہی کا نتیجہ تھا۔

عراقی مکتب تفسیر کے ساختہ پرداختہ لوگوں میں مندرجہ ذیل نے بہت شہرت حاصل کی:

(۱) علقمہ بن قیس رحمہ اللہ (۲) مسروق رحمہ اللہ (۳) اسود بن یزید رحمہ اللہ (۴) مرہ ہمدانی رحمہ اللہ (۵) عامر شعبی رحمہ اللہ (۶) حسن بصری رحمہ اللہ (۷) قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہ اللہ۔

اب ہم ان کے حالات پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

### (۱) علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ/۶۸۲ء):

علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الکوفی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت عمرؓ وحضرت عثمان وحضرت علی وحضرت ابن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور آپ کے علم وفضل سے خوب آشنا وآگاہ تھے۔ عثمان بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین رحمہ اللہ سے پوچھا "آپ کے نزدیک علقمہ بہتر ہیں یا عبیدہ؟" کہا "دونوں یکساں ہیں۔"

ابوالمثنیٰ کا قول ہے: "جب تم علقمہ رحمہ اللہ کو دیکھ لو تو ابن مسعود کو نہ دیکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں وہ ان سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔"

عبدالرحمٰن ابن یزید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "میں جو کچھ جانتا ہوں علقمہ رحمہ اللہ بھی جانتے ہیں۔ علقمہ نہایت ثقہ، امین، راست باز اور زہد وتقویٰ سے بہرہ ور تھے۔"

Marfat.com

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علقمہ رحمہ اللہ صالح اور ثقہ شخص ہیں۔ اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے میں متفق ہیں۔''

بقول ابونعیم علقمہ رحمہ اللہ نے ۶۱ھ/۶۸۰ء یا ۶۲ھ/۶۸۱ء میں بعمر نوے سال وفات پائی۔ (۱۹)

## (۲) مسروق (م ۶۳ھ/۶۸۲ء):

مسروق رحمہ اللہ بن اجدع بن مالک کوفی کنیت ابو عائشہ ہے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام دریافت کیا تو جواب کہا ''میرا نام مسروق رحمہ اللہ بن اجدع ہے۔'' جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اجدع تو شیطان کو کہتے ہیں آپ مسروق بن عبدالرحمٰن ہیں۔''

مسروق نے خلفاء اربعہ، ابن مسعود، ابی بن کعب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا۔ آپ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم اور زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے۔ کوفہ کے مشہور مفتی قاضی شریح مشکل مسائل میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

امام شعبی فرماتے ہیں: ''میں نے مسروق سے بڑھ کر علم کا شائق نہیں دیکھا۔''

امام حدیث امام شعبی کی مندرجہ صدر شہادت کی اساس یہ ہے کہ مسروق نے اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت و رفاقت سے مشرف ہو کر علم وفضل کا لازوال خزانہ جمع کر لیا تھا۔ یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاگردی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے عہد کے امام تفسیر اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کے جید فاضل قرار پائے۔ مسروق کے قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود سے کس قدر استفادہ کیا تھا۔ خود فرماتے ہیں: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں قرآن کریم کی کوئی سورت سناتے اور پھر دن بھر اس کی تفسیر بیان کرتے رہتے۔''

جہاں تک آپ کی ثقاہت وعدالت کا تعلق ہے یہ ایک ایسا امر ہے جس پر علمائے جرح وتعدیل نے اتفاق کیا ہے۔ محدث ابن معین فرماتے ہیں: ''مسروق رحمہ اللہ جیسے شخص کی عدالت کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

ابن سعد رحمہ اللہ کا قول ہے: ''مسروق رحمہ اللہ ثقہ تھے اور انھوں نے احادیث صالحہ روایت کی ہیں۔''

ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی آپ کو ثقہ رواۃ ورجال میں شمار کیا ہے۔ صحاح ستہ کے جامعین نے بالاتفاق آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ مشہور محدث امام شعبہ رحمہ اللہ نے ابواسحاق رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: ''مسروق رحمہ اللہ حج کو گئے تو یہ کیفیت تھی کہ سوتے بھی سجدہ کی حالت میں تھے۔'' بقول مشہور آپ نے ۶۲ھ/۶۸۲ء میں وفات پائی (۲۰)

## (۳) اسود بن یزید (م ۷۵ھ/۶۹۴ء):

ابوعبدالرحمٰن اسود بن یزید بن قیس نخعی کبار تابعین اور اصحاب ابن مسعودؓ میں سے تھے۔ آپ نے

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر وحضرت علی وحضرت حذیفہ وحضرت بلالؓ ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ صالح ثقہ اور علوم قرآن کے ماہر تھے۔ ابن سعد امام احمد اور یحییٰ بن معین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ صحاح ستہ کے مولفین آپ سے اخذ ونقل کرنے پر متفق ہیں۔

ابراہیم نخعی نے اسود کا شمار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان تلامذہ میں کیا ہے جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ محدث ابن حبان بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اسود نے ۷۴ھ/۶۹۳ء یا ۷۵ھ/۶۹۴ء میں وفات پائی۔ (۲۱)

## (۴) مرہ ہمدانی (م ۷۶ھ/۶۹۵ء):

ابو اسماعیل مرہ بن شرجیل ہمدانی کوفی بڑے عابد وزاہد تھے۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر وحضرت علی وحضرت ابن مسعود ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا۔ امام شعبی اور دیگر اصحاب وتلامذہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ ابن معین رحمہ اللہ اور عجلی نے مرہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ صحاح ستہ کے جامعین نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ نے ۷۶ھ/۶۹۵ء میں وفات پائی۔ (۲۲)

## (۵) عامر شعبی رحمہ اللہ (م ۱۰۹ھ/۷۲۷ء):

ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ کوفی جلیل القدر تابعی اور کوفہ کے قاضی تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اگرچہ حدیثیں روایت کی ہیں تاہم ان سے براہ راست استفادہ نہیں کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت ابوہریرہ، رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے۔ شعبی رحمہ اللہ خود کہتے ہیں کہ "میں نے پانچ سو صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔" محدث عجلی فرماتے ہیں کہ "شعبی رحمہ اللہ نے اڑتالیس صحابہ سے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع کیا ہے۔"

امام شعبی رحمہ اللہ کے بارے میں علمائے حدیث کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ ہوں:

① مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں "میں نے شعبی رحمہ اللہ سے بڑھ کر فقیہ آج تک نہیں دیکھا۔"

② ابن عیینہ رحمہ اللہ کا قول ہے: "لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہ کے بعد اپنے اپنے زمانہ میں تین آدمی یکتائے روزگار تھے: (۱) عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۲) شعبی رحمہ اللہ (۳) سفیان رحمہ اللہ ثوری۔

③ مشہور محدث ابن شبرمہ کہتے ہیں میں نے شعبی رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ "جو بات بھی میں نے لکھی یا کسی سے سنی وہ مجھے ازبر ہوگئی۔ جب بھی کسی نے کوئی حدیث مجھے سنائی تو میں نے اس کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہ کی۔"

④ ابن معین ابوزرعہ اور بکثرت دیگر محدثین نے کہا کہ "شعبی رحمہ اللہ ثقہ ہیں" اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

Marfat.com

(۵) ابوجعفر طبری طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ: ''شعبی رحمہ اللہ بڑے عالم فقیہ اور ادیب تھے۔''

(۶) ابو اسحاق الحبال کا قول ہے: ''شعبی رحمہ اللہ مختلف علوم میں ماہر تھے۔''

(۷) سلیمان رحمہ اللہ بن ابی مجلز کہتے ہیں: ''میں نے شعبی رحمہ اللہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ حتی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ بھی ان کے ہم پلہ نہ تھے۔''

جید عالم ہونے کے باوجود امام شعبی رحمہ اللہ قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ جب کسی آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں انھیں علمائے سلف کا کوئی قول معلوم نہ ہوتا تو مسائل کا جواب نہ دیتے۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اکابر علمائے سلف مثلاً سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور شعبی رحمہ اللہ تفسیر قرآن کو بڑی وقعت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور علم وفضل کے باوصف زہد وتقویٰ کی بنا پر تفسیر بالرائے سے کناہ کش رہتے تھے۔''(۲۳)

ابن جریر رحمہ اللہ طبری شعبی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''میں نے ہر آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا ہے مگر اس میں احتیاط کی ضرورت ہے یہ کلام الٰہی کی تفسیر کا معاملہ ہے۔''(۲۴)

امام شعبی رحمہ اللہ سدی اور ابو صالح کی تفسیر کو پسند نہیں کرتے تھے اور اس پر معترض ہوا کرتے تھے مفسر ابن جری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ شعبی رحمہ اللہ ابو صالح کے پاس سے گزرتے تو اس کی گوشمالی کرتے اور کہتے تھے:

''تم قرآن کی تفسیر کرتے ہو حالانکہ تم قرآن پڑھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔'')(۲۵)

امام شعبی رحمہ اللہ کی ولادت ووفات کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ ۲۰ھ/۶۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۰۹ھ/۷۲۷ء میں وفات پائی۔(۲۶)

## (۶) حسن رحمہ اللہ بصری (م ۱۱۰ھ/۷۲۸ء):

اسم گرامی حسن بن ابوحسن یسار رحمہ اللہ بصری اور کنیت ابوسعید ہے۔ والدہ کا نام خیرہ تھا جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ''حسن رحمہ اللہ بصری خلافت فاروقی کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور وادی القریٰ میں پروان چڑھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ عابد و زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔ سامعین ان کے وعظ سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وحضرت انس رضی اللہ عنہ اور کثیر صحابہ وتابعینؒ سے حدیث روایت کیں۔''

زہد وتقویٰ اور جادو بیان مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ قرآن وحدیث کے جید فاضل اور احکام حلال وحرام میں اعلیٰ پایہ کی بصیرت رکھتے تھے۔ علمائے سلف کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

① حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''دینی مسائل حسن رحمۃ اللہ بصری سے پوچھا کیجیے۔ انھیں وہ مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے۔''

② سلیمان التیمی فرماتے ہیں: ''حسن رحمۃ اللہ بصری اہل بصرہ کے استاذ ہیں۔''

③ قتادہ کا قول ہے: ''میں جس فقیہ کی صحبت میں بیٹھا حسن رحمۃ اللہ بصری کو اس سے بڑھ کر پایا۔''

④ ابوبکر المزنی فرماتے ہیں: ''جو شخص دور حاضر کے منفرد عالم کو دیکھنا چاہے وہ حسن رحمۃ اللہ بصری کو دیکھ لے ہم نے ان سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔''

⑤ جناب ابوجعفر الباقر کے یہاں جب حسن رحمۃ اللہ بصری کا ذکر آتا تو فرماتے: ''ان کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔''

⑥ ابن سعد کہتے ہیں: ''حسن رحمۃ اللہ بصری عظیم عالم بلند پایہ فقیہ نہایت ثقہ بڑے عابد و زاہد حد درجہ فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھے۔''

اصحاب صحاح ستہ نے حسن رحمۃ اللہ بصری سے روایت کی ہے۔ آپ نے بعمر اٹھاسی سال ۱۱۰ھ/۷۲۸ء میں وفات پائی۔ (۲۷)

## (۷) قتادہ (م ۱۱۷ھ/۷۳۶ء):

قتادہ بن دعامہ السدوسی کی کنیت ابوالخطاب ہے۔ آپ مادر زاد نابینا تھے۔ آپ عربی الاصل تھے اور بصرہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ قتادہ نے حضرت انس و حضرت ابوالطفیل و ابن سیرین رحمۃ اللہ و عکرمہ رحمۃ اللہ و عطاء بن ابی رباح وغیرہم سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ قوت حافظہ سے بہرہ ور عربی اشعار کے عظیم عالم ایام العرب اور علم انساب کے زبردست ماہر اور عرب زبان و ادب میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور ہیں۔

عمرو بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قتادہ رحمۃ اللہ سعید بن مسیب کے یہاں آئے اور کئی روز ان کے پاس قیام کر کے دینی مسائل و احکام دریافت کرتے رہے۔ جناب سعید نے دریافت کیا ''آپ نے جو کچھ مجھ سے پوچھا ہے وہ سب یاد ہے؟'' قتادہ رحمۃ اللہ نے کہا ''جی ہاں! میں نے آپ سے فلاں بات پوچھی اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا اور فلاں سوال کا آپ نے یہ حل پیش کیا اور حسن رحمۃ اللہ بصری نے یوں کہا'' سعید بن مسیب نے کہا ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ خدا نے تمھارے جیسا انسان بھی پیدا کیا ہے۔''

ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ ''قتادہ رحمۃ اللہ جیسا دوسرا کوئی حافظ میں نے نہیں دیکھا۔''

قتادہ رحمۃ اللہ کی ثقاہت و عدالت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ صحاح ستہ کے مولفین ان سے اخذ و احتجاج کرتے ہیں۔ امام ابوحاتم کا قول ہے:

Marfat.com

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اصحاب وتلامذہ میں سے ثقہ ترین شخص زہری ہیں اور پھر قتادہ رحمہ اللہ۔''

قتادہ رحمہ اللہ نے ۱۱۷ھ/۷۳۶ء میں بعمر چھپن سال وفات پائی۔ (۲۸)

بہرکیف یہ ہیں نامور تابعین کرام جنھوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی! ان کے اکثر و بیشتر تفسیری اقوال حضرات صحابہ سے ماثور و ماخوذ ہیں۔ بعض اہل کتاب سے لیے گئے ہیں۔ دیگر اقوال ان کے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ تابعین علم وفضل کا زندہ پیکر اور بڑے دقیقہ رس تھے۔ اس لیے کہ ان کا عہد عصر نبوت سے قریب تھا اور عہد صحابہ نے ان کو زمانہ رسالت کے ساتھ جوڑ دیا تھا۔ مزید یہ کہ عربی زبان میں آگے چل کر جو بگاڑ پیدا ہوا وہ تاہنوز اس سے محفوظ تھے۔

تابعین نے جو علمی ورثہ چھوڑا تھا اب اتباع تابعین اس کے وارث ٹھہرے۔ پھر بعد میں آنے والے ان کے علم وفضل کے امین قرار پائے علیٰ ہذا القیاس سلف کا علم خلف کی جانب منتقل ہوتا رہا۔ ہر پچھلے دور کے علماء نے اپنے سابقین کے علم کو سنبھالا اور اس پر شاندار اضافہ کیا۔ یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ آغاز کار میں علم کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے نکتہ عروج وکمال تک پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات

۱۔ ابن خلکان، شمس الدین احمد بن شہاب الدین احمد، وفیات الاعیان (دار صادر، بیروت)، ۱/۳۶۴۔
۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱/۳۶۵۔
۳۔ ایضاً، ۱/۳۶۵۔
۴۔ ایضاً، ۱/۳۶۵۔
۵۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، تہذیب التہذیب (دار صادر، بیروت) ۴/۱۳۔
۶۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص: ۲۵۱۔
۷۔ ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، میزان الاعتدال (دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ۳/۹۔
۸۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۲۔
۹۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مقدمہ اصول تفسیر، ص: ۲۸۔
۱۰۔ ابن جریر رحمہ اللہ، الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱/۳۰۔
۱۱۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۳/۹۔
۱۲۔ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری، ۲/۱۴۸۔
۱۳۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۷/۲۶۳۔
۱۴۔ ایضاً: ۵/۸۔
۱۵۔ ایضاً: ۷/۱۹۹۔
۱۶۔ ایضاً: ۳/۲۸۴۔
۱۷۔ الخزرجی، صفی الدین احمد بن عبد اللہ، خلاصہ تہذیب الکمال (المطبعہ الخیریہ، مصر) ص: ۳۰۵۔
۱۸۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب: ۳/۳۹۵۔
۱۹۔ ایضاً: ۷/۲۷۶۔
۲۰۔ ایضاً: ۱۰/۱۰۹۔

Marfat.com

۲۱۔ ایضاً: ۱/ ۳۴۲۔

۲۲۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۸۸۔

۲۳۔ قرطبی، محمد بن احمد، مقدمہ تفسیر قرطبی، ۱/ ۳۴.

۲۴۔ ابن جریر رحمہ اللہ طبری، مقدمہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ، ۱/ ۲۸.

۲۵۔ ابن جریر رحمہ اللہ طبری، تفسیر طبری، ۱/ ۳۰۔

۲۶۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۵/ ۶۵۔

۲۷۔ ایضاً: ۲/ ۲۶۳۔۲۴۔

۲۸۔ ایضاً: ۸/ ۳۵۱۔

Marfat.com

**باب ششم :**

# تفاسیر و مفسرین کا تعارف

**فصل اول :**

## مشہور عربی تفاسیر و مفسرین کا مفصل تعارف

- ### جامع البیان عن تاویل آی القرآن لابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ/۹۲۲ء)

ابن جریر طبری رحمہ اللہ کو ''امام المفسرین'' اور اس کی تفسیر کو ''ام التفاسیر'' کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کے بعد جو تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں ان کا بنیادی ماخذ یہی تفسیر رہی ہے۔ یہ تفسیر بلا مبالغہ حقیقی معنوں میں ''ام التفاسیر'' کہلانے کی مستحق ہے' اس میں پورے قرآن کی تفسیر میں احادیث اور آثار کا اتنا زیادہ مواد جمع کر دیا گیا ہے کہ بعد میں آنے والا ہر مفسر اس سے استفادہ کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے اس لیے کہ اتنا زیادہ مواد اس کو کسی دوسری کتاب میں یکجا نہیں مل سکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تفسیر میں جامعیت ہے شاید ہی کوئی ایسی آیت ہو کہ جس کی تفسیر میں آثار پیش نہ کیے گئے ہوں' اسی طرح لغوی اور نحوی تحقیقات کے سلسلے میں بھی اس تفسیر میں کافی مواد موجود ہے جس سے بعد میں آنے والوں نے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر اگرچہ صرف آیات الاحکام کی تفسیر نہیں ہے بلکہ پورے قرآن کی سورت، سورت اور آیت، آیت کے اعتبار سے مکمل اور جامع تفسیر ہے لیکن آیات سے ثابت ہونے والے احکام کی تحقیق و تنقیح سے بھی یہ تفسیر خالی نہیں ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کا منہج تفسیر یہ ہے کہ پہلے آیت کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے اور بقدر ضرورت لغوی تحقیق بھی کر دی جاتی ہے اور پھر اخذ کردہ مفہوم کے ثبوت میں احادیث رسول اور آثار صحابہ و تابعین پیش کیے جاتے ہیں، اس کے بعد دوسرے اہل علم کے اقوال اور ان کے ثبوت میں احادیث و آثار نقل کیے جاتے ہیں اور پھر

Marfat.com

قاری کو آزاد نہیں چھوڑ دیا جاتا کہ وہ جس قول کو چاہے پسند کرلے بلکہ واولی الاقوال بالصواب کے الفاظ کے ساتھ اپنی رائے پیش کی جاتی ہے کہ ان اقوال ماثورہ میں صحیح قول یہ ہے اور پھر اس کے صحیح اور راجح ہونے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

بعض اہل علم اور اہل تفسیر اقوال کثیرہ اور آراء متنوعہ پیش کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں اور قاری کو اقوال کے اس جنگل میں حیران و پریشان چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ قاری الجھن اور کنفیوژن کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ کدھر جاؤں اور کدھر نہ جاؤں؟ یہ طرز تفسیر مناسب نہیں ہے' ابن جریر رحمہ اللہ بھی کبھی کبھی ترجیح بیان کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن ایسے مقامات آپ کو شاذ و نادر ہی ملیں گے جن میں کوئی فیصلہ نہ کیا گیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب کی سب سند کے اعتبار سے صحیح ہوں بلکہ بعض روایات ضعیف بھی ہوسکتی ہیں اور دلیل کی بنیاد پر ان کو رد بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ التزام کیا ہے کہ وضاعین اور کذابین کی روایات کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دیں گے۔ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ میں طوالت زیادہ ہے' کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں یہ تفسیر ۳۰ ہزار ورقوں پر مشتمل تھی ان کے اصحاب نے کہا اس کو پڑھنے میں تو عمریں ختم ہو جائیں گی تو پھر ابن جریر رحمہ اللہ نے اسے مختصر کر کے تقریباً ۳ ہزار ورقے بنا دیا۔(۱)

اس تفسیر کے بارے میں بعض اکابر علماء و فقہاء کی آراء ملاحظہ کیجیے۔

① خطیب بغدادی (۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء) لکھتے ہیں:

لم یصنف مثله

''اس جیسی تفسیر کسی نے بھی نہیں لکھی۔''

② مشہور فقیہ ابو حامد اسفرائینی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر حاصل کرنے کے لیے چین تک کا سفر کرے یعنی بڑا لمبا سفر کرے تو یہ کوئی زیادہ محنت نہیں ہوگی۔

③ ابو بکر بن خالویہ کہتے ہیں کہ مشہور محدث محمد بن خزیمہ (۳۱۱ھ/۹۲۳ء) نے مجھے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے محمد بن جریر سے اس کی تفسیر سن کر لکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے لکھی ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ مکمل تفسیر لکھی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں میں نے پوری لکھی ہے۔ فرمایا کس سال میں لکھی ہے میں نے کہا (۲۸۳ھ/۸۹۶ء) سے (۲۹۰ھ/۹۰۲ء) تک کے آٹھ سالوں میں لکھی ہے۔ ابن خزیمہ نے یہ تفسیر عاریتاً لے کر کئی سالوں تک زیر مطالعہ رکھی اور پھر واپس لوٹاتے ہوئے فرمایا:

قد نظرت فيه من اوله الى آخره وما اعلم على اديم الارض اعلم من محمد بن جرير ولقد ظلمته الحنابلة

''میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک غور و فکر کے ساتھ پڑھ لیا ہے اور مجھے زمین کی سطح پر محمد بن جریر سے بڑا عالم معلوم نہیں ہے۔ حنابلہ نے اس پر ظلم کیا ہے۔''

Marfat.com

بغداد میں بعض حنابلہ ابن جریر رحمہ اللہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے اور لوگوں کو ان کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ابن خزیمہ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی مخالفت کو ظلم کہا ہے۔(۲)

۴ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

واما التفاسیر التی فی ایدی الناس فاصحها تفسیر محمد بن جریر الطبری فانه یذکر مقالات السلف بالاسانید الثابته ولیس فیه بدعة ولا ینقل عن المتهمین کمقاتل بن بکیر والکلبی (۳)

''جو تفاسیر لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں ان میں سے صحیح ترین محمد بن جریر طبری کی تفسیر ہے اس لیے کہ یہ سلف کے اقوال صحیح اسانید کے ساتھ نقل کرتا ہے، اس میں بدعت بھی نہیں ہے اور یہ ان لوگوں سے روایات نقل نہیں کرتے جن پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی گئی ہو جیسے مقاتل بن بکیر اور کلبی۔''

جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) لکھتے ہیں:

فان قلت: فای التفاسیر ترشد الیه وتامر الناظر ان یعول علیه؟ قلت: تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی انه لم یؤلف فی التفسیر مثله، قال النووی :فی تهذیبه کتاب ابن جریرؒ فی التفسیر لم یصنف احد مثله (٤)

''اگر تم کہو کہ آپ کس تفسیر کی جانب راہنمائی کرتے ہیں اور تفاسیر دیکھنے والے کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس پر اعتماد کرے؟ تو میں کہوں گا کہ ابن جریر رحمہ اللہ طبری کی تفسیر وہ تفسیر ہے جس کے بارے میں معتبر علماء کا اتفاق ہے کہ تفسیر میں اس طرح کی کتاب تصنیف نہیں کی گئی' امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں فرمایا ہے کہ ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر کی مثل کسی نے بھی تصنیف نہیں کی۔''

ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر کے تعارف کے بعد اب اس کے مصنف یعنی محمد بن جریر کا تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

# محمد بن جریر طبری کا تعارف

ابوجعفر محمد بن جریر یزید طبری مفسر، محدث، مورخ، فقیہ تھے اور اکابر ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے تھے، ان کی ولادت طبرستان کے مرکز آمل میں (۲۲۴ھ/۸۳۸ء) میں ہوئی تھی، کوفہ کے قاضی احمد بن کامل شجری (۳۵۰ھ/۹۶۱ء) نے ابن جریر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا' آٹھ سال کی عمر میں نے لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی تھی اور نو سال کی عمر میں میں نے حدیث سنی اور لکھنی شروع کر دی تھی، سب سے پہلے انھوں نے آمل میں محدثین سے احادیث کا سماع کیا تھا اور پھر علم کے طلب کے لیے شمالی ایران کے مشہور شہر ''رے'' تشریف لے گئے۔ امام احمد بن حنبل سے سماع حدیث اور اخذ علم کے لیے بغداد کا سفر کیا تھا مگر ان کے پہنچنے سے تھوڑی مدت قبل (۲۴۱ھ/۸۵۵ء) میں امام احمد بن حنبل کا انتقال ہو گیا تھا اس لیے ان سے تلمذ کا شرف تو حاصل نہ کر سکے مگر بغداد کے دوسرے محدثین اور فقہاء سے علوم کثیرہ حاصل کیے، اس کے بعد عراق کے شہر واسط اور کوفہ چلے گئے، پھر شام کا سفر اختیار کیا اور بیروت میں کچھ مدت قیام فرما کر قاری عباس بن ولید بیرونی سے شامیین کی روایت کے مطابق قراءت کا علم حاصل کیا، (۲۵۳ھ/۸۶۷ء) میں مصر منتقل ہو گئے اور فسطاط میں کچھ مدت تک قیام کیا، پھر شام چلے گئے، (۲۵۶ھ/۸۶۹ء) میں پھر مصر آ گئے اور ربیع بن سلیمان مرادی سے فقہ شافعی کا علم حاصل کیا اور امام مزنی کے ساتھ کچھ مناقشے بھی کیے، اس کے بعد واپس بغداد لوٹ آئے اور کچھ مدت گزارنے کے بعد اپنے آبائی وطن طبرستان چلے گئے مگر آخری بار بقیہ عمر گزارنے کی نیت سے واپس بغداد آئے اور بغداد ہی میں (۳۱۰ھ/۹۲۲ء) میں وفات پائی۔

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) لکھتے ہیں:

محمد بن جرير بن يزيد الامام العلم الفرد الحافظ ابو جعفر الطبری احد الاعلام وصاحب التصانيف من اهل آمل طبرستان اكثر التطواف

''محمد بن جریر ممتاز امام تھے، حافظ تھے، علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے، صاحب تصانیف تھے، طبرستان کے شہر آمل کے رہنے والے تھے اور طلب علم کے لیے انھوں نے مختلف علاقوں کے بہت زیادہ دورے کیے تھے۔''

محمد بن جریر، محمد بن خزیمہ، محمد بن نصر مروزی اور محمد بن ہارون رویانی چاروں ہم نام بھی تھے، ہم عصر بھی تھے، ہم سبق بھی تھے اور انتہائی خود دار بھی تھے۔ اپنی حاجات اور ضروریات کے لیے کسی انسان سے سوال نہیں

Marfat.com

کرتے تھے، خطیب بغدادی نے ان کی خودداری کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے:

''رحلت علمی یعنی علمی سفر نے ایک مرتبہ ان چاروں کو مصر میں اکٹھا کر دیا اور تنگدست ہو گئے، بھوک نے ان کو پریشان کر دیا تھا اور کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا، جس کے گھر میں یہ رہتے تھے اس میں چاروں رات کو مشورے کے لیے جمع ہوئے اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے وہ اپنے ساتھیوں کے لیے کسی سے کھانا مانگے گا۔ (کیونکہ بھوک مٹانے کے لیے سوال جائز ہے)۔ قرعہ محمد بن خزیمہ کے نام نکلا اس نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں، ابن خزیمہ تو ان سے الگ ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے اور والی مصر کے قاصد نے دروازے پر دستک دی۔ باقی ساتھیوں نے دروازہ کھولا اور قاصد نے سواری سے اتر کر پوچھا کہ تم میں سے محمد بن نصر کون ہے؟ کہا گیا کہ وہ یہ ہے اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں پچاس دینار تھے اور اسے دیدی، پھر پوچھا کہ تم میں سے محمد بن جریر طبری کون ہے؟ کہا گیا کہ وہ یہ ہے اس نے دوسری تھیلی نکالی جس میں پچاس دینار تھے اور اس کے ہاتھ میں پکڑا دی، پھر پوچھا تم میں محمد بن ہارون کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ وہ یہ ہے۔ اس نے تیسری تھیلی نکالی جس میں پچاس دینار تھے اور اس کے حوالے کر دی، پھر پوچھا کہ تم میں محمد بن اسحاق بن خزیمہ کون ہے؟ جواب ملا کہ وہ یہ ہے جو نماز پڑھ رہا ہے اس نے چوتھی تھیلی نکالی جس میں پچاس دینار تھے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا کہ امیر کل دوپہر کے وقت قیلولہ فرما رہے تھے کہ خواب میں اسے کوئی کہہ رہا ہے کہ محمد نام والوں نے بھوک کی وجہ سے اپنے پہلو لپیٹ لیے ہیں یعنی ان کے پیٹ خوراک سے خالی ہیں اس لیے یہ تھیلیاں بھیجی ہیں اور وہ تم کو قسم دیتا ہے کہ جب یہ ختم ہو جائیں تو کسی کو بھیج دو میں اور بھیج دوں گا۔'' (۵)

یہ ان کی خودداری اور صبر وقناعت کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے ان کو وہاں سے رزق بھجوا دیا جہاں سے کچھ ملنے کی کوئی امید ہی نہیں تھی، ضرورت بھی پوری ہو گئی اور دین کے یہ طالب علم سوال کی ذلت سے بھی بچ گئے، محمد بن جریر ان سب ساتھیوں میں زیادہ خوددار تھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) نے ابن جریر رحمہ اللہ کی قناعت اور خودداری کی دو مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ مکتفی باللہ کی خواہش تھی کہ کوئی عالم مجھے ایسی کتاب لکھ کر دے جس میں وقف کے بارے میں تمام علماء کے اجماعی مسائل بیان کیے گئے ہوں، اس کام کے لیے ابن جریر رحمہ اللہ اس کے دربار میں حاضر کیے گئے اور انھوں نے اس قسم کی کتاب بطریقہ املا مرتب کروادی جب اس کے سامنے عطیہ پیش کیا گیا تو اس نے قبول نہ کیا اسے کہا گیا کہ کوئی نہ کوئی حاجت تو پوری کروانی پڑے گی، اس پر ابن جریر رحمہ اللہ نے کہا کہ میری درخواست یہ ہے کہ امیر المومنین جمعہ کے دن لوگوں کو سوال کرنے سے روک دے اور امیر نے یہ درخواست منظور فرما کر سوال کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ دوسری مثال یہ بیان کی ہے کہ وزیر نے ابن جریر رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ میرے لیے فقہ میں

Marfat.com

سے ایک کتاب لکھ دیجئے۔ انھوں نے کتاب لکھ کر پیش کر دی، وزیر نے بطور عطیہ ایک ہزار دینار خدمت پیش کیے مگر انھوں نے واپس کر دیئے۔ پہلی مثال ابن کثیر نے بھی پیش کی ہے مگر نام مکتفی باللہ کی بجائے مقتدر باللہ کا ذکر کیا ہے۔(۶)

## ● بحر العلوم تفسیر سمر قندی (۳۷۵ھ/۹۸۵ء)

اس تفسیر کا نام تو بحر العلوم ہے لیکن تفسیر سمر قندی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مصنف مشہور حنفی فقیہ نصر بن محمد بن ابراہیم الخطاب السمرقندی ہیں جس کی کنیت ''ابواللیث'' ہے اور لقب ''الفقیہ'' اور ''امام الھدیٰ'' ہے مگر ان کی کنیت اسم علمی پر غالب آگئی ہے اور یہ ''ابواللیث سمرقندی'' یا ''الفقیہ ابواللیث'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے والد محمد بن ابراہیم بھی فقیہ تھے اور بڑے پرہیز گار تھے اور ان کے ابتدائی استاد بھی یہی تھے مگر ان کے مشہور استاد مشہور حنفی فقیہ ابو جعفر ہندوانی بلخی تھے۔ ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی متفقہ قول تو موجود نہیں ہے لیکن اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کی ولادت ۳۰۱ھ/۹۱۳ء اور ۳۱۰ھ/۹۲۲ء کے درمیان ہوئی تھی اور وفات کے بارے میں شمس الدین داؤدی نے طبقات المفسرین ص ۳۴۶ ج ۲ پر لکھا ہے کہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ/ ۱۰۰۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ مگر مشہور ۳۷۵ھ/۹۸۵ء ہے۔

تفسیر سمر قندی میں احادیث اور آثار نقل ہوئے ہیں لیکن ان میں اسرائیلیات اور ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سند کی صحت یا عدم صحت معلوم کرنے کا یہ الفقیہ کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے تھے البتہ الفاظ اور کلمات کے لغوی معانی بڑے آسان الفاظ میں بیان کرتے تھے اور ابن قتیبہ، اصمعی، زجاج، فراء اور خلیل نحوی کے اقوال بھی جگہ جگہ نقل کرتے ہیں۔

یہ تفسیر دار الکتب العلمیہ بیروت نے تین جلدوں میں ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۳ء میں شائع کی ہے اور اس کی تحقیق جامعہ ازہر کے تین فضلاء نے کی ہے۔

شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل احمد عبد الموجود اور ڈاکٹر زکریا عبد المجید۔

## ● النکت والعیون تفسیر الماوردی (م ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء)

ماوردی کا نام ہے علی بن محمد بن حبیب اور کنیت ابوالحسن ہے۔ ماورد مخفف ہے ''ماء الورد'' سے جس کے معنے ہیں عرق گلاب۔ ان کے والد عراق گلاب بناتے تھے اور اس کی تجارت بھی کرتے تھے اس لیے یہ ماوردی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کی ولادت بصرہ میں ۳۶۴ھ/۹۷۴ء میں ہوئی تھی۔ یہ دولت عباسیہ کے عروج کا دور تھا اور اس دور میں علوم وفنون کی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کی ترقی بھی عروج پر تھی۔ ابتدائی علوم بصرہ میں ابوالقاسم صبری متوفی ۳۸۶ھ/۹۹۷ء سے حاصل کیے تھے جو اس وقت بصرہ کے ممتاز عالم تھے اور فقہ

Marfat.com

شافعی کے ممتاز فقیہ تھے۔ اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے اور مختلف اساتذہ سے حدیث اور فقہ کا سماع کرتے رہے مگر آخر میں فقہ شافعی کے حافظ اور ممتاز امام ابو حامد اسفرائینی (۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء) کے حلقہ درس سے منسلک ہو گئے۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء) ابو حامد کے متعلق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی مسجد میں درس دیتے تھے اور میں اس کی مجلس تدریس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کی مجلس تدریس میں ۷۰۰ فقہاء شامل ہوتے تھے، لوگ کہتے تھے کہ اگر امام شافعی اسے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، حنفیہ کے مشہور امام ابوحسن قدوری نے کہا ہے کہ میں نے شافعیہ میں ابو حامد اسفرائینی سے بڑا فقیہ اور کوئی نہیں دیکھا۔ (۷)

ماوردی نے بھی اسفرائینی کے تلمذ کی وجہ سے فقہاء شافعیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا تھا مختلف علاقوں کے قاضی رہے تھے اور ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء میں اس کو قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا تھا۔ بعض علماء نے اعتراض کیا تھا کہ کسی عالم کو قاضی القضاۃ کہنا جائز نہیں ہے لیکن اس اعتراض کے باوجود وفات تک اسی نام سے یاد کیے جاتے تھے اور وفات کے بعد بھی اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ الاحکام السلطانیہ، ادب الوزیر اور ادب القاضی بھی اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ اس کا انتقال ربیع الاول ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں ہوا تھا۔ خطیب بغدادی ماوردی کے شاگرد تھے انھوں نے اپنے شیخ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"علی بن محمد بن حبیب ابوالحسن رحمہ اللہ بصری جو ماوردی کے نام سے معروف ہیں۔ فقہاء شافعیہ کے ممتاز علماء میں شامل تھے، اصول فقہ، فروع فقہ اور دوسرے موضوعات پر اس نے متعدد تصنیفات کی ہیں۔ بہت سے شہروں میں قاضی رہے تھے، یہ ثقہ عالم تھے، ربیع الاول ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء کے آغاز میں فوت ہوئے تھے اور شہر کی جامع مسجد میں، میں نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور اس کی عمر ۸۶ سال کو پہنچ گئی تھی۔" (۸)

ماوردی آیت کی تفسیر میں سلف اور خلف یعنی صحابہ و تابعین کے تمام اقوال نقل کرتا ہے، لغوی تحقیقات کرتا ہے اور مفردات کا بڑا دقیق تجزیہ کرتا ہے۔ قراءات اور فقہی احکام کا ذکر بھی کرتا ہے اور ترجیح فی الاقوال کی کوشش بھی کرتا ہے۔ آثار صحابہ و تابعین کے بارے میں اس کا بڑا مرجع اور مصدر تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ ہے لغوی و نحوی تحقیقات میں فراء، اخفش، ثعلب، مبرد، زجاج اور ابوعبیدہ کی کتابوں سے زیادہ استفادہ کرتے تھے اور خلیل و سیبویہ کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں اور فقہی احکام بیان کرنے میں امام شافعی کے اقوال کو تو بڑی اہمیت دیتا ہے مگر امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام داؤد ظاہری کی آراء کا ذکر بھی کرتا ہے۔

انھوں نے تفسیر کے آغاز میں اپنا منہج اس طرح بیان کیا ہے:

ولما كان ظاهر الجلى مفهوما بالتلاوة وكان الغامج الخفى لا يعلم الا من وجهين نقل واجتهاد جعلت كتابى هذا مقصورا على تاويل ما خفى علمه

Marfat.com

وتفسير ما غمج تصوره وفهمه وجعلته جامعا بين اقاويل السلف والخلف وموضحا عن المؤتلف والمختلف وذاكرا ما سنح به الخاطر من معنى يحتمل عبرت عنه بانه محتمل ليتميز ما قيل مما قلته ويعلم ما استخرج مما استضرته وعدلت عما ظهر معناه من فحواه اكتفاء بفهم قارئه وتصور تاليه

''جب ظاہری اور جلی مفہوم تلاوت ہی سے معلوم ہو جاتا ہے اور پوشیدہ اور کفی کا علم حاصل نہیں ہو سکتا مگر دو طریقوں سے ایک نقل اور دوسرا اجتہاد اس لیے میں نے اپنی اس کتاب میں انہی آیات کی تاویل وتفسیر پر اکتفا کیا ہے۔ جن کے علم وفہم میں کچھ خفا اور اشکال ہو، میں نے اس کتاب میں سلف اور خلف کے اقوال کو جمع کر دیا ہے اور اتفاقی واختلافی امور کی وضاحت بھی کر دی ہے، میرے دل میں جو احتمالی معنی آیا ہے اس کا ذکر میں نے ''محتمل'' کے لفظ کے ساتھ کیا ہے تا کہ نقل کردہ اقوال اور میرے اپنے قول کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ اور منقول اور مستنبط کے درمیان فرق معلوم ہو سکے، اور جن آیات کا مفہوم سیاق کلام کی روشنی میں واضح ہو اس کے بیان کی جانب میں نے توجہ نہیں دی بلکہ ان کو سمجھنے کے لیے قاری کے فہم پر انحصار کیا ہے۔''

ماوردی کی یہ تفسیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۲ء میں ۶ جلدوں میں شائع کی ہے جس پر سید بن عبدالمقصود بن عبدالرحیم نے تفصیلی تعلیق لکھی ہے۔

## ● معالم التنزیل للبغوی (م ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء)

بغوی کا نام حسین بن مسعود تھا لیکن فراء بغوی کے نام سے مشہور ہیں۔ فراء پوستین باف اور پوستین فروش کو کہتے ہیں چونکہ پوستین بنانا اور فروخت کرنا ان کا خاندانی پیشہ تھا اس لیے فراء کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور بغوی کی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ ''بغشور''، ''ھرات'' اور ''مرورود'' کے درمیان ایک شہر کا نام ہے جو ان کا مولد یعنی مقام ولادت ہے۔ ہرات تو افغانستان کا مشہور شہر ہے اور آج کل بھی اسی نام سے مشہور ہے اور مرورود مرو صغریٰ کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ یہ مشہور شہر ''مرو الشاہجہان'' سے ۱۶۰ میل کے فاصلے نہر مرغاب کے کنارے پر آباد تھا اور شمالی افغانستان میں ترکستان کی حدود میں شامل تھا۔ خراسان کا یہ علاقہ عثمان بن عفان کے دور خلافت میں ۳۲ھ/۶۵۲ء میں احنف بن قیس نے فتح کیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں مرو کو بہت بڑی شہرت حاصل ہے۔ اس لیے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک یہ شہر بڑے بڑے علماء کا مرکز رہا ہے۔ امام بغوی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے اس لیے خلاف القیاس اسے بغوی کہا جاتا ہے۔ کب پیدا ہوئے؟ اس کے بارے میں کتب تراجم میں تصریح تو موجود نہیں ہے لیکن اس بات پر سوائے ابن خلکان کے سب کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں ہوئی تھی اور عمر ۸۰ سال سے کچھ اوپر تھی، ابن خلکان کے نزدیک ۱۱۱۶ء میں فوت ہوئے

Marfat.com

تھے اس حساب سے غالباً ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے عشرہ رابع کے اوائل میں ہوئی تھی اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں تصریح کی ہے کہ ۴۳۳ھ/۱۰۳۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا خاندان فقہ شافعی کا متبع تھا اس لیے ان کی تعلیم و تربیت بھی فقہ شافعی کے مطابق ہوئی تھی۔ مگر تفسیر، حدیث اور فقہ تینوں میں ان کو امامت اور قیادت و ریاست کا مقام حاصل تھا۔ تفسیر میں ''معالم التنزیل'' حدیث میں شرح السنۃ اور فقہ میں التہذیب ان کی کتابیں ہیں جو مصادر اور مراجع میں شمار ہوتی ہیں۔ اہل علم کے درمیان متداول ہیں اور مستند و معتمد کتابیں سمجھی جاتی ہیں، بغوی نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں بہت سے علماء سے علم سے حاصل کیا تھا لیکن ان کے مشہور اور ممتاز استاد خراسان کے فقیہ اور شیخ الشافعیہ قاضی حسین بن محمد مروزی متوفی ۴۶۲ھ/۱۰۶۹ء تھے۔ قاضی حسین کے بارے میں ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء لکھتے ہیں:

''یہ مسلک شافعی کے امام کبیر تھے، امام الحرمین نے اپنی کتاب ''نہایۃ المطلب'' میں اور امام غزالی نے اپنی کتاب ''الوسیط'' اور ''البسیط'' میں جہاں بھی ''قال القاضی'' کہا ہو تو ان کی مراد قاضی حسین ہوتی ہے۔ اس نے فقہ کا علم ابوبکر القفال مروزی سے حاصل کیا تھا، اصول و فروع اور اختلافی مسائل میں انھوں نے تصنیفات کی تھیں، لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے، تدریس کرتے تھے اور فتوے دیا کرتے تھے، ممتاز علماء کی ایک جماعت نے ان سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا جن میں التہذیب اور شرح السنہ کے مصنف فراء بغوی بھی شامل ہیں۔ اور فراء بغوی کا تعارف ابن خلکان نے اس طرح کرایا ہے کہ: فقہ شافعی کے فقیہ تھے، محدث تھے، مفسر تھے اور بحر العلوم یعنی علوم کا سمندر تھے۔''(۹)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء فرماتے ہیں:

کان علامة زمانه فيها كان دينا ورعا زاهدا عابدا صالحا توفي في شوال منها وقيل في سنة عشر فالله اعلم و دفن مع شيخه القاضي حسين بالطالقان(۱۰)

''بغوی علوم میں علامہ زمان تھے اور دیندار، پرہیز گار، زاہد، عابد اور صالح عالم تھے۔ شوال ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں وفات پائی تھی، بعض کے نزدیک ۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء میں فوت ہوئے تھے اور طالقان میں اپنے شیخ قاضی حسین کی قبر کے پاس دفن ہوئے تھے۔''

امام بغوی کی معالم التنزیل تفسیر بالماثور کے طرز پر لکھی گئی تفاسیر میں سے مختصر مگر جامع تفسیر ہے، آیات سے متعلق احادیث اور آثار نقل کرنے میں صحت اسانید و طرق کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں چونکہ بہت بڑے محدث ہیں اور محی السنہ کے لقب سے ملقب ہیں اس لیے ان کی نقل کردہ روایات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

فاسلمها من البدعة والاحاديث الضعيفة البغوی(۱۱)

''بدعت اور ضعیف احادیث سے محفوظ تفسیر بغوی کی تفسیر ہے۔''

Marfat.com

بغوی سب سے پہلے مختصر اور آسان الفاظ میں آیت کی تفسیر کرتے ہیں اور پھر غریب الفاظ کے معانی کی وضاحت کرتے ہیں اور آیات کے درمیان مطابقت بھی بیان کرتے ہیں۔

آیات الاحکام کی تفسیر میں فقہاء کی آراء بیان کرتے ہیں۔ اکثر مسائل میں امام شافعی کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر بعض مقامات پر بغیر ترجیح کے گزر جاتے ہیں۔ بغوی کی تفسیر اسرائیلیات اور روایات ضعیفہ سے بالکل خالی تو نہیں ہے بلکہ محمد بن سائب کلبی کوفی متوفی ۱۴۶ھ/۷۶۳ء جیسے مجروح راوی کی روایات بھی انھوں نے کافی تعداد میں نقل کی ہیں لیکن اس قسم کی روایات پر انھوں نے استدلال نہیں کیا اور مجموعی طور پر یہ تفسیر بڑی افادیت رکھتی ہے۔ یہ تفسیر متعدد بار شائع ہوئی ہے لیکن ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء میں دار طیبہ ریاض نے احادیث کی تخریج اور تحقیق کے ساتھ بہترین طباعت و کتابت کے ساتھ شائع کی ہے۔

## ● زادالمسیر لابن الجوزی (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء)

ابن جوزی کا نام عبدالرحمٰن بن ابی الحسن ہے اور کنیت ابوالفرج ہے لیکن ان کے جداعلیٰ جعفر جوزی کے نام سے مشہور تھے اس لیے یہ ابن جوزی کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔ جوز اخروٹ کے درخت کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بصرہ کی نہر کے داہنے پر ایک جگہ کا نام ''فرضة الجوزة'' تھا جس کی طرف جعفر منسوب تھے، بعض کے نزدیک بصرہ کے ایک محلے کا نام جوزہ تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ واسط میں ان کے گھر میں انروٹ کا درخت تھا اور واسط میں اور کہیں بھی اخروٹ کا درخت موجود نہیں تھا۔ ابن جوزی کا قول ہے کہ مجھے اپنی تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں ہے لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ میرے والد ۵۱۴ھ/۱۱۲۰ء میں فوت ہوئے تھے اور میری والدہ کہتی تھی کہ اس وقت میری عمر تین سال تھی اس حساب سے ان کی ولادت کی تاریخ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء۔ ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء بنتی ہے۔ ان کی ولادت بغداد میں ہوئی تھی، کفالت اور تربیت والدہ اور پھوپھی نے کی تھی اور انتقال ۱۲ رمضان المبارک ۵۹۷ھ/ ۱۲۰۰ء کو ہوا تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۹۰ سال سے متجاوز تھی ان کی موت کی خبر پر بغداد کے سارے بازار بند ہو گئے تھے اور بغداد کے تقریباً سب لوگ جنازے کی نماز میں شریک ہوئے تھے۔

ابن جوزی نے ہر فن کے ممتاز اور مشاہیر علماء سے علوم حاصل کیے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم وفنون میں انھوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں اور ان کا شمار ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑے واعظ بھی تھے اور ان کی مجالس وعظ میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے تھے۔

ابن خلکان (م ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء) فرماتے ہیں:

کان علامة عصره وامام وقته فی الحدیث وضاعة الوعظ صنف فی فنون عدیدة (۱۲)

''ابن جوزی علامہ زمان تھے، حدیث اور فن خطابت میں اپنے دور کے امام تھے اور انھوں نے متعدد

Marfat.com

فنون میں تصنیفات کی ہیں۔"

ابن جوزی کی تفسیر زاد المسیر میں بھی آیات کی تفسیر میں احادیث و آثار نقل کی جاتی ہیں اور نقل روایات کے سلسلے میں ان کا بڑا مصدر تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ ہے لیکن یہ اقوال میں ترجیح نہیں دیتے بلکہ نقل کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح ضعیف روایات اور اسرائیلیات سے بھی یہ تفسیر خالی نہیں ہے۔ لیکن باوجود ان خامیوں کے یہ تفسیر بڑی افادیت رکھتی ہے۔ مکتب اسلامی بیروت نے یہ تفسیر ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں پہلی مرتبہ تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کی ہے۔

## ● المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز لابن عطیہ غرناطی (م ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء)

ابن عطیہ کا نام عبد الحق بن غالب تھا اور اسم کنیت ابو محمد تھا لیکن ان کے جد اعلی کا نام عطیہ تھا اور سب سے پہلے یہی اندلس میں داخل ہوئے تھے اس لیے ان کی نسبت کی وجہ سے یہ ابن عطیہ کے نام سے مشہور ہیں، اندلس کے مشہور شہر غرناطہ کی نسبت سے اس کو غرناطی کہا جاتا ہے، نسب کے اعتبار سے یہ خالص عرب تھے اس لیے کہ عطیہ کے جد اعلی زید بن محارب مضر بن نزار کی نسل میں سے تھے جو عرب کا مشہور قبیلہ ہے، ان کی ولادت ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء میں ہوئی تھی اور تاریخ وفات میں تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن صحیح قول کے مطابق ان کا انتقال ۲۵ رمضان ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء کو ہوا تھا۔ ابن عطیہ کی تربیت علمی گھرانے، علمی خاندان اور علمی ماحول میں ہوئی تھی۔ غرناطہ اس وقت علوم و فنون کا مرکز تھا اور ان کا خاندان غرناطہ کے ممتاز افراد پر مشتمل تھا۔ نسب اور علم دونوں کی کرامت و شرافت اس گھرانے کو حاصل تھی۔ ان کے والد حافظ ابوبکر غالب بن عطیہ فقیہ، محدث اور زاہد تھے جس نے اندلس کے مشاہیر اور ممتاز علماء سے علم حاصل کیا تھا لوگ علم حاصل کرنے کے لیے ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور ابن عطیہ چھوٹی عمر میں اس علمی ماحول سے متاثر ہوتے تھے اور اس علمی فضا میں اس کی تربیت ہوئی تھی، ان کے والد نے ان کی تعلیم کے لیے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا تھا اور خود بھی ان کی تعلیم میں خصوصی دلچسپی لی تھی، اسی علمی ماحول اور اعلی تربیت کے اثرات تھے کہ ابن عطیہ ذہانت، ذکاوت، فطانت اور دانشمندی کے بلند مقام پر فائز تھے اور علوم و معارف کے حصول اور علمی کتابوں کا ذخیرہ جمع کرنے کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے۔ اسی شوق اور علمی پیاس کی وجہ سے انھوں نے اندلس کے بڑے بڑے علمی مراکز کا سفر کیا تھا اور وقت کے نامور علماء سے علوم حاصل کیے تھے یہاں تک کہ اندلس میں اہل سنت والجماعت کے افاضل علماء میں نے انھوں نے نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ اندلس کے شہر مریہ بروزن غنیۃ یا مریہ بروزن غنیّۃ میں کافی مدت تک قاضی رہے تھے اس لیے قاضی ابن عطیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اور تفسیر میں جب اپنی رائے دیتے ہیں تو اکثر کہتے ہیں قال القاضی ابو محمد، ابن عطیہ نے باطل کے مقابلے میں جہاد بالعلم کے ساتھ جہاد بالسیف میں بھی حصہ لیا تھا، اس دور میں دشمنان دین کے مقابلے میں جنگ و قتال کے معرکے بھی ہر وقت برپا رہے تھے اور ابن عطیہ تلوار لے کر کافی مدت تک گھر سے غائب رہتے اور ان

Marfat.com

معرکوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے اس لیے کہ یہ جہاد دشمنان اسلام کے خلاف تھا اور ابن عطیہ اسے بہت بڑی عبادت سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ انھوں نے مسلمانوں کے امراء کے نام مختلف خطوط بھی لکھے تھے جن میں ان کو بلاد اسلامیہ کو کفار سے آزاد کرانے اور مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے جہاد پر آمادہ کیا گیا تھا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عظیم مفسر، محدث اور فقیہ کی زندگی ایک مجاہد رحمہ اللہ کی زندگی تھی طلب علم بھی جہاد ہے، تعلیم وتفہیم دین اور دعوت دین بھی جہاد ہے، امراء اور حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنا بھی جہاد ہے، مسلمانوں اور حکمرانوں کے اندر جذبہ جہاد بیدار کرنا بھی جہاد ہے اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں غلبہ اسلام کے لیے اور مسلمانوں کو کفار سے آزادی دلانے لڑنا بھی جہاد ہے اور ابن عطیہ غرناطی نے جہاد کے ان تمام میدانوں میں شرکت کی تھی۔

ابن عطیہ کی تفسیر کو ہم نے تفسیر بالماثور کے زیر عنوان اس لیے ذکر کیا ہے کہ آیات کی تفسیر میں احادیث و آثار کو یہ دوسرے ماخذ تفسیر پر فوقیت دیتے ہیں لیکن غیر ضروری قصص وحکایات کا ذکر نہیں کرتے اور اسرائیلیات کے ذکر سے بھی بالعموم اعراض کرتے ہیں۔میرے نزدیک یہ اس تفسیر کی بڑی خوبی ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس تفسیر پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے:

وتفسير ابن عطية خير من تفسير الزمخشري واصح نقلا وبحثاً وابعد من البدع وان اشتمل علىٰ بعضها بل هو خير منه بكثير بل لعه ارجح هذه التفاسير لكن تفسير ابن جريرؒ اصح من هذه كلها (۱۳)

''ابن عطیہ کی تفسیر زمخشری کی تفسیر سے بہتر ہے، اس کی نقل اور بحث زیادہ صحیح ہوتی ہے اور بدعات سے دور ہوتی ہے اگرچہ بعض بدعات اس میں بھی آگئی ہیں بلکہ یہ زمخشری کی تفسیر سے بہت سے پہلوؤں کے اعتبار سے بہتر ہے بلکہ شاید یہ ان تمام تفاسیر سے بہتر ہے لیکن ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر ان سب سے زیادہ صحیح تفسیر ہے۔''

ابن عطیہ چونکہ عربی لغت اور صرف ونحو میں بھی مہارت اور رسوخ رکھتے تھے اس لیے اس کی تفسیر میں لغت، اعراب اور اشتقاق سے متعلق بھی بڑی اہم مباحث پائی جاتی ہیں۔ابن عطیہ سے بعد میں آنے والے مفسرین میں سے تین مفسرین نے ان کی کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور جگہ جگہ اس کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔

ایک ہے ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء) اس کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منہج تفسیر وہی ہے جو ابن عطیہ کا ہے البتہ احادیث قرطبی میں زیادہ نقل کی گئی ہیں اور فقہی احکام کی تفصیلات بھی انھوں نے زیادہ بیان کی ہیں لیکن اسرائیلیات کا ذکر قرطبی میں ابن عطیہ کی تفسیر کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ہوا ہے۔

دوسرے ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی (۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء) ہیں جنھوں نے اپنی تفسیر البحر المحیط کے

Marfat.com

مقدمے میں لکھا ہے کہ میں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے زمخشری اور ابن عطیہ کی تفسیروں پر زیادہ اعتماد کیا ہے اس لیے کہ علم تفسیر میں تصنیف کرنے والوں میں سے یہ دونوں اجل اور افضل ہیں، ابوحیان چونکہ عربیت کے ماہر تھے اور اپنی تفسیر میں انھوں نے لغوی، صرفی اور نحوی مباحث زیادہ بیان کی ہیں اور زمخشری اور ابن عطیہ بھی عربیت کے امام تھے اس لیے ادبی ذوق میں یک رنگی کی وجہ سے اس نے ان دونوں سے زیادہ استفادہ کیا ہے لیکن لغوی اور نحوی امور میں ابوحیان نے ابن عطیہ کے اقوال پر تنقید بھی کی ہے بلکہ بعض مقامات پر تنقید میں غیر ضروری طوالت بھی آگئی ہے۔

تیسرے مفسر ہیں شیخ ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی الجزائری متوفی ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء، اس کی تفسیر ''الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن'' تو دراصل ابن عطیہ کی تفسیر کا خلاصہ ہے جیسا کہ اس نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں خود لکھا ہے کہ میری یہ تفسیر ابن عطیہ کی تفسیر کے اہم مباحث پر مشتمل ہے اور کچھ فوائد دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی لیے گئے ہیں۔

ابن عطیہ کی یہ تفسیر پہلی مرتبہ مطابق ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۷ء میں دولت قطر کے امیر شیخ خلیفہ بن حمد آل ثانی کے خرچ پر اور شؤن دینیہ کے انچارج شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری کے زیر اہتمام ۱۵ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

## ● الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء)

اس تفسیر کو ہم نے تفسیر بالماثور کی قسم میں اس لیے شمار کیا ہے کہ اس میں آیات کی تفسیر میں احادیث و آثار کثرت کے ساتھ نقل ہوئے ہیں اور ان کو دوسرے مآخذ پر فوقیت دی گئی ہے ورنہ اس تفسیر میں لغوی اور نحوی مباحث بھی بقدر ضرورت بیان ہوئے ہیں اور احکام وقوانین کی تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں لیکن ہم نے اس تفسیر کو احکام القرآن میں اس لیے شمار نہیں کیا کہ یہ مکمل قرآن کی تفسیر ہے صرف آیات الاحکام کی تفسیر نہیں ہے مگر فقہی آراء اور احکام وقوانین کی تفصیلی جزئیات اور ان کے دلائل معلوم کرنے کے لیے یہ تفسیر بہترین مرجع ومصدر ہے اور بحث وتحقیق کرنے والوں کو اس میں کافی معلومات مل سکتی ہیں۔

قرطبی کا نام محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح ہے نسب کی اعتبار سے انصاری اور خزرجی تھے اور فقہی مسلک کے اعتبار سے مالکی تھے، اس کی کنیت ابوعبداللہ تھی لیکن اندلس کے مشہور شہر قرطبہ کے رہنے والے تھے اس لیے قرطبی کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی تفسیر بھی قرطبی کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ یاقوت حموی رومی بغدادی (م۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء) لکھتے ہیں:

''قرطبہ قاف کے پیش راء کے سکون، طاء کے پیش اور باء کے زبر کے ساتھ میرے خیال میں عجمی اور رومی لفظ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ عربی لفظ ''قرطبہ'' (قاف اور طاء کے زبر ساتھ) سے ماخوذ ہو جس کے معنے ہیں ''العدو والشدید'' یعنی تیز دوڑنا۔ یہ بلاد اندلس کے وسط میں ایک بڑے شہر کا نام ہے جو اس

Marfat.com

علاقے کے بادشاہ کا دارالسلطنت رہا ہے، بنوامیہ کے ملوک اسی شہر میں رہتے تھے اور یہ شہر بڑے بڑے علماء، فضلاء اور شرفاء کا مرکز رہا ہے اس کے اور سمندر کے درمیان ۵ روز کی مسافت ہے۔" (۱۴)

قرطبی کے نام سے ایک دوسرے عالم بھی مشہور ہیں جس نے صحیح مسلم کی شرح لکھی تھی اس کا نام ابو العباس احمد بن عمر قرطبی تھا لیکن وہ تفسیر قرطبی کے مصنف کے استاد تھے۔

حافظ شمس الدین داؤدی (م ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) تفسیر قرطبی کے مصنف کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری، خزرجی، مالکی مشہور تفسیر کے مصنف ہیں۔ یہ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے، اور ان علماء میں شامل تھے جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جو پرہیزگار ہوتے ہیں جن کے دلوں میں دنیا کی حرص و محبت نہیں ہوتی یعنی وہ زاہد ہوتے ہیں جو آخرت کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور جن کے اوقات توجہ الی اللہ، عبادت اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے ہیں، اس نے ۱۵ جلدوں میں قرآن کی تفسیر میں ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا ہے۔

" جامع احکام القرآن والمبین لما تضمن من السنة وآی الفرقان"

یہ فائدے کے اعتبار سے اعلی اور عظیم ترین تفسیر ہے اس میں غیر ضروری قصے اور تاریخی واقعات کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کی جگہ قرآنی احکام اور ان کے دلائل، اعراب، قراءت اور ناسخ منسوخ کے بارے میں معلوم فراہم کی گئی ہیں۔ انھوں نے اسماء حسنیٰ کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے " الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنی "اذکار کے موضوع پر اس نے " التذکار فی افضل الاذکار" کے نام سے کتاب لکھی ہے اور آخرت کے امور کے بارے میں " التذکرة فی احوال الموتی وامور الآخرة" کے نام سے کتاب لکھی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ راسخ اور ثقہ امام تھے اور متبحر عالم تھے ان کی بڑی مفید تصانیف ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم بڑا وسیع تھا اور وہ امامت اور فضیلت کے مقام پر فائز تھے۔ ان کی وفات ۹ شوال ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء میں ہوئی تھی۔ (۱۵)

## ● تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر (۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء)

ابن کثیر کا نام اسماعیل بن عمر بن کثیر تھا، لقب عماد الدین اور کنیت ابو الفداء تھی لیکن اپنے دادا کثیر کی نسبت سے ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں اور اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے والد دمشق کے مضافات میں بصریٰ کے رہنے والے تھے مگر ان کی والدہ بصریٰ کے پاس "مجدل" نام کی ایک بستی سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے والد مجدل کی مسجد کے خطیب تھے اور بہترین واعظ اور فقیہ تھے۔ ابن کثیر اسی مجدل میں ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے، والد کی وفات کے وقت ان کی عمر ۳ سال تھی مگر ۷۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں ابن کثیر کا خاندان ان کے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی زیر نگرانی دمشق منتقل ہوگیا تھا اور ان کی تعلیم دمشق میں ہی اپنے بھائی کے زیر نگرانی

Marfat.com

ہوئی تھی۔ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں خودلکھا ہے:

توفی والدی فی شهر جمادی الاولی سنة ثلاث وسبع ماة فی قرية مجيدل ودفن بمقبرتها الشمالية عند الزيتون وكنت اذ ذاك صغيرا ابن ثلاث سنين او نحو هاثم تحولنا من بعده فی سنة سبع وسبع ماة الى دمشق صحبة كمال الدين عبدالوهاب وقد كان لنا شقيقا وبنا رفيقا شفوقا وقد تاخرت وفاته الى سنة خمسين فاشتغلج على يديه فی العلم فيسر الله تعالىٰ منه ما يسر وسهل منه ما تعسر والله اعلم (۱۶)

"میرے والد جمادی الاولیٰ ۷۰۳ھ/۱۳۰۳ء کو قریہ مجیدل (یا مجدل) میں فوت ہوئے تھے۔اور میں اس وقت تین سال کا بچہ تھا، والد کی وفات کے بعد ہم لوگ ۷۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں کمال الدین عبدالوہاب کی زیرنگرانی دمشق منتقل ہو گئے جو ہمارا سگا بھائی تھا اور ہم سے محبت اور شفقت رکھتا تھا، میرے اس بھائی کی وفات ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء تک موخر ہوگئی تھی اس لیے میں اس سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا تو اللہ نے ان کے ذریعے ہمیں آسانیاں عنایت فرمائیں اور ہماری مشکلیں ہٹا کر سہولتیں فراہم کردیں۔واللہ اعلم)۔"

شمس الدین داؤدی (م ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء) نے ابن کثیر کے شیخ حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ھ سے ان کے علم وفضل پر جو تبصرہ نقل کیا ہے وہ بڑا جامع ہے:

"فقيه متفنن ومحدث متقن ومفسر نقاد" (۱۷)

"دین کی مختلف فنون میں فقیہ تھے، پختہ علم والے محدث تھے اور نقد وتحقیق کرنے والے مفسر تھے۔"

تفسیر، حدیث اور فقاہت (یعنی قرآن وحدیث سے احکام معلوم کرنے کی صلاحیت) دین اسلام کے یہی تین اصول ہیں اور جو شخص ان تینوں میں وسیع اور پختہ معلومات رکھتا ہو وہ امت مسلمہ کی دینی اور فکری قیادت کا اہل ہوتا ہے اور یہ تینوں صفات اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن کثیر کو عطا فرمائی تھیں۔

وذالك فضل الله يوتيه من يشاء

ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم کو اگر ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر کی تلخیص کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی نقل کردہ احادیث وآثار کا بڑا ماخذ ابن جریر رحمہ اللہ ہے، بڑا ماخذ میں نے اس لیے کہا ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر میں صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں اور تلخیص کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ابن جریر رحمہ اللہ ہر حدیث اور اثر کے متعدد طرق اور اسانید بیان کرتے ہیں اور ابن کثیر نے اختصار کے لیے اسانید کو اکثر مقامات پر حذف کردیا ہے البتہ کسی علمی اور سندی نکتے کے بیان کے لیے بعض روایات کی سند بھی نقل کر دیتے ہیں۔لیکن ابن کثیر کی چار امتیازی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اس کی افادیت ابن جریر رحمہ اللہ سے زیادہ ہے ایک یہ کہ یہ آیات کی تفسیر میں دوسری سورتوں سے نظائر پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے زیرغور آیت کا مفہوم کھل کر سامنے آ جاتا ہے

Marfat.com

یعنی اس کی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نقل کردہ روایات کی صحت اور عدم صحت پر اکثر بحث کرتے ہیں اور راویوں کی ثقاہت اور عدم ثقاہت پر بالعموم روشنی ڈالتے ہیں، تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کو اکثر تو نقل ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں اور جہاں پر نقل کرتے ہیں تو ان پر تنقید کرتے ہیں اور قاری کو بتا دیتے ہیں کہ آیت کی تفسیر ان روایات کی محتاج نہیں ہے اور ان کو آیت کی تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا اور چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جن امور کو قرآن نے مبہم چھوڑ دیا ہو اور رسول اللہ ﷺ سے سند صحیح کے ساتھ اس کی وضاحت بھی مروی نہ ہو اور آیت جس مقصد کے لیے نازل ہوئی ہو اس کے اعتبار سے ابہام کا ازالہ ضروری بھی نہ ہو تو ایسے امور کو مبہم ہی رہنے دیتے ہیں اور غیر ضروری بحثیں نہیں کرتے۔

## ● الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن للثعالبی (م ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء)

ثعالبی کا نام عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ہے اور کنیت ابو زید ہے، ان کی ولادت الجزائر شہر کے قریب ایک مقام پر ۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء میں ہوئی تھی اور ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء میں الجزائر میں فوت ہوئے تھے اور یہیں پر دفن ہوئے تھے، طلب علم کے لیے انھوں نے سب سے پہلے الجزائر کے شہر ''بجایہ'' کا سفر کیا تھا اور اس شہر کے کبار علماء سے علم حاصل کیا تھا، اس کے بعد تونس کے ممتاز علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آخر میں مصر تشریف لے گئے اور ''الفیہ فی علوم الحدیث'' کے مصنف حافظ زین الدین عراقی (۸۲۶ھ/۱۴۲۲ء) سے حدیث نبوی اور اس سے متعلق دوسرے علوم حاصل کیے، مصر سے حج کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور وہاں پر کبار علماء سے مختلف علوم حاصل کیے، اور حدیث بیان کرنے کی اجازت حاصل کی اور پھر واپس الجزائر آ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ثعالبی اپنے احباب اور اصحاب میں ''ولی اللہ'' سمجھے جاتے تھے اور امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی تفسیر کا منہج مقدمے میں خود بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ میرے دل کو اور تیرے دل کو ایمان و یقین کے انوار سے منور فرمائے اور مجھ کو اور تم کو اپنے متقی اولیاء میں شامل کر دے۔ میں نے اپنے لیے اور تیرے لیے اس مختصر تفسیر میں وہ باتیں جمع کر دی ہیں جو میری اور تیری آنکھوں کو دونوں جہانوں میں ٹھنڈی کر دیں گی۔ میں نے اس تفسیر میں ابن عطیہ کی تفسیر کی اہم ترین اور ضروری باتیں جمع کر دی ہیں اور دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی بہت سے فوائد اکٹھے کر دیئے ہیں، میں نے جس کتاب سے بھی اقتباس نقل کیا ہے تو اس کے مصنف کے اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے اور جو بات میں نے اپنی رائے سے لکھی ہے تو اس کے لیے ت کا نشان لگا دیا ہے جسے تم قلت بھی پڑھ سکتے ہو۔ بخاری و مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے علاوہ جو صحاح یا حسان احادیث نقل کی گئی ہیں تو وہ نووی کی الاذکار، منذری کی ترغیب و ترہیب، قرطبی کی کتاب التذکرۃ

Marfat.com

اور بغوی کی مصابیح السنہ سے لی گئی ہیں۔''

مصنف کے اپنے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب دراصل ابن عطیہ کی تفسیر ''المحرر الوجیز'' کی تلخیص ہے اور اس میں دوسرے ائمہ تفسیر کی تفاسیر سے بھی بعض ضروری فوائد اور نکات نقل کیے گئے ہیں اور لغت اور اعراب سے متعلق اکثر نکات ابوحیان کی تفسیر سے لیے گئے ہیں۔ ہم نے اس کی تفسیر کو تفسیر بالماثور کی قسم میں اس لیے شامل کیا ہے کہ اس میں احادیث و آثار کی کافی تعداد موجود ہے اور اکثر صحاح یا حسان ہیں ضعاف بہت ہی کم ہیں۔ اسی طرح اسرائیلیات کا ذکر بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور شاذ و نادر اگر ذکر ہوا بھی ہے تو ساتھ تردید بھی کی گئی ہے۔ بہرحال یہ تفسیر ابن عطیہ کی کتاب اور دوسرے ائمہ تفسیر کی کتابوں کا جامع قسم کا خلاصہ اور نچوڑ ہونے کی حیثیت سے بڑی مفید تفسیر نظر آتی ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

یہ تفسیر دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء میں تین جلدوں میں شائع کی ہے اور ابو محمد غماری ادریسی نے اس کی تحقیق کی ہے اور احادیث کی تخریج کی ہے۔

## • الدر المنثور فی التفسیر الماثور للسیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

یہ تفسیر تو سو فی صد تفسیر بالماثور ہے جیسا کہ اس کے نام سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے آیات کی تفسیر میں احادیث و آثار نقل کرنے کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں لکھا ہے، اس تفسیر کا پس منظر اور باعث تصنیف مصنف نے مقدمے میں خود ہی بیان کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

میں نے جب اپنی کتاب ترجمان القرآن کی تالیف کئی جلدوں میں مکمل کی جس میں احادیث رسول اور آثار صحابہ اسانید کے ساتھ نقل کیے گئے تھے تو میں نے لوگوں کی ہمتوں میں کمزوری دیکھی اور اسانید کے بغیر صرف متون پر اکتفا کی جانب ان کی رغبت دیکھی، لوگوں کی ہمت میں کمی اور اختصار کی جانب ان کی رغبت اور میلان کی وجہ سے میں نے ترجمان القرآن کی تلخیص کر کے مختصر تفسیر مرتب کی اور اسانید کو حذف کر کے احادیث و آثار کے متون پر اکتفا کیا مگر ہر روایت کے اول میں ان معتبر کتابوں کا حوالہ دیدیا جن سے وہ نقل کی گئی ہے اور جنھوں نے اس کی تخریج کی ہے اختصار کے بعد اس مختصر تفسیر کا میں نے نام رکھا ہے ''الدر المنثور فی التفسیر بالماثور'' میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے مولف کے اجور کو بڑھا دے اور اس کو اپنے کرم اور احسان کے ذریعے خطاؤں اور غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ یقیناً وہی احسان کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

مصنف کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ در منثور دراصل ان کی مفصل تفسیر ترجمان القرآن کا اختصار ہے۔ مگر اختصار صرف یہ ہے کہ اسانید حذف کر دیئے گئے ہیں ورنہ احادیث و آثار کے متون اپنی جگہ پر باقی ہیں۔

Marfat.com

# جلال الدین سیوطی کا مختصر تعارف

جلال الدین سیوطی سیکڑوں کے مصنف ہیں اور اہل علم کے درمیان معروف ہیں۔ سیوطی کا نام عبدالرحمن بن کمال ابی بکر بن محمد ہے اور لقب جلال الدین ہے لیکن مصر کے مشہور شہر اسیوط کی نسبت سے جلال الدین سیوطی کے نام سے مشہور ہیں اور اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی ولادت رجب ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء میں ہوئی تھی اور ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء میں انھوں نے وفات پائی تھی۔ آٹھ سال سے بھی کم عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد فقہ کی کتاب ''عمدۃ الاحکام'' علم اصول کی کتاب ''مناہج الفقہ والاصول'' اور علم نحو کی کتاب ''الفیہ ابن مالک'' تینوں یاد کر لی تھیں اور پھر ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء میں ۱۵ سال کی عمر میں مختلف علوم وفنون کا تفصیلی اور تحقیقی علم حاصل کرنے کے لیے اکابر ومشاہیر اساتذہ کی مجالس میں حاضر ہونے کا آغاز کیا۔

طلب علم کے لیے انھوں نے مصر سے شام، حجاز، یمن، ہند اور مغرب یعنی اندلس کے سفر بھی کیے تھے اور اپنے ملک کے مختلف مراکز کے دورے بھی کرتے رہتے تھے مگر ان کی زندگی کا اکثر حصہ قاہرہ میں گزرا ہے۔

۸۷۱ھ/۱۴۶۶ء میں ۲۲ سال کی عمر میں سیوطی نے فتویٰ دینا شروع کیا تھا، ۸۷۲ھ/۱۴۶۷ء میں ۲۳ سال کی عمر میں انھوں نے حدیث پڑھانا شروع کر دیا تھا اور ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں ۳۷ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ سیوطی نے خود لکھا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے سات علوم میں تبحر اور مہارت عطا فرمائی ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع۔

ان کی کل تصنیفات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۵۰۰ سے بھی زائد ہیں۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور کو بیروت کے نشریاتی ادارے دار الفکر نے ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء میں آٹھ جلدوں میں بہترین طباعت اور کتابت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

Marfat.com

# تدبر اور تفکر کے ذریعے تفسیر کرنے والے مفسرین اور ان کی تفسیریں

- **مفاتیح الغیب المعروف بتفسیر کبیر لامام الرازی (م ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء)**

## امام رازی کا تعارف:

امام رازی کا نام محمد بن عمر بن حسین ہے، لقب فخر الدین ہے مگر چونکہ ان کی ولادت اور تربیت مشہور علمی مرکز ''رے'' میں ہوئی تھی اس لیے اس نسبت کی وجہ سے وہ امام رازی کے نام سے مشہور ہیں ان کے والد عمر بن حسین کا لقب ضیاء الدین تھا اور یہ رے کے خطیب رہے تھے اس لیے امام رازی ابن الخطیب کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ امام رازی ۲۵ رمضان ۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء کو ''رے'' میں پیدا ہوئے تھے اور یکم شوال ۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء کو (عید الفطر کے دن) ہرات میں فوت ہوئے تھے اور اسی روز شام کے وقت ہرات کے قریب ''مزدرخان'' نامی گاؤں کے پاس ایک پہاڑ میں دفن ہوئے تھے۔ علم کلام اور علم فقہ میں امام رازی کے پہلے استاد ان کے والد ضیاء الدین عمر بن حسین تھے اور ان کے استاد مشہور محدث امام بغوی تھے، مگر اپنے والد سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے مشاہیر اور ممتاز اساتذہ سے مختلف علوم وفنون حاصل کیے اور پھر درس وتدریس، وعظ وخطابت، مناظروں ومباحثوں اور تصنیف وتالیف کے مشاغل جاری رکھے یہاں تک کہ لوگوں نے ان کو ''امام رازی'' اور ''فخر الدین رازی'' کا لقب دیدیا اور آج تک اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ امام رازی علم الکلام اور فلسفہ ومعقولات میں اپنے دور کے تمام اہل علم پر فوقیت رکھتے تھے۔ انھوں نے مختلف فنون میں بڑی مفید کتابیں لکھی تھیں۔ جنھوں نے مختلف علاقوں میں مقبولیت حاصل کر لی تھی اور لوگ دوسرے علماء کی کتابوں کو چھوڑ کر ان کی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وعظ اور خطابت کی بے مثال صلاحیت رکھتے تھے، عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تقریر کرتے تھے، دوران تقریر ان پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور بہت زیادہ روتے تھے، شہر ہرات میں ان کی مجلس میں ہر قسم کے نظریات رکھنے والے لوگ شریک ہوتے اور قسم قسم کے سوالات کرتے مگر امام

Marfat.com

موصوف ہر ایک کو بڑے اچھے طریقے سے جواب دیا کرتے تھے، ان کی مجالس میں شرکت اور ان کے جوابات سننے کی وجہ سے فرقہ کرامیہ اور دوسرے اہل بدعت کے بہت سے لوگوں نے تائب ہو کر اہل سنت کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔

امام رازی کی ابتدائی زندگی بڑے افلاس اور فقر و احتیاج میں گزری ہے لیکن ان کی زندگی کا آخری حصہ بڑے تمول اور عیش و راحت میں گزرا ہے اور اس تمول کا ابتدائی ذریعہ شہر ''رے'' کا ایک متمول اور دولت مند طبیب ثابت ہوا تھا، امام رازی جب خوارزم اور ماوراء النہر کے دورے پر گئے اور مختلف مذاہب اور نظریات کے لوگوں کے ساتھ مناظرے اور مباحثے کیے تو لوگوں نے ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیا، آخر تنگ آکر وہ اپنے آبائی شہر ''رے'' کو واپس تشریف لے آئے۔ رے میں ایک دولت مند طبیب تھا جس کے بیٹے نہیں تھے۔ صرف دو بیٹیاں تھیں اور اتفاق سے امام رازی کے بھی دو بیٹے تھے، طبیب جب مرض موت میں مبتلا ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ میرا زندہ رہنا اب ممکن نہیں ہے تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو امام رازی کے دو بیٹوں کے نکاح میں دیدیا اور اس کے تمام منقولہ اور غیر منقولہ اموال امام صاحب کے بیٹوں کے پاس آ گئے اور اس سے امام کی آسودہ حالی کا آغاز ہوا، اس کے بعد غزنی کے سلطان شہاب الدین غوری اور خوارزم کے سلطان خوارزم شاہ کے ساتھ ان کے تعلقات قائم ہو گئے، دونوں ان کے معتقد ہو گئے اور علماء و فضلاء اور عوام میں بھی ان کی مقبولیت عروج پر پہنچ گئی۔ مختلف علاقوں اور شہروں سے بڑے بڑے علماء اور فضلاء سفر کر کے امام رازی سے ملنے ان سے علمی فیوض حاصل کرنے اور ان کے خطابات و مواعظ سننے کے لیے آتے تھے۔(۱۸)

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے اپنی کتاب ''امام رازی'' میں ''مفتاح السعادۃ'' کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے جو کہ اہل بدعت کا مؤید ہے۔(۱۹)

امام رازی منطق، فلسفہ، کلام میں تو مسلمہ امام تھے اور معقولات میں اس کے مقابلے کے افراد شاذ نادر ہی ملتے ہیں لیکن دوسرے علوم و فنون میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ ابن الاثیر جزری اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں لکھتے ہیں کہ

وکان امام الدنیا فی عصرہ

''یہ اپنے دور میں پوری دنیا کے امام تھے۔''(۲۰)

لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں:

لقد اختبرت الطوق الکلامیۃ والمناھج الفلسفیۃ فلم اجدھا تروی غلیلا ولا تشقی علیلا ورئیت اقرب الطرق طریقۃ القرآن اقراء فی الاثبات الرحمٰن علی العرش استویٰ، الیہ یصعد الکلم الطیب وفی النفی لیس کمثلہ شیء ھل تعلم لہ سمیا(۲۱)

''میں نے علم الکلام کے طرز استدلال کو بھی آزما لیا ہے اور فلسفیانہ مناہج سے بھی واقفیت حاصل کر لی

Marfat.com

ہے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو نہیں پایا کہ لوگوں کی پیاس بجھاتا ہو یا کسی مریض کو شفا دیتا ہو، اور میں نے قریب ترین اور آسان ترین طریقہ قرآن کا طریقہ پایا ہے' صفات کے اثبات کے لیے ''الرحمٰن علی العرش استویٰ اور الیہ یصعد الکلم الطیب پڑھو اور تشبیہ کی نفی کے لیے لیس کمثلہ شیء اور ھل تعلم لہ سمیا کافی ہے۔''

## امام رازی کی تفسیر کا تعارف:

① امام رازی کی تفسیر کا نام تو ''مفاتیح الغیب'' ہے لیکن اگر ساتھ مصنف کا نام نہ لیا جائے تو ''مخصوص علماء'' کے علاوہ عوام اور خواص، طلباء اور اساتذہ دونوں سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ کس کی تصنیف ہے اس لیے کہ یہ ''التفسیر الکبیر'' کے نام سے مشہور ہے اور تفسیر کبیر کا نام سنتے ہی علم تفسیر کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والا شخص بھی سمجھ لے گا کہ یہ امام رازی کی تفسیر ہے۔ تفسیر کبیر کے نام سے شہرت کی وجہ یہ ہے کہ یہ فی الواقع بڑی تفسیر ہے چھوٹی تفسیر نہیں ہے۔ کیفیت اور شان کی اعتبار سے بھی کبیر ہے کہ اس میں بڑے عظیم اور دقیق علوم و معارف بیان ہوئے ہیں اور ہر فن اور علم سے متعلق بڑی مفید مباحث حسن ترتیب اور حسن بیان کے ساتھ اس میں تحریر کی گئی ہیں اور کمیت و ضخامت کے لحاظ سے بھی کبیر اور طویل تفسیر ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ امام رازی علم کا سمندر اور بحر زخار تھے اور سمندر سے جب لہریں اور موجیں اٹھتی ہیں تو اردگرد کے وسیع و عریض علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں، امام رازی بھی جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں مختلف علوم و فنون سے متعلق مسائل کی موجیں اٹھتی ہیں جن کو کنٹرول کرنا اور موضوع کی حدود میں محدود رکھنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور وہ ترتیب وار سب مسائل کو ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیتے ہیں خواہ وہ مسائل لغت اور صرف و نحو سے تعلق رکھتے ہوں یا علم بلاغت کے فنون ثلاثہ سے تعلق رکھتے ہوں، حدیث اور فقہ سے متعلق ہوں یا فلسفہ و کلام سے متعلق ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک بات سے ضمنی باتیں نکلنا شروع ہو جائیں یا نکالی جائیں تو بات طویل سے طویل تر ہوتی جائے گی اور آیت کا جو مفہوم چار پانچ یا دس بارہ سطروں میں بیان کیا جا سکتا ہو وہ چار پانچ یا دس بارہ صفحات پر پھیل جائے گی اور تفسیر کبیر اور ضخیم بن جائے گی، جو لوگ تفصیلی اور تحقیقی معلومات کا ذوق و شوق رکھتے ہوں اور ان کے پاس فارغ اوقات بھی ہوں تو ایسی تفسیر ان کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے مگر جو طلبہ آیت کا صحیح مفہوم مختصر الفاظ میں سمجھنا چاہتے ہیں وہ مسائل و مباحث کے اس سمندر سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے بلکہ کنفیوژن اور الجھن میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لیے میرے نزدیک بحث و تحقیق کا ذوق و شوق رکھنے والے علماء و فضلاء کے لیے تو تفسیر کبیر کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ یہ علوم و معارف اور مسائل و مباحث کی انسائیکلو پیڈیا اور دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے لیکن مبتدی یا متوسط درجے کے طلبہ کے لیے اس تفسیر کی کچھ زیادہ افادیت نہیں ہے۔ امام رازی کی زبان سے ایک مرتبہ یہ بات نکل گئی تھی کہ سورہ فاتحہ سے دس ہزار مسائل نکالے جا سکتے ہیں۔ اس دعوے کو بعض لوگوں نے بعید از قیاس قرار دیا تو

Marfat.com

امام صاحب نے سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی جو ۲۹۰ بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مستقل کتاب بھی ہے اور تفسیر کبیر کا حصہ بھی ہے۔ اس میں صرف، نحو، بلاغت، فقہ، فلسفہ، کلام اور دوسرے علوم وفنون کے تقریباً تمام اہم مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں اور ابتداء میں لکھا ہے کہ ہزاروں مسائل اور فوائد ونفائس تو اکیلے اَعوذ باللہ سے بھی نکالے جاسکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ استعاذ سے مراد ہے منہیات اور ممنوعات سے اللہ کی پناہ مانگنا، منہیات یا اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں یا عمل سے تعلق رکھتے ہیں اور اعتقادات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ۷۲ فرقے دوزخی ہیں جن سے اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے اور ان گمراہ فرقوں میں سے ہر ایک کی بہت سی شاخیں ہیں اور ہر ایک شاخ کے بہت سے باطل عقائد ہیں اسی طرح ہر ایک کے اعمال سے تعلق رکھنے والے مسائل باطلہ بھی بے شمار ہیں۔ اس اعتبار سے تو تنہا اعوذ باللہ ہزاروں مسائل پر مشتمل ہے، ظاہر ہے کہ جب تفسیر اور تحقیق کا انداز یہ ہو تو تفسیر کا کبیر ہونا لازمی ہے۔

(۲) تفسیر کبیر میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کے اثبات اور معتزلہ کے عقائد کے ابطال پر بڑی مفید بحثیں موجود ہیں۔ جن آیات سے اہل اعتزال نے اپنے نظریات فاسدہ کے لیے استدلال کیا ہے امام صاحب نے اس کے جوابات دیئے ہیں اور استدلال کا بطلان ثابت کیا ہے۔ امام صاحب اہل سنت کے علم کلام میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور معتزلہ کے شدید مخالف تھے، ان کے ساتھ انھوں نے مباحثے اور مناظرے بھی کیے تھے جن کی وجہ سے ان کو خوارزم اور ماوراء النہر کے مختلف شہروں سے نکالا بھی گیا تھا اس لیے اپنی تفسیر میں جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ ان کے دلائل کا بودا پن ثابت کرتے ہیں اور اہل سنت کے دلائل کی صحت اور قوت واضح کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان یعاب بایراد الشبه الشدیدة ویقصر فی حلها حتی قال بعض المغاربه یورد الشبه نقدا ویحلها نسیئة (۲۲)

''امام رازی پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ یہ شبہات تو بڑے سخت کرتا ہے مگر ان کا حل ناقص اور کمزور پیش کرتا ہے یہاں تک کہ بعض اہل مغرب نے کہا ہے کہ امام رازی شبہات تو نقد پیش کرتے ہیں مگر ان کا حل ادھار چھوڑ دیتے ہیں۔''

(۳) تفسیر کبیر میں آیات کی تاویل وتوجیہ میں اکثر تو جمہور مفسرین اور اہل سنت کے اقوال کو ترجیح دی گئی ہے لیکن بعض مقامات پر ابومسلم اصفہانی معتزلی کی تاویل کی تائید کی گئی ہے۔ اس قسم کی تاویل میں امام صاحب سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے اور اتفاق بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ امام رازی معتزلہ کے عقائد کی تائید کرتے ہیں اس لیے کہ جن مقامات پر انھوں نے ابومسلم کی تائید کی ہے اور ان کا تعلق عقائد سے نہیں ہے۔ مثلاً سورۃ طٰہٰ میں سامری کا قول نقل ہوا ہے:

﴿ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ

Marfat.com

فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي﴾(۲۲۔۱)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے پہلے تو جمہور مفسرین کی تفسیر نقل کی ہے جو صحابہ و تابعین سے ماثور ہے اور اس کے بعد ابو مسلم اصفہانی کی تاویل نقل کی ہے جس کے مطابق آیت کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے:

''میں نے موسیٰ علیہ السلام کے دین میں وہ چیز دیکھی تھی جو انھوں نے (بنی اسرائیل نے) نہیں دیکھی تھی یعنی میں سمجھ گیا تھا کہ یہ دین حق نہیں ہے، پس میں نے اس رسول (موسیٰ) کے قدم پر قدم رکھا تھا یعنی کچھ مدت تک اس کی پیروی کرتا رہا تھا مگر میں نے اب اس کی پیروی کو پھینک دیا ہے یعنی چھوڑ دیا ہے۔'' یہ تاویل درست نہیں ہے بلکہ عام مفسرین والی درست ہے کہ رسول سے مراد جبریل ہے اور اس کے قدموں کی مٹی لی تھی۔

④ تفسیر کبیر میں سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے بیان کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور مختلف مقامات پر وارد ہونے والے اشکالات بھی حل کیے گئے ہیں مگر امام صاحب کی عادت یہ ہے کہ وہ توجیہات کثیرہ بیان کرتے ہیں جن میں کمزور توجیہات بھی ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے قوی اور مضبوط توجیہات بھی کمزور سمجھ لی جاتی ہیں۔ اگر توجیہات کے تعداد اور کثرت کی جگہ قوی اور مضبوط توجیہات پر اکتفا کیا جاتا تو اس میں افادیت زیادہ ہوتی ہے۔

⑤ امام رازی امام المتکلمین اور علوم وفنون کے بحر زخار تو تھے مگر ائمہ حدیث میں شمار نہیں ہوتے تھے اور حدیث میں کمزور بھی تھے۔ تفسیر کبیر میں احادیث و آثار کی تعداد تو بہت کم ہے لیکن جو روایات نقل کی گئی ہیں ان کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق بھی نہیں کی گئی اور اکثر مقامات پر حوالے بھی نہیں دیئے گئے اس لیے تفسیر کبیر میں نقل کردہ روایات پر استدلال تحقیق کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔

⑥ اس بات پر تو تقریباً اتفاق ہے کہ امام رازی نے اپنے قلم سے تفسیر مکمل نہیں کی تھی البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انھوں نے کہاں تک خود لکھی تھی اکثر کی رائے یہ ہے کہ سورہ انبیاء تک لکھی گئی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا، تکملہ کس نے لکھا ہے؟ اس بارے میں کوئی قطعی بات تو نہیں کہی جا سکتی البتہ حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنہ'' میں لکھا ہے کہ تفسیر کبیر کا تکملہ نجم الدین احمد بن محمد مخزومی مصری ۷۲۷ھ/۱۳۲۶ء نے لکھا ہے اور بعض کے نزدیک تکملے کا کچھ حصہ قاضی القضاۃ شہاب الدین بن خلیل دمشقی نے بھی لکھا ہے لیکن تکملہ جس نے بھی لکھا ہو تفسیر کا اسلوب آغاز سے لے کر آخر تک یکساں ہے اور قاری کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ امام رازی سے یہ تفسیر ادھوری رہ گئی تھی۔

Marfat.com

## • انوار التنزیل واسرار التاویل معروف بتفسیر بیضاوی للبیضاوی (م ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء)

### بیضاوی کا تعارف

بیضاوی کا نام عبداللہ بن عمر بن محمد ہے، لقب ناصر الدین ہے اور کنیت ابوالخیر ہے لیکن یہ فارس کے مشہور شہر بیضاء کی نسبت سے قاضی بیضاوی کے نام سے مشہور ہیں اور اہل علم میں اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔
''بیضاء'' کے بارے میں یاقوت حموی (۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء) لکھتے ہیں:

البیضاء ضد السوداء فی عدة مواضع منها مدینة مشهورة بفارس وکان اسمها فی ایام الفرس در سفید فعربت بالمعنیٰ وقال الاصطخری البیضاء اکبر مدینة فی کوره اصطخر وانما سمیت البیضاء لان لها قلعة تبین من بعد ویری بیاضها وکانت معسکرا للمسلمین یقصدونها فی فتح اصطخر بینها وبین شیراز ثمانیة فراسخ وینسب الیها جماعة (۲۳)

''بیضاء جو سوداء کی ضد ہے کئی مقامات کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک فارس کا مشہور شہر بھی ہے، فارسیوں کے زمانے میں اس کا نام در سفید یعنی سفید دروازہ تھا، مگر اس کو مفہوم کے اعتبار سے عربی میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اصطخری نے کہا ہے کہ بیضاء اصطخر کے علاقے یا ضلع میں ایک بڑا شہر ہے اور اس کو بیضاء اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک قلعہ تھا جس کی سفیدی دور سے دکھائی دیتی تھی یعنی اس کا سفید قلعہ دور سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔ بیضاء کا یہ شہر اصطخر کی فتح کے زمانے میں مسلمانوں کا لشکر گاہ (جہادی کیمپ) بھی رہا ہے، اس کے اور شیراز کے درمیان آٹھ فرسخ یعنی ۲۴ میل کا فیصلہ ہے اور اس شہر کی جانب علماء کی ایک جماعت منسوب ہے۔''

اور اصطخر کے بارے میں یاقوت فرماتے ہیں:

''کہا گیا ہے کہ اصطخر (ہمزہ کی زیر، صاد کے سکون، طاء کی زبر اور خاء کے سکون کے ساتھ) کو سب سے پہلے فارسیوں کے بادشاہ اصطخر بن طہمورث نے آباد کیا تھا، اس کی کشادگی ایک میل ہے، فارس کے قدیم ترین اور مشہور ترین شہروں میں سے ایک شہر ہے، یہ اردشیر کے زمانے تک فارس کے بادشاہوں کا مسکن اور مرکز رہا ہے، اصطخر اور شیراز کے درمیان ۱۲ فرسخ کا فاصلہ ہے یعنی ۳۶ میل کا۔'' (۲۴)

تاج الدین سبکی نے اس کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

کان امام مبرزا نظارا صالحا متعبدا زاهدا۔

Marfat.com

''بیضاوی اپنے ہم سروں پر فوقیت رکھنے والے امام تھے، زیرک اور دانشمند تھے، عابد اور زاہد تھے۔''

شیراز کے قاضی القضاۃ تھے، تبریز میں اس وقت داخل ہوئے تھے کہ ایک فاضل عالم اپنی درسگاہ میں درس دے رہے تھے، قاضی بیضاوی بھی اس مجلس کے آخر میں بیٹھ گئے، مدرس نے مجلس میں ایک نکتہ پیش کیا اور کہا کہ اس کی تشریح کرو اور اس کا جواب بتاؤ، اگر جواب نہیں دے سکتے تو صرف تشریح کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو میرے بیان کردہ نکتے کو میرے الفاظ میں دہرا دو۔ مدرس کا گمان یہ تھا کہ حاضرین میں سے اس نکتے کو کوئی بھی نہیں جانتا لیکن مدرس نے جب اپنی بات پوری کی تو قاضی ناصر الدین نے جواب دینا شروع کر دیا مگر مدرس نے کہا میں جواب نہیں سنوں گا جب تک کہ مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ تم نے اس نکتے کو سمجھ لیا ہے۔ قاضی نے کہا اس کی تشریح باللفظ کروں یا بالمعنی کروں یعنی آپ کے الفاظ دہرا دوں یا اپنے الفاظ میں بیان کروں؟ مدرس پہلے تو کچھ متحیر ہو گئے لیکن پھر کہا کہ میرے الفاظ ہی دہرا دو۔ قاضی نے اس کے الفاظ دہرائے اور کہا کہ آپ کے بیان کردہ الفاظ کی ترکیب میں یہ نقص رہ گیا ہے۔ پھر اس نکتے کو حل کیا یعنی تشریح کی اور پھر اس کا جواب دیا اور فوراً اس طرح کا ایک اور نکتہ پیش کیا اور مدرس کو دعوت دی کہ آپ اس کو حل کریں مگر مدرس اس نکتے کو حل نہ کر سکے، مجلس میں وزیر بھی تشریف رکھتا تھا اس نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ میں بیضاوی ہوں اور شیراز کی قضاء کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ وزیر نے ان کا اکرام و اعزاز کیا، انھیں اسی روز خلعت پہنائی اور ان کی حاجت پوری کر کے واپس بھیج دیا۔ (۲۵)

سبکی نے ان کی تاریخ وفات ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء بتائی ہے اور مشہور قول بھی یہی ہے لیکن ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۶۸۵ھ/۱۲۵۶ء میں فوت ہوئے تھے واللہ اعلم۔

بیضاوی کی تفسیر کی نوعیت اس کے خطبے میں انھوں نے خود بیان کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''کافی مدت سے میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میں فن تفسیر میں ایسی کتاب تصنیف کروں جو اکابر صحابہ، علماء و تابعین اور ان سے کم درجے کے سلف صالحین کے ان منتخب اقوال پر مشتمل ہو جو مجھ تک پہنچے ہیں اور وہ ان اعلیٰ نکتوں اور خوبصورت لطیفوں پر مشتمل ہو جو میں نے مستنبط کیے ہیں یا متاخرین کے بہترین علماء نے اور بزرگ تر محققین نے مستنبط کیے ہیں اور جس میں مشہور آٹھ ائمہ قراءت کی مشہور قراءتوں کی وضاحت و صراحت بھی کی گئی ہو اور معتبر قاریوں سے مروی شاذ قراءتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہو، لیکن میرے سرمایہ علم کی کمی مجھے اس اقدام سے روکتی تھی اور اس مقام پر کھڑا ہونے سے منع کرتی تھی، یہاں تک کہ استخارہ کرنے کے بعد اس کے آغاز کرنے کا پختہ عزم میرے دل میں ظاہر ہو گیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ جب اس کتاب کو مکمل کر لوں تو اس کا نام رکھوں گا ''انوار التنزیل و اسرار التاویل۔''

مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان کی تفسیر پانچ امور پر مشتمل ہے۔

① صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے اقوال۔

Marfat.com

② اس کی اپنی عقل و رائے سے معلوم کردہ نکات و لطائف۔
③ متاخرین فضلاء و محققین کے بیان کردہ نکات و لطائف۔
④ مشہور ائمہ قراءات کی قراءت مشہورہ۔
⑤ اور دوسرے معتبر قاریوں سے مروی شاذ قراءت۔

جن نکات و لطائف کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ لغت و عربیت صرف ونحو اور بلاغت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے امور سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ باقی رہیں شاذ قراءت تو ان کا ذکر قراءت مشہورہ کی تشریح کے لیے کیا گیا ہے یا کسی اور وجہ سے کیا گیا ہے ورنہ اہل سنت کے تمام مفسرین کی تفسیروں کی بنیاد قراءت متواترہ یا مشہورہ ہیں جو مصحف عثمانی کے مطابق ہوں۔ چونکہ بیضاوی کی تفسیر صرف احادیث و آثار پر مشتمل نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے خود تصریح کی ہے اس لیے ہم نے اس کو تفسیر بالماثور کی قسم میں شامل نہیں کیا بلکہ تفسیر ''بالرائی الجائز'' کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

## ● مدارک التنزیل وحقائق التاویل للنسفی رحمہ اللہ (۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء)

نسفی کا نام عبداللہ بن احمد بن محمود ہے اور لقب ابوالبرکات بھی ہے اور حافظ الدین کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں لیکن نسف کی نسبت کی وجہ سے نسفی کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی تفسیر کو بھی ''تفسیر نسفی'' کہا جاتا ہے اور نسف ماوراء النہر کے علاقے میں مشہور شہر ہے جس میں بڑے بڑے فضلاء اور قراء گزرے ہیں۔ ان کی وفات کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء میں فوت ہوئے تھے لیکن صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ ان کا انتقال ایذج بروزن احمد نام کے شہر میں ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ھ میں ہوا تھا۔ ''ایذج'' کے بارے میں یاقوت حموی میں لکھا ہے کہ اس کا اطلاق دو جگہوں پر ہوتا ہے۔ ایک اہواز کے علاقے میں خوزستان اور اصبہان کے درمیان ایک بڑے شہر کا نام ہے اور دوسرا سمرقند کے پاس ایک شہر کا نام ہے۔ یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ یہ سمرقند کا ایذج ہوگا اس لیے کہ نسف بھی اسی علاقے میں ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء۔ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸٦ء علامہ نسفی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اپنے زمانے میں حنفیہ کے کامل امام تھے جس کی نظیر نہیں ملتی تھی، فقہ اور اصول میں رئیس تھے اور حدیث اور اس کے معانی و مفاہیم میں فوقیت رکھتے تھے، شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری اور بدرالدین خواہرزادہ سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا، ان کی معتبر و معتمد تصنیف بھی موجود ہیں مثلاً فقہ میں متن ''الوافی'' اور اس کی شرح ''الکافی'' اور ''کنز الدقائق''، علم اصول میں ''المنار'' اور علم تفسیر میں مدارک التنزیل، ان کی تمام تصانیف فقہاء کے نزدیک معتبر ہیں'' ''الجواہر المضیہ'' میں لکھا ہے کہ ''حافظ الدین'' دو اماموں کا لقب رہا ہے ایک محمد بن محمد بن نصر البخاری اور دوسرے ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی جس نے فقہ میں بڑی مفید تصانیف کی ہیں اور یہ دونوں

Marfat.com

شمس الائمہ کردری کے شاگرد تھے۔ الجواہر المضیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ نسفی نے احمد بن محمد عتابی سے امام محمد کی کتاب ''الزیادات'' کی روایت کی ہے اور ملا علی قاری نے بھی اس کی متابعت میں اسی طرح کہا ہے لیکن علامہ کفوی نے لکھا ہے کہ عتابی ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء میں فوت ہوئے تھے اور نسفی ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء میں فوت ہوئے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنے زیادہ فرق کے ہوتے ہوئے بھی نسفی عتابی سے روایت کر سکے۔'' (۲۶)

امام نسفی نے اپنی تفسیر کا منہج خطبے میں اس طرح بیان کیا ہے:

''مجھ سے ان لوگوں نے درخواست کی جن کی بات ماننا ضروری تھا کہ میں قرآن کی تاویلات میں درمیانے درجے کی ایسی کتاب لکھوں جو وجوہ اعراب اور قراءت کی جامع ہو، علم بدیع اور علم اشارات کے باریک اور دقیق نکتوں پر مشتمل ہو، اہل سنت والجماعت کے اقوال سے مزین ہو، اہل بدعت وضلالت کی جھوٹی باتوں سے خالی ہو، اتنی طویل بھی نہ ہو کہ قاری اس کے پڑھنے سے تنگ آ جائے اور اتنی قصیر اور مختصر بھی نہ ہو کہ اس کے سمجھنے میں خلل پڑ جائے، لیکن میں اپنی بشری قوت کے قصور کے احساس کی وجہ سے اپنا قدم آگے پیچھے کر رہا تھا یعنی پس وپیش کر رہا تھا اور اس پر خطر راستے پر چلنے سے احتیاط کر رہا تھا یہاں تک کہ میں نے اللہ کی توفیق سے اس کام کا آغاز کر دیا حالانکہ عوارض اور موانع بہت زیادہ تھے اور تھوڑی مدت میں اس کتاب کو مکمل کر دیا، میں نے اس کا نام رکھا ہے ''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس تفسیر میں اعراب وقراءت اور عربیت وبلاغت کے نکات بیان کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، نیز اس میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے اور اہل بدعت وضلالت مثلاً معتزلہ، جہمیہ اور روافض کی جھوٹی اور بے سروپا باتوں سے اس کو پاک رکھا گیا ہے، اسرائیلیات کے ذکر سے بھی یہ کتاب تقریباً خالی ہے اور اگر کہیں ذکر آ بھی گیا ہے تو وہاں پر تردید بھی کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نسفی کی تفسیر بیضاوی اور کشاف کی تلخیص ہے لیکن کشاف میں اعتزال کی جو باتیں ہیں ان کو انھوں نے چھوڑ دیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم رہے ہیں۔ البتہ کشاف میں بلاغت اور عربیت کے جو علمی دقائق اور نکات بیان کیے گئے ہیں ان کو نسفی نے بھی لے لیا ہے اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اچھی چیز کو لے لینا چاہیے اگرچہ اس کا بیان کرنے والا اہل بدعت میں سے ہو اور بری چیز کو چھوڑ دینا چاہیے۔ بہرحال نسفی کی یہ تفسیر مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامع اور پختہ تفسیر ہے، اہل علم میں مقبول ہے اور بعض مدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

## • لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بتفسیر خازن (۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء)

خازن کا نام علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الشیحی ہے۔ شیحہ (شین کے زیر، یاء کے سکون اور حاء مہملہ کے زیر کے ساتھ) شام کے شہر حلب کے پاس ایک بستی کا نام ہے اس کی نسبت کی وجہ سے اس کو شیحی بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ خازن کے نام سے مشہور ہیں اور اس کی تفسیر بھی تفسیر خازن ہی کے نام سے پہچانی جاتی ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ دمشق کے ایک کتب خانے کے خازن رہے تھے اس لیے لوگوں میں خازن کے نام سے مشہور ہو گئے۔

Marfat.com

ان کا لقب علاء الدین ہے اور یہ صوفی کے نام سے بھی مشہور ہیں، علامہ خازن ۶۷۸ھ/۱۰۸۵ء میں بغداد میں پیدا ہوئے تھے۔ بغداد کے اہل علم سے استفادہ کرنے کے بعد دمشق چلے گئے تھے اور وہاں پر بہت سے فقہاء اور محدثین سے علوم حاصل کیے تھے۔ دمشق میں انھوں نے ایک خاتون محدثہ وزیرہ بنت عمر (م ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء) سے بھی حدیث کا سماع کیا تھا، تفسیر کے علاوہ انھوں نے ''مقبول المنقول'' کے نام سے دس جلدوں میں حدیث کی ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں مسند شافعی، مسند احمد، صحاح ستہ، مؤطا اور دار قطنی کی احادیث جمع کی گئی تھیں۔ ان دس کتابوں کی احادیث کو انھوں نے ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا تھا، سیرۃ نبویہ پر بھی انھوں نے ایک بڑی کتاب لکھی تھی۔ حافظ تقی الدین محمد بن رافع دمشقی (م ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) ان کے ہم عصر تھے وہ فرماتے ہیں کہ خازن اچھے اخلاق کے حامل تھے اور لوگوں سے محبت کرنے والے اور اچھے تعلقات رکھنے والے تھے۔ ان کا انتقال رجب یا شعبان ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء میں شام کے مشہور شہر حلب میں ہوا تھا۔ (۲۷)

تفسیر خازن دراصل بغوی کی معالم التنزیل کی تلخیص ہے اور اس کے ساتھ انھوں نے دوسرے مفسرین کی کتابوں سے بھی منتخب فوائد و نکات شامل کر لیے ہیں البتہ سوائے انتخاب اور اقتباس کے انھوں نے تفسیر میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی۔ علامہ خازن نے اپنی تفسیر کا تعارف خطبے میں خود کرایا ہے اور یہ تعارف بڑا جامع ہے اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاصہ اور حاصل مفہوم بیان کر دیا جائے:

''امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل علم تفسیر میں بہترین اور بلند ترین تفسیر ہے، صحیح اقوال کی جامع ہے، شبہات اور تصحیف سے خالی ہے، احادیث نبویہ سے مزین ہے، احکام شرعیہ، قصص غریبہ اور ماضی کے حالات عجیبہ پر مشتمل ہے، اس میں حسین ترین اشارات اور نکات سجائے گئے ہیں، اس کے مضامین و مفاہیم واضح، فصیح اور خوبصورت عبارات کے قالب میں ڈھالے گئے ہیں، جب یہ کتاب میری بیان کردہ صفات سے متصف تھی تو میں نے یہ پسند کیا کہ اس کے روشن فوائد سے اس کے قیمتی موتیوں سے اس کی چمکتی چمکتی نصوص سے (عبارات سے) اور اس کے جواہر پاروں سے منتخب کر کے ایک ایسی مختصر کتاب تصنیف کروں جو قرآن کے معانی اور تاویل و تعبیر کے خلاصے کو سمیٹنے والی ہو، بغوی کی نقل کردہ روایات اور ان کے بیان کردہ نکات اور اصول کے خلاصے پر مشتمل ہو اور اس کے ساتھ اس میں دوسرے فوائد اور علمی نکات بھی جمع کر دیے جائیں جو میں نے دوسرے مفسرین کی کتابوں سے نقل کیے ہیں میں نے اس کتاب میں سوائے نقل اور انتخاب کے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں لکھا ہے، طول کلام سے اجتناب کیا ہے اور روایات کی اسانید کو حذف کر دیا ہے، آیت کی تفسیر کے لیے یا کسی حکم شرعی کے اثبات کے لیے میں نے جو احادیث نبویہ نقل کی ہیں تو ان کو تخریج کرنے والے محدثین کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ان کے لیے حروف کی علامات لگا دی ہیں۔ بخاری کے لیے (خ) مسلم کے لیے (م) دونوں کی متفقہ حدیث کے لیے (ق) اور ابوداؤد، ترمذی، نسائی کے لیے علامت نہیں مقرر کی بلکہ ان کا نام لیا ہے۔ جس حدیث کو میں نے مذکورہ کتابوں میں نہیں پایا اور صرف بغوی نے اسے نقل کیا ہے تو اس کے بارے میں نے تصریح کر دی ہے کہ

Marfat.com

اس کو بغوی نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ میری اس کتاب میں بغوی سے جو زائد احادیث نقل ہوئی ہیں یا احادیث کے مختلف الفاظ نقل ہوئے ہیں تو میں نے معتبر کتابوں سے مثلاً حمیدی کی الجمع بین الصحیحین اور ابن الاثیر کی جامع الاصول سے ان کی تصحیح کرنے میں پوری کوشش کی ہے، اسناد کے حذف کے عوض میں نے حدیث کے غریب الفاظ کی تشریح کی ہے تاکہ طالب علموں کے لیے اس کی افادیت زیادہ ہو، جہاں تک میرے بس میں تھا تو میں نے کوشش یہ کی ہے کہ کتاب میں ایجاز واختصار ہو، ترتیب اچھی ہو اور اس کا سمجھنا آسان ہو، مناسب یہ ہے کہ جو مصنف نئی کتاب لکھتا ہے تو اس کی کتاب پانچ فوائد سے خالی نہ ہو۔ ایک معضل اور مشکل بات کی تحقیق کرنا۔ دوم متفرق اور منتشر باتوں کو جامع الفاظ میں جمع کرنا۔ سوم پوشیدہ اور دقیق باتوں کی تشریح کرنا۔ چہارم حسن ترتیب اور پنجم زوائد کو حذف کر دینا اور طول کلام سے اجتناب کرنا۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب ان فوائد خمسہ سے خالی نہیں ہوگی اور میں نے اس کتاب کا نام رکھا ہے ''لباب التاویل فی معانی التنزیل۔'' (۲۸)

ثعلبی محدث ہونے کے باوجود عجائب وغرائب کے زیادہ شوقین تھے اور اسرائیلی روایات میں اعجوبوں کی بڑی کثرت ہے۔ خازن نے بھی علوم الحدیث سے واقف ہونے کے باوجود ثعلبی کا کردار ادا کیا ہے جو اس کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ بعض مقامات پر تو علامہ خازن نے اسرائیلی خرافات نقل کرنے کے بعد ان کی تردید کی ہے مثلاً سورہ ص کی آیات ۲۱ تا ۲۵ کی تفسیر میں پہلے اوریا نامی شخص کی بیوی سے متعلق اسرائیلی قصہ نقل کیا ہے مگر اس کے بعد فصل فی تنزیه داود علیه السلام عما لا یلیق به کے زیر عنوان قصے کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے اور قاضی عیاض اور امام رازی نے اس روایت پر جو تنقید کی ہے اسے نقل کیا ہے۔ (۲۹)

بعض دوسرے مقامات پر بھی تردید کی ہوگی لیکن اکثر مقامات پر اسرائیلی قصص وحکایات کو بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کر کے خاموشی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور ان بے سروپا قصوں کا تعاقب نہیں کرتے جس کی وجہ سے قارئین بڑی الجھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خازن نے خطبے میں تو کہا ہے کہ میں نے اختصار کی بہت زیادہ کوشش کی ہے لیکن بعض مقامات پر یہ اپنے اس نہج پر قائم نہیں رہ سکے۔ مثلاً آیات الاحکام کی تفسیر میں فقہی احکام کی تفصیلات وجزئیات بیان کرنے میں بہت زیادہ تطویل واطناب سے کام لیا ہے جس میں اگرچہ مفید معلومات ہم کو ملتی ہیں لیکن اختصار کا وعدہ تو برقرار نہیں رہ سکا۔ اسی طرح مواعظ اور ترغیب وترہیب کی مباحث میں بھی ایجاز و اختصار کے منہج کو برقرار نہیں رکھ سکے اور اسی تطویل کی وجہ سے ترغیبی وترہیبی روایات میں صحاح اور حسان کے ساتھ ضعاف بلکہ موضوعی روایات بھی نقل کر دی گئی ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کا مزاج صوفیانہ تھا اور واعظانہ و صوفیانہ مزاج کے لوگ بالعموم صحت سند کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جو بات بھی حاضرین کو متاثر کر سکے اسے بلا تحقیق بیان کر دیتے ہیں۔ بہر حال ان خامیوں کے باوجود تفسیر خازن افادیت رکھتی ہے اور اس میں بڑی اچھی معلومات بھی پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ یہ تفسیر بیروت کے دار الفکر نے ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء میں سات اجزاء اور چار جلدوں میں شائع کی ہے جس کے حاشیے پر معالم التنزیل بھی چھپی ہوئی ہے۔

Marfat.com

## ● البحر المحیط لابی حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء)

ابوحیان کا نام محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی ہے لیکن یہ ابوحیان اندلسی کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا لقب امام اثیر الدین ہے، اسے النفری بھی کہا جاتا ہے اور نفزہ بربر قوم کا ایک قبیلہ ہے، یہ اپنے دور کے بڑے نحوی، لغوی، مفسر، محدث، مورخ، ادیب اور قاری تھے۔ اندلس کے شہر غرناطہ کے پاس ایک مقام پر شوال ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور یہیں پر ان کی پرورش اور نشوونما ہوئی تھی اس لیے یہ مولد اور منشا دونوں کے اعتبار سے غرناطی ہیں، نحو، لغت، قراءت اور دوسرے علوم انھوں نے غرناطہ ہی میں پڑھے تھے۔ ۶۷۷ھ/۱۲۷۸ء میں ۲۳ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے انھوں نے سبتہ، تیونس اور اسکندریہ کا سفر کیا، اسی سال حج کی سعادت حاصل کی اور مکہ کے علماء سے علوم حاصل کیے پھر جدہ، قوص اور بحر قلزم کی بندرگاہ عیذاب میں مختلف اہل علم سے، تلمذ کا شرف حاصل کیا، ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں مصر تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنے وقت کے بڑے بڑے شیوخ سے علوم حاصل کیے، مصر کے جامع حاکمی اور جامع القمر میں عربیت کے استاد مقرر ہوئے، جامع طولونی اور قبہ منصوریہ میں شیخ التفسیر کے فرائض انجام دیئے اور پھر قبہ منصوریہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اندلس، افریقہ، حجاز اور مصر وغیرہ کے ۴۵۰ شیوخ سے احادیث کا سماع کیا تھا، ان کا انتقال صفر ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء میں قاہرہ میں ہوا تھا اور مقابر الصوفیہ میں دفن ہوئے تھے۔

اہل ظاہر کے مسلک کی جانب میلان رکھتے تھے اور بقول ابن حجر کہا کرتے تھے کہ اہل ظاہر کا مذہب جب ایک مرتبہ کسی کے ذہن میں آجائے تو پھر اس کا ذہن سے نکلنا مشکل ہوتا ہے لیکن آخر میں امام شافعی کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ فلسفے اور اعتزال کی بدعات سے ان کا عقیدہ پاک تھا، قرآن کی تلاوت کے وقت ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور بہت زیادہ روتے تھے، قد و قامت کچھ طویل تھی مگر چہرہ بڑا خوبصورت تھا اور آواز بڑی اچھی تھی، ابوحیان صرف اور نحو میں مجتہد مطلق تھے ساری عمر ان دو علوم کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ان کے شاگرد ان کی زندگی میں ہی آئمہ اور شیوخ بن گئے تھے، شاگردوں کو امام سیبویہ کی کتاب بالالتزام پڑھایا کرتے تھے، شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی مسئلے میں ان کے اور امام ابن تیمیہ کے درمیان بحث ہو رہی تھی۔ انھوں نے جب سیبویہ کا حوالہ دیا تو ابن تیمیہ نے فرمایا کیا سیبویہ نحو کے نبی تھے؟ انھوں نے تو اپنی کتاب میں ۳۰ مقامات پر غلطیاں کی ہیں، اس وقت تو ابوحیان نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اپنی کتاب ''النہر الماد'' تلخیص البحر المحیط میں انھوں نے ابن تیمیہ پر تنقید کی ہے۔ ابن مالک اور ابن حاجب کی تصنیفات پڑھنے پر اپنے شاگردوں کو ترغیب دلایا کرتے تھے مگر تفسیر اور حدیث میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (۳۰)

ابوحیان نے اپنی تفسیر کا طویل خطبہ لکھا ہے جس میں انھوں نے مسجع و مقفی کلام میں اپنی عربیت اور ادبیت کی مہارت کا زور بھی دکھایا ہے، اپنی تفسیر کے باعث تصنیف، اس کے منہج، اس کے مراجع و مصادر اور اپنے

Marfat.com

شیوخ کے بارے میں بھی کافی مفید معلومات فراہم کی ہیں، اس طویل خطبے کی اہم باتوں کا مفہوم نقل کیا جاتا ہے جس سے اس تفسیر کے بارے میں قارئین کو ضروری معلومات مل جائیں گی۔

(۱) معارف اور علوم تو بہت زیادہ ہیں اور سارے بڑے اہم ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم علم وہ ہے جو حیات ابدیہ اور سعادت سرمدیہ کے حصول کا ذریعہ ہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب کا علم جو مقصود بالذات ہے اور باقی علوم آلات کی طرح ہیں۔ میرے ذہن اور فکر میں یہ بات ابتداء سے بیٹھی ہوئی تھی کہ جب میں پختہ عمر کو پہنچ جاؤں گا تو قرآن کی تفسیر لکھوں گا۔ ۱۰/۷/۱۳۱۰ء میں جب مجھے قبہ منصوریہ مصر میں علم تفسیر کا استاد مقرر کیا گیا تو اللہ نے میرے لیے موقع فراہم کر دیا کہ میں اپنی پرانی خواہش پوری کروں اس وقت میری عمر کا ۵۷ واں سال شروع ہو چکا تھا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اس کتاب کی تصنیف پر متوجہ ہو گیا اور اسی کام میں مصروف ہو گیا۔ دوسرے مصنفین کی تصنیفات سے بھی منتخب فوائد و نکات جمع کرتا رہا اور علم البیان و علم الاعراب کے جو لطائف و دقائق میری اپنی قوت مفکرہ سے نکلتے تھے ان کو بھی لکھتا رہا، علم تو کسی زمانے اور کسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اللہ نے علم کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا ہے، ہمارا مغربی اندلسی علاقہ اگرچہ وحی نبوی کے مرکز سے دور ہے لیکن اس کے باوجود اس علاقے میں علوم اسلامیہ بالخصوص علم تفسیر کے بڑے کامل اور ماہر علماء موجود ہیں، جو شخص علم تفسیر کی طرف مائل ہوا اور اس میں ترقی کر کے تحقیق کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ امام سیبویہ کی الکتاب کو پڑھنے اور سمجھنے میں مشغول ہو جائے اس لیے کہ اس فن میں یہی کتاب معتمد اور مستند ہے، میں اس فن میں ایسے عالم سے نہیں ملا ہوں جو اندلس کے علماء کے قریب بھی ہو چہ جائیکہ ان کے برابر ہو یا ان سے آگے ہو، میں جب سے تمیز اور شعور کی عمر کو پہنچا ہوں تو اسی علاقے کے علماء کی مجالس میں شرکت کرتا رہا ہوں، انہی کے تلمذ کا شرف حاصل کرتا رہا ہوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک اور ایک امام سے دوسرے امام تک دورے کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے مصر کو اپنا مستقر بنا لیا یہیں پر میں نے اپنی تصانیف اور تالیف لکھی ہیں اور ان میں تصانیف کی برکات میری اس کتاب یعنی تفسیر پر بھی پڑی ہیں جو رب الارباب کے قرب کا ذریعہ ہے اور اللہ کے قرب اور اس کی خوشنودی کے علاوہ اس کی تصنیف سے میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

(۲) اس کتاب میں، میں نے ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ پہلے میں آیت کے مفردات پر کلام کرتا ہوں اور ایک ایک لفظ کی لغوی اور نحوی تشریح کرتا ہوں، اگر ایک لفظ کے دو یا کئی معانی ہوں تو یہ لفظ پہلے مرتبہ جہاں بھی آیا ہو وہاں اس کے معانی کا ذکر کر دیتا ہوں تاکہ ہر مقام پر اس لفظ سے وہ معنی مراد لیا جائے جو اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو، اس کے بعد آیت کی تفسیر کرتا ہوں جس میں اس کے شان نزول، اس کے نسخ یا عدم نسخ، ماقبل سے اس کے مفہوم کا ربط قراءت مستعملہ اور شاذہ کا ذکر کرتا ہوں، آیت کے معانی کے بارے میں سلف اور خلف کے اقوال نقل کرتا ہوں اعراب کے غوامض و مشکلات حل کرتا ہوں اور بیان و بدیع کے دقائق بیان کرتا ہوں، احکام شرعیہ کے بیان میں فقہاء اربعہ کے اقوال نقل کرتا ہوں اور فقہ کی کتابوں کے حوالے دیتا ہوں، پھر کلام کو آیت

Marfat.com

سے متعلق علم بیان اور علم بدیع کے نکات پر ختم کرتا ہوں اور آیات کے آخر میں بیان کردہ مضامین اور معانی کا خلاصہ وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہوں، کبھی کبھی لفظ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے صوفیاء کی بات بھی نقل کر دیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے میں نے اکثر اجتناب کیا ہے، باطنیہ کے اقوال کو میں نے چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ یہ لوگ الفاظ کے متبادل لغوی معانی کو نظر انداز کر کے ان کو ان غیر معقول معانی پر محمول کرتے ہیں جن کو انھوں نے اللہ کی جانب، حضرت علی کی جانب اور اس کی اولاد کی جانب منسوب کیا ہے۔ میں نے ان کے رئیس کی ایک تفسیر دیکھی ہے جس میں سلف کے اقوال کو حقارت کے ساتھ رد کر کے آیت کے ایسے معانی بیان کیے گئے ہیں جو کسی عاقل کے ذہن میں گزر ہی نہیں سکتے مگر اس نے اسی کو آیت کی مراد قرار دیا ہے، اسی طرح انھوں نے شان نزول اور فضائل سے متعلق وہ احادیث اور روایات ذکر کی ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ایسے اسرائیلی واقعات نقل کیے ہیں جن کا ذکر علم تفسیر میں مناسب نہیں ہے۔ جو شخص الفاظ وکلمات کے مدلول کو ترکیب سے پہلے اچھی طرح جان لیتا ہے اور پھر ترکیب کے حسن وقبح کی تمیز بھی اسے حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ ان الفاظ سے مرکب کلام اور جملوں کو سمجھنے کے لیے کسی معلم اور استاد کا محتاج نہیں رہے گا۔

(۳) ابوالقاسم محمد بن عمر الخوارزمی الزمخشری اور ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ المغربی الغرناطی دونوں علم تفسیر میں تصنیفات کرنے والوں میں سے اعلیٰ ترین اور افضل ترین ہیں، اس فن میں ان کی شہرت سورج سے بھی زیادہ ہے اور مٹی میں دفن ہونے کے باوجود ان کا نام اور کام ہمیشہ کے لیے زندہ ہے، ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کو نثر ونظم، معقول ومنقول، فنون ادبیہ اور علم معانی وعلم اعراب میں سب پر تقدم اور تمکن حاصل تھا اور ان کی تفسیروں کے خطبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اس میدان کے شہسوار تھے لیکن ان کی جلالت شان کے باوجود ان کے کلام میں بھی تنقید کی گنجائش موجود ہے، میں نے ان کی جانب تنقید کی لگام موڑ کر ان کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں علم تفسیر میں اس مقام پر فائز ہیں جس تک دوسرا کوئی بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتا، میری اس تنقید کو وہی شخص سمجھ سکے گا جو اہل نظر میں سے ہو اور اس کے ساتھ اس میں عدل و انصاف کی صفت بھی موجود ہو، یہ دونوں مفسرین ہم عصر بھی تھے، زمخشری خوارزم کے شہر زمخشر میں ۱۷ رجب ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء کو پیدا ہوئے تھے اور خوارزم کے ایک گاؤں ''ترکانج'' میں شب عرفہ ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء کو فوت ہوئے تھے اور ابن عطیہ غرناطہ میں ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء کو پیدا ہوئے تھے اور لورقہ میں ۲۵ رمضان ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء کو فوت ہوئے تھے۔ میں نے اپنی کتاب میں زیادہ تر نقول اپنے شیخ جمال الدین محمد بن سلیمان معروف ''بابن النقیب'' کی کتاب ''التحریر والتحبیر لاقوال ائمۃ التفسیر'' سے نقل کیے ہیں اس لیے کہ علم تفسیر میں جو کتابیں ہم نے دیکھی ہیں ان میں سب سے بڑی کتاب یہی ہے اس کی جلدوں کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہے لیکن اس میں تکرار اور تطویل بہت زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس کی تہذیب اور تبییض کا موقع نہیں مل سکا تھا اس کے بعد ابوحیان نے قرآن کی قراءت کی وہ سند نقل کی ہے جس میں ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ۱۳ واسطے ہیں اور اسے

Marfat.com

انھوں نے اپنے طبقے کے دوسرے علماء کی سندوں کے مقابلے میں ''سند عالی'' قرار دیا ہے۔

(۴) البحر المحیط کے ۱۲ بڑے صفحات پر پھیلے ہوئے طویل خطبے کا یہ خلاصہ ہے جو میں نے میں پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفسیر کا بڑا ماخذ زمخشری اور ابن عطیہ کی تفسیریں ہیں اور اس نے اپنی تفسیر میں زیادہ تر توجہ لغت اور عربیت پر دی ہے اور یہ بھی قرآن کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ابو حیان کی تفسیر میں اسرائیلی روایات و حکایات بہت کم نقل ہوئی ہیں اور جہاں نقل ہوئے ہیں وہاں پر تردید بھی کی گئی ہے۔ ابو حیان نے اپنی تفسیر کا ''النہر المادمن البحر'' کے نام سے اختصار بھی کیا ہے جو تفسیر کے حاشئے پر چھپا ہوا ہے اور ان کے شاگرد تاج الدین احمد بن عبدالقادر ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء نے بھی ''الدر اللقیط من البحر المحیط'' کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر تعلق زمخشری اور ابن عطیہ پر تنقید سے ہے اور یہ اختصار بھی حاشئے پر چھپا ہوا ہے۔ البحر المحیط ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۳ء میں بیروت سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

## ● غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیسابوری معروف بتفسیر نیشاپوری
## (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء)

نیشاپوری کا نام حسن بن محمد بن حسین خراسانی نیشاپوری ہے اور لقب نظام الدین ہے، ان کا آبائی وطن تو ایران کا مشہور شہر ''قم'' ہے لیکن ان کی پرورش نیشاپور میں ہوئی تھی اس لیے یہ نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں، نیشاپور میں یہ اساطین العلم میں شمار ہوتے تھے، علوم عقلیہ، لغت عربیہ اور علم التاویل والتفسیر میں بہت زیادہ رسوخ رکھتے تھے، ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی تصریح تو نہیں مل سکی لیکن گمان غالب یہ ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے اواخر میں گزرے ہیں، ان کی تفسیر کا نام تو ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' ہے مگر تفسیر نیشاپوری کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر کا بڑا ماخذ امام رازی کی تفسیر کبیر ہے بلکہ اس کو اگر تفسیر کبیر کی تلخیص کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تفسیر کبیر کے علاوہ انھوں نے کشاف اور دوسری تفاسیر سے بھی اخذ کیا ہے اور ان کے اپنے فہم میں جو باتیں آئی ہیں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ مصنف نے اپنی تفسیر کی نوعیت مقدمے میں اس طرح بیان کی ہے:

''امام رازی کی تفسیر کبیر اسم بامعنی ہے اس میں بے شمار بحوث موجود ہیں جن کو سمیٹنا اور سمجھنا طالب علموں کے لیے مشکل ہوتا ہے میں نے اپنی تفسیر میں ان کا حاصل مفہوم ذکر کیا ہے اور ساتھ کشاف اور دوسری تفاسیر سے نقل کردہ فوائد ولطائف کو بھی ملا دیا ہے اور میرے اپنے ذہن میں جو باتیں آئی ہیں ان کو بھی شامل کر دیا ہے۔''

اور تفسیر کے اختتام پر یعنی جلد سادس کے آخر میں مصنف نے اپنی تفسیر کے بارے میں مزید معلومات دی ہیں:

''میری یہ کتاب تفسیر کبیر کے حاصل مفہوم پر مشتمل ہے، اس میں تفسیر کشاف کے اہم مضامین بھی شامل

Marfat.com

ہیں اور وہ نکات وفوائد بھی اس میں مذکور ہیں جو دوسری تفاسیر میں نہیں ملتے یا وہ منتشر ومتفرق اوراق میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘

- میری اس کتاب میں جو احادیث نقل ہوئی ہیں یا تو احادیث کی مشہور کتابوں سے ماخوذ ہیں جیسے جامع الاصول اور مصابیح وغیرہ اور یا پھر تفسیر کبیر اور تفسیر کشاف سے لی گئی ہیں مگر کشاف میں سورتوں کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں ان کو میں نے حذف کر دیا ہے اس لیے کہ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔
- وقوف امام سجاوندی سے ماخوذ ہیں۔
- اسباب نزول کی روایات جامع الاصول سے اور دونوں تفسیروں سے یا تفسیر واحدی سے ماخوذ ہیں۔
- لغت سے متعلق مباحث جوہری کی صحاح اور دونوں تفسیروں یعنی کبیر اور کشاف سے ماخوذ ہیں۔
- معانی و بیان سے متعلق مباحث اور دوسرے ادبی مسائل دونوں تفسیروں، سکاکی کی مفتاح العلوم اور عربیت سے متعلق دوسری کتابوں سے لیے گئے ہیں۔
- فقہی وشرعی احکام دونوں تفسیروں اور فقہ کی معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں بالخصوص امام رافعی کی شرح الوجیز سے میں نے اس تفسیر میں سوائے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے کسی اور مسلک کی جانب میلان نہیں کیا، انہی کے اصول اور انہی کے دلائل بیان کیے ہیں اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ اس تفسیر کو مکمل کرنے میں اگر میں چاہتا تو اتنی مدت بھی لگا سکتا تھا جو خلفاء راشدین کی مدت خلافت ہے یعنی ۳۰ سال لیکن میں نے اللہ کی توفیق سے اس کو اتنی مدت میں مکمل کیا ہے جتنی مدت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تھی یعنی ۵ سال اور اگر درمیان میں طویل سفر پیش نہ آتے اور ہموم وغموم کا حملہ نہ ہوتا تو میں اسے اتنی مدت میں بھی مکمل کر سکتا تھا جتنی مدت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ہے۔ یعنی ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن۔ بعض لوگوں نے اس تفسیر کے مصنف یعنی نظام الدین نیشاپوری پر شیعیت کا الزام لگایا ہے لیکن کتاب کے آخر میں اس نے خود ہی تصریح کر دی ہے کہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کا پابند ہوں اور ہم نے اس کی تفسیر میں تشیع کی کوئی بات دیکھی بھی نہیں ہے۔ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر کے آغاز میں طویل مقدمہ لکھا ہے جو گیارہ مقدمات پر مشتمل ہے اور ان میں شائقین علوم القرآن کو بڑی مفید معلومات مل سکتی ہیں۔ نیشاپوری کی یہ تفسیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں ۶ جلدوں میں احادیث کی تخریج کے ساتھ شائع کی ہے۔ اس سے پہلے یہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ کے حاشیے پر چھپی ہوئی تھی۔

Marfat.com

## اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل دمشقی (م ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء)

ابن عادل کا نام عمر بن علی بن لقب سراج الدین ہے اور کنیت ابوحفص ہے لیکن ابن عادل دمشقی، حنبلی، نعمانی کے نام سے مشہور رہے۔ دمشق تو شام کا مشہور شہر ہے اور اس کی نسبت کی وجہ سے اسے دمشقی کہا جاتا ہے، حنبلی امام احمد بن حنبل کی طرف نسبت ہے اس لیے کہ فقہی مسائل میں یہ ان کے متبع تھے، اور نعمانی نسبت ہے نعمانیہ کی جانب جو بغداد اور واسط کے درمیان ایک شہر ہے۔ شاید ابن عادل نے اس شہر کو وطن ثانی بنالیا ہوگا۔ تاریخ ولادت تو معلوم نہیں ہے مگر یہ بات تقریباً اتفاقی ہے کہ ان کی وفات ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء کے بعد ہوئی تھی اور ۱۴۷۵ء میں یہ زندہ تھے، ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے بارے میں بھی معلومات نہیں مل سکی ہیں یہ تفسیر بڑی مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اس میں لغت اور لغوی معانی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور دلائل کے طور پر عربی کے اشعار پیش کیے گئے ہیں اور فقہی و شرعی احکام کے بارے میں فقہاء کے اقوال ان کے دلائل اور احکام کی جزئیات تک بیان کی گئی ہیں جو فقہ کی طویل کتابوں سے قاری کو مستغنی کرتی ہیں اور کئی نئے نکات اور فوائد بھی سامنے آجاتے ہیں مثلاً سورہ فاتحہ کی تفسیر سے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کی لغوی اور فقہی تحقیق پورے ۸۱ بڑے صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور بڑی علمی معلومات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ابن عادل دمشقی کے حالات پردہ اخفاء میں ہیں لیکن یہ جامع العلوم عالم تھے اور اس کی تفسیر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے، اس تفسیر کا بڑا ماخذ بھی امام رازی کی تفسیر کبیر ہے تقریباً ہر بحث کا اختتام امام رازی کے اقتباس پر کیا گیا ہے مگر ان کا ذکر ابن الخطیب کے نام سے کرتے ہیں۔ فقہی مسائل میں اگرچہ حنبلی ہیں مگر تعصب سے پاک ہیں۔ سارے ائمہ کا ذکر احترام کی ساتھ کرتے ہیں اور سب کے دلائل کا خلاصہ بھی اکثر مقامات پر ذکر کرتے ہیں۔ مصنف نے کوئی تفصیلی مقدمہ نہیں لکھا بلکہ خطبہ مسنونہ کے بعد صرف اتنا لکھا ہے:

> ''یہ ایک کتاب ہے جس میں، میں نے علوم القرآن کے علماء کے اقوال جمع کر دیئے ہیں جس کا نام ہے اللباب فی علوم الکتاب۔''

یہ تفسیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء میں ۲۰ جلدوں میں بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ بہترین کاغذ پر شائع کی ہے اور تین ماہر فضلاء سے اس کی تحقیق کروائی ہے اور تفصیلی تعلیق لکھوائی ہے جس میں اعلام و رجال کے بارے میں اور احادیث و اقوال کی تخریج کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات دی گئی ہیں۔

## تفسیر جلالین لجلال الدین المحلی (۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء) ولجلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

جلالین ایک ہی تفسیر ہے مگر اس کے مصنف دو ہیں اور دونوں کا لقب جلال الدین تھا اس لیے ان کی تفسیر جلالین کے نام سے از خود مشہور ہوگئی ہے ورنہ تصنیف کرنے والوں نے اس کا کوئی نام نہیں رکھا تھا ایک کو جلال

Marfat.com

الدین سیوطی کہا جاتا ہے جس کے حالات تفسیر الدرالمنثور کے تعارف میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور دوسرے کو جلال الدین محلی کہا جاتا ہے جس کے مختصر حالات یہ ہیں:

جلال الدین محلی "المحلة الکبریٰ" کی طرف منسوب ہیں جو مصر کے ایک شہر کا نام ہے، مصر میں ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور یکم محرم ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء کو مصر ہی میں فوت ہوئے تھے۔ فقہ، اصول، نحو، کلام اور منطق وغیرہ فنون میں مہارت حاصل کی تھی فہم وذکاء اور فطانت وذہانت میں اللہ کی قدرت کا نشان تھے۔ تقویٰ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حکام وامراء کے سامنے کلمہ حق کہنے میں سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ قضاء اکبر کا منصب ان کی سامنے پیش کیا گیا تھا لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا البتہ "مدرسہ مویدیہ" میں فقہ کی تدریس کا منصب قبول کر لیا تھا مگر اپنی روزی تجارت کے ذریعے کماتے تھے۔ جلال الدین محلی نے سورہ کہف سے قرآن کے آخر تک کی تفسیر لکھی تھی اور اس کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی انھوں نے ہی لکھی تھی۔ (۳۱)

اور جلال الدین سیوطی نے سورہ بقرہ سے سورہ بنی اسرائیل کے آخر تک کی تفسیر تکملہ کے طور پر محلی ہی کے طرز پر لکھی ہے جیسا کہ انھوں نے سورہ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں لکھا ہے:

اما بعد فهذا ما اشتدت اليه حاجة الراغبين فی تكملة تفسير القرآن الكريم الذی الفه الامام العلامة المحقق المدقق جلال الدين محمد بن احمد المحلی الشافعی وتتميم ما فاته وهو من اول سورة البقرة الی آخر سورة الاسراء بتتمة علی نمطه من ذكر ما يفهم به كلام الله والاعتماد علی ارجح الاقوال واعراب ما يحتاج اليه وتنبيه علی القراءات المشهورة علی وجه لطيف وتعبير وجيز وترك التطويل بذكر اقوال غير مرضية واعاريب محالها كتب العربية والله اسال النفع به فی الدنيا واحسن الجزاء عليه فی العقبیٰ بمنه وكرمه۔

"حمد وثناء کے بعد کہتا ہوں کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی ان لوگوں کو شدید حاجت تھی جو امام، علامہ، محقق اور مدقق جلال الدین محلی شافعی کی تفسیر کو مکمل کرنے اور جو حصہ ان سے رہ گیا تھا اس کو پورا کرنے کی رغبت اور خواہش رکھتے تھے اور جو حصہ ان سے رہ گیا تھا وہ سورہ بقرہ کے آغاز سے سورہ اسراء کے آخر تک ہے، ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ تکملہ و تتمہ جلال الدین محلی ہی کے طرز پر لکھا جائے اور وہ اس طرح کہ انھی باتوں کا ذکر کیا جائے جو کلام اللہ کے فہم کے لیے ضروری ہوں۔ اقوال میں سے راجح قول پر اعتماد کیا جائے، اعراب کا ذکر بقدر حاجت کیا جائے، واضح اور قطعی یعنی متواتر قراءت پر لطیف انداز میں اور مختصر تعبیر کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور ناپسندیدہ یعنی مرجوح اقوال کے ذکر کرنے اور اعراب کی تفصیلات بیان کرنے کے ذریعے بات کو طول نہ دیا جائے جن کی جگہ عربیت کی کتابیں ہیں۔ میں اللہ

Marfat.com

سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعے دنیا میں لوگوں کو نفع پہنچائے اور اس پر آخرت میں اپنے احسان اور کرم کے وسیلے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔''

سیوطی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انھوں نے تکملے میں وہی طرز اختیار کیا ہے جو جلال الدین محلی کا طرز ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک ممکن ہو اختصار سے کام لیا جائے۔ مرجوح اقوال اور اعراب ولغت کی تفصیلات کو چھوڑ دیا جائے، آیت اور کلمات کے معانی ومفاہیم مختصر ترین الفاظ میں بیان کیے جائیں اور قراءت کا ذکر بھی لطیف اور وجیز الفاظ میں کیا جائے، یہ اس تفسیر کا منہج ہے جو سیوطی نے اپنے الفاظ بتا دیا ہے۔ سیوطی نے اس جگہ تو یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے تفسیر لکھتے وقت کونسی تفاسیر کو پیش نظر رکھا تھا۔ سیوطی کی چند عبارات سے معلوم ہوا کہ جلالین کا اصل ماخذ تو علامہ کواشی کی تفسیر ہے البتہ سیوطی نے واحدی کی الوجیز، بیضاوی اور ابن کثیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔

## ● ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم معروف بتفسیر ابی السعود لابی السعود (۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء)

ابوالسعود کا نام محمد بن مصطفیٰ العمادی ہے۔ یہ ۸۹۳ھ/۱۴۸۷ء میں قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے، ان کی پیدائش اس گھرانے میں ہوئی تھی جو علم وفضل میں مشہور تھا اور ان کی تربیت بھی ابتدا ہی سے دینی اور علمی ماحول میں ہوئی تھی، اکثر کتابیں تو انھوں نے اپنے والد سے پڑھی تھیں لیکن اپنے دور کے علماء کبار سے تلمذ کا شرف بھی ان کو حاصل رہا ہے اور ان سے بھی علوم کثیرہ حاصل کیے تھے۔ انھوں نے ترکی کے بہت سے مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے تھے پھر بروسہ کے قاضی بنا دیئے گئے اور کچھ مدت کے بعد ان کی تبدیلی قسطنطنیہ کے محکمہ قضاء میں ہوگئی۔ مختلف علاقوں میں قضاء کے فرائض انجام دینے کے بعد ان کو افتاء کے منصب پر مقرر کر دیا گیا اور ۳۰ سال تک انھوں نے افتاء کا اہم ترین اور نازک ترین دینی فریضہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اس سلسلے میں ان کے علم وفضل اور تجربے کا عالم یہ تھا کہ اگر کوئی منظوم سوال بھیجتا تو اس کا جواب بھی نظم میں دیتے۔ اگر عربی میں سوال آتا تو جواب بھی عربی میں دیتے اور اگر سوال ترکی زبان میں ہوتا تو جواب بھی ترکی میں دیتے، جمادی الاولیٰ ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں ان کا انتقال قسطنطنیہ میں ہوا تھا اور ابوایوب انصاری کے جوار میں دفن ہوئے تھے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) لکھتے ہیں:

''ابوالسعود بن محی الدین محمد العمادی شیخ کبیر اور عالم نحریر تھے یعنی استاد کبیر اور زیرک ودانشمند عالم تھے۔ عجم میں اس کی مثال نہیں تھی اور عرب میں اس کی نظیر نہیں تھی اس کے زمانے میں حنفیہ کی ریاست اس کے پاس تھی۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی بڑے جلال اور علو شان کے ساتھ گزاری تھی۔ بعض مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض دلائل کو بعض پر ترجیح دیتے تھے، اصول فروع دونوں میں اس کو کامل علمی قوۃ اور فضیلت حاصل تھی، انھوں نے ''فنون ادبیہ'' اپنے والد سے حاصل کیے تھے اور والد کی زندگی ہی میں براعت ومہارت اور کمال تک پہنچ

Marfat.com

گئے تھے سلطان سلیم خان نے بروسا اور قسطنطنیہ وغیرہ کے مدارس ان کی تحویل میں دیے تھے۔ بروسا قسطنطنیہ اور ولایت ''روم ایلی'' کے منصب قضاء پر بھی فائز رہے ہیں اور اس کے بعد قسطنطنیہ میں ۳۰ سال سے زائد مدت تک منصب افتاء کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں۔ قسطنطنیہ ہی میں انھوں نے تفسیر لکھی تھی جس کا نام ہے ''ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم'' یہ تفسیر جب انھوں نے اپنے شاگرد اور داماد سید محمد نقیب کے ہاتھ پر سلطان سلیمان خان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی تو انھوں نے محبت کے ساتھ قبول کی اور قسطنطنیہ میں منصب افتاء کے ساتھ قضا کا منصب بھی ان کے حوالے کردیا۔ سلطان سلیمان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سلطان سلیم خان بھی ان کا بڑا اکرام و اعزاز کرتے تھے اور موت تک انھوں نے بڑے محترم اور معزز شخصیت کی طرح زندگی گزاری ہے یہاں تک کہ ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بڑی اچھی تفسیر ہے نہ اتنی طویل ہے کہ پڑھنے والے کو تھکا دیتی ہو اور نہ اتنی مختصر ہے کہ فہم قرآن میں خلل ڈالتی ہو، یہ تفسیر بہترین لطائف و نکات اور فوائد و اشارات پر مشتمل ہے۔ (۳۲)

قاضی ابو مسعود کی تفسیر کا بڑا ماخذ تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی ہے جیسا کہ انھوں نے تفسیر کے مقدمے میں خود لکھا ہے:

> ''گزشتہ ایام میں جب میں تفسیر کشاف اور بیضاوی کی انوار التنزیل کا مطالعہ کرتا تھا تو میرے دل میں رات دن یہ خیال گزرتا تھا کہ مجھے ان کے فوائد کے موتیوں کو ایک باریک لڑی میں پرو دینا چاہیے اور ان کے چمکتے ہوئے نکات کو خوبصورت ترتیب کے ساتھ مرتب کردینا چاہیے اور اس کے ساتھ دوسری کتابوں کے حقائق کے جواہر کا اضافہ بھی کردینا چاہیے۔ میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ جب بھی میں ایسی کتاب لکھنے میں کامیاب ہوگیا تو اس کا نام رکھوں گا ''ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابو السعود کا اعتماد کشاف اور بیضاوی پر رہا ہے مگر اس نے زمخشری کے اعتزال کی تائید نہیں کی بلکہ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم رہے ہیں۔ اسرائیلی روایات تو اس میں بہت کم نقل ہوئی ہیں لیکن سورتوں کی فضیلت میں کشاف میں جو ضعیف اسرائیلی روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک ایک حدیث کو ابو السعود نے بھی نقل کیا ہے۔

## ● روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی لآلوسی بغدادی

## (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

آلوسی کا نام سید محمود آلوسی بغدادی ہے ''آلوس'' نہر فرات میں شام اور بغداد کے درمیان ایک جزیرے کا نام ہے، ان کے آباء واجداد اس جزیرے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اس کو آلوسی کہا جاتا ہے اور چونکہ یہ بغداد کے مفتی رہے ہیں اس لیے یہ علامہ آلوسی بغدادی کے نام سے مشہور ہیں، ان کی ولادت ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں بغداد

Marfat.com

کے علاقے کرخ میں ہوئی تھی۔ انھوں نے منقول ومعقول، اصول وفروع اور تفسیر وحدیث کے علوم اپنے والد سے اور دوسرے ممتاز علماء سے حاصل کیے تھے، انھوں نے ۱۳ سال کی عمر میں تدریس وتصنیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ مختلف مدارس میں انھوں نے تدریس کے فرائض انجام دیئے تھے اور جب حنفیہ کے مفتی مقرر کیے گئے تو پھر اپنے گھر پر تمام علوم کا درس دیا کرتے تھے، مختلف علاقوں کے لوگ آ کر ان سے فیض حاصل کرتے تھے طلبہ کے کھانے، لباس اور رہائش کا انتظام خود کرتے تھے اور اپنے مکان کے بہترین کمروں میں طلبہ کو ٹھہراتے تھے یہاں تک کہ "شیخ العلماء فی العراق" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے اور علم وفضل کی ریاست وسیادت کے اس مقام پر فائز ہو گئے تھے جس میں اس کا مدمقابل کوئی نہیں تھا اور نہ ان کی سیادت وقیادت سے کوئی انکار کرتا تھا، ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں ۳۱ سال کی عمر میں حنفیہ کے مفتی مقرر ہوئے تھے اور اس سے چند ماہ پہلے مدرسہ مرجانیہ کے اوقاف کے متولی مقرر ہوئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ واقف کی شرط یہ تھی کہ شہر کا بڑا عالم متولی ہوگا اور وزیر علی رضا باشا نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ اس وقت شہر کا بڑا عالم آلوسی ہے۔ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں ۱۵ سال افتاء کا کام کرنے کے بعد اس منصب سے الگ ہو گئے اور تفسیر کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ مکمل ہونے پر ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں خلافت عثمانی کے دار الخلافہ قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور تفسیر سلطان عبد المجید خان کی خدمت میں پیش کی اور انھوں نے اس تفسیر کو بے حد پسند کیا اور ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں واپس بغداد تشریف لے آئے اور ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کو جمعہ کے دن بغداد میں فوت ہو گئے اور شیخ معروف کرخی کے مقبرے میں دفن کر دیئے گئے۔ (۳۳)

حقیقت یہ ہے کہ علامہ آلوسی بغدادی کی تفسیر روح المعانی روایت ودرایت یعنی تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائ المحمود دونوں کے اعتبار سے ایک جامع تفسیر ہے۔ اس میں سلف کی آراء بھی نقل کی گئی ہیں اور خلف کے اقوال بھی پوری امانت ودیانت کے ساتھ نقل ہوئے ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ سابقہ تفاسیر کے خلاصے پر مشتمل تفسیر ہے اس میں کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر ابن عطیہ، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابوحیان اور تفسیر ابوالسعود سب کے نقول موجود ہیں۔ اور سب سے انھوں نے اخذ کیا ہے۔

آلوسی کا طرز یہ ہے کہ جب ابوالسعود سے نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قال شیخ الاسلام، جب بیضاوی سے نقل کرتے ہیں تو اکثر مقامات پر کہتے ہیں کہ قال القاضی، اور جب امام رازی سے نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قال الامام لیکن وہ جب ان تفاسیر سے نقل کرتے ہیں تو ان کے بارے میں اپنی آزاد رائے بھی پیش کرتے ہیں بہت سے مقامات پر انھوں نے ابوالسعود بیضاوی، ابوحیان اور امام رازی پر اعتراضات کیے ہیں اور ان سے اختلاف رائے کیا ہے مگر جب وہ ان میں سے کسی کی رائے کو صحیح سمجھتے ہیں تو پھر اس کی تائید میں دلائل دیتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ آلوسی سلفی المذہب اور سنی العقیدہ تھے اور اپنے مسلک اور عقیدے میں متصلب اور راسخ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تفسیر میں معتزلہ، شیعہ اور دوسرے بدعتی فرقوں کی آراء کی تردید کی گئی ہے اور سختی کے ساتھ ان کا

Marfat.com

ابطال کیا گیا ہے۔نحوی مسائل کا ذکر اس تفسیر میں ضرورت سے زیادہ ہو گیا ہے لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس فن میں زیادہ مہارت رکھتا ہو اس کے مسائل اس کی زبان وقلم سے زیادہ نکلتے ہیں۔آیات الاحکام کی تفسیر میں پوری تحقیق کے بغیر آگے نہیں بڑھتے بلکہ فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل کی بقدر حاجت پوری تفصیل بیان کرتے ہیں۔عام طور پر تو حنفی مسلک کو ترجیح دیتے ہیں لیکن حنفیت کے لیے تعصب اس کی تفسیر میں نہیں ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں ثلاثۃ قروء کی تفسیر میں انھوں نے تین صفحات پر طویل علمی بحث کی ہے مگر آخر میں فرمایا ہے:

وبالجملة كلام الشافعية فى هذا المقام قوى

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مقام پر شافعیہ کا کلام قوی ہے۔''

ان کی اس رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے ان کا حنفیت کے لیے عدم تعصب تو ثابت ہوتا ہے۔تفسیر روح المعانی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں غیر مستند قصص وحکایات اور اسرائیلی روایات پر شدید تنقید کی گئی ہے اور بڑے تند وتیز الفاظ میں ان کی تردید کی گئی ہے۔ان کی شدت اور تندی کی ایک مثال سورہ مائدہ کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔اس مقام پر عوج بن عنق کا بے سروپا اور بے بنیاد قصہ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اس اور اس طرح کے دوسرے قصے اہل کتاب کے زندیقوں کے وضع کردہ ہیں اور اس سے ان کا مقصد انبیاء ورسل اور ان کے متبعین کا مذاق اڑانا ہے (۳۴)

علامہ آلوسی آیات کونیہ کی تشریح وتفسیر میں علوم جدیدہ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔آیات واحادیث اور جدید سائنس کے درمیان حتی الامکان مطابقت وموافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔آلوسی کے اس طرز ونہج کی ایک واضح مثال سورۃ الطلاق کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں پائی جاتی ہے۔اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اور زمین بھی انہی کی طرح پیدا کی ہے۔اس کی تفسیر میں آلوسی نے احادیث کی روشنی میں اسی قول کو ترجیح دی ہے جو جمہور مفسرین کا قول ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینوں کی تعداد بھی سات ہے لیکن اس قول کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے کہ اس سے اقالیم سبعہ مراد ہیں جیسا ایشیاء، افریقہ، امریکہ وغیرہ اور اس قول کی بھی تردید کی ہے کہ اس سے زمین کے تہہ بہ تہہ جڑے ہوئے طبقات مراد ہیں اور فرمایا ہے کہ جس طرح آسمان کے درمیان فاصلے ہیں اور ہر آسمان میں فرشتے رہتے ہیں اسی طرح سات زمینوں کے درمیان بھی فاصلے ہیں اور ہر زمین پر اللہ کی کوئی نہ کوئی مخلوق رہتی ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ زمینیں کہاں ہیں؟ اس کے جواب میں آلوسی نے جزم ویقین کے ساتھ تو نہیں مگر احتمال وامکان کے طور پر تسلیم کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان سے چاند، مریخ اور دوسرے کواکب مراد ہوں۔اس پر سوال آتا ہے کہ کواکب تو سات نہیں ہیں بلکہ بے شمار ہیں تو اس کے دو جواب دیے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ ممکن ہے کہ کواکب سبعہ مشہورہ مراد ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث رسول میں سات زمینوں سے مراد کثرت ہو یعنی اللہ نے بہت سی زمینیں پیدا کی ہیں۔(۳۵)

Marfat.com

علامہ آلوسی نے آیات کی صوفیاء کے طرز پر اشاری تفسیر بھی کی ہے لیکن انھوں نے ابتدا میں جو فوائد لکھے ہیں ان میں الثانیہ میں تصریح کر دی ہے کہ الفاظ کے ظاہری معنی اور اشاری معنی کے درمیان تطبیق تلاش کی جا سکتی ہے صوفیاء کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آیت کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ اشاری اور باطنی معنی ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ تو فرقہ باطنیہ کے ملحدین کا اعتقاد ہے جس کے ذریعے وہ شریعت کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ صوفیاء نے تو اس بات کی تاکید کی ہے کہ پہلے آیت کا ظاہری مفہوم معلوم کیا جائے جو آیت کا اصل مفہوم مقصود و مراد ہوتا ہے اور پھر اس کے مناسب احتمالی اشاری معنی کا ذکر کر دیا جائے تو منع نہیں ہے۔ اس طرح کے اشاری معانی بیان کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے لیکن میری ناقص رائے میں اگر روح المعانی جیسی تفسیر میں یہ اشاری معانی ذکر نہ کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس لیے عوام الناس بلکہ صوفیانہ مزاج رکھنے والوں کے علاوہ عام علماء بھی ان اشاروں کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کا سمجھنا ضروری بھی نہیں ہے اس لیے کہ صوفیاء نے خود کہا ہے کہ آیت کا اصل مفہوم وہی ہوتا ہے جو ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اشاری تفسیر سلف صالحین کا طریقہ نہیں رہا بلکہ یہ بعض صوفیاء کا طریقہ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ سلفی طریقے میں برکت اور افادیت زیادہ ہے۔

Marfat.com

# آیات الاحکام کی تفسیریں

## ● احکام القرآن للجصاص الحنفی (م ۳۷۰ھ/۹۸۰ء)

جصاص کا نام ہے احمد بن ابوبکر رازی۔ ابوبکر کنیت ہے اور جصاص ان کا لقب ہے۔ یہ لفظ جص سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں چونا۔ یہ چونے کا کام کرتے تھے اس لیے اس کو جصاص کہتے ہیں۔ رازی رے کی طرف منسوب ہے جو جصاص کی جائے پیدائش ہے۔

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء) نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''اپنے وقت میں اصحاب رائے کے امام تھے، زہد اور ورع میں مشہور تھے، بغداد میں نوجوانی کی عمر میں آئے تھے، فقہ کا درس ابوالحسن کرخی سے لیا تھا اور فقہ کے حصول میں مشغول رہے تھے یہاں تک کہ فقہ حنفی کی ریاست تک پہنچ گیا اور فقہ کے طالب علم ان کے پاس آنے لگے۔ ان کو قضاء القضاء کا منصب سنبھالنے کی دعوت دی گئی تھی مگر انھوں نے قبول نہیں کی دوبارہ دعوت دی گئی مگر انھوں نے پھر بھی قبول نہیں کی۔ ان کی تصنیفات مشہور ہیں، انھوں نے ابوالعباس نیشاپوری سے، عبداللہ بن جعفر اصفہانی سے، قاضی عبدالباقی بن قانع سے اور سلیمان بن احمد طبرانی (معاجم ثلاثہ کے مصنف) اور دوسرے محدثین سے احادیث کی روایت کی ہے۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کہا ہے کہ امام جصاص کی ولادت ۳۰۵/۹۱۷ء میں ہوئی تھی، ۳۲۵/۹۳۶ء میں یہ بغداد آئے تھے اور ابوالحسن کرخی سے علم حاصل کیا تھا۔ ان کا انتقال ۷ ذی الحجہ ۳۷۰/۹۸۰ء کو ۶۵ سال کی عمر میں ہوا تھا اور ان کی نماز جنازہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے پڑھائی تھی۔'' (۳۶)

امام جصاص کے شیوخ میں دوسرے ائمہ فقہ بھی شامل ہیں۔ لیکن جس فقیہ اور امام سے انھوں نے علوم کثیرہ حاصل کیے ہیں، جس کی درسگاہ سے انھوں نے سند فضیلت حاصل کی ہے اور جس کی مسند تدریس کے یہ خلف الرشید اور وارث تھے وہ شیخ ابوالحسن کرخی ہیں جس کا نام عبیداللہ بن حسین ہے۔ فقہ میں ان کے امام ابوحنیفہ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ انھوں نے فقاہت حاصل کی تھی اپنے والد حماد سے اور حماد نے حاصل کی تھی اپنے والد امام ابوحنیفہ سے، ابوخازم کے بعد حنفیہ کی ریاست اور سیادت ان کے ہاتھ میں آگئی تھی اور ان کے بعد

Marfat.com

ان کے تلمیذ رشید امام جصاص کو منتقل ہو گئی تھی، ان کی پیدائش ۸۷۳ء میں ہوئی تھی اور ان کی وفات ۹۵۱ء میں ہوئی تھی۔ ابوالحسن کرخی کی وفات کے وقت امام جصاص نیشا پور میں تھے وفات کی خبر سن کر واپس بغداد تشریف لائے، اپنے شیخ کی علمی اور تدریسی کرسی سنبھالی اور امام الحنفیہ و شیخ الحنفیہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور بغداد ہی میں وفات پائی۔ ابوالحسن کرخی کثیر الصلوٰۃ والصیام تھے۔'' (۳۷)

ابوالحسن کرخی کا زہد و قناعت، تقویٰ و ورع اور صوم و صلوٰۃ کا شوق و ذوق تو معروف و مشہور ہے اور ان کے تلمیذ خاص امام جصاص بھی ان صفات سے موصوف تھے۔ لیکن خطیب بغدادی نے ابوالحسن محمد بن عباس فرات سے ابوالحسن کرخی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

وکان مبتدعا راسا فی اعتزال

''بدعتی تھے اور مسلک اعتزال کے رئیس تھے۔'' (۳۸)

امام جصاص جس طرح اپنے شیخ کے زہد و ورع سے متاثر تھے اور شیخ کی صحبت کی وجہ سے ان کی زندگی میں پرہیز گاری، عبادت گزاری اور زہد و قناعت کی صفات حسنہ نمایاں تھیں اسی طرح اپنے شیخ کے اعتزال سے بھی متاثر ہو گئے تھے۔ ان کی تفسیر میں فروعی اور فقہی مسائل میں تو امام ابوحنیفہ کے مسلک پر تصلب بلکہ ایک طرح کا تعصب پایا جاتا ہے اور حنفی مسلک کے لیے آیات کی تکلفی اور غیر متبادر تاویلات بھی اس نے تفسیر میں دیکھی ہیں لیکن اصولی مسائل میں سے بعض مسائل میں ان کی تفسیر میں اہل سنت والجماعت کے مقابلے میں معتزلہ کے مسلک کی تائید بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال سحر کے بارے میں جصاص کی رائے ہے جو معتزلہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک سحر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے تمویہ دھوکہ بازی، نظر بندی، شعبدہ بازی اور چالاکی یا مسمریزیم۔ اس قسم کے سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون جن جادوگروں کو لے کر آیا تھا ان کے پاس اسی قسم کا سحر تھا جو عصائے موسیٰ کے مقابلے میں ناکام اور بے اثر ثابت ہوا تھا اور معجزے کے مقابلے میں ساحر کا سحر کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا'' انہ لا یفلح الساحر حیث اتی'' اور سحر کی دوسری قسم وہ ہے جو مخفی، پوشیدہ اور لطیف اسباب پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ اسباب چونکہ عوام الناس کی نگاہوں میں نہیں آتے اس لیے وہ اس قسم کے سحر کو خرق عادت اور مافوق الاسباب سمجھ لیتے ہیں مگر حقیقت میں یہ اسباب پر مبنی ہوتے ہیں مافوق الاسباب نہیں ہوتے۔ یہ اسباب کبھی کوئی مشرکانہ یا مہمل اور بے معنی قسم کے کلمات اور منتر ہوتے ہیں جو پڑھ کر تانت کی گرہوں میں پھونکے جاتے ہیں، کبھی جنات سے استمداد کی قسم کے ہوتے ہیں، کبھی کواکب اور ستاروں سے استمداد کی قسم کے ہوتے ہیں اور کبھی دوسرے لطیف و پوشیدہ اسباب ہوتے ہیں جن کو ساحر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس قسم کے جادو کی حقیقت اور تاثیر عقل و نقل دونوں کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ جس طرح ظاہری اور محسوس اسباب پر اللہ کے حکم اور ارادے سے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مثلاً آگ جلاتی ہے، گہرا پانی ڈبوتا ہے، تلوار، چاقو، نیزہ، تیر اور پتھر جسم کو زخمی کر دیتے ہیں مگر اللہ کے حکم اور ارادے کے بغیر یہ تمام چیزیں کچھ

Marfat.com

بھی نہیں کر سکتیں، اسی طرح جادوگروں کے غیر محسوس اسباب پر بھی اللہ کے حکم اور ارادے سے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے حکم کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے ،سحر بابل کے بارے میں قرآن میں صراحت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے اثر کرتا تھا اور سحر کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرواتے تھے۔

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ۱۰۲)

''یہ لوگ ہاروت ماروت سے وہ جادوسیکھ لیتے تھے جس کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کروادیتے تھے اور وہ کسی کو بھی اس سحر کے ذریعے ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ کے حکم سے۔''

امام جصاص نے فرعون کے ساحروں کی شعبدہ بازی ،نظر بندی اور خیال بندی سے متعلق آیات قرآنیہ پر استدلال کرتے ہوئے ہر قسم کے سحر کو تمویہ اور شعبدہ بازی پر محمول کیا ہے اور پورے ۹ صفحات پر شعبدہ بازوں کی چالاکیوں کی مثالیں پیش کی ہیں۔(۳۹)

شعبدہ بازوں کی چالاکیوں اور دھوکہ بازیوں کی مثالیں جمع کرنا تو ٹھیک ہے لیکن حیرت اور افسوس تو اس پر ہے کہ اس عظیم مفسر اور امام الحنفیہ نے اس کے بعد سحر کے اس اثر سے بھی انکار کر دیا ہے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور حدیث کو ملحدین کی وضع کردہ قرار دیا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''انھوں نے ساحر کے اس فعل کو بھی جائز یعنی ممکن قرار دیا ہے جو بہت زیادہ سخت اور قبیح ہے۔انھوں نے دعوئی کیا ہے کہ نبی علیہ السلام پر جادو کیا گیا تھا اور اس جادو نے آپ پر اثر بھی کیا تھا یہاں تک کہ آپ کے خیال میں آتا کہ میں کوئی بات کر رہا ہوں یا کوئی کام کر رہا ہوں حالانکہ آپ نے نہ کوئی بات کی ہوتی اور نہ کوئی کام کیا ہوتا ،اور ایک یہودی عورت نے آپ پر خوشہ کھجور کے غلاف میں کنگھی میں سر سے نکلے ہوئے بالوں میں جادو کیا تھا، یہاں تک کہ جبریل نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ یہودیہ نے تم پر خوشہ کھجور کے غلاف میں جادو کیا ہے اور یہ کنویں میں ایک پتھر کے نیچے رکھا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس خوشے کو نکالا اور آپ ﷺ سے جادو کا یہ عارضہ زائل ہو گیا، حالانکہ اللہ نے کفار کے دعوے کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ (الفرقان:۸)

''اور ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم اس شخص کے پیچھے لگے ہوئے جس پر جادو کیا گیا ہے۔''

اور اس قسم کی اخبار اور روایات ملحدین کی وضع کردہ یعنی خود ساختہ ہیں تا کہ اس قسم کی بے وقوفی کی باتوں کو معجزات کے ابطال کا اور ان پر دوقدح کا ذریعہ بنایا جائے تا کہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ معجزہ اور جادو ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں ان لوگوں پر جو انبیاء اور ان کے معجزات پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جادوگروں کے اس قسم افعال پر بھی یقین رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

Marfat.com

﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾ (طه ٦٩)

''جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتا جہاں بھی آئے۔''

تو انھوں نے ان لوگوں کی تصدیق کر دی جن کی اللہ نے تکذیب کی ہے اور ان کے دعوے کا ابطال کیا ہے، ممکن ہے کہ یہودی عورت نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کام کیا ہو اور گمان کیا ہو کہ میرا یہ عمل نبی کریم ﷺ پر اثر کرے گا تو اللہ نے اس پر اپنے نبی کو مطلع اور اس عورت کی جہالت اور ظن کر ظاہر کر دیا تا کہ یہ اطلاع دلائل نبوت میں سے ایک دلیل ثابت ہو جائے، اس عمل نے آپ کو کوئی ضرر اور تکلیف نہیں پہنچائی تھی سب راویوں نے یہ بات نہیں کہی کہ آپ کے حال میں کچھ خلل آیا تھا بلکہ یہ لفظ حدیث میں کسی کا اضافہ ہے جس کا کوئی اصل موجود نہیں ہے۔ (۴۰)

امام جصاص کی مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کی تکذیب کی ہے کہ محمد ﷺ پر جادو کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ پر کسی کا جادو اثر انداز نہیں ہوسکتا لیکن سیاق وسباق اور دوسری آیات کی روشنی میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کفار قرآن کو سحر کہتے تھے اور مسحور سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی جادو گر نے ان کو جادو سکھایا ہے اور یہ اسے کلام الٰہی اور وحی خداوندی کے نام سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساحر جہاں بھی آئے کامیاب نہیں ہوسکتا یعنی اس کا جادو بے اثر ہو جاتا ہے مگر یہ آیت ساحران فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے سیاق کلام میں آئی ہے اور سیاق کلام سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ساحر جہاں بھی اور جب بھی پیغمبر کے معجزے کے مقابلے میں آتا ہے تو ناکام ہو جاتا ہے اس لیے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور سحر جادوگر کا عمل ہوتا ہے اور بندہ کا عمل اللہ کے فعل کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔ اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ ساحر اپنے سحر سے نبی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا، جسمانی تکلیف تو نبی علیہ السلام کو اللہ کے ارادے سے عام کفار ومشرکین کے ہاتھوں بھی پہنچ سکتی ہے اور ساحروں کے سحر سے بھی پہنچ سکتی ہے۔ تیسری بات ہمارے اس امام الحنفیہ نے یہ کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے اور اس جادو کے اثر کرنے کی اخبار واحادیث ملحدین کی وضع کردہ ہیں یا ان میں یہ الفاظ کسی کے اضافہ کردہ ہیں کہ اس جادو کی وجہ سے آپ کی حالت میں کچھ خلل آیا تھا اور آپ کو تکلیف پہنچی تھی حالانکہ جادو کرنے اور اس کی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچنے کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے جس کو امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین نے صحیح اور قوی اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث کا مکمل ترجمہ نقل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس حدیث کو بخاری ومسلم دونوں نے ایک ہی راوی سے نقل کیا ہوا اسے متفق علیہ کہتے ہیں اور اس کا درجہ صحیح احادیث میں سب سے اونچا ہوتا ہے۔ اس متفق علیہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بنو زریق قبیلے کے ایک یہودی لبید بن اعصم

Marfat.com

نے جادو کیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا حال یہ ہو گیا تھا کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کام آپ نے کیا نہیں ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ یہاں تک چلتا رہا کہ ایک دن یا ایک رات آپ میرے پاس تھے لیکن دعا پر دعا فرما رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا جانتی ہو کہ اللہ نے مجھے وہ بات اپنے فضل سے بتادی ہے جو میں نے ان سے پوچھی تھی، میرے پاس دو مرد آئے (فرشتے مردوں کی شکل میں آئے) ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا، ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا اس شخص کو (محمد ﷺ کو) کیا بیماری ہے؟ اس نے جواب دیا اس پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا کس نے اس پر جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پہلے نے پھر پوچھا کہ جادو کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کنگھی کے دندانوں اور کنگھی کرتے وقت گرے ہوئے بالوں میں اور نر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں یہ جادو (ٹوٹکہ) کیا ہے، پہلے نے پوچھا کہ یہ ٹوٹکہ (جادو کی یہ چیزیں) کہاں رکھی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ذروان نام کے کنویں میں رکھا ہے۔ پس جب آپ اپنے اصحاب کے ایک گروہ کے ساتھ اس کنویں سے لوٹ کر واپس ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اے عائشہ! اس کنویں کا پانی مہندی کے پانی کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر ایسے بھیانک اور بدصورت تھے جیسے سانپوں کے سر اور پھن۔ (حضرت) عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کسی جادوگر (منتر کرنے والے سے) اس کا توڑ یعنی ازالہ کیوں نہیں کراتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے تو شفا دے دی ہے اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگوں میں بری چیز کی اشاعت کروں۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان چیزوں کو دفن کردو اور وہ دفن کردی گئیں۔"

یہ حدیث مختلف اسانید کے ساتھ صحیح البخاری میں پانچ مقامات پر آئی ہے۔

كتاب الطب باب السحر ، كتاب الادب باب قوله تعالى ان الله يأمر بالعدل والاحسان ، كتاب الدعوات باب تكرير الدعاء ، كتاب بدء الخلق باب صفة ابليس وجنوده ، كتاب الجزيه باب هل يعفى من الذمى؟

اور مسلم نے اسے كتاب السلام باب السحر میں نقل کیا ہے، (۴۱)۔

مسند احمد کی ایک روایت میں آیا ہے کہ " فاشتكى لذلك ايام" (اس جادو کی وجہ سے آپ ﷺ کئی روز تک تکلیف اور پریشانی کی حالت میں رہے تھے) اور جب اس کا اثر زائل ہوا تو آپ نے یوں محسوس کیا کہ " كانما نشط من عقال " گویا میں رسی سے باندھا ہوا تھا اور اب رسی کھول دی گئی ہے۔ (۴۲)

ان روایات میں جادو کے اثر کرنے اور اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی تکلیف اور پریشانی کا ذکر ہوا ہے اور روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے یہ صحیح احادیث ہیں۔ روایت کے اعتبار سے تو اس لیے صحیح ہیں کہ بخاری و

Marfat.com

مسلم کی متفق علیہ احادیث ہیں اور درایت و مضمون کے لحاظ سے اس لیے قابل قبول ہیں کہ ان کے مضمون پر عقلاً و شرعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اس لیے کہ کفار ومشرکین اور جادوگروں کے اعمال کے ذریعے اللہ کی مشیت سے انبیاء کو تکالیف پہنچنا آزمائش ہے اور شان نبوت کے خلاف نہیں ہے البتہ جادو کا ایسا اثر انبیاء پر ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی ہوا ہے کہ وہ وحی الٰہی کو سمجھے اور سمجھانے سے اور فرائض نبوت ادا کرنے سے عاجز آجائیں لیکن مذکورہ آیات میں تو صرف جسمانی تکلیف کا ذکر ہوا ہے۔ بہرحال صحیح احادیث کو ملحدین کی وضع کردہ قرار دینا بہت بڑی بات ہے جو اس بڑے امام کے قلم سے نکل گئی ہے۔ یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ ہر انسان غلطی کا پتلا ہے۔

معتزلہ کی رائے کے ساتھ اتفاق اور اہل سنت کے متفقہ مسلک کے ساتھ اختلاف کی دوسری مثال رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے۔ اہل سنت والجماعت سورہ قیامۃ کی آیت "الی ربھا ناظرۃ" احادیث مرفوعہ متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین کی بنیاد پر بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ اصول اہل سنت میں سے اہم ترین اصول ہے کہ قیامت کے روز جنت میں اہل ایمان اپنے رب کو آنکھوں سے دیکھیں گے اور سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ میں "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" کے معنے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن امام جصاص آخرت میں بھی رویت باری تعالیٰ کو نہیں مانتے جیسا کہ معتزلہ کا مسلک ہے، احکام القرآن میں انھوں نے یہ بات اس طرح بیان کی ہے:

"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَار کے معنے ہیں" لا تراہ الابصار" یعنی اسے آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں اور آنکھوں سے دیکھنے کی نفی اس کی صفت مادحہ ہے جیسے "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" میں اونگھ اور نیند کی نفی صفت مادحہ ہے اور جس صفت کی نفی سے اللہ نے اپنی مدح اور تعریف کی ہو اس کے ضد کا اس کے لیے اثبات ذم اور نقص ہوتا ہے جو جائز نہیں ہے پس جب اللہ نے اپنی مدح کی ہے کہ مجھے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں تو اس کی ضد یعنی رویت بالابصار کا اس کے لیے اثبات کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس میں نقص اور عیب کا اثبات لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس آیت میں "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (القیمۃ ۲۲، ۲۳) کے ذریعے تخصیص کی جائے (کہ دنیا میں تو اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا مگر آخرت میں اہل ایمان کی آنکھیں اسے دیکھیں گی) اس لیے کہ لفظ "نظر" کا لفظ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی ثواب کا انتظار کرنا بھی ہے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت سے یہ معنی مروی ہے تو جب اس لفظ میں تاویل کا احتمال ہے تو اس کی بنیاد پر اعتراض کرنا جائز نہیں اور رویت کے بارے میں جو احادیث و اخبار مروی ہیں وہ اگر صحیح ہوں تو ان سے مراد علم ہے یعنی وہ علم جس میں کسی شبہے اور شک کا اختلاف نہ ہو، اس لیے کہ عربی لغت میں رؤیت علم کے معنوں میں مشہور ہے۔" (۴۳)

قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جب دو آیتوں کے درمیان بظاہر تناقض اور تعارض نظر آئے تو تاویل کے ذریعے اس کے ازالے کی کوشش کرنی چاہیے مگر جو تاویل احادیث صحیحہ سے ٹکراتی ہو تو وہ اگر لغت کے اعتبار سے صحیح

Marfat.com

بھی ہو پھر بھی اسے نظر انداز کر کے وہ تاویل اختیار کی جائے گی جو احادیث کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو اس لیے کہ قرآن کی صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو احادیث رسول ﷺ سے ثابت ہو۔ عربی لغت میں تو الفاظ کے کئی معانی ہو سکتے ہیں مگر مراد وہی معنی ہو گا جو حدیث سے ثابت ہوتا ہو۔ اہل سنت کے درمیان مسلمہ اور متفقہ اس اصول کی روشنی میں جب ہم "لا تدركه الابصار" اور الیٰ ربها ناظرة کے درمیان تطبیق اور مطابقت پیدا کرنے کے لیے کوئی تاویل تلاش کرتے ہیں تو یہ تاویل صحیح نظر آتی ہے کہ لا تدركه الابصار کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں اللہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور الیٰ ربها ناظرة کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں ایمان والے اپنے رَبّ کو آنکھوں سے دیکھیں گے اس لیے کہ یہ تاویل احادیث رسول کے مطابق ہے اور معتزلہ کی یہ تاویل صحیح نظر نہیں آتی کہ الیٰ ربها ناظرة کے معنے ہیں الی نعم ربها منتظرة یعنی اپنے رب کی نعمتوں اور اس کے اجر و ثواب کے منتظر ہوں گے۔

ایک تو اس وجہ سے یہ تاویل صحیح نہیں ہے کہ عربی لغت میں جب ناظرة کو حرف الیٰ کے ساتھ متعدی کیا جائے تو اس کے معنے رویت بالبصر ہوتے ہیں انتظار کرنا نہیں ہوتے جیسا کہ مدارک التنزیل اور دوسری تفاسیر میں لکھا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر لغت میں اس کی گنجائش نکل بھی آئے پھر بھی یہ تاویل صحیح نہیں ہو سکتی اس لیے کہ احادیث رسول سے ٹکراتی ہے جن میں جنت میں اہل ایمان کے لیے رویت باری تعالیٰ کی صراحت موجود ہے۔

باقی رہی امام جصاص کی یہ بات کہ احادیث میں مروی لفظ رویت سے علم مراد ہے تو یہ بات تین وجوہات سے نا قابل قبول ہے بلکہ تکلف اور تعصف پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ علم رویت کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ مجازی ہیں اور مجازی معنی مراد لینے کے لیے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر رویت سے علم مراد بھی لیا جائے تو اس سے علم بالمشاہدہ اور علم بالرویت مراد ہو گا جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا اور علم بالغیب یعنی اللہ کو آنکھوں سے دیکھے بغیر ماننا اور اس کے وجود پر یقین کرنا تو اہل ایمان کو دنیا میں بھی حاصل ہے۔ اور تیسری بڑی وجہ اس معنی کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ احادیث رسول میں رویت عیانا کی تصریح موجود ہے اس لیے رویت سے علم مراد لینا خلاف حدیث ہے اور خلاف حدیث تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انكم سترون ربكم عيانا

"بے شک تم لوگ اپنے رب کو کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔" (۴۴)

عربی میں عیان اور معاینہ آنکھوں سے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے بغیر دیکھے علم کے لیے یہ لفظ نہیں آتا، بخاری و مسلم میں ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم سورج اور چاند کے دیکھنے میں ایک دوسرے

Marfat.com

کو دھکے دے کر تکلیف اور ضرر پہنچاتے ہو جب کہ ان کے نیچے بادل بھی نہ ہوں؟ انھوں نے کہا نہیں (اس لیے کہ دھکے دینے اور ضرر پہنچانے کی ضرورت نہیں پڑتی) آپ نے فرمایا:

فانكم ترون ربكم كذلك (٤٥)

''پس تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح سورج اور چاند کو دیکھتے ہو۔''

اس حدیث میں اللہ کی تشبیہ سورج اور چاند کے ساتھ نہیں دی گئی بلکہ رویت باری تعالیٰ کی تشبیہ سورج اور چاند کی رویت کے ساتھ دی گئی ہے جس کے نیچے بادل نہ ہوں یعنی جس طرح تم پردے کے بغیر سورج اور چاند کو دیکھتے ہو اور ہر شخص یوں محسوس کرتا ہے کہ سورج اور چاند میری ہی جانب دیکھ رہا ہے اسی طرح قیامت کے روز تم اپنے رب کو بلا حجاب اس طرح دیکھو گے کہ ہر شخص یوں محسوس کرے گا کہ میرا رب مجھے ہی دیکھ رہا ہے۔

یہ ساری بحث انصاف اور اعتدال پر مبنی تحقیق بحث ہے اور اس میں انھوں نے بعض احناف کی طرح حنفیت کے لیے تکلف نہیں کیا اس لیے کہ بعض حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا منسوخ ہے اور مکروہ ہے مگر امام جصاص نے رفع الیدین کے مسئلے میں بھی فقہاء کے اختلاف کو اولی اور غیر اولی کا اختلاف قرار دیا ہے، بہر حال آیات سے احکام معلوم کرنے کے لیے امام جصاص کی احکام القرآن بڑی مفید کتاب ہے اور اہل علم میں مقبول اور متداول ہے۔

جصاص کے احکام القرآن دار احیاء التراث الاسلام بیروت نے ۱۴۰۴ھ/۱۹۵۸ء میں ۵ جلدوں میں شائع کی ہے۔

## ● احکام القرآن للکیا الہراسی (م ۵۰۴ھ/۱۱۱۰ء)

ہراسی کا نام علی بن محمد بن علی الطبری ہے، اس کی کنیت ابو الحسن ہے اور لقب عماد الدین ہے مگر ''الکیا الہراسی'' کے نام سے مشہور ہے۔

ابن خلکان (م ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء) نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن علی طبری کا لقب عماد الدین تھا مگر یہ الکیا لہراسی کے نام سے مشہور ہیں فقہ شافعی کے فقیہ تھے۔ اصل میں طبرستان سے تعلق رکھتے تھے مگر نیشا پور چلے گئے تھے اور کافی مدت تک امام الحرمین الجوینی سے علم فقہ حاصل کرتے رہے تھے یہاں تک کہ اس فن میں کمال تک پہنچ گئے۔ ان کا چہرہ خوبصورت تھا، آواز بلند تھی اور باتیں فصیح اور میٹھی کرتے تھے، امام الحرمین سے فقہ حاصل کر کے نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس مقرر ہو گئے یہاں تک کہ بغداد ہی میں وفات پا گئے امام جوینی کے شاگرد حافظ عبدالغافر بن اسماعیل فارسی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) نے اپنی کتاب ''سیاق تاریخ نیشاپور'' میں لکھا ہے کہ جو تلامذہ امام الحرمین کے کلام دہرانے اور پہنچانے والے تھے۔ ہراسی ان کے رئیسوں میں شامل تھے، امام الحرمین کے شاگردوں میں امام

Marfat.com

غزالی کے بعد ان کا درجہ ہے بلکہ خواش آوازی کی وجہ سے یہ ان سے بہتر تھے اس کے بعد یہ ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے مجد الملک برکیاروق کے دربار سے منسلک ہوگئے بہت سا مال وجاہ کمایا اور سلجوقی سلطنت میں منصب قضا پر فائز ہوگئے، یہ محدث تھے اور اپنے مناظروں اور مباحثوں میں اور اپنی مجالس میں احادیث کا استعمال زیادہ کرتے تھے، حافظ ابوطاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ۴۹۵ھ/۱۱۰۱ء میں بغداد میں اپنے استاد الکیا لہراسی سے ایک مسئلے کے بارے میں استفتا کیا جوان دنوں مدرسہ نظامیہ میں میرے اور دوسرے فقہاء کے درمیان موضوع بحث تھا وہ مسئلہ یہ تھا کہ ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے مال کا تیسرا حصہ علماء اور فقہاء کو دے دیا جائے تو کیا اس میں احادیث لکھنے اور یاد کرنے والے شامل ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے نیچے ہراسی نے لکھا ہے کہ ہاں شامل ہیں اور کیوں شامل نہیں ہوں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے میری امت میں سے دین تعلق رکھنے والی چالیس احادیث یاد کی ہوں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو فقیہ اور عالم کی حیثیت سے اٹھائے گا۔'' (۴۶)

ابن خلکان آگے لکھتے ہیں کہ الکیا کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں ہوئی تھی اور وفات محرم ۵۰۴ھ/۱۱۱۰ء میں بغداد میں ہوئی تھی اور شیخ ابواسحٰق شیرازی کے مقبرے میں دفن ہوئے تھے، مجھے علم نہیں ہے کہ اس کو الکیا کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ عجمی لغت میں تو الکیا معزز شخص اور مرتبے کے لحاظ سے لوگوں میں آگے نکل جانے والے کو کہا جاتا ہے یہ لفظ کاف کی زیر یاء کی زبر بلا شد اور الف کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ (۴۷)

الکیا کے عجمی معنے تو ابن خلکان نے بیان کر دیے لیکن ''ھراسی'' کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی خیال تھا کہ شاید کسی شہر یا جگہ کا نام ہو مگر معجم البلدان دیکھی تو اس میں یہ لفظ باب الھاء مع الراء کے باب میں نہیں مل سکا اور جب لغت کی مختلف کتابیں دیکھیں تو معلوم ہوا کہ ہراس بروزن فعال شیر کو بھی کہتے ہیں اور ''ہریسہ'' بنانے والے بیچنے والے کو بھی کہتے ہیں ہریسہ ایک قسم کا کھانا ہے جو گوشت اور کوٹے ہوئے گیہوں سے تیار کیا جاتا تھا اور دور نبوی میں بھی مروج تھا اور ہراس بغیر شدت کے کانٹے دار درخت کو بھی کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کس وجہ سے اس فقیہ کو ہراسی کہا جاتا ہے، بہر حال وجہ جو بھی ہو یہ الکیا الہراسی کے نام سے اہل علم کے درمیان معروف ہے۔ وجہ تسمیہ معلوم کرنا مفید تو ہوتا ہے مگر ضروری نہیں تھا۔ ہراسی کی احکام القرآن مسلک شافعی کی تائید میں لکھی گئی ہے اور مسلکی تعصب اس میں بھی پایا جاتا ہے اور بعض مقامات پر انھوں نے امام جصاص پر حملے بھی کیے ہیں۔ انھوں نے کتاب کی ابتدا میں خود لکھا کہ میں نے یہ تفسیر امام شافعی کی آراء کی تائید اور تشریح کے لیے لکھی ہے:

میں نے جب متقدمین اور متاخرین کے مذاہب اور آراء میں غور کیا اور ان کے مطالب و مباحث کو ملاحظہ کیا تو میں نے ان میں سے امام شافعی کے مسلک کو زیادہ صحیح اور قوی پایا اور اچھی رہنمائی اور وضاحت کرنے والا پایا، ان کی سوچ اور فکر بڑے بڑے آراء اور مباحث میں ظن وتخمین سے ترقی کر کے حق ویقین کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب اور آراء کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کے بحر ناپیدا کنار سے علوم واحکام کے موتی نکالنے کے لیے علمی اسباب اور صلاحیتیں اتنی زیادہ

Marfat.com

عطا کی تھیں جس طرح ذوالقرنین کو حکومت چلانے اور فتوحات حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ اسباب عنایت فرمائے تھے۔ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے احکام القرآن میں ایسی کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ کرلیا جس میں امام شافعی کی ان آراء کی تشریح کی گئی ہو جو انھوں نے دلائل سے اخذ کیے ہیں اور ان کے ساتھ ان آراء کو بھی ملا دیا ہے جو میں نے اپنی طاقت اور کوشش کے مطابق انہی کے طرز پر اخذ کیے ہیں۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جو امام شافعی کے طرز استدلال کو سمجھنے سے عاجز ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد تک پہنچ نہیں سکے ہیں اور انھوں نے اپنی کم فہمی کو امام شافعی پر نقد و جرح کا ذریعہ بنالیا ہے۔ (۴۸)

اس عبارت سے ان کا منہج معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلکی طرز تفسیر ہے اور اس کے بین السطور میں مسلکی تعصب بھی صاف طور پر نظر آ رہا ہے، لیکن ان خامیوں کے باوجود فقہ شافعی کو سمجھنے کے لیے یہ اچھی کتاب ہے۔ احکام القرآن کے نام سے ایک کتاب خود امام شافعی کی طرف بھی منسوب ہے لیکن وہ دراصل امام بیہقی کی تصنیف ہے۔ ہراسی کی احکام القرآن دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء میں دو جلدوں میں شائع کی ہے۔

## ● احکام القرآن لابن العربی (م ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء)

ابن العربی کا نام محمد بن عبداللہ بن محمد ہے، کنیت ابوبکر ہے مگر ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔ اندلس کے مشہور شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کو ابن عربی اندلسی اشبیلی بھی کہا جاتا ہے۔ ابن خلکان نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔ ابن بشکوال نے اپنی کتاب ''الصلہ'' میں لکھا ہے کہ ابن العربی حافظ تھے، علم کا سمندر تھے، اندلس کے علماء، ائمہ اور حفاظ کا اختتام تھے۔ میں ۲ جمادی الآخرہ ۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء میں سوموار کے دن چاشت کے وقت اشبیلیہ میں ان سے ملا تھا اور انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں مشرق (مصر) کے سفر پر نکلا تھا اور شام بھی گیا تھا۔ شام میں ابوبکر طرطوشی سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا، بغداد بھی گیا تھا اور بغداد کے ممتاز مشائخ سے حدیث کا سماع کیا اور علوم حاصل کیے، پھر ۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء میں حجاز گیا اور حج کیا، حج کے بعد واپس بغداد آئے اور ابوبکر شاشی، امام غزالی اور دوسرے علماء ادباء کی صحبت اختیار کی، مصر اور اسکندریہ میں بھی محدثین کی ایک جماعت کی صحبت کا شرف بھی ان کو حاصل ہوا تھا۔ ان سے استفادہ کیا تھا اور ان کو بھی فائدہ پہنچایا تھا۔ ۴۹۳ھ/۱۰۹۹ء میں علوم کثیرہ کے ساتھ اشبیلیہ واپس آیا، ابن عربی مختلف علوم وفنون میں مہارت اور تجربہ رکھتے تھے اور ان کی تعلیم و اشاعت میں حریص بھی تھے، ذہین تھے، آداب و اخلاق، حسن معاشرت، سخاوت و شرافت نفس کی صفات سے متصف تھے۔ وعدے کے پابند تھے اور دوستی نبھانے والے تھے، اشبیلیہ میں قاضی مقرر ہوئے تو لوگوں کو اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا اس لیے کہ وہ احکام شرعیہ کی تنفیذ میں بڑے سخت تھے اور ظالموں پر ان کی بڑی ہیبت طاری رہتی تھی۔ پھر قضا کی ذمہ داری سے الگ ہوگئے اور تدریس و تعلیم اور تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہوگئے۔ میں نے ان سے تاریخ ولادت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں ۲۲ شعبان

Marfat.com

۴۶۸ھ/۱۰۷۵ء میں جمعرات کی رات کو پیدا ہوا تھا اور ان کی وفات ربیع الثانی ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء کو ہوئی تھی اور فاس شہر میں دفن ہوئے تھے۔ ابن بشکوال کی بات ختم ہوئی۔ (۴۹)

حافظ شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے:

"وتخرج بالامام ابی حامد الغزالی والعلامه ابی زکریا التبریزی والفقیه ابی بکر الشاشی وجمع وصنف وبرع فی الادب والبلاغة وبعد صیته وکان متبحرا فی العلل ثاقب الذهن کریم الشمائل کثیر الاموال ولی قضاء اشبیلیه فحمد واجاد السیاسة وکان ذا شدة وسطوة۔"(۵۰)

''ابن عربی امام غزالی علامہ ابوزکریا تبریزی اور فقیہ ابوبکر شاشی کی درسگاہوں کے فارغ التحصیل ہیں اور ان کی مجالس علمیہ کے فضلاء میں سے ہیں۔ انھوں نے معلومات جمع کیں، تصنیفات کیں، ادب اور بلاغت میں کمال حاصل کیا اور دور دور تک ان کے علم کی شہرت پہنچی علم میں گہرے دریا کی طرح تھے، چمکتا ہوا ذہن رکھتے تھے اچھے اخلاق کے حامل تھے اور اللہ نے ان کو اموال کی کثرت سے بھی نوازا تھا۔ جب اشبیلیہ کے قاضی مقرر ہوئے تو لوگوں نے اس کی تعریف کی اور انھوں نے بڑی اچھی سیاست کی تھی (بہترین نظم ونسق چلایا تھا) قضاء میں شدت اور رعب وہیبت والے تھے۔) احکام شرعیہ کے نفاذ میں اور مظلوم کو حقوق دلوانے میں سخت گیر تھے۔''

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان کے بارے میں اپنے تاثرات اس طرح بیان کیے ہیں:

الفقیه ابوبکر بن العربی المالکی شارح الترمذی کان فقیها عالما وزاهدا عابدا وسمع الحدیث بعد اشتغاله فی الفقه وصحب الغزالی واخذ عنه وکان یتهمه برأی الفلاسفة ویقول دخل فی اجوافهم فلم یخرج منها والله اعلم(۵۱)

''فقیہ ابن العربی مالکی تھے، ترمذی کے شارح تھے، فقیہ اور عالم تھے، زاہد اور عابد تھے، انھوں نے فقہ میں مشغول ہونے کے بعد حدیث کا سماع کیا تھا، غزالی کی صحبت میں رہے تھے اور ان سے علوم حاصل کیے تھے مگر فلاسفہ کی رائے کی طرف میلان کی وجہ سے ان پر اعتراض بھی کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ امام غزالی فلاسفہ کے پیٹوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر پھر ان سے نکل نہیں سکے تھے۔ واللہ اعلم۔''

حافظ شمس الدین داؤدی (م ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) نے لکھا ہے کہ:

''ابن العربی نے اپنی کتاب القبس فی شرح موطا ابن انس میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''انوار الفجر فی تفسیر القرآن'' اس کتاب کو میں نے ۲۰ سال میں مکمل کیا ہے اور یہ ۸۰ ہزار ورقوں پر مشتمل ہے۔ شیخ برہان الدین فرحون نے کہا ہے کہ مجھے شیخ ابوالربیع برغواطی نے مدینہ منورہ میں ۷۶۱ھ/۱۳۵۹ء میں بتایا تھا کہ ان کو شیخ یوسف احزام مغربی نے اسکندریہ میں ۷۶۰ھ/۱۳۵۸ء میں

Marfat.com

بتایا تھا کہ میں نے ابن العربی کی تفسیر انوار الفجر پوری کی پوری دیکھی ہے۔ یہ کتاب میں نے امیر المسلمین ابوعنان بن امیر المسلمین ابوسعید کے خزانے (یعنی کتابوں کے مخزن) میں دیکھی تھی اور اس وقت سلطان ابوعنان مراکش کے شہر میں تھے، سلطان کا کتب خانہ سفر میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا اور میں ایک جماعت کے ساتھ کتابوں کو باندھنے اور ان کو اٹھانے کی خدمت پر مامور تھا، میں نے جب اس کی جلدیں شمار کیں تو تعداد ۸۰ جلدوں کو پہنچ گئی اور کتاب پوری تھی ناقص نہیں تھی، ابوالربیع کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر دینے والا شخص یوسف الحزام ثقہ، سچ بولنے والا اور نیک آدمی ہے اور ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے۔" (۵۲)

ابن العربی کی احکام القرآن میں طویل واطناب نہیں ہے بلکہ مختصر اور کلمات جامعہ پر مشتمل تفسیر ہے، ترتیب بھی بہت زیادہ اچھی اور آسان ہے، ہر سورہ کے آغاز میں بتادیتا ہے کہ اس سورت میں آیات الاحکام کی تعداد اتنی ہے اور پھر المسئلۃ الاولی، المسئلۃ الثانیہ الی الآخر کے عنوانات کے تحت ہر آیت سے متعلق احکام ومسائل بیان کرتا ہے۔ اکثر تو امام مالک کے مسلک کو ترجیح دیتا ہے مگر بعض مسائل میں امام مالک کی رائے کے مقابلے میں اپنی الگ رائے بھی پیش کرتا ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ کے مسائل میں سے المسئلۃ الثانیہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک مقتدی بھی فاتحہ پڑھے گا اگر اس نے نہ پڑھی تو اس کو نماز کا کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا۔ لیکن ہمارے علماء مالکیہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ ابن القاسم کا قول یہ ہے کہ صرف سری نماز میں مقتدی فاتحہ پڑھے گا، ابن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ سری میں بھی نہیں پڑھے گا اور ابن عبدالحکم کا قول یہ ہے کہ پڑھنا مستحب اور افضل ہے لیکن اگر نہ پڑھی ہو تو نماز ہو جائے گی۔ (موطا امام مالک میں یہی قول نقل ہوا ہے اور مالکیہ کا متداول مسلک یہی ہے) مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سری نماز میں مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور جہری نماز میں جب امام کی قراءت سن رہا ہو تو فاتحہ پڑھنا حرام ہے اس لیے کہ اس حالت میں مقتدی کو خاموش رہ کر قراءت سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مقتدی دور کھڑا ہو اور قراءت سن نہ سکتا ہو تو اس کے لیے جہری نماز سری نماز کی طرح ہے۔ (۵۳)

محدثین کے مسلک کے مطابق مقتدی پر ہر رکعت میں فاتحہ فرض ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں درج ہے۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی احکام القرآن میں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مسئلے میں امام مالک اور مالکیہ کے مسلک کا التزام ضروری نہیں سمجھتے تھے، ابن عربی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اسرائیلی روایات اور ضعیف روایات سے بہت زیادہ نفرت کرتے تھے۔ فقہ مالکی کے معتمد ائمہ فقہ میں شامل ہیں۔ قرطبی میں بھی ان کے حوالے بکثرت موجود ہیں۔ ابن العربی کی احکام القرآن دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء میں چار جلدوں میں شائع کی ہے اور ذیل میں احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۶۳۰/۲۔
۲۔ ایضاً ۱۶۳/۲۔
۳۔ ابن تیمیہ، مقدمہ تفسیر فتاویٰ، ۳۸۵/۱۳۔
۴۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، (دار ابن کثیر دمشق/بیروت ۱۹۸۷)۔ ۲۳۷/۲۔
۵۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۶۵/۲۔
۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱۱۷/۲۔
۷۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۳۰۲/۱۲۔
۸۔ بغداد، تاریخ بغداد، ۱۰۲/۱۲۔۱۰۷۔
۹۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱۳۴/۲۔۱۳۶۔
۱۰۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۱۹۳/۱۔
۱۱۔ ابن تیمیہ، مقدمہ تفسیر فتاوی، ص: ۳۸۶/۱۳۔
۱۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱۴۰/۳۔
۱۳۔ ابن تیمیہ، مقدمہ تفسیر فتاوی، ۳۸۸/۱۳۔
۱۴۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان (دار التراث العربی بیروت ۱۹۷۹)، ۳۲۴/۴
۱۵۔ داؤدی، طبقات المفسرین، ۶۹/۲۔۷۰
۱۶۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۳۲/۱۴۔
۱۷۔ داؤدی، طبقات المفسرین ۱۱۲/۱۔
۱۸۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، بتقدیم وتاخیر وتلخیص ۲۴۸/۴ تا ۲۵۱
۱۹۔ مولانا عبدالسلام ندوی، امام رازی، ص ۷۰۶۔
۲۰۔ ابن اثیر الکامل، (طبع بیروت ۱۹۶۶)، ۲۸۸/۱۲۔


Marfat.com

۲۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ،۱۳/۵۶۔

۲۲۔ ابن حجر، لسان المیزان ۴/۴۲۷۔

۲۲۔۱۔ طٰہٰ (۲۰): ۹۶۔

۲۳۔ یاقوت حموی، معجم البلدان (طبع بیروت، ۱۹۷۹)، ۱/۵۲۹۔

۲۴۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ۱/۲۱۱۔

۲۵۔ السبکی، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۸/۱۵۷، ۱۵۸، ترجمہ نمبر ۱۱۵۳۔

۲۶۔ عبدالحی لکھنوی، الفوائد البھیہ (طبع نور محمد کراچی ۱۹۷۳) ص: ۱۰۱، ۱۰۲۔

۲۷۔ داودی، طبقات المفسرین ۱/۴۶۶، ۴۶۷۔

۲۸۔ خطبہ تفسیر خازن (دار الفکر بیروت ۱۹۷۹)، ۱/۳۰۴۔

۲۹۔ تفسیر خازن، ۶/۴۹، ۵۰۔

۳۰۔ حافظ شمس الدین حسینی، ذیل تذکرۃ الحفاظ از (۷۶۵ھ) ص ۲۳ تا ۲۶، حافظ شمس الدین داؤدی، طبقات المفسرین، ۲/۲۸۷ تا ۲۹۱۔

۳۱۔ داؤدی، طبقات المفسرین، ۲/۸۴۔

۳۲۔ عبدالحی لکھنوی، الفوائد البھیہ فی تراجم ائمۃ الحنفیہ (طبع نور محمد کراچی) ص ۸۱، ۸۲۔

۳۳۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱/۳۵۲ تا ۳۵۴۔

۳۴۔ آلوسی، روح المعانی (دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۸۵)۔ ۶/۸۶، ۸۷۔

۳۵۔ (اس بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے روح المعانی طبع مذکور ص ۱۴۴۔ ۱۴۵ ج ۲۸ سورۃ الاطلاق آیت ۱۲)

۳۶۔ بغدادی، تاریخ بغداد ۴/۳۱۴۔ ۳۱۵، ترجمہ ۲۱۱۲۔

۳۷۔ عبدالحی لکھنوی، الفوائد البھیہ ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

۳۸۔ بغدادی، تاریخ بغداد ۱۰/۲۰۰۔

۳۹۔ الھراسی، احکام القرآن (طبع دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۸۵)، ۱/۵۰ تا ۵۹۔

۴۰۔ القرآن طبع مذکورہ ۱/۶۰ باب السحر والساحر البقرہ آیت ۱۰۲۔

۴۱۔ نسائی نے کتاب التحریم باب سحرۃ اھل اکتاب میں نقل کیا ہے اور مسند احمد بن حنبل (طبع دار صادر بیعت) ۶/۶۳، ۶/۹۲ پر بھی امام احمد کی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل ہوئی ہے

۴۲۔ احمد، المسند ۴/۳۶۷

۴۳۔ الھراسی، احکام القرآن طبع مذکور ۴/۱۶۹، ۱۷۰

۴۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: کتاب التوحید


Marfat.com

۴۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: کتاب التوحید، مسلم کتاب الایمان
۴۶۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۲۸۶/۳، ۲۸۷
۴۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۲۸۹/۳۔
۴۸۔ الہراسی، الاحکام ۲/۱۔
۴۹۔ ابن خلکان، وفیات الاعلان، ۲۹۶/۴۔۲۹۷۔
۵۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱۲۹۵/۴۔
۵۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲۲۸/۱۲، ۲۲۹۔
۵۲۔ داؤدی، طبقات المفسرین، ۱۶۹/۲ تا ۱۷۰۔
۵۳۔ الھراسی، احکام القرآن، ۱۰/۱۔

Marfat.com

فصل دوم:

# اردو زبان میں قرآن مجید کی تفسیریں

## ● بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

اس تفسیر میں پہلے عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے جو محاوراتی ترجمانی نہیں ہے بلکہ اس میں لفظی ترجمے کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ محاورے ہر علاقے کے الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے جس علاقے میں وہ محاورہ مشہور نہ ہو اس علاقے کے لوگ محاوراتی ترجمانی سے قرآن کے مفہوم کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ اس کے علاوہ لفظی ترجمے کے اندر جو معنویت ہوتی ہے وہ ترجمانی سے پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ''ف'' لکھ کر جامع قسم کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے اور اس میں شبہات کے ازالے کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر کوئی شبہہ اور اشکال پھر بھی رہ گیا ہو تو اس کا جواب حاشیے میں دے دیا گیا ہے۔ سورتوں اور آیات کے باہمی ربط بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے اور آیات سے مستنبط ہونے والے ضروری مسائل کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بیان القرآن کی ایک امتیازی خصوصیت اور بڑی خوبی ہے کہ مضمون واحد سے تعلق رکھنے والی آیات کے آغاز میں ایک جامع قسم کا عنوان لکھ دیا گیا ہے جس سے ان آیات کا حاصل مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ ان عنوانات کے ذریعے سورتوں کے مضامین کا خلاصہ بھی مرتب کیا جا سکتا ہے۔ تصوف اور سلوک کے جو مسائل آیات مستنبط ہوتے ہیں اور ان کا ذکر بھی ذیل میں مسائل السلوک کے نام سے کر دیا گیا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کو چونکہ تمام علوم و فنون میں پختگی اور رسوخ حاصل تھا اس لیے ان کے ترجمے اور تفسیر میں مختلف علوم و فنون کے لطائف و دقائق کو ملحوظ رکھا گیا ہے البتہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ کی اس تفسیر میں فنی زبان کا استعمال زیادہ ہوا ہے اور اردو بھی بالعموم پرانی استعمال کی گئی ہے اس لیے عام اردو دان لوگوں کے لیے اس سے استفادہ کرنے میں وقت پیش آ سکتی ہے مگر اس کی تلافی مفتی محمد شفیع مرحوم کی معارف القرآن سے ہو جاتی ہے۔ معارف القرآن میں پہلے بیان القرآن کا خلاصہ تفسیر نقل کیا گیا ہے اور اس کے بعد معارف و مسائل کے زیر عنوان آسان اور عام فہم زبان میں تفسیر کی گئی ہے اور احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں۔(۱)

## ● معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

معارف القرآن دراصل بیان القرآن ہی کی تسہیل ہے لیکن اردو دان طبقے کے عوام اور خواص دونوں کے لیے یہ تفسیر اس لیے زیادہ افادیت رکھتی ہے کہ اس میں الفاظ و کلمات کے معانی عام فہم اور سلیس زبان میں

Marfat.com

بیان کیے گئے ہیں اور آیات سے ثابت ہونے والے احکام شرعیہ اور دوسرے معارف ومسائل کی تحقیق وتنقیح بھی بڑے اچھے اسلوب بیان میں کی گئی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے ۲۶ سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس اور افتاء کی خدمات انجام دی ہیں اور علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا اعزاز علی جیسے راسخ العلم اکابر کے تلمذ اور صحبت کا شرف بھی ان کو حاصل ہے اس لیے ان کے معارف و مسائل میں بڑی گہرائی اور پختگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ اور مراکز علمیہ کے متعلمین اور معلمین دونوں معارف القرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی ہر بات سے اتفاق کرنا ضروری بھی نہیں ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہ اردو کی بہترین تفسیر ہے۔ (۲)

## ● تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ (م ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء)

### مولانا مودودی رحمہ اللہ کا تعارف:

مفکر اسلام مولانا مودودی کی ولادت ۳ رجب ۱۹۰۳ء مطابق ۲۵ ستمبر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کو حیدر آباد دکن کے مشہور شہر اورنگ آباد میں ہوئی تھی اور ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء میں ۷۶ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی تھی۔

مولانا مودودی کے والد مولوی سید احمد حسن مرحوم ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے تھے علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خان رشتہ میں ان کے ماموں لگتے تھے چنانچہ سرسید نے ان کو اپنے مدرسے میں داخل کروایا اور انھوں نے ایف اے تک تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی اور پھر الٰہ آباد جا کر وکالت کی تعلیم حاصل کی جس کے لیے اس زمانے میں گریجویٹ ہونا شرط نہیں تھا۔ وکالت کی سند لینے کے بعد مختلف شہروں میں پریکٹس کرنے کے بعد اورنگ آباد میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے اور ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۷ء کو ۴۲ سال کی عمر میں انھوں نے مولانا محی الدین خان صاحب سے بیعت کی اور ان کی صحبت سے ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ انگریزی وضع قطع چھوڑ دی، داڑھی رکھ لی، کبائر سے توبہ کی اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ادعیہ واذکار کا اہتمام بھی مع گریہ وزاری کے شروع کر دیا، مولوی محی الدین خان صاحب مولوی رشید الدین خان کے صاحبزادے تھے اور مولوی رشید الدین خان مولوی مملوک علی خان کے استاد تھے اور مولوی مملوک علی خان وہ بزرگ ہیں جن سے مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحب جیسے بزرگوں کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولانا مودودی کی ولادت کے چھ ماہ بعد ان کے والد مولوی سید احمد حسن نے وکالت کا پیشہ ترک کر دیا۔ وکالت کے زمانے میں جو کچھ کمایا تھا اس سے بھی دست بردار ہو گئے اور دہلی جا کر مقبرہ ہمایوں کے قریب ایک گاؤں میں فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے جس کو ''عرب سرائے'' کہتے تھے، مولانا مودودی کے جد اعلیٰ جس سے آپ کا خاندانی نام وابستہ ہے خواجہ قطب الدین مودود چشتی تھے جس نے سلطان سنجر بن ملک شاہ کے دور حکومت میں ۵۲۷ھ/۱۱۳۲ء میں ۹۷ سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ ان کی اولاد

Marfat.com

میں خواجہ مودودی ثانی وہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان تشریف لائے تھے۔خواجہ مودودی ثانی کے پوتے حضرت شاہ خوانجگی واپس اپنے آبائی وطن چشتن تشریف لے گئے اور وہاں پر شاہ خراسان نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی جن کے بطن سے ۴۴۵ھ میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ابوالاعلیٰ مودودی رکھا گیا اور یہی ابوالاعلیٰ مودودی سکندر لودھی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے۔سکندر لودھی اس زمانے میں راجہ زور سے جنگ میں مصروف تھے۔ابو الاعلیٰ مودودی بھی اس جنگ میں شریک ہوگئے اور اتفاق سے انہی کے تیر سے راجہ زور قتل ہوگئے۔سکندر لودھی نے انعام میں قصبہ براس مع ۱۲ گاؤں کے ان کی جاگیر میں دیدیا۔ان کا انتقال ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں ہوا تھا۔ابوالاعلیٰ مودودی کی اولاد میں خواجہ کرم الٰہی پہلے شخص تھے جن کا تعلق دہلی سے قائم ہوا کیونکہ ان کی شادی ایک شیخ طریقت شاہ محمد امان صاحب کی بیٹی سے ہوگئی تھی اور خواجہ کرم الٰہی کی تیسری پشت میں مولانا مودودی کے والد مولوی سید احمد حسن تھے جس کی ولادت دہلی میں ہوئی تھی۔(۳)

## تفسیر تفہیم القرآن کا تعارف:

مولانا مودودی نے تفسیر تفہیم القرآن لکھنے کا آغاز محرم ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء میں کیا تھا اور ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ۷ جون ۱۹۷۲ء کو یہ مبارک کام پایہ تکمیل کو پہنچا تھا اور اس کی تکمیل میں ۳۰ سال اور چار ماہ لگے تھے۔تفہیم القرآن کی پہلی تین جلدوں میں بالخصوص پہلی جلد میں تشریح و تفسیر میں کچھ زیادہ اختصار و ایجاز سے کام لیا گیا ہے مگر اس کی تلافی آخری تین جلدوں میں ہوگئی ہے جیسا کہ مولانا نے خاتمہ تفسیر میں خود لکھا ہے:

''ابتداء میں میرے پیش نظر زیادہ تفصیل سے کام لینا نہ تھا اس لیے پہلی جلد کے حواشی مختصر رہے۔بعد میں جوں جوں میں آگے بڑھتا گیا مجھے حواشی میں زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی گئی یہاں تک کہ بعد کی جلدوں کو دیکھنے والے اب پہلی جلد کو تشنہ محسوس کرنے لگے ہیں لیکن قرآن مجید میں مضامین کی تکرار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس مضمون کی تشریح ایک جگہ تشنہ رہ گئی وہ چونکہ بعد کی سورتوں میں بھی آیا ہے اس لیے ان کی پوری تشریح بعد کی سورتوں کے حواشی میں ہوجاتی ہے۔''

تفہیم القرآن کے ۱۸ صفحات پر پھیلے ہوئے مقدمے میں مولانا مرحوم نے ایک دقیق اشکال اور سوال کا عام فہم الفاظ میں ایسا جواب دیا ہے جو کتاب اللہ کی دعوتی نوعیت اور رسول اللہ ﷺ کے دعوتی مراحل کے عین مطابق ہے۔مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی دعوت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور قرآن کے معارف و علوم اور ہدایات و تعلیمات کو حالات حاضرہ پر وہی لوگ منطبق کر سکتے ہیں جو دعوت کا کام کرتے ہوں۔بہر حال قرآن دعوتی کتاب ہے، تفہیم القرآن دعوتی تفسیر ہے اور اس کے مصنف دعوت دین اور اقامت دین کی تحریک کی اپنی وفات تک قیادت کرتے رہے ہیں۔اس لیے تفہیم القرآن میں علمی و تحقیقی معارف و مباحث کے علاوہ دعوتی رنگ نمایاں نظر آرہا ہے جو قرآن کا مرکزی مضمون ہے اور یہی تفہیم القرآن کی امتیازی خصوصیت ہے۔

Marfat.com

## • تفسیر حقانی از علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء)

تفسیر حقانی بلا مبالغہ علوم و معارف کے ایک دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ حقانی چونکہ بہت سے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے اس لیے ان کی تفسیر میں بہترین علمی نکات اور دقیق مباحث عام فہم زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔ الفاظ کے لغوی معانی اور آیات کی نحوی ترکیب بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ فرق باطلہ بالخصوص نیچریوں مثلاً سر سید احمد خان اور ان کے ہم فکر لوگوں کے نظریات باطلہ پر بڑی مضبوط اور معقول تنقید بھی اس تفسیر اور اس کے مقدمے میں پائی جاتی ہے۔ احادیث و آثار مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ روایات ضعیفہ اور اسرائیلی روایات سے یہ تفسیر پاک ہے اور جہاں ذکر ہوئی ہیں وہاں پر ان کی تردید بھی ہوئی ہے۔ احکام اور مضامین کی تشریح میں فرقہ وارانہ تعصب اور گروہی عصبیت کا رنگ نظر نہیں آتا۔ انگریزی تہذیب اور انگریزی سامراج کے وفاداروں پر اس تفسیر میں شدید گرفت کی گئی ہے۔ علامہ حقانی نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس کے تین ابواب ہیں۔ پہلے باب میں چار فصول ہیں جن میں توحید و رسالت، معجزات، ملائکہ و جن اور جنت و دوزخ سے متعلق بڑی مفید مباحث تحریر کی گئی ہیں اور نیچریوں کی تاویلات باطلہ اور اعتراضات رکیکہ کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ باب دوم میں آٹھ فصلیں ہیں جن میں وحی و الہام، جمع قرآن، بعثت نبوی، مضامین قرآن، علوم قرآن، تفسیر اور مفسر، اسماء سور اور رموز اوقاف سے متعلق بڑی دقیق اور قیمتی تحقیقات ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں اور دوران بحث عیسائی مشنریوں، نیچریوں اور مستشرقین کے اعتراضات کے معقول اور مثبت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور باب سوم میں پانچ فصلیں ہیں جن میں کتب سماویہ، عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کی کتابیں، تورات و انجیل، کتب ہنود اور پارسیوں کی کتابوں کے بارے میں بڑی علمی اور تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں اور مقدمے کے خاتمے میں قرآن مجید کی بعض تفاسیر کا تعارف کرایا گیا ہے۔ تفسیر حقانی میں بھی سلفی طریقے اور اصول اہل سنت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اہل جدت و بدعت کے منہج سے اجتناب کیا گیا ہے۔ (۴)

## • تفسیر ماجدی از مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

مولانا عبد الماجد دریابادی نے انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی تھی۔ اسی طرز پر انھوں نے اردو میں بھی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اور اللہ کی توفیق سے اردو میں بھی تفسیر مکمل کر دی۔ انھوں نے دیباچہ تفسیر میں لکھا ہے کہ میں نے تفسیر لکھتے وقت درج ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔

تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ، تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر قرطبی، معالم التنزیل، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی، البحر المحیط، احکام القرآن لابن عربی اور احکام القرآن للجصاص۔ لغات کی کتابوں میں مفردات القرآن، لسان العرب اور تاج العروس سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے اور اردو تفاسیر میں علامہ ماجدی

Marfat.com

نے سب سے زیادہ اخذ واستفادہ مولانا تھانوی کی بیان القرآن سے کیا ہے اور ترجمہ تو ۷۵ فی صد بیان القرآن ہی سے نقل کیا ہے۔ مولانا دریابادی کی یہ تفسیر اہل سنت کے اصول تفسیر کے مطابق لکھی گئی ہے اور جدید علوم سے واقف ہونے کے باوجود مجتہدین کا منہج انھوں نے اختیار نہیں کیا اور یہ مولانا تھانوی اور دوسرے علماء ربانیین کی صحبت کی برکات ہیں ورنہ ان کی پرانی زندگی تو متجددین سے بھی بدتر تھی۔ ہر اہم بات کے لیے عربی کی مستند تفاسیر میں سے کسی نہ کسی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ آیات کونیہ کی تشریح میں سائنسدانوں کے حوالے دیئے ہیں، مستشرقین، متجددین اور عیسائی مشنریوں کے اعتراضات کے مختصر مگر مدلل جوابات دیتے ہیں۔ اس تفسیر کا پہلا مسودہ سوا تین سال کی مدت میں ۱۸ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۴۴ء بروز سوموار مکمل ہوا تھا اور اس وقت مصنف کی عمر ۵۱ سال تھی۔ ۱۰ جمادی الاول ل ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۴۸ء کو نظر ثانی مکمل ہوئی تھی اور نظر ثالث سے فراغت کی تاریخ ۴ ذوالحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۵۰ء بروز اتوار دو بجے دن ہے۔(۱) (خاتمہ تفسیر ماجدی) یعنی تفسیر ماجدی کی تسوید، نظر ثانی اور نظر ثالث کی تکمیل میں سوا ۱۱ سال لگے ہیں۔(۵)

## ● تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)

اس تفسیر کو فوائد عثمانی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کا ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی کا ہے اور غالبا سورۃ النساء تک مختصر حواشی بھی انہی کے ہیں اور اس کے بعد کے حواشی ان کے شاگرد شبیر احمد عثمانی نے لکھے ہیں۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو اردو دان طبقے کے لیے زیادہ افادیت رکھتی ہے اس لیے کہ اس میں فنی اصطلاحات اور علمی مباحث کی بجائے آیات کے اصل مفہوم کو مختصر اور مفید حواشی کے ذریعے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن چونکہ علامہ عثمانی تفسیر و حدیث اور دوسرے علوم و فنون میں وسیع و عمیق علم رکھتے تھے، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا طویل تجربہ رکھتے تھے اور ان کی معلومات میں پختگی اور گہرائی تھی اس لیے علماء دین اور تفسیر کے اساتذہ بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں کیونکہ پختہ علم والے عالم کی بات اگر مختصر ہو پھر بھی بڑی وزنی اور قیمتی ہوتی ہے مگر اس وزن اور قیمت کے باوجود وہ فرماتے ہیں:

> ”میرے دل میں دو مقامات کے حواشی کے بارے میں کافی مدت سے ایک خلش ہے جس کا ذکر میں اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک یہ کہ ” اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ “ اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔“

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

> ”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔“

یہ حاشیہ شاید مولانا محمود الحسن ہی کا ہے اور اس کی تاویل و توجیہ بھی کی جاتی ہے اس لیے کہ یہ ”سوء اعتقاد“

Marfat.com

کی بات نہیں ہے بلکہ ''سوء تعبیر'' ہے اور ''کلمہ موہمہ'' ہے۔ مگر محشی کی علمی شان کے مناسب نہیں ہے اس لیے کہ واسطہ رحمت اور وسیلہ رحمت مومن کا ایمان و عمل بھی ہے، اللہ کے مقبول و محبوب بندوں کی دعا بھی ہے، ان کی صحبت اور ہم نشینی بھی ہے اور ان کی عقیدت و محبت بھی ہے اور ان سب وسائل و وسائط کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا تو موجب سعادت ہے لیکن ان کی ذوات کو واسطہ رحمت الٰہی سمجھ کر انہی سے استعانت ظاہری کی کوئی اطمینان بخش توجیہ میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی۔ میرے ناقص فہم میں تو حاشیہ اس طرح ہونا چاہیے تھا کہ ''غیبی اور مافوق الاسباب'' مدد اس کی ذات کے سوا کسی اور سے مانگنا بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول زندہ بندہ کی دعا کروالے تو یہ جائز ہے۔''

اور دوسرا مقام سورۃ کہف کی آیت ۹۴ میں یاجوج ماجوج پر حاشیہ ہے جس میں کہا گیا ہے:

''میرا خیال ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج و ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حضرت حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔''

یہ حاشیہ تو یقیناً مولانا شبیر احمد عثمانی کا ہے اور ان کے علم کی گہرائیت اور وسعت کے پیش نظر تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ الفاظ ان کی قلم سے کیسے نکل گئے؟ کعب احبار کی یہ روایت نووی ہی نے نہیں بلکہ بہت سے مفسرین نے نقل کی ہے مگر کعب الاحبار نے یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا بلکہ یہ ان کا اپنا قول ہے اور وہ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایمان لا چکے تھے اور تابعی تھے لیکن اصل میں اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے اور ان کی روایات بیان کیا کرتے تھے اور بیان کرنے کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی بھی ہے مگر جب ان کی روایت قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کی تکذیب لازم ہوتی ہے اور قرآن کہتا ہے کہ

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾

''اور ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد ہی کو باقی چھوڑا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ طوفان نوح کے بعد تمام انسان نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں، تفسیر قرطبی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت میں بھی آیا ہے کہ یاجوج ماجوج کی قومیں یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ جمہور محدثین کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور کعب الاحبار کی اسرائیلی روایت کی ابن کثیر، قرطبی اور دوسرے مفسرین نے سختی کے ساتھ تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ خود ساختہ اور من گھڑت روایت ہے۔ (۶) اس قسم کی بات اپنی مرضی سے لکھ دینا بہرحال مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے عالم کے قلم سے نکلنا بہت ہی تعجب کا باعث ہے۔

Marfat.com

## ● تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ۵ سال تک مولانا فراہی کے زیر تعلیم و تربیت رہے ہیں اور کافی مدت تک مولانا مودودی کے رفیق کار بھی رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے مرکزی قائدین میں شامل رہے ہیں اور جماعت میں قیادت اور راہنمائی کی مناصب پر فائز رہے ہیں۔ جماعتی اجتماعات اور مجالس میں مولانا مودودی کے ہم نشین رہے ہیں اور سالوں تک مولانا مودودی کے ''صاحب بجن'' یعنی جیل میں ساتھ بھی رہے ہیں لیکن اپنے آپ کو فکر فراہی کا ترجمان سمجھتے تھے اور اپنی تفسیر کو بھی فکر فراہی کی ترجمان قرار دیتے تھے مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی دونوں کا منہج یہ ہے کہ قرآن کو خود قرآن میں تدبر کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ تدبر فی القرآن کا تو خود اللہ نے حکم دیا ہے اور تفسیر القرآن بالقرآن اصول تفسیر میں سے بنیادی اصول ہے لیکن قرآن میں غور وفکر کے کچھ اصول ہیں جو امت مسلمہ میں تسلسل کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ مولانا فراہی اور ان کے ترجمان مولانا اصلاحی عربیت کے ماہر تھے اور عربی لغات پر ان کو عبور حاصل تھا لیکن احادیث رسول، آثار صحابہ و تابعین اور امت مسلمہ کے ہزاروں محدثین، مفسرین اور فقہاء کے تدبر و تفقہ کو نظر انداز کر کے یا ان پر صاف ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر خالص اپنی عربی دانی کی بنیاد پر تفسیر کرنا اور اسلاف کے تدبر کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے اور اپنے شیخ کے تدبر پر اعتماد کرنا بہت بڑی خود اعتمادی اور بے احتیاطی ہے جو کبھی کبھی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ میں مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کو منکرین سنت میں شمار نہیں کرتا۔ سنت رسول کی حجیت کے دونوں قائل تھے اور اس کے اثبات میں انھوں نے دلائل بھی دیئے ہیں لیکن احادیث و آثار کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے، جتنی اپنی عربی دانی اور اپنے تعقل اور تفکر کو دیتے تھے جو حدیث ان کے تدبر کے مطابق نہ ہو اور ان کے نزدیک درایتاً نا قابل قبول ہو وہ اگر سند کے اعتبار سے کندن سونا ہو، بخاری مسلم کی متفق علیہ ہو اور امت کے فقہاء و محدثین سب نے اسے روایت اور درایت دونوں کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہو پھر بھی یہ مفکرین اسے اپنے ناقدانہ الفاظ کے سحر سے قارئین کے سامنے ایک بے بنیاد بات کے طور پر پیش کر دیتے تھے۔ سورہ مائدہ کی آیت ۳۳ جسے آیت الحربہ کہا جاتا ہے اس کی تاویل میں آپ مولانا اصلاحی کے منہج کو دیکھ سکتے ہیں مزید تفصیل میری کتاب ''علوم الحدیث، فنی فکری اور تاریخی مطالعہ'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث'' پڑھیں۔ اگرچہ مولانا اصلاحی کی بعض تصنیفات بڑی تحقیقی اور علمی مباحث پر مشتمل ہیں اور ان کی تفسیر بھی افادیت سے بالکل خالی نہیں ہے۔ لغات اور ربط السور والآیات سے متعلق اس میں بڑے اچھے فوائد اور نکات ملتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کے مسلمہ اصول تفسیر کا خیال نہیں رکھتے تھے اور مولانا فراہی کے تدبر کے مقابلے میں امت کے سیکڑوں ہزاروں مفکرین کے تدبر اور تفکر کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ (۱۔۶)

Marfat.com

## ● احسن التفاسیر از مولانا حافظ سید احمد حسن (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)

مولانا حافظ سید احمد حسن صاحب کی تفسیر احسن التفاسیر ۱۳۲۴ھ/۱۹۸۶ء میں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کے ساتھ افضل المطابع دہلی سے سات جلدوں میں مکمل شائع ہوئی تھی۔

اس ترجمہ وتفسیر کی ابتدا میں قرآن مجید کے فضائل، مختصر ضروری مسائل، فہرست مضامین قرآن، مختصر فہرست مضامین احسن التفاسیر، مختصر اعمال قرآنی (تعویز)، مقدمہ احسن التفاسیر جس کے اول باب میں قرآن اور دوسرے میں تفسیر سے متعلقہ کارآمد باتیں، آخر میں یونانی فلسفیوں اور اہل سائنس کی چند غلطیاں واضح کیں ہیں تاکہ ناظرین جان لیں کہ ایسی تفاسیر جن کی بنیاد ایسی باتوں پر ہو مضر ہیں۔ یہ تمام باتیں سولہ صفحات پر مشتمل ہیں۔

مولانا سید احمد حسن صاحب کی یہ کتاب بالماثور پر مشتمل ہے جس میں آیات بالآیات، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین کی مدد سے تفسیر کی گئی ہے۔ اس میں مشہور ومعروف تفاسیر مثلاً تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ، تفسیر ابن کثیر، تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے مصنف نے تفسیر لکھنے میں روایات کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا ہے، شان نزول سے متعلق انھیں روایات کو ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو صحیح سند کے ساتھ مذکور ہیں اور اسی طرح سورہ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں بھی معتبر روایات کو ہی قلمبند کرتے ہیں جیسے سورۃ النساء میں تحریر کرتے ہیں:

> ''صحیح قول یہ ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے کیونکہ صحیح بخاری میں جو روایت ہے اس میں حضرت عائشہ کے نکاح کے بعد اس سورۃ کا نازل ہونا پایا جاتا ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا۔'' (۷)

مولانا سید احمد حسن صاحب نے تفسیر کے دوران بکثرت احادیث نقل کی ہیں البتہ آپ مستند روایات بحوالہ درج کرنے کے ساتھ ہی کہیں کہیں ان کی حیثیت پر مختلف آئمہ کی آراء اور اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور جہاں کہیں صحیح روایات میں اختلاف نظر آتا ہے آپ ان دونوں کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً سورہ مریم میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت زکریا حضرت مریم کے خالو تھے چنانچہ معراج کی صحیح بخاری کی مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تفصیل آئی ہے کہ حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ خالہ زاد بھائی ہیں اگرچہ حضرت زکریا بیت المقدس کے متولیوں میں تھے لیکن صحیح مسلم کی ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ بڑھئی کا کام کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنی گزر کیا کرتے تھے اس لیے ان کے پاس کچھ ایسا مال ومتاع تو نہیں تھا صرف نبوت کے اپنے خاندان میں چلنے کے لیے لڑکے کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور حضرت یحیٰی پیدا ہوئے۔'' (۸)

مولانا احمد حسن صاحب نے آئمہ سلف کے طرز پر منقولی تفسیر لکھی ہے اور ذرہ برابر بھی ان کے مسلک

Marfat.com

سے تجاوز نہیں کیا یہاں تک کہ متشابہات کے سلسلے میں آپ خلف تک کے مسلک کو صحیح نہیں سمجھتے چنانچہ رقمطراز ہیں:

''متشابہات میں سلف کا مذہب یہ بھی ہے کہ ایسی آیتوں کے ظاہری معنی پر ایمان لانا چاہیے اوران کی تفصیلی کیفیت اللہ کے علم پر سونپتی چاہئے۔ بعض مفسرین نے الرحمٰن علی العرش استویٰ (وہ بڑے مہر والا تخت امیر ہے) کے یہ معنی جو کیے ہیں کہ پہلے زمین اور آسمان کو پیدا کر کے پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا وہ بالکل سلف کے خلاف اور اسی طرح سوا اس معنی کے اور جس قدر تاویلی معنی مفسرین متاخرین نے کیے ہیں وہ سب سلف کے مخالف ہیں اور تفسیر قرآن میں جس قدر سلف کی مخالفت مضر اور ان کی پیروی ضروری ہے وہ ہر ایک مسلمان کو خوب معلوم ہے کیونکہ تفسیر قرآن اور روایت حدیث کے باب میں صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو کوئی بغیر نقل شرعی کے اس باب میں اپنی رائے اور عقل کو دخل دے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے تو پھر بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ متشابہ آیتوں کی تفسیر میں صحابہ وتابعین نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی طریقہ اختیار کیا جائے تا کہ مخالفت سلف میں عقل اور رائے کا دخل تفسیر قرآن میں ہو کر حدیث کی وعید میں آدمی گرفتار نہ ہو جائے۔''(۹)

مولانا سید احمد حسن صاحب نے تفسیر میں بہت عام فہم اور سلجھا ہوا طرز اختیار کیا ہے اور کثرت سے حدیثیں استعمال کی ہیں جن سے عوام آسانی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ تفسیر درحقیقت تفسیر القرآن بالاحادیث بن گئی پہلی مرتبہ یہ پانچ ترجموں کے ساتھ نازل ہوئی تھی:

﴿الم نشرح لك صدرك﴾

آیا کشادہ، نکردیم برائے تو سینۂ تو

آی کشادہ، نہ کردہ ایم برائے تو سینہ ترا

کیا نہ کھول دیا ہم نے واسطے تیرے سینہ تیرا

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم وحلم سے) کشادہ نہیں کر دیا۔

''سینے کو کھول دینے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے سینہ پر جو دل کا قلعہ کہلاتا ہے شیطان کا کسی طرح کچھ تسلط باقی نہیں رہا چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اور شیطان کے شیاطینوں میں سے ایک شیطان ہر شخص کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے اللہ کا فرشتہ نیک کام کی رغبت دلانے کے لیے ہے اور شیطان برے کام کی رغبت کے لیے مگر میرے شیطان کو اللہ تعالیٰ نے میرا ایسا فرمانبردار کر دیا ہے کہ وہ بجائے برے کام کی رغبت کے نیک کام کی رغبت مجھ کو دلاتا رہتا ہے اور اسی مطلب کی صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آپ کے سینہ کے چاک کیے جانے اور آپ کے دل سے

Marfat.com

حصہ شیطانی کی ایک سیاہی کے نکال ڈالنے کا ذکر ہے۔ عرض ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نیک بات کے قبول کرنے میں وہ تنگ دلی جس کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے آپ کے دل سے بالکل جاتی رہی اور بجائے وسوسات شیطانی کے نور ایمانی دل میں بھر گیا جس سے احکام وحی کی پوری گنجائش آپ کے نورانی قلب میں پیدا ہوگئی چنانچہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل بھی یہ ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ کے کھل جانے کا مطلب پوچھا تھا تو آپ نے یہی مطلب بیان فرمایا جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔'' (۱۰)

مولانا سید احمد حسن رحمہ اللہ نے اس تفسیر میں فقہی، لغوی، نحوی، کلامی اور تصوف کے تفصیلی مباحث سے بچنے کی پوری کوشش کی ہے نیز سادہ سے سادہ انداز میں مضمون قرآنی کی تشریح کرتے ہوئے عوام کے پیش نظر اس تفسیر کو لکھا ہے اور اس تفسیر کا حدیثی پہلو بہت غالب ہے الغرض یہ ایک سادہ عمدہ تفسیری کوشش ہے۔ مولانا سید احمد حسن کے منہج تحریر پر میری بیٹی ڈاکٹر میمونہ تبسم اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی نے ۲۰۱۲ میں کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹر زینت ہارون ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ قرآن وسنت کے زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی ہے۔

## ● تفسیر ثنائی از مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء)

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی آٹھ جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے جو مولانا کی زندگی میں ان کے زیر اہتمام امرتسر کے چشمہ نور پریس سے سات جلدوں میں شائع ہوئی جس کی طبع اول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شروع ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری تفسیر ثنائی لکھنے کی وجہ خود ہی تحریر کرتے ہیں:

''اس تفسیر کے لکھنے کا خیال مجھے دو وجہ سے پیدا ہوا۔ ایک تو میں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً فہم قرآن شریف سے ناواقف بلکہ شناخت حروف سے بھی ناآشنا ہیں۔ ایسے وقت میں عربی تصانیف سے ان کا فائدہ اٹھانا قریب محال ہے۔ اردو تفاسیر سے بھی بوجہ کسی قدر طوالت کے عام لوگ مستفید ہو سکتے نیز ان کا طرز بیان خاص طریقے پر ہے۔ دوم میں نے مخالفین کے حال پر غور کیا تو باوجود بے علمی وہیچمدانی کے مدعی ہمہ دانی پایا۔ خدا کی پاک کتاب پر منہ کھول کھول کر معترض ہو رہے ہیں، حالانکہ کل سرمایہ ان کا سوائے تراجم اردو کے کچھ بھی نہیں جس میں سے بعض تو تحت لفظی ہیں اور اس کے محاورات بھی انقلاب زمانے سے منقلب ہوگئے اس لیے وہ بھی مطلب بتلانے سے عاری ہیں لہٰذا میں نے قرآن کریم کو جامع علوم عقلیہ اور نقلیہ بالخصوص علم مناظرہ میں امام پایا۔ دعوی پر دلیل ایسے ڈھب کی ادا ہوتی ہے کہ ہر ایک درجہ کا آدمی اس سے فائدہ لے سکے گو اس کی فاضلانہ تقریر کے لیے بہت بڑے علم اور خوض کامل

Marfat.com

کی ضرورت ہے۔ گو تراجم با محاورہ بھی ہوں مگر جب تک حسب موقع شرح نہ کی جائے عام بلکہ متوسط درجہ کے خاص بھی فہم مطالب کما حقہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے بالخصوص جبکہ ایک مسلسل بیان کی صورت میں لایا جائے۔ (جیسا کہ اس عاجز نے کیا) تو عجیب ہی لطف پیدا کرتا ہے۔ آج تک ہمارے مفسرین نے اس طرف توجہ نہیں کی، صرف تفسیر رحمانی کے مؤلف مرحوم نے کسی قدر التفات کیا ہے مگر ناظرین اس میں اور ان اوراق میں فرق بین پاوینگے۔ مؤلف مرحوم کے بیان میں تسلسل نہیں جو ان میں ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ یہ طرز بیان ایسا مقبول ہوا کہ مولانا اشرف علی جیسے مشہور عالم نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ پھر میں نے بعض مقامات کے حل مطالب میں شان نزول کا ذکر بھی ضروری سمجھا سو ہر آیت کے متعلق جہاں تک منقول تھا اس کو بھی نقل کیا اور بعض مقامات میں رد مخالفین کے طرز پر اور بعض جگہ موافقین نادانوں کے جواب بھی لکھے سو الحمد للہ کہ یہ تفسیر جیسی کہ زمانہ کو ضرورت تھی ویسی ہی تیار ہوئی۔'' (۱۱)

تفسیر کی ابتداء میں مولانا ثنائی کے حالات و سوانح بھی درج ہیں۔ تفسیر کے مقدمہ میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ثبوت میں چند دلائل دیے ہیں چونکہ آپ کا خیال ہے کہ ہر کتاب کے دیکھنے سے پہلے صاحب کتاب کی وجاہت کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ مقدمہ کے آخر میں قرآن شریف کے حروف، حرکات کلمات، آیات وغیرہ کی تعداد ایک ٹیبل کی شکل میں درج کر دی گئی ہے اور فہرست رموز اوقات بھی موجود ہے۔

تفسیر ثنائی کا اردو ترجمہ با محاورہ، سادہ عام فہم اور سلیس زبان میں ہے جس سے سبھی حضرات یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔ تفسیر کے دوران الفاظ ترجمہ پر خطوط کھینچ کر ان کے مطالب کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ ہر سورت کی ابتدا میں اس کے رکوعات آیات، کلمات اور تعداد حروف بھی درج ہیں اور مکی یا مدنی ہونا بھی تحریر ہے۔ تفسیر ثنائی ان اولین اردو تفاسیر میں سے ہے جن میں آیت قرآن کا باہم ربط بیان کیا گیا ہے جس کے متعلق مولانا ثنائی خود رقم طراز ہیں:

''جو روش میں نے تفسیر کے متعلق اختیار کی ہے یعنی ایک سلسلہ میں سارے مضمون کو لایا ہوں اس میں علماء مفسرین مختلف ہیں میں نے ایک آیت کو دوسری سے جوڑ دیا اور تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ مناسبت بھی پائی اکثر تفاسیر ہی سے حاصل کیا ہے گو طرز بیان جدا ہے۔ میرا یہ طرز بیان مجھ سے پہلے اردو تفاسیر میں نہیں آیا۔ جس نے اختیار کیا وہ میرے بعد غالباً دیکھ کر کیا ہے اس لیے مجھے خوشی ہے۔ لیکن عربی میں کسی قدر تفسیر رحمانی نمونہ ہو سکتی ہے گو بعد تامل اس میں اور اس میں فرق ہے چونکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ قرآن کریم سے مسلمان عوام اپنی اپنی سمجھ کے موافق کچھ حصہ لیں۔ اسی لیے میں نے حواشی کو اصل تفسیر سے الگ کر کے اختلاف قرآت وغیرہ کے مباحث بھی نہیں لکھے کیونکہ موجودہ قرات ہر حال میں مسلم اور معتبر ہے۔

Marfat.com

''چونکہ میری غرض اصلی تحریر سے صاف یہ ہے کہ عوام اہل اسلام قرآن کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں۔ اس لیے میں نے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی یعنی یہ نہیں کہ جو لفظ محاورہ میں لایا ہوں۔ اس امر کی پابندی بھی نہیں کی کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ اسمیہ ہی میں ادا کروں بلکہ مطلب اس کا جس جملہ میں بااعتبار محاورہ اردو کے پایا، ادا کر دیا ہے۔ بعض جگہ واؤ کو سر کلام سمجھ کر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ غرض جو کچھ کیا وہ اسی غرض سے کیا کہ اردو میں بامحاورہ کلام ہو۔'' (۱۲)

تفسیر ثنائی تفسیر بالماثور پر مشتمل کتب میں سے ایک ہے جس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں سلف صالحین کے مسلک کی نمائندگی کی گئی ہے۔ مولانا ثنائی کا تعلق فکری طور پر اہل حدیث گروہ سے تھا اسی لیے آپ بدعات کے سخت خلاف تھے اور مروّجہ پیری مریدی کے قائل بھی نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر میں آپ نے تصوف کے مسائل کو بالکل بھی جگہ نہیں دی۔ آپ نے تفسیر میں بکثرت احادیث کا استعمال کیا ہے اور حضور ﷺ سے غیر معمولی محبت کا اظہار آپ کی کتب میں ملتا ہے۔ احادیث سے استدلال سے متعلق آپ نے انوکھا، بااثر طرز اختیار کیا ہے مثلاً اعتراض نسخ احکام کے متعلق جواب دیتے ہیں کہ حکم سابق کا اٹھا دینا دو طرح سے ممکن ہے جس کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں، اس کے بعد کتاب اصول کی عبارت نقل کرتے ہیں اور پھر آپ نسخ کے حق میں اپنی رائے دیتے ہیں اور آخر میں حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں:

''ایک حدیث میں جو امام مسلم نے نقل کی ہے مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع فرمایا تھا، بعد اصلاح اجازت دے دی اور ان کے بخل کے مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین دن سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا جس کی بعد میں اجازت دیدی۔ ایسے ہی شراب کے برتنوں میں بھی کھانا پینا منع کیا تھا مگر بعد میں ان کے استعمال کی اجازت بخشی۔ اس حدیث سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اسلامی نسخ بے علمی پر مبنی نہیں بلکہ کمال دور اندیشی کی خبر دیتا ہے۔'' (۱۳)

مولانا ثنائی تفسیر میں غیر مسلموں کا رد کرتے ہوئے اسلام کا صحیح فلسفہ پیش کرتے ہیں جس پر اہل السنّت والجماعت کا اتفاق ہے اور ایسے وزنی دلائل کے ساتھ کہ جن سے ثابت ہو جائے کہ فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اپنی بات کے حق میں آپ جا بجا دوسری مذہبی کتابوں جیسے انجیل، وید وغیرہ سے عبارات نقل کرتے ہیں مثلاً فلسفہ جہاد اور تقدیر وغیرہ کے سلسلے میں آپ نے بڑے بڑے لمبے چوڑے مباحث قلمبند کیے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب نے تفسیر ثنائی میں بعض اوقات بعض آیات کا سبب نزول بیان کرنے کا مکمل اہتمام کیا ہے مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت میں فرماتے ہیں:

﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا﴾

''جو لوگ مرتے ہوئے اپنی بیویاں پیچھے چھوڑ جائیں۔''

Marfat.com

''عرب میں دستور تھا کہ مرتے ہوئے اگر خاوند اس مضمون (جیسے کہ جو شخص مرتے وقت کہہ کر مرے کہ میری بیوی میرے مرنے کے بعد میرے ہی مکان میں ایک سال تک رہ کر گزارہ کرے تو اس کی بیوی پر ضروری ہوتا ہے کہ ایسا ہی کرے) کی وصیت کر جاتا تو خاوند کے ورثاء پر اس کی پابندی ضروری ہوتی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔'' (۱۴)

تفسیر ثنائی میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ نے حروف مقطعات کا ترجمہ بیان کیا ہے جن کے بارے میں وہ اپنا خیال یہ بیان کرتے ہیں:

''ان حروف کے معنی بتلانے میں بہت ہی اختلاف ہوا۔ میرے نزدیک زیادہ صحیح معنی وہ ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ ہر ایک حرف اللہ کے نام اور صفت کا مظہر ہے۔ اس لیے میں نے یہ ترجمہ جسے آپ دیکھ رہے ہیں کیا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔'' (۱۵)۔

مثال کے طور پر چند حروف مقطعات کے معنی اس طرح ہیں:

الٓمٓ: میں ہوں اللہ سب سے بڑے علم والا۔

الٓرا: میں ہوں اللہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا۔

الٓمٓصٓ: میں ہوں اللہ بڑا جاننے والا صادق القول۔

الٓمٓرا: میں ہوں اللہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا۔

مسئلہ تناسخ، تعدد ازدواج، ولادت عیسٰی وغیرہ کے سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ بھی فریقین کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ یہ طرز اختیار کرتے ہیں کہ پہلے اسلام مخالف گروہ یعنی عیسائی ہندو وغیرہ کا موقف بیان کرتے ہیں پھر جن قرآنی آیتوں سے وہ اپنے صحیح ہونے پر دلیل قائم کرتے ہیں ان کا بیان فرماتے ہیں اور پھر مولانا ثناء اللہ ان سے طویل بحث کرتے ہیں جس میں ان قرآنی آیات کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور اسلام کے حق میں غیر مسلموں کی مذہبی کتب وید، انجیل وغیرہ سے بکثرت عبارات نقل کرتے ہیں اور اس طرح ایسے عقلی ونقلی دلائل قائم کر دیتے ہیں جس سے مخالفین بے بس ہو جاتے ہیں۔ آپ کے دور میں چونکہ ہند میں مختلف الخیال مذہب ومسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے اور مولانا کا ان سے باقاعدہ مناظرہ جاری رہتا وہ اسلام پر اعتراضات کرتے، آپ ان کے ایسے مدلل جواب دیتے جس سے اسلام اور قرآن کی حقانیت وبرتری ثابت ہو جاتی اس کے علاوہ مسلمانوں میں جو غلط خیالات رواج پا رہے تھے ان کو بھی ہدف بنایا۔ سب سے زیادہ آپ نے مرزا صاحب اور سرسید صاحب کی عبارات نقل کر کے ان کا دلائل کے ذریعے باطل ہونا ثابت کیا۔ اس طرح آپ کی تفسیر کلامی بحث ومباحثہ کا مرکز بن جاتی ہے آپ کے مباحث اس قدر طویل ہیں کہ ان کا یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ تفسیر ثنائی کے متعلق ڈاکٹر صالحہ فرماتی ہیں:

''تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے ترجمہ بامحاورہ، ربط آیات کا انداز لیے ہوئے، حواشی مناظرانہ طرز کے جن

Marfat.com

میں فرق باطلہ اور ادیان باطلہ کا بالخصوص نیچری، چکڑ الوی، مرزائی اور بدعتی عقائد کی بڑی کامیابی سے تردید کے ساتھ ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے اعتراضات اور ان کے معقول مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔ خصوصاً سرسید صاحب کے خیالات کی تردید خوب خوب کی ہے۔‘‘ (۱۶)

تفسیر ثنائی اپنی نوعیت کی واحد ایسی تصنیف ہے جس میں اسلام مخالف فرقوں مثلاً آریہ سماجی، سناتن دھرمی، دیوسماجی، ست دھرمی، عیسائی، یہودی، پارسی، سکھ، نیچری، بہائی، مرزائی، شیعہ، بریلوی وغیرہ کے نقطہ ہائے فکر کی قرآن کی روشنی میں ایسی مدلل تغلیط کی گئی ہے جس کے بعد اعتراضات کا دروازہ کلی طور پر بند ہو جاتا ہے۔ درحقیقت اس تفسیر میں ان کے اپنے فطری مناظرانہ ذوق کی جھلک ملتی ہے یہ ایک ایسی تفسیر ہے جس میں مولانا کا انداز نہایت عمدہ، انتہائی موثر، مدلل ہے اور دوستانہ اور حریف کے مقابلے میں بھی تحمل و بردباری کا خلاصہ تھا جس کا اظہار تفسیر کے سبھی مباحث سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی ایک تفسیر ’’تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن‘‘ ہے۔ جو صرف قرآن سے تفسیر ہے۔ وہ کئی جامعات کے نصاب کا حصہ رہی ہے۔

## ● خلاصۃ التفاسیر از قاری محمد علی:

قاری محمد علی صاحب خلاصۃ التفاسیر کو ۹۶۸ صفحات پر مطبع اثنا عشری دہلی نے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں شائع کیا۔ چاروں طرف اماموں کے نام تحریر ہیں جس کے بیچ دائرہ میں کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے۔ کتاب کے آخر میں قطع تاریخ آغا قزلباش صاحب کا تحریر کردہ ہے:

معجز نما کلام الٰہی کا سال طبع کیا پاک ترجمہ ہے کہ جو بے مثال ہے۔ (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء)

قاری صاحب کی خلاصۃ التفاسیر شیعی عقائد کی ترجمانی کرنے والی کتاب ہے جس میں سور و آیات کے فضائل بیان کرنے کا مسلسل اہتمام کیا گیا ہے اور آئمہ اہل بیت و اماموں کی فضیلت کی زبردست اہمیت جتائی گئی ہے ہر جگہ جہاں تک ممکن ہو اسی بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ان پر یقین کامل کے بغیر نجات ممکن نہیں قاری صاحب جب کسی چیز کی تشریح کرتے ہیں تو اس کے ثبوت میں دلیل بھی پیش کرتے ہیں جس کو اقوال صحابہ سے تقویت دیتے ہیں نیز اقوال صحابہ میں سے سب سے زیادہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال بیان کیے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

’’ہمیں راہ راست پر ثابت قدم رکھ، ایسے لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا۔‘‘

’’ہدایت کے معنی راہ دکھانا اور مطلب تک پہنچنا ہے لیکن یہاں راہ دکھانے کے معنوں پر اطلاق نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ یہ معنی لیویں تو سمجھا جائے گا کہ ہنوز اسلام سے راہ نجات نہیں ملی اس لیے یہ معنی ہوئے کہ ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ ایسا نہ ہو کہ ہمارے قدم اس صحیح راستہ سے لغزش کر جائیں

Marfat.com

جناب امیر المومنین سے روایت ہے کہ صراط المستقیم سے دنیا میں تو وہ راستہ مراد ہے کہ جس میں نہ غلو کی آمیزش ہو نہ تصغیر مراتب آئمہ کا پہلو نظر آئے اور آخرت میں وہ راستہ کہلائے گا جو فردوس پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اهدنا سے مراد ثابت قدمی ہے کیونکہ باوجود حصول ایمان طلب ایمان کرنا تحصیل حاصل ہے اور اگر اس میں خدشہ اور شک ہے اور جانتا ہے کہ مطلب تک ابھی نہیں پہنچا تو معاذ اللہ ایمان اس کا اس وقت تک کامل نہیں ہوا پس یہاں اس وجوہ سے یہ معنی لیے کہ خداوند ہم کو ثابت قدم رکھ اسی راہ راست پر کہ جو اسلام ہے مستقیم بعضوں کے نزدیک صراط مستقیم سے مراد کتاب خدا ہے تو معنی ہوئے کہ خدایا ثابت قدم رکھ تو ہم کو اپنی کتاب پر یعنی جو حکم اس میں ہے وہ ہم بجالائیں اور جس کام سے منع فرمایا ہے وہ ترک کریں۔ انعمت یعنی پیغمبروں اور اہل سنت میں سے جناب رسول خدا ﷺ و از جملہ صدیقان علی مرتضیٰ علیہ السلام و از جملہ شہداء احد حوزہ و جعفر طیار اور صالحین میں سے صحابہ کرام ہیں جو حضرات اہل بیت پر دل و جان سے قربان تھے۔" (۱۷)

جن آیات سے اثنا عشری اماموں کی عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے ان کی آپ تفصیل سے حواشی میں تشریح کرتے ہیں۔ اثنا عشری فرقے کے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کے لیے آیات الٰہی کی عجیب و غریب توجیح کرتے ہیں مثلاً شیعہ آئمہ کے دوبارہ دنیا میں آنے کے عقیدے یعنی رجعت کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ ایسے موقعوں پر آپ من مانی تاویل سے بھی کام لیتے ہیں جیسے سورہ بقرہ کی آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

"بالغیب یعنی ایمان لاتے ہیں غائب چیزوں پر یعنی قیامت اور بہشت اور دوزخ پر اور فرشتوں اور سب پیغمبروں پر اور حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد روز قیامت سے پہلے سب اماموں کے دنیا میں پھر آنے پر اور اس بات پر کہ سب امام اپنے اپنے دشمنوں پر غالب ہوں گے اور ان سے قصاص لیں گے۔ بالغیب غیب اسے کہتے ہیں جو ظاہری خواص سے معلوم کرنے کی چیز نہ ہو جیسے توحید، نبوت، مسئلہ رجعت، حساب و کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ جن کی تصدیق کرنی جزو ایمان ہے لیکن محسوسات ظاہری میں سے نہیں۔" (۱۸)

اس تفسیر میں شیعہ عقائد کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تفسیر سے زیادہ من چاہی تاویل سے کام لیا گیا ہے روایات علی اور دیگر شیعہ راویوں کی کمزور و سنت کے ان روایات و اقوال کو بھی اختیار کرتے ہیں جس سے کہ ان کے عقائد پر آنچ نہیں آتی اگرچہ آپ کا ترجمہ اہل سنت کے مسلک کے کافی قریب ہے اور اس میں رواداری برتی گئی ہے جبکہ تفسیر میں ایسا نہیں ہے۔ چونکہ شیعہ سنی عقائد میں کچھ بنیادی اختلافات ہیں لہٰذا ہم اس پر مزید تبصرہ نہ کرتے ہوئے صرف یہی کہتے ہیں کہ اس کی زبان و طرز عام فہم و سلیس ہے اس لیے شیعہ حضرات اس سے آسانی سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ یہ تفسیر ان کے مسلک کی تمام ضروری معلومات بھی مہیا کر دیتی ہے۔

Marfat.com

## تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)

اس تفسیر کو پیر محمد کرم شاہ بھیرہ ضلع سرگودھا نے یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ بمطابق ۲۹ فروری ۱۹۶۰ء کو تحریر کرنا شروع کیا اور ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ بروز خمیس بمطابق ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء کو بوقت عصر مکمل کیا۔ تفسیر عربی متن کے نیچے تحریر کی گئی ہے، مناسب مقامات پر مضامین قرآن کی توضیح کے لیے نقشوں کا اضافہ بھی کیا گیا، فہرست مطالب از سرِ نو مرتب کی گئی۔

تفسیر کے مقدمہ میں پیر صاحب قرآن کا تعارف کراتے ہیں اور مختصر طور پر جمع قرآن مجید کی تاریخ اور ترتیب قرآن بیان کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کے آداب امام غزالی رحمۃ اللہ کی ''احیاء علوم الدین'' سے استفادہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں نیز رموز اوقات قرآن حکیم بیان کرتے ہیں۔ کتاب کے سلسلے میں آپ کا اسلوب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے نیچے اس کا اردو ترجمہ تحریر کرتے ہیں جس کے بعد بقیہ صفحہ پر تفسیر بیان کرتے ہیں جو کبھی کبھی کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتی ہے۔ آپ کا ترجمہ نہ تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ اور نہ ہی بامحاورہ بلکہ آپ نے ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے کلام کا تسلسل و روانی برقرار رہتی ہے اور زور بیان میں بھی حتی الامکان فرق نہیں آنے پاتا اور ہر کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہوتا ہے، تفسیر کے سلسلے میں بھی زیادہ تر آپ نے اسی اعتدال سے کام لیا ہے۔

پیر صاحب ہر سورۃ سے پہلے اس کا مکمل تعارف کراتے ہیں جس میں سورۃ کی آیتوں، رکوعوں، الفاظ، حروف کی تعداد، سورۃ کے مختلف ناموں کا ذکر اور اس کا مکی یا مدنی ہونا تحریر کرتے ہیں۔ پھر سورۃ کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض و مطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی، واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کرتے ہیں جو کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس اہتمام کا مقصد آپ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ قارئین تعارف پڑھنے کے بعد سورۃ کا مطالعہ کرتے وقت ان امور خصوصی پر زیادہ توجہ مبذول کر سکیں۔

قرآن میں جہاں جہاں عبادات، سیاسیات، معاشیات اور اخلاقیات وغیرہ کے مباحث کا بیان ہوتا ہے۔ پیر صاحب اس کو ایسے واضح اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو عصر حاضر کا انسان آسانی سے سمجھ سکے اور قبول بھی کر سکے اور جہاں کہیں نحوی یا صرفی الجھنیں یا لغوی پیچیدگیاں نظر آتی ہیں۔ آپ ائمہ فن کے مستند اقوال سے ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن کتابوں کی عبارت آپ نقل کرتے ہیں ان کے عربی متن لکھ کر اردو ترجمہ کر دیتے ہیں اور بریکٹ میں ان کتابوں کے نام درج کرتے ہیں پیر صاحب اپنی تفسیر میں تفسیر قرطبی، روح المعانی، تفسیر مظہری، روح البیان سے بہت زیادہ عبارات نقل کرتے ہیں جبکہ تفسیر المنار، لسان العرب، قاموس اور صحاح ستہ کی کتب وغیرہ سے بھی بھرپور استفادہ کرتے ہیں ان کے علاوہ آسمانی کتب اور جدید رسائل وغیرہ کے بھی حوالے دیتے ہیں جو انگریزی عبارات میں بھی نقل ہوتے ہیں۔ آپ مختلف قراءتوں کے مباحث

Marfat.com

میں نہ پڑکر اپنی تفسیر کو پیچیدہ ہونے سے بچاتے ہیں۔ پیر صاحب کتاب کے مقدمہ میں اہل السنت والجماعت کے اختلافات کی طرف بھی روشنی ڈالتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دین کے اصولی مسائل میں تو دونوں متفق ہیں مگر طرز تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا آپ لکھتے ہیں کہ:

''میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کردوں جو قرآن کریم کی آیات بینات، احادیث صحیحہ یا امت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہیں تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں اور اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑگئے ہیں وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکار ہوجائے۔'' (۱۹)

آپ کا تعلق تصوف سے رہا ہے اسی لیے آپ تفسیر کے دوران مختصر طور پر صوفیانہ نکات بھی بیان کرتے ہیں:

''سورہ فاتحہ کا آغاز الحمد سے کیا۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سالک جب راہ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے رب کی حمد کرے جس نے اس راہ پر گامزن ہونے کی ایسی توفیق بخشی، جس نے منزل مقصود کی لگن اس کے دل میں پیدا کی۔'' (۲۰)

پیر صاحب مشکل الفاظ کے سلسلے میں مستند کتب کے حوالے دے کر اس کی تشریح عام فہم بنادیتے ہیں مثلاً سورہ ص میں " اذتسوروا المحراب" (جب انھوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی)۔

''جب کسی واقعہ کی اہمیت پر مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔ محراب سے مراد آپ کی (حضرت داؤد علیہ السلام کی) عبادت کا حجرہ ہے اس کا ماخذ حرب ہے کیونکہ وہاں آپ اپنے نفس سے برسرپیکار رہتے تھے۔ اس لیے اس کو محراب کہا گیا مسجد کے محراب کو بھی اسی لیے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوائے نفس، ابلیس اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔'' (۲۱)

حروف مقطعات کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الٓمٓ اور دیگر حروف مقطعات سر بین اللہ ورسولہ۔ یہ وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ہیں۔'' (۲۲)

گویا افراط وتفریط سے بچ کر بریلوی مسلک کی خدمت کی ہے۔ پیر محمد کرم شاہ آیت کی تفسیر اتنے سادہ اور عام فہم طرز پر کرتے ہیں کہ اس کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے مثلاً سورہ النساء کی آیت " القھا الی مریم و روح منه" (جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف)۔

''روح کے معنی ہیں مابہ الحیاۃ جس کے ساتھ زندگی قائم ہو۔ ہوتی ہے حسی اور معنوی۔ حسی زندگی وہ ہے جس کے ذریعے چلنا، پھرنا، بولنا، سننا اور سمجھنا اور یاد کرنا وغیرہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں اور معنوی

Marfat.com

وہ ہے جس سے مکارم اخلاق رحم، سخاوت، محبت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے اسی لیے قرآن کریم کو بھی کئی بار روح کہا گیا ہے کیونکہ وہ حیات معنوی کا سبب ہے۔ اور حضرت مسیح کیونکہ حیات حسی اور معنوی دونوں کے مظہر اتم تھے اس لیے آپ کو بطور مبالغہ روح یعنی سراپا روح کہہ دیا جیسے ہم کسی بہت خوبصورت انسان کو ''حسن مجسم'' کہہ دیتے ہیں۔'' (۲۳)

تفسیر ضیاء القرآن سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیر صاحب کو علم الکلام میں گہرا ادراک حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ تفسیر میں آسمانی کتب کے بکثرت حوالے دیتے ہیں اور مختلف مذاہب کے عقائد کو اہتمام سے بیان کرتے ہیں نیز مستشرقین پر بھی تنقید کرتے ہیں۔

''یورپ کے مستشرقین قرآن کریم پر جہاں دوسرے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں وہاں بڑی شدد مد سے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے جو واقعات مذکور ہیں وہ وحی ربانی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام نے علماء اہل کتاب سے انھیں سنا اور پھر قرآن میں درج کر دیا اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں اگر آپ تورات وانجیل میں بیان کردہ قصص کا موازنہ قرآن کریم میں مذکور واقعات سے کریں گے تو حقیقت خود بخود اظہر من الشمس ہو جائے گی۔'' (۲۴)

پیر کرم شاہ اسرائیلیات پہلے نقل کرتے ہیں اس کے بعد معتمد مفسرین حضرات کی تحقیقات کا نچوڑ پیش کرتے ہیں اور اپنی رائے بھی دیتے ہیں جس سے ان بے سروپا حکایات کا اثر قاری کے دل و دماغ سے بالکل ختم ہو جاتا ہے مثلاً سورہ صٓ میں حضرت داؤد کے قصہ میں ان پر جو تہمت لگائی گئی ہے کتاب سیموئیل میں سے ان عبارات کو نقل کرتے ہیں اور پھر امام فخر الدین رازی، امام ابوبکر جصاص، علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ، شیخ اکبر حضرت ابن عربی وغیرہ علماء کی قرآن کی روشنی میں گئی تحقیقات اختصار سے بیان کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے رہتے ہیں اس طرح مکمل طور پر انکار فرما دیتے ہیں۔ (۲۵) قصص الانبیاء کے سلسلے میں آپ خود تحریر کرتے ہیں:

''قصص الانبیاء جہاں جہاں مذکور ہیں وہاں قرآن کریم اور موجودہ بائبل کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ خصوصاً سورہ یوسف کے تعارف میں یہ چیز بڑی وضاحت سے لکھی گئی ہے، ان امور کا مطالعہ کرنے سے متعدد حقیقتیں بے نقاب ہو جاتی ہیں (۱) قرآن کے قصص بائبل سے نقل نہیں کیے گئے جس طرح بعض مستشرقین کا خیال ہے (۲) قرآن کریم تمام انبیاء کے تقدس اور احترام کا داعی ہے اور ان کی عظمت وناموس کا محافظ ہے (۳) موجودہ بائبل طرح طرح کے تحریفات سے آلودہ ہے'' (۲۶)۔

اسی کے ساتھ پیر صاحب مشرکانہ عقائد کا بھی وقتاً فوقتاً رد کرتے جاتے ہیں مثلاً:

''اس لفظ (ملك يوم الدين) سے ان عقائد باطلہ کی تردید ہوگئی جن میں ہندوستان کے مشرک اور

Marfat.com

کئی دوسری قومیں مبتلا تھیں یعنی خدا ہر مجرم کو سزا دینے پر مجبور ہے اسے معاف کرنے کا ہرگز اختیار نہیں۔
قرآن نے فرمایا وہ مالک ومختار ہے اور ہر چیز جن وانس سب اس کی ملکیت ہیں۔ جیسا چاہے ان سے سلوک فرمائے۔ اگر مجرم کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اگر بخشنا چاہے تو اسے کوئی نہیں ٹوک سکتا۔" (۲۷)

پیر صاحب حسب ضرورت فقہی مسائل بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں گرچہ مسائل کی بھر مار سے آپ اپنی تفسیر کو حتی الامکان بچانے کی بھی کوشش کرتے ہیں مثلاً سورہ توبہ کی آیت انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین والعٰملین (زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے جو فقیر، مسکین اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں)۔
"وہ لوگ جو امام وقت کی طرف سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جاسکتی ہیں اسی لیے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔" (۲۸)

پیر صاحب ایسے اسلامی واقعات کے سلسلے میں جن میں علماء اسلام دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں دونوں گروہوں کے دلائل تفصیل اور اہتمام سے نقل کرتے ہیں اور پورے واقعات وحالات کھول کر قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں البتہ ان پر اپنا فیصلہ صادر نہیں کرتے بلکہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ کس چیز کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ النجم میں واقعہ معراج سے متعلق تفصیلی بحث پیش کی ہے جس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین حضرات کے اقوال ودلائل پیش کیے ہیں جس سے یہ بحث دس صفحات پر مشتمل ہو جاتی ہے۔ آپ نے یہی طریقہ دوسرے کئی موقعوں پر بھی اپنایا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن اپنی خوبیوں کے سبب ایک اہم مقام کی حامل ہے یہ جدید طرز پر لکھی گئی ایک ایسی تفسیر ہے جو جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے خصوصی سامان کشش رکھتی ہے مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس میں علم الکلام کی چھاپ نظر آتی ہے اور جو اہل السنت والجماعت کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہے۔

## ● تفسیر انوار القرآن از مولانا محمد نعیم:

اس تفسیر کے مؤلف حضرت مولانا محمد نعیم شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کے مرشد خاص حافظ انوار کی اولاد میں سے ہیں۔

تفسیر انوار القرآن کے تالیف کرنے کی وجہ آپ یہ بیان فرماتے ہیں:
"اب تو منزل سامنے ہے اور ہاتھ خالی ہے اس لیے جی چاہتا ہے کہ جو کچھ موہوم ساعتیں رہ گئی ہیں اور سانس باقی ہے وہ کلام اللہ کی خدمت میں صرف ہو جائیں اگرچہ کتاب اللہ کو اس کے گرانقدر، بے شمار تراجم اور تفاسیر کی موجودگی میں اس حقیر خدمت کی بالکل حاجت نہیں مگر خدمت گار تو محتاج خدمت

Marfat.com

ہے۔اس وقت تفسیر انوار القرآن کی تالیف کے لیے یہ داعیہ اور اصرار ہی باعث بن رہا ہے''(۲۹)
مولانا محمد نعیم صاحب کی تفسیر انوار القرآن دس جلدوں میں مکتبہ انوار القرآن دیو بند یوپی سے شائع ہوئی۔اس تفسیر کی تیاری میں مولانا نعیم صاحب نے ان مآخذ سے استفادہ کیا ہے ابن کثیر، قرطبی، بیضاوی، جلالین، تفسیری مظہری، روح المعانی، احکام القرآن، بصاص، تفسیرات احمدیہ، مسائل السلوک، بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند مع فوائد عثمانی، تفسیر حقانی، معارف القرآن، ترجمان القرآن، تفہیم القرآن اور کتب حدیث وغیرہ۔

تفسیر کی ابتدا میں چودہ صفحات پر مشتمل ایک طویل فہرست عنوانات ہے۔مولانا نعیم صاحب آیات کے عربی متن کے نیچے سلیس اور با محاورہ اردو ترجمہ کرتے ہیں اور بقیہ صفحہ پر اس کی تفسیر کرتے ہیں جو کہیں کہیں بہت طویل ہو جاتی ہے۔آپ نے تمام جلدوں میں تقریبا یکساں طرز اختیار کیا ہے۔سب سے پہلے آپ مباحث کے زیر عنوان قرآنی الفاظ کی تشریح کرتے ہیں اور اس کے بعد ربط کے عنوان سے ربط آیات بیان فرماتے ہیں اور پھر شان نزول کے تحت ان آیات کا شان نزول تحریر کرتے ہیں اس کے نیچے تفسیر کے عنوان سے آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں جس میں جگہ جگہ صفحہ کے داہنی طرف ذیلی عنوانات درج کرتے ہیں جن میں شبہات وغیرہ کا بھی ازالہ کردیتے ہیں اور تفسیر معلومات پوری طرح فراہم کردیتے ہیں اور آخر میں عرفان وسلوک کے مستقل عنوان سے تصوف کے دقیق ولطیف نکتے بیان فرماتے ہیں۔مگر روحانیت کے نام پر بے جا تجسس کو برا مانتے ہیں جیسے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

''آیت ویسئلونک سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری اسرار کی جستجو بری ہے آیت ولئن شئنا سے معلوم ہوا کہ اہل نسبت کو سلب نسبت سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ فرمایا تو آپ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے اور دوسرے کس حساب میں ہیں؟ آیت وقالو لن نومن سے کرامات طلب کرنے کی مذمت معلوم ہوئی۔آیت قل سبحان ربی سے معلوم ہوا کہ مقبولین میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ جو بھی ان سے درخواست کی جائے وہ اس کو پورا کردیں جب تک قدرت کو منظور نہ ہو''۔(۳۰)

تفسیر انوار القرآن میں مولانا نعیم صاحب حنفی مسلک کی نمائندگی کرتے ہیں، اور آپ کا موقف تقلید کے حق میں ہے۔جس کا اظہار آپ تفسیر میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''دین کے معاملے میں اگر کسی عالم پر اطمینان ہو جائے کہ وہ قرآن وسنت کا ماہر ہے اور اس اجتہادی قوت ہے کہ جو احکام صراحتہً قرآن وحدیث میں نہ ہوں وہ انھیں بذریعہ قیاس نصوص سے نکال سکتا ہے تو ایسے مجتہد عالم کی تقلید جائز ہے وہ بظاہر اس کی پیروی ہوگی مگر فی الحقیقت اللہ ورسول ﷺ کی پیروی ہوگی البتہ یہ مناسب نہ ہوگا کہ کسی مسئلہ میں کسی عالم کی تقلید کرلی اور کسی دوسرے مسئلہ میں دوسرے عالم کی پیروی کرلی، جسے فقہی اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں مسائل کی پیروی تو برائے نام ہوگی اصل پیروی خواہشات کی ہوگی۔''(۳۱)

Marfat.com

مولانا نعیم صاحب کی یہ تفسیر ایک عام فہم، دلنشین تفسیر ہے جس میں انھوں نے دقیق مباحث سے کلی طور پر احتراز کیا ہے اسی وجہ سے اس میں عوام کے لیے کشش کا سامان موجود ہے۔ مولانا صاحب مباحث کے دوران عربی الفاظ کی ایسی سہل تشریح کر دیتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے مگر پھر بھی عربی فقروں کی کثرت کی وجہ سے غیر عربی داں کے لیے اس سے استفادہ مشکل ہے۔ آپ نے تفسیر میں ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ربط بیان کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا ہے۔ تفسیر کے سلسلے میں آپ آیتوں کے فضائل بھی کرتے ہیں جو کبھی کبھی بہت طویل ہو جاتے ہیں مثلاً ''سورہ بقرہ کے فضائل میں آپ صحیح مسلم و صحیح بخاری کی روایات کے بعد ابن عربی کا قول تحریر کرتے ہیں۔ اسی طرح مولانا تفسیر کے دوران کہیں کہیں طویل اقتباسات بھی ان کے عربی متن کے ساتھ نقل کرتے چلے جاتے ہیں مثال کے طور پر اہل کتاب کی شناخت اور مسلمان ہونے پر ان کے دوہرے اجر کے سلسلے میں علماء کے طویل اقتباسات من و عن نقل کرتے ہیں جو چودہ صفحات پر مشتمل ہو جاتے ہیں۔ مولانا صاحب نے تفسیر میں مسائل و احکام بیان کرنے پر زیادہ توجہ نہیں دی اور جہاں آپ مسائل بیان کرتے ہیں وہاں کافی اختصار سے کام لیتے ہیں مثلاً:

> ''سورہ فاتحہ اور قرآن کی دوسری سورتیں پڑھ کر ایصال و ثواب کرنا جائز ہے لیکن کھانے پر فاتحہ پڑھ کر تقسیم کرنا کہیں ثابت نہیں ہے بے اصل ہے۔ آخر کھانے کے علاوہ نقد یا کپڑا تقسیم کرنے میں فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟ معلوم ہوا یہ رواج غلط ہے۔'' (۳۲)

حالانکہ سورتیں پڑھ کر ایصال ثواب کے متعلق بھی کوئی قرآن و حدیث سے دلیل نہیں ہے۔ یہ بھی مولانا صاحب کی ذاتی رائے ہے۔

تفسیر کے دوران اگر کوئی نادر نکتہ نکلتا ہے تو آپ اسے بھی ضرور بیان فرماتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ میں ''نکتہ نادرہ'' کے عنوان سے آپ فرماتے ہیں:

> ''ان آیات میں عقائد، اعمال، اخلاق کو جمع کرنے کا حاصل یہ نکلا کہ یہ آیات جامع ہیں علم کلام، علم فقہ، علم سلوک و معرفت کی نیز قرآن کریم میں جو ترتیب رکھی گئی ہے یعنی اولاً ایمانیات کا بیان ہے پھر اعمال صالحہ اور اعمال فاسدہ کی تفصیلات ہیں اور تقویٰ و طہارت کی تعلیم ہے اس کے بعد معاملات و سیاسیات، حدود و قصاص کا نمبر آتا ہے، قرآن کی یہی تقسیم محدثین کے پیش نظر بھی رہی کہ انھوں نے کتب حدیث میں احادیث جمع کرتے وقت اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا، پہلے ایمانیات پھر اعمال، پھر معاملات و سیاسیات کی روایات لائے، اسی طرح فقہا نے بھی کتب فقہ میں اول عبادات و اعمال کو بیان کیا اس کے بعد معاملات پھر آخر میں خلافت و سیاست کی بحث کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکومت و سلطنت مطلوب و مستحسن تو ہے مگر مقصود اصلی اقامت دین ہے اور سلطنت و اقتدار اس کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔'' (۳۳)

مولانا نعیم صاحب نے تفسیر میں کچھ مسائل تجوید و قراءت کے بھی بیان کیے ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت

Marfat.com

کم ہے۔ تفسیر انوار القرآن کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ مولانا عرفان وسلوک کے نہایت لطیف و دقیق نکتے بیان کرنے کا مستقل اہتمام کرتے ہیں جس سے قاری کو اولیاء کی وسیع النظری اور پاکی قلب کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ تفسیر انوار القرآن سلف صالحین کے طرز پر لکھی تفسیر بالماثور پر مشتمل تفسیر ہے جو حنفی مسلک کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کا انداز تحریر نہایت سلجھا ہوا اور عام فہم ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے اسرائیلیات سے بالکل تعرض نہیں کیا ہے اور نہ ہی فقہی مسائل بیان کرنے کا پورا اہتمام کیا ہے اور نہ ہی آپ مختلف اسلامی فرقوں کے اختلافات سے بحث کرتے ہیں حالانکہ کہیں کہیں آپ دوسرے مسالک شافعی وغیرہ کا بیان بھی کر دیتے ہیں مگر مسلسل مذاہب اربعہ کے نکتہ ہائے نظر بیان کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ جس سے اس تفسیر کا فقہی رنگ کافی پھیکا نظر آتا ہے۔ اس سب کے باوجود مجموعی طور پر اردو داں طبقے کو ایک ایسی بہترین اردو تفسیر میسر آ گئی ہے جس کا مطالعہ علماء و عوام دونوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

## ● کنز الایمان از مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

## مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی

مولانا احمد رضا (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن سے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء تاریخ نکلتی ہے (۳۴) اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن مطبعہ نعیمی، مراد آباد سے ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا جس کی ضخامت ۴۸۸ صفحات تھی۔ ابتداء میں فہرست مضامین ہے، عربی قرآن متن سبز زمین پر ہے، تحت السطور ترجمہ اور حاشیہ میں مختصر تفسیر ہے۔

ترجمہ تحت اللفظ اور زیادہ تر با محاورہ ہے مگر اردو زبان میں شیرینی، سلاست و فصاحت کم پائی جاتی ہے۔ اردو محاورے و اصطلاحیں ان کے ہم عصر جیسے شاہ عبد القادر رحمہ اللہ صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ صاحب کے تراجم میں استعمال شدہ محاوروں کے ہم پایہ نہیں ہے البتہ بعض مقامات پر ترجمہ کافی بہتر ہے۔ آپ کے ترجمہ میں اللہ اور رسول کے ادب کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے ترجمہ متن سے مختلف سا نظر آتا ہے تفسیری حواشی جو کہ احمد رضا خاں صاحب کے شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔ آپ دونوں حضرات کے خیالات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور مولانا نعیم صاحب نے اپنے استاد کے نظریات کی بھرپور تائید اور تشریح کی ہے۔ مولانا نعیم الدین صاحب کے حواشی میں تفسیر آیات بالآیات کا رنگ زیادہ واضح طور پر ابھر کے سامنے نہیں آتا اگرچہ بعض مقامات پر آپ ترجمہ کی تائید و تشریح میں قرآن کی دوسری آیات سے مدد لیتے ہیں۔ آپ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں اکثر آپ پوری حدیث بیان کرتے ہیں بلکہ مخصوص متن حدیث تحریر کر دیتے ہیں۔ حدیث کے اردو ترجمہ کے ساتھ قوسین میں مآخذ کا بھی حوالہ دے دیتے ہیں۔ آپ نے زیادہ تر صحاح ستہ کی کتب حدیث سے استفادہ کیا ہے مگر آپ ضعیف احادیث کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے۔

Marfat.com

حواشی میں مولانا نعیم الدین صاحب جہاں جہاں آیات سے فقہی مسائل اخذ ہوتے ہیں انھیں مختصر ضرور بیان کرتے ہیں مگر مسائل سے متعلق مذاہب اربعہ کے اختلافات کو قطعاً ظاہر نہیں کرتے مولانا احمد رضا خاں صاحب اور نعیم صاحب دونوں خود کو حنفی مقلد کہتے ہیں مگر بعض مسائل میں مولانا رضا صاحب نے الگ راہ اختیار کی ہے جو حنفی مسلک بریلوی مکتب فکر ہے۔ جس کی تشریح نعیم صاحب نے کی ہے۔ کیونکہ اصل میں بریلوی مکتبہ فکر کے بانی احمد رضا خان بریلوی ہیں۔

اس تفسیر میں جگہ جگہ یا ایھا النبی کا ترجمہ ''''اے غیب جاننے والے'' ملتا ہے جس کے بارے میں ہم موجودہ دور کے مفسر قرآن حضرت اخلاق حسین قاسمی صاحب کی رائے نقل کرتے ہیں جس سے بریلوی حضرات کے اس نظریہ کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے:

''ان آیات میں یہ ترجمہ بالکل مضحکہ خیز ہو جاتا ہے جہاں قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے علم کو وحی الٰہی کا تابع بنا کر یہ کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی کی روشنی میں فرماتے ہیں اور جن معاملات میں وحی الٰہی کی روشنی نہیں ہوتی ہاں وہ ایک بشر اور ایک انسان ہوتے ہیں اور ایک عام انسان کی طرح اپنی رفیقہ حیات پر منافقین کی طرف سے لگائے گئے الزامات پر پریشان رہتے ہیں اور بے چینی کے عالم میں ایک رفیق سے حقیقت حال کی جستجو فرماتے ہیں۔ یہ رسول پاک ﷺ کی شان عبدیت ہے اور اس بے چینی و بے قراری میں آپ ﷺ کی سیرت پاک کا بے پناہ حسن جھلکتا ہے۔'' (۳۵)

اس ترجمہ وتفسیر میں رائج تراجم تفاسیر سے علیحدہ جو فرق نظر آتا ہے اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ آپ حضرات نے انبیاء واولیاء کرام کو تقدس وعظمت کے ان انتہائی مقامات پر پہنچا دیا ہے جس سے توازن متاثر ہوتا ہے اور اختلافات کی خلیج گہری ہو گئی۔ ہمارے موضوع میں چونکہ علم الکلام کے مباحث میں الجھنا نہیں ہے بلکہ صرف تعارف و جائزہ پیش کرنا ہے لہٰذا ہم حقانیت کا فیصلہ کرنے کے بجائے صرف وہ موضوعات بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن میں بریلوی حضرات اور جمہور علماء کے درمیان اختلافات ہیں۔ بریلوی حضرات حسب ذیل چیزوں کو حق و جائز مانتے ہیں اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہیں اسی لیے ان موضوعات پر ترجمہ وتفسیر میں خصوصی زور دیا گیا ہے:

حضور انور ﷺ کو حاضر و ناظر جاننا، حضور ﷺ کے پاس غیب کا ہونا، مردے سنتے ہیں، محبوبین بعد وفات مدد کرتے ہیں، محبوب خدا دور سے سنتے، دیکھتے اور مدد کرتے ہیں، اولیاء اللہ مشکل کشا اور صاحب عطا ہیں اس لیے ان کی یادگاریں قائم کرنی چاہئیں، حضور انور مومنوں کے گھروں میں جلوہ گر ہیں، قبر والوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور حلال ہے اگر اللہ کے نام پر ذبح ہو جائے، ذکر میلاد شریف سنت الٰہیہ ہے، انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے، اچھوں کے صدقے بروں پر عذاب نہیں آتا، وسیلہ اولیاء کرام ضروری ہے وغیرہ۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے حلقے نے اس صدی میں برصغیر ہندو پاک میں کافی مقبولیت

Marfat.com

پائی اور آپ بریلوی مکتب فکر کے رہنما کی حیثیت سے اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے اگرچہ آپ حضرات اہل السنّت والجماعت میں ہی داخل سمجھے جاتے ہیں اور آئمہ اربعہ میں سے ہی کسی امام کی پیروی بھی کرتے ہیں۔مگر آپ کے خیالات کی وجہ سے علماء نے آپ سے اختلاف کیا۔ ہندو پاک میں یہ ترجمہ وتفسیر آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے جس کا سبب بریلوی حلقہ میں اس کی مقبولیت ہے۔

## ● موضح الفرقان از مولانا محمود الحسن (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۸ء) ومولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء)

مولانا محمود الحسن نے ربیع الاول ۱۳۲۷ھ مطابق اپریل ۱۹۰۹ء میں ترجمہ قرآن مجید کی ابتداء فرمائی تھی۔ اس وقت آپ دار العلوم دیوبند میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔آپ کے قلم سے ترجمہ کے ساتھ صرف سورۃ النساء تک ہی حواشی لکھے گئے اور بقیہ غیر مکمل ہی رہ گئے۔آپ کی وفات کے بعد ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں یہ ترجمہ قرآن مدینہ پریس بجنور سے شائع ہوا، جس میں سورۃ نساء تک کے حواشی مولانا محمود الحسن کے اور بقیہ حواشی شاہ عبد القادر کے ''موضح القرآن'' سے لکھے گئے تھے۔اس کے بعد ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں قرآن مجید کے ترجمہ کا جو ایڈیشن شائع ہوا، اس میں سورۃ بقرہ ونسا تک کے حواشی مولانا محمود الحسن کے اور باقی چھبیس پاروں کے حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی کے تصنیف کردہ تھے۔اور یہ اسی ترتیب سے آج تک شائع ہوتا رہا ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں مولانا محمود الحسن فرماتے ہیں کہ ترجمہ وحواشی کی تیاری کے لیے آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب، شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ اور شاہ عبد القادر رحمہ اللہ کے تراجم کو سامنے رکھا ہے۔مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کو شاہ عبد القادر سے زبردست عقیدت ولگاؤ تھا اسی لیے اپنے ترجمہ وحواشی کے لکھنے کا مقصد اور اس کے نام کی وجہ تسمیہ بھی ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیونکہ ہماری تمام سعی کا لب لباب دراصل ترجمہ موصوف (موضح القرآن) کی خدمت گزاری ہے چونکہ بعض بعض مقامات پر کچھ ترمیم کرنے سے حقیقت میں یہ دوسرا ترجمہ نہیں ہوگیا۔اس لیے اس کا کوئی نام مستقل مقرر کرنا بھی ٹھیک نہیں تھا مگر صرف دفع التباس اور رفع اشتباہ کی مصلحت سے مناسب معلوم ہوا کہ اگر اصل ترجمہ کے نام کے علاوہ اس کا بھی کچھ نام رکھ دیا جائے تو التباس واشتباہ سے پورا بچاؤ رہے گا۔اس کا نام ''موضح قرآن'' ہے اس کا نام ''موضح فرقان'' بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک کے ہیں ایک اور ہیں دو کے دو۔کہنے کو دو اور حقیقت میں ہیں ایک'' (۳۷)

مولانا محمود الحسن صاحب نے مقدمہ میں شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ وتفسیر ''موضح القرآن'' کی خوبیاں بیان کی ہیں، جس کو دیکھ کر شاہ صاحب کے ترجمہ کی اہمیت اور اس کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔اہم نکات کو مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حسب موقع اختصار یا اجمال سے حاشیہ پر فوائد کے ذیل میں ذکر کرنے کا

Marfat.com

اہتمام کیا ہیں مقدمہ میں آپ نے اپنے ترجمہ میں کی گئی ترمیم وتصنیف پر بھی روشنی ڈالی ہے اور تحریر کیا ہے کہ دو چیزوں میں آپ نے ترمیم کی ہے ایک لفظ متروک کو بدل دیا ہے۔ دوسرے علماء کا اختلاف ہوا ہے وہاں آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی متابعت اختیار کیا ہے (۳۸)

مولانا محمود الحسن کا ترجمہ سلیس و بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحت اللفظ بھی ہے۔ خواص وعوام سبھی اس سے بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ موضح الفرقان کے تفسیری حواشی مکمل طور پر سلف صالحین کے طرز پر لکھے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا محمود الحسن کے جزوی حواشی (سورۃ النساء تک) اور پھر بعد کے چھبیس پاروں کے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے تفسیری حواشی میں مکمل طور پر تفسیر القرآن بالقرآن کا نمونہ موجود ہے۔

ایسی تشریحات جن کو عبدالقادر صاحب نے موضح القرآن میں نظر انداز کر دیا تھا ان کو مولانا محمود الحسن و مولانا عثمانی صاحب نے حواشی میں بیان فرمایا ہے آپ حضرات یہ طرز اختیار کرتے ہیں کہ ترجمہ کی تشریح کے بعد تنبیہ کا بریکٹ میں عنوان دیتے ہیں اور مشکل الفاظ کی مختصر تشریح کر دیتے ہیں:

"مسیح اصل عبرانی میں ماشیع یا مشیحا ہے جس کے معنی مبارک کے ہیں۔ مغرب ہو کر مسیح بن گیا۔ باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ بالاجماع عربی لفظ ہے مسیح کا دوسرا نام یا لقب عیسیٰ ہے۔ یہ اصل عبرانی میں ایشوع تھا معرب ہو کر عیسیٰ بنا جس کے معنی سید کے ہیں" (۳۹)

مولانا محمود الحسن جو حواشی تحریر کرتے ہیں اس میں آیات کی تشریح قرآن کے بعد احادیث کی روشنی میں کرتے ہیں اور جا بجا احادیث کا متن اور بعض جگہ اس کا نچوڑ بھی بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ مولانا عثمانی صاحب نے بھی احادیث کے استعمال کے ضمن میں اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔

مولانا محمود الحسن نے فضول مباحث یا مسالک کے آپسی اختلافات کی بحث میں نہ الجھ کر اپنے حواشی کو طوالت سے بچایا ہے۔ یہی وجہ ہے آپ مختصر مضمون میں پورے مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔

(النساء: رکوع ۴)

"یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں طرف سے ہو جائے دوسرے یہ کہ مال یعنی مہر دنیا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید نکاح میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لیے وہ اس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا۔ جس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔ یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو

Marfat.com

مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب وقبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا۔" (۴۰)

اس کے تفسیری حواشی میں جو واقعات بیان فرماتے ہیں وہ معتبر کتب سے اخذ کرتے ہیں اور اختصار سے بیان فرماتے ہیں آپ طویل بے سروپا اسرائیلیات کے بیان سے احتراز کرتے ہیں بلکہ جب انتہائی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے واقعات ہی بیان کرتے ہیں۔ جو عقل ونقل کے معیار پر پورے اترتے ہوں۔

یہ مختصر تفسیر قرآن کریم کے معانی ومطالب کے سمجھنے کے لیے ان شاء اللہ کافی مفید ثابت ہوگئی۔

## تفسیر احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف:

اس کتاب کے مؤلف نے کئی کتب لکھیں اور اردو ترجمے بھی کیے۔ان میں ریاض الصالحین کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

## خصوصیات:

تفسیر احسن البیان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں جو اس کی ابتدا میں لکھی ہیں:

① یہ حاشیہ قرآن یا مختصر تفسیر "احسن البیان" جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس میں اگر چہ جگہ کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔ تاہم پھر بھی کوشش کی گئی ہے۔ کہ عوام کو قرآن فہمی اور اس کے مشکل مقامات کے لیے جتنی تفصیل کی ضرورت ہے، اسے اختصار و جامعیت کے ساتھ ضرور پیش کیا جائے۔ اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے، قارئین اور اہل علم پڑھ کر ہی انداز کر سکتے ہیں۔اس کے باوجود قارئین کہیں تشنگی محسوس کریں تو اس کی وجہ راقم کی علمی کوتاہی کے علاوہ، وہی جگہ کی محدودیت بھی ہے۔

② اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز اور صرف صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا ہے۔

③ شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں لیکن ان میں بھی صحیح روایات بہت کم ہیں۔عدم گنجائش کی وجہ سے مشہور ضعیف روایات کی تردید تو ممکن نہیں تھی۔اس لیے صرف یہ التزام کیا گیا ہے کہ صرف صحیح اور مستند روایت ذکر کر دی جائے جس کا مطلب ہے کہ جو روایات اس میں نقل نہیں ہوئیں، وہ کتنی بھی مشہور ہیں، بالعموم غیر مستند ہیں۔

④ علمی مسائل و مباحث سے اسے گراں بار نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ اس کا محل مفصل تفسیر ہے۔

⑤ چند مقامات کے علاوہ پوری تفسیر میں احادیث کے مکمل حوالوں کا التزام کیا گیا ہے تا کہ تفصیل کے خواہش منداہل علم کو مراجعت میں آسانی رہے۔

⑥ تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ طبری، ایسر التفاسیر وغیرہ جیسی سلفی تفاسیر، اس کے

Marfat.com

بنیادی مآخذ ہیں، زیادہ تر ان ہی کو سامنے رکھا گیا ہے۔ دیگر عربی اور اردو تفاسیر سے بہت کم اعتناء کیا گیا ہے۔

⑦ توضیح وتشریح میں سلف (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی تعبیر اور ان کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ، سلف کے منہج ومسلک کا آئینہ اور تفسیر بالا حادیث صحیحہ کا الحمد للہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔

⑧ اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بول چال اور تحریر میں عام ہے۔ لیکن اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور فارس کے آتش پرستوں کے ہاں بالخصوص یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک کو وہ اہرمن اور دوسرے کو یزداں کہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی کا لفظ گاڈ ہے جیسے اہل تثلیث اور بھگوان کا لفظ ہے جسے مورتیوں کے پجاری ہندو استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اردو میں ان تمام الفاظ کے استعمال سے گریز اور صرف اللہ ہی لکھنا اور بولنا چاہیے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعث ثواب بھی۔ بنا بریں اس مختصر تفسیر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ''خدا'' کا لفظ سوائے ناگزیر تراکیب کے کہیں استعمال نہ ہو۔ اس میں جو ترجمہ دیا گیا ہے، وہ در اصل مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ہے جو ان کے مترجم تفسیر ابن کثیر کے ساتھ ہے۔ اس میں البتہ متعدد جگہ اصلاحات کی گئی ہیں۔ دار السلام ریاض کے رفیق کار حافظ محمد طاہر نے جو جامعہ سلفیہ بنارس (بھارت) کے فارغ التحصیل ہیں اس ترجمہ پر نظر ثانی کی۔ ان میں ایک اصلاح یہ بھی ہے کہ خدا کا لفظ جہاں جہاں بھی ترجمہ قرآن میں استعمال ہوا تھا اس کو اللہ کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح ترجمہ اور تفسیر دونوں میں لفظ ''خدا'' کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اس اہتمام التزام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کریں، جو قرآن کریم کا لفظ ہے جس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''خدا'' کا لفظ ہماری زبان میں جو عام ہو گیا ہے اس سے لوگ احتراز اور گریز کریں اور سوائے ناگزیر تراکیب اور ضروری مصرعوں کے اسے استعمال نہ کریں، جیسا کہ اس ترجمہ وتفسیر میں اس کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

⑨ قرآن کریم نے گزشتہ اقوام وملل کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن تاریخ کے انداز میں نہیں، بلکہ عبرت و موعظت کے نقطہ نظر سے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس انداز کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ اقوام کے عام افراد کے اس اخلاق و کردار کی روشنی میں، جو ان کی تباہی کا باعث بنا، مسلمان عوام کی اخلاقی پستی اور کردار کی گراوٹ کو اور اہل کتاب کے احبار و رہبان کی روش کے مقابلے میں، جو ان کے لیے غضب الٰہی کا موجب بنی، امت مسلمہ کے علماء وصوفیاء کے یہودیانہ کردار کو اجاگر اور نمایاں کیا گیا ہے تاکہ اس امت کے عوام وخواص (علماء اور عام افراد) زوال کی اس پستی سے نکلنے کی سعی کریں، جس میں وہ گزشتہ اقوام کے اس اخلاق و کردار کے اپنانے کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص نسل سے محبت یا نفرت تو نہیں ہے، اس کی قوموں اور افراد سے محبت یا نفرت صرف ان کے اعمال واخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم یا فرد اچھے عمل کرتا ہے، ایمان اور اس کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے، تو وہ اس کا محبوب ہے اور وہ اس کا معاون اور مددگار اور اس کے برعکس ایمان وعمل کے تقاضوں سے بے خبر قوم یا فرد، اللہ کو ناپسندیدہ ہے، دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔

Marfat.com

(۱۰) اس میں دو قسم کی فہرستیں دی گئی ہیں۔ ایک فہرست قرآن کریم کے مضامین کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً حضرت نوح یا حضرت موسیٰ کا واقعہ کہاں بیان کیا گیا ہے؟ اللہ کی توحید کا کہاں کہاں ذکر ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے لیے سورت کا نام اور آیت نمبر کے اندراج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

دوسری فہرست ہے، حواشی یا تفسیر میں بیان کردہ مباحث و مضامین کی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ فہرست کو دیکھ کر بہت سے اہم مسائل و مباحث کو ملاحظہ کر سکتا ہے جو فہرست کے بغیر علم میں نہیں آسکتے۔ الا یہ کہ کوئی شخص پوری تفسیر پڑھ ڈالے۔ اکثر لوگ پوری تفسیر پڑھنے کی سعادت سے (قلت وقت اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے) محروم ہی رہتے ہیں، اس لیے اس فہرست کی افادیت بھی مسلمہ ہے، اس میں صفحے اور حاشیے کے نمبر کا التزام کیا گیا ہے۔ (۴۱)۔

## تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی (مقالہ از پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ)

تیسیر القرآن میں پیش کردہ ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے قرآن مجید کی مفصل تفسیر کی خاطر کیا تھا جو کہ تیسیر القرآن کے نام سے ہی مطبوع ہے۔ اسی ترجمہ کو ہی تیسیر القرآن کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ محشی قرآن حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی کے بقول ''مگر اس کو مطلوب اسلوب کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہمیں کچھ تبدیلیاں کرنی پڑیں، یہ تبدیلیاں عربی مادوں والے الفاظ کے استعمال، متروک اور مشکل الفاظ کی جگہ جدید اور آسان الفاظ سے تبدیلی کے متعلق تھیں۔ (۴۲)

### ترجمہ ''تیسیر القرآن'' کے ادبی محاسن:

### ا۔ انداز ترجمانی:

ہر زبان کا ادائیگی مفہوم کا اپنا انداز ہے۔ بعض زبانوں نے مخاطب کے ادب و احترام کے لحاظ کیے بغیر اپنے مفہوم و مدعا کے اظہار کی روش اپنائی ہے۔ جیسے عمر میں چھوٹے بڑے، رتبے میں چھوٹے بڑے ہر ایک حاضر مخاطب کے لیے انگلش میں صرف you ہے۔ عربی میں واحد مذکر مخاطب کے لیے ضمیر منصوب متصل ''ک'' مستعمل ہے۔ لیکن ادب و احترام کے مقامات پر ''ک'' کے بجائے جمع مذکر مخاطب والی ضمیر منصوب متصل ''کم'' بھی استعمال کی جاتی ہے۔ حفظ مراتب کا یہ فرق اردو میں بھی بڑے بلیغ انداز میں موجود ہے۔ چھوٹوں کے لیے اگر ''تو'' ہے تو بڑوں کے ادب و احترام کی خاطر ''آپ'' کا لفظ مستعمل ہے۔ فاضل مترجم نے نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے اس کا خوب لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً: '' ما ودعك ربك وما قلى '' کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ '' وللآخرة خير لك من الاولى '' اور آپ کے لیے آخرت ابتدا سے یقیناً بہتر ہے۔ '' ولسوف يعطيك ربك فترضى '' اور آپ کا رب آپ کو جلد ہی اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ (۴۳)۔

Marfat.com

## ۲۔ ادبی چاشنی/خوبصورت ترجمے:

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتے وقت سب سے مشکل مرحلہ مفہوم کے ساتھ ادبی معنویت کا پہلی زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ اس پہلو سے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا ترجمہ بعض مقامات پر بے ساختہ داد کا مستحق ٹھہرتا ہے مثلاً:

یوم التناد

''آہ وفغاں کے دن۔''(۴۴)

واهجرهم هجرا جميلا

''اور خوش اسلوبی سے ان سے الگ ہو جائیے۔''(۴۵)

وقدموا لانفسكم

''مگر اپنے مستقبل کا خیال رکھو۔''(۴۶)

اس آیت کے ترجمہ میں جو ادبی لحاظ اور جامع انداز اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

بل ادراك علمهم فى الآخرة

''بلکہ آخرت کے بارے میں ان کے علم نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔''(۴۷)

## ۳۔ برمحل مفہوم ادا کرنے والا ترجمہ:

ایک کامیاب مترجم اس بات کا ضرور خیال رکھتا ہے کہ ترجمہ محض الفاظ سے نہیں بلکہ صورت حال کے تناظر میں کیا جائے۔ آیت کے مضمون اور موقع محل کی مناسبت سے ایسے الفاظ میں ترجمہ کیا جائے کہ مطلوبہ بات اور انداز ہر دو بعینہ سامنے آجائیں۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے اس پہلو کا بھی خوب حق ادا فرمایا ہے۔ مثلاً:

قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل ان كنتم مومنين

''آپ پوچھئے کہ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو اس سے قبل اللہ کے انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟''(۴۸)

یہاں سیاق مضمون یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ''قل'' بمعنی ''کہئے'' نہیں بلکہ ''پوچھئے'' ہی استعمال ہوا ہے۔

## ۴۔ کلام کی شدت کا اظہار:

اگر کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اظہار ہو رہا ہے تو ترجمہ کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب ضروری ہے جس سے اس اظہار کی مکمل عکاسی ہو اس بارے میں فاضل مترجم الفاظ کے چناؤ میں بہت محتاط لیکن کامیاب رہے ہیں۔ مثلاً:

سنسمه على الخرطوم''

Marfat.com

''جلد ہم اس کی لمبوتری ناک پر داغیں گے۔''(۴۹)

خرطوم کا لمبوتری ناک کیا خوب ترجمہ کیا ہے۔ اکثر مترجمین نے خرطوم کا ترجمہ سونڈ کیا ہے جو کہ حقیقی ترجمہ ہے لیکن یہ جانور ہاتھی کے لیے تو درست ہے ایک انسان کے لیے اچھا نہیں ہے کیونکہ اس کی سونڈ نہیں ہوتی لمبوتری ناک ضرور ہوسکتی ہے۔ اور لمبی ناک والے کو خرطمانی کہا جاتا ہے۔(۵۰)

## ۵۔ غیر مبہم واضح ترجمہ:

قرآن مجید کی بعض آیات کے ترجمے مبہم اور غیر واضح ہوتے ہیں۔ اور عام قاری کے لیے ترجمہ اور ترجمے کے ذریعے اصل عبارت کے مفہوم تک رسائی ممکن نہیں ہوتی، لیکن فاضل مترجم نے تیسیر القرآن کے ترجمہ میں ابہام کو حتی الوسع دور کر دیا ہے۔

## ۶۔ لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کا حسین امتزاج:

قرآن مجید کی مشکل ترین آیات میں سے ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جہاں پر فاضل مترجم کی کامیاب ترجمانی لائق ستائش ہے۔

قل هل من شر كائكم من يهدى الى الحق

''پوچھئے تمھارے شریکوں میں کوئی ہے؟ جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے؟''

قل الله يهدى للحق

''کہہ دیجیئے، اللہ ہی حق کی راہنمائی کرتا ہے۔''

افمن يهدى الى الحق

''بھلا یہ شخص جو حق کی راہنمائی کرے۔''

احق ان يتبع

''وہ اتباع کا زیادہ حق دار ہے۔''(۵۱)

## ۷۔ محاورات عرب کا لحاظ:

کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کرتے وقت اصل زبان کے محاورات وضرب الامثال پر آگاہی صحیح ترجمہ میں کامیاب ٹھہراتی ہے۔ فاضل مترجم نے محاورات عرب کو مدنظر رکھ کران کے ترجمے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً: نکس بمعنی اوندھا کرنا اور نکس راسہ بمعنی سر جھکانا سرنگوں ہونا، اور نکس علی راسہ بمعنی لاجواب ہوکر ندامت سے سر ڈال دینا اور سوچنے لگنا۔(۵۲)

سورہ انبیاء میں اس عربی محاورہ کا محاوراتی ترجمہ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

ثم نکسوا علی رؤسهم لقد علمت ما ھو لاء ینطقون

''پھر لا جواب ہو کر شرم کے مارے سرنگوں ہو گئے اور کہنے لگے یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ یہ (صنم) بولتے نہیں۔''(۵۳)

## ۸۔ قائم کردہ اصولوں کی پاسداری:

تیسیر القرآن کے ترجمہ میں قصداً عربی مادوں والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔تاکہ قاری کی عربی نص سمجھنے میں مدد کی جائے۔مثلاً:صلوٰۃ کا نماز کے بجائے صلوٰۃ سے ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔جیسے

ویقیمون الصلوٰۃ

''صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔''(۵۴)

اکثر مقامات پر اس قائم کردہ اصول کی پاسداری کے باوجود بعض دفعہ نماز بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔مثلاً:

واقیموا الصلوٰۃ

''اور نماز قائم کرو۔''(۵۵)

## ۹۔ اجنبی الفاظ کا استعمال:

فاضل مترجم مفہوم کی ادائیگی کی خاطر انگریزی کے لفظ بھی ترجمہ میں لائے ہیں۔مثلاً:

وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب

''اور کہتے ہیں''ہمارے رب ہمیں ہماری چارج شیٹ جلدی کر کے یوم حساب سے پہلے ہی دے دے۔''(۵۶)

قط کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اسی طرح حساب کے رجسٹر یا صحیفہ جائزہ کے لیے مستعمل ہے۔فاضل مترجم نے چارج شیٹ کے لفظ سے نفس مضمون کی خوب ترجمانی کی ہے۔

## حافظ عبدالسلام بن محمد کے ترجمہ قرآن کا تعارف:

حافظ عبدالسلام ضلع قصور کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔انھوں نے با محاورہ ترجمہ کے اسلوب کو اپنایا ہے۔ان کے بقول دوران ترجمہ پچیس اردو اور فارسی تراجم ان کے زیر مطالعہ رہے۔(۵۷)

ترجمہ کی خصوصیات میں ایسی چیزیں ہیں جو دیگر تراجم میں نظر نہیں آتیں۔مثلاً:

① مبالغہ کے مفہوم کو بیان کرنے کے بعد ترجمہ قرآن سے اس کی وضاحت مثالوں سے کی گئی ہے۔

② عربی زبان میں تاکید یعنی کسی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے بہت سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔مثلاً حروف قسم''ان''وغیرہ۔چونکہ اردو محاورہ میں ایسا نہیں ہوتا،تو مترجمین اردو محاورے کو مقدم رکھتے ہوئے

Marfat.com

تاکید کے حروف کا ترجمہ ہی نہیں کرتے۔ مثلاً سورہ ق میں ہے:

﴿ان فی ذلك لذکری لمن کان له قلب﴾(۵۸)

''بلاشبہ اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کا کوئی دل ہو۔''

حافظ صاحب نے کوشش کی ہے کہ تاکید کے کسی حرف کا مفہوم ترجمہ میں رہ نہ جائے۔

③ عربی زبان کی جامعیت اس کی حرکات وسکنات سے عیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً تنوین جو کہ عربی میں کئی معنی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً، تنکیر، تعظیم، تحقیر وغیرہ۔ موصوف نے کوشش کی ہے کہ ہر تنوین کا موقع کے مناسب ترجمہ آ جائے۔ مثلاً

ما یاتیهم رسولٍ (۵۹) ''اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا'' اور ظلٍّ ممدود (۶۰) اور (ایسے سائے میں جو خوب پھیلا ہوا ہے)۔

④ مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو فعل کے بعد آئے اور اس کا مادہ فعل کے ہم معنی ہو۔ جیسے ضرب سے ضربا،،، میں نے مار ماری۔

حافظ صاحب نے اس لحاظ سے اس چیز کا خیال رکھا ہے۔

مولانا نے بہت طویل عرصہ میں شب وروز کی محنت سے ایک ایسے ترجمہ قرآن کو متعارف کروانے کی کوشش کی ہے جو کہ بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ اور اس کو باقی تراجم پر کئی اعتبار سے فوقیت بھی حاصل ہے۔ مثلاً اس ترجمہ کو رائج اردو زبان میں بامحاورہ بنا کر آسان فہم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور کمی بیشی کے ساتھ ساتھ معنی میں اس کا خیال کیا ہے۔ صرف ونحو کی پیچیدگیوں کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور صیغوں کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کو آسان سے آسان تر کر کے پیش کیا جائے۔

Marfat.com

# معروف مفسرین قرآن کے نام

پہلی صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| ابی بن کعب رضی اللہ عنہ | عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ | مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ |
| (۲۰ھ/۶۴۰ء) | (۳۲ھ/۶۵۲ء) | (۶۸ھ/۶۸۷ء) |
| عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ | ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ | سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ |
| (۶۸ھ/۶۸۷ء) | (۹۳ھ/۷۱۱ء) | (۹۵ھ/۷۱۳ء) |

دوسری صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| ابوالاسود بن عمر رضی اللہ عنہ | ضحاک | عکرمہ رحمہ اللہ |
| (۱۰۱ھ/۷۱۹ء) | (۱۰۲ھ/۷۲۰ء) | (۱۰۴ھ/۷۲۲ء) |
| مجاہد | طاؤس | عطا بن ابی رباح |
| (۱۰۴ھ/۷۲۲ء) | (۱۰۶ھ/۷۲۴ء) | (۱۱۴ھ/۷۳۲ء) |
| قتادہ رحمہ اللہ | محمد بن کعب | سدی کلبی |
| (۱۱۷ھ/۷۳۵ء) | (۱۱۸ھ/۷۳۶ء) | (۱۲۷ھ/۷۴۴ء) |
| زید بن اسلم | علی بن ابی طلحہ | (۱۴۶ھ/۷۶۳ء) |
| (۱۳۶ھ/۷۵۳ء) | (۱۴۳ھ/۷۶۰ء) | |
| مقاتل بن سلیمان | مقاتل بن حبان | عبدالمالک بن عبدالعزیز |
| (۱۵۰ھ/۷۶۷ء) | (۱۵۰ھ/۷۶۷ء) | (۱۵۰ھ/۷۶۷ء) |
| زائدہ بن قدامہ | امام مالک | یونس |
| (۱۶۰ھ/۷۷۶ء) | (۱۷۹ھ/۷۹۵ء) | (۱۸۲ھ/۷۸۸ء) |
| وکیع | سیان بن عینیہ | ابوزکریا بن سلام |
| (۱۹۷ھ/۸۱۲ء) | (۱۶۸ھ/۷۸۴ء) | (۲۰۰ھ/۸۱۵ء) |

تیسری صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| قطرب | فراء | محمد بن عبداللہ |
| (۲۰۶ھ/۸۲۱ء) | (۲۰۷ھ/۸۲۲ء) | (۲۰۸ھ/۸۲۳ء) |
| حافظ عبدالرزاق | اخفش | السمین |
| (۲۱۱ھ/۸۲۶ء) | (۲۱۵ھ/۸۳۰ء) | (۲۳۵ھ/۸۴۹ء) |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| عبد بن حمید (۲۴۹ھ/۸۶۳ء) | امام رازی (۲۵۵ھ/۸۶۸ء) | محمد بن سحنون (۲۵۶ھ/۸۶۹ء) |
| امام بخاری (۲۵۶ھ/۸۶۹ء) | مسلم بن قتیبہ (۲۷۶ھ/۸۸۹ء) | ابوحنیفہ دینوری (۲۹۰ھ/۹۰۲ء) |

امام ثعلب (۲۹۱ھ/۹۰۳ء)

چوتھی صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| علی بن موسیٰ (۳۰۵ھ/۹۱۷ء) | ابوالاسود موسیٰ (۳۰۶ھ/۹۱۸ء) | ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ/۹۲۲ء) |
| قتیبہ بن احمد (۳۱۶ھ/۹۲۸ء) | ابراہیم بن محمد (زجاج) (۳۱۶ھ/۹۲۸ء) | ابوبکر سیستانی (۳۱۶ھ/۹۲۸ء) |
| امام تریدی (۳۳۳ھ/۹۴۴ء) | ابن نحاس (۳۳۷ھ/۹۴۸ء) | نقاش (۳۵۱ھ/۹۶۲ء) |
| محمد بن القاسم (۳۵۵ھ/۹۶۶ء) | امام طبرانی (۳۶۵ھ/۹۷۵ء) | قفال شاشی (۳۶۵ھ/۹۷۵ء) |
| امام جصاص رازی (۳۷۰ھ/۹۸۰ء) | ابواللیث سمرقندی (۳۱۳ھ/۹۲۵ء) | |

پانچویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| احمد بن علی احمد (۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء) | محمد بن الحسن بن فورک (۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء) | محمد بن الحسین (۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء) |
| قنازی (۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء) | ثعالبی (۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) | الحوفی (۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) |
| جوینی (۴۶۰ھ/۱۰۴۵ء) | امام صابونی (۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء) | ماوردی (۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء) |
| طوسی (۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء) | ابوالقاسم عبدالکریم (۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) | الواحدی (۴۶۸ھ/۱۰۷۵ء) |
| شہفور (۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء) | امیر خسرو (۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) | ابوالقاسم (۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء) |

Marfat.com

چھٹی صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| ابوالقاسم اصفہانی | خطیب | امام غزالی |
| (۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) | (۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) | (۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) |
| فراء بغوی | زمخشری | اسماعیل طلحی قرشی |
| (۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء) | (۵۲۸ھ/۱۱۳۳ء) | (۵۳۵ھ/۱۱۳۹ء) |
| عالی بن غزنوی | عمر بن محمد نسفی | ابن العربی |
| (۵۳۷ھ/۱۱۴۲ء) | (۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء) | (۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء) |
| امام بیہقی | شہرستانی | زین المشائخ |
| (۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء) | (۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) | (۵۶۳ھ/۱۱۶۷ء) |
| حجۃ الدین | نیشاپوری | ابن الجوزی |
| (۵۶۷ھ/۱۱۷۱ء) | (۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء) | (۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) |
| خرزجی | | |
| (۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء) | | |

ساتویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| شیخ ابو محمد روزبہان | طبرستانی | مبارک شیبانی |
| (۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) | (۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) | (۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) |
| عبداللہ بن الحسن العکبری | قطب مغربی | ابوبکر یحییٰ بن احمد |
| (۶۱۶ھ/۱۲۱۵ء) | (۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) | (۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء) |
| شیخ حسام الدین سمرقندی | شیخ اکبر | زملکانی |
| | (۶۲۸ھ/۱۲۳۰ء) | (۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء) |
| ابن النفیب | ابن فرحون | امام کواشی |
| (۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء) | (۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء) | (۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء) |
| ابن المنیر | امام بیضاوی | برہان نسفی |
| (۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء) | (۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء) | (۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء) |
| عبدالعزیز دیرینی | | |
| (۶۹۴ھ/۱۲۹۴ءء) | | |

Marfat.com

آٹھویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| ابوالبرکات نسفی (۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء) | امام بدرالدین حلبی (۷۰۵ھ۱۳۰۵۳ء) | ابوجعفر غرناطی (۷۰۸ھ/۱۳۰۷ء) |
| قطب الدین شیرازی (۷۱۰ھ/۱۳۲۷ء) | عمادالکندی (۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء) | احمد بن محمد بن جبارہ (۷۲۷ھ/۱۳۰۷ء) |
| امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) | علی بن عثمان (۷۳۹ھ/۱۳۳۸ء) | اسکندری (۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء) |
| علامہ طیبی (۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء) | ابن حبان (۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء) | جاربروی (۷۴۶ھ/۱۳۴۵ء) |
| ابن نقاش (۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء) | علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء) | محمد بن محمد الرازی (۷۶۶ھ/۱۳۶۶ء) |
| محمود بن احمد قنوی (۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء) | امام زرکشی (۷۹۴ھ/۱۳۹۱ء) | |

نویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| احمد بن مسعود (۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء) | ابوزرعہ عراقی (۸۰۶ھ/۱۴۰۳ء) | فیروزآبادی (۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء) |
| گیسودراز (۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) | شیخ علی مہاتمی (۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء) | شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء) |
| ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) | علاءالدین سمرقندی (۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء) | جلال محلی (۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء) |
| ثعالبی (۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء) | امام بقاعی (۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء) | اخی زادہ (۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء) |
| مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) | | |

دسویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| حسین کاشفی (۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء) | جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) | شیخ زادہ (۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء) |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| امام ابوالسعود (۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء) | بدرالدین (۹۸۵ھ/۱۵۷۷ء) | زنجانی (۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء) |

گیارہویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| شیخ مبارک ناگوری (۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء) | ابوالفیض (۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء) | طاہر سندھی (۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء) |
| منورالدین لاہوری (۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء) | ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) | نظام الدین (۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء) |
| عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ/۱۶۱۷ء) | خفاجی (۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء) | معین الدین (۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء) |

بارہویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| امام زائدی (۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء) | رستم علی قنوجی (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) | ملا جیون (۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء) |
| امان اللہ بنارسی (۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء) | محمد عابد لاہوری (۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) | شاہ محمد غوث پشاوری (۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء) |
| شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۵۸ء) | | |

تیرہویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| سید علی بن ابراہیم (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء) | قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) | شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) |
| شاہ عبدالقادر (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) | محمد سعید مدراسی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) | نواب قطب الدین خان (۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) |
| محمد بن عبداللہ غزنوی (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) | | |

چودھویں صدی ہجری:

| | | |
|---|---|---|
| علامہ آلوسی (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) | نواب سید صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) | فتح محمد نائب (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| بارک اللہ | مفتی محمد عبدہ | شاہ عبدالحق (شیخ الدلائل) |
| (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) | (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) | (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء) |
| عبدالحق حقانی | محمود الحسن | اشرف علی تھانوی |
| (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) | (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) | (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) |
| مولانا احمد علی لاہوری | | |
| (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) | | |

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن

۲۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن

۳۔ مولانا مودودی کی خودنویشت یادداشتیں وثائق (شائع کردہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور) ص:۹۷

۴۔ عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی

۵۔ دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی

۶۔ عثمانی، شبیر احمد تفسیر عثمانی، ۱۔۶، امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن

۷۔ مولوی سید احمد حسن، احسن التفاسیر، (افضل المطابع دہلی ۱۳۲۴ھ)، ۱/۳۷۔

۸۔ ایضاً، ۴/۱۱۱۔ ۹۔ ایضاً، ۴/۱۴۵۔

۱۰۔ مولوی سید احمد حسن، احسن التفاسیر، ا(قبال پرنٹنگ ورکس دہلی)، ۱/۸۸۷۔

۱۱۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ثنائی، (ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، دہلی، ۱۹۷۹ء)، ص: ۲۔

۱۲۔ ایضاً ص: ۱۸۔ ۱۳۔ ایضاً، ۱/۳۴۔ ۱۴۔ ایضاً ص: ۴۶۔

۱۵۔ ایضاً۔ ص: ۳۔

۱۶۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص: ۴۰۳۔ ۴۰۴۔

۱۷۔ قاری محمد علی، قرآن مجید مع خلاصۃ التفاسیر (مطبع اثنا عشری دہلی، ۱۹۲۹ء)، ص: ۲۔

۱۸۔ قاری محمد علی، قرآن مجید مع خلاصۃ التفاسیر، ص: ۳۔

۱۹۔ ازہری، پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، (اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، نومبر ۱۹۸۹ء) ۱/۱۔

۲۰۔ ایضاً، ۱/۱۱۔ ۲۱۔ ایضاً، ۴/۲۳۲۔ ۲۲۔ ایضاً، ۱/۲۹۔

۲۳۔ ایضاً، ۱/۴۲۵۔ ۲۴۔ ایضاً، ۲/۴۰۵۔ ۲۵۔ ایضاً، ۴/۲۳۴۔۲۳۸۔

۲۶۔ ایضاً، ۳/۶۶۷۔ ۲۷۔ ایضاً، ۱/۲۳۔ ۲۸ ایضاً، ۲/۲۲۳۔

۲۹۔ مولانا محمد نعیم، تفسیر انوار القرآن، (مکتبہ انوار القرآن دیوبند، ۱۹۸۷ء) ۱/۱۔


Marfat.com

۳۰۔ ایضاً، ۵/۵۷۰-۵۸۱۔ ۳۱۔ ایضاً، ۱/۳۵۳-۳۵۴۔

۳۲۔ ایضاً، ۱/۱۱۔ ۳۳۔ ایضاً، ۱/۴۱-۴۲

۳۴۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحلیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص:۳۱۵۔

۳۵۔ مولانا اخلاق، بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ، (ادارہ رحمت عالم، دہلی) ص:۱۴۔

۳۶۔ اخبار العالم الاسلامی، ۲۳ مئی ۱۹۸۲ء، ص۲۳ (بحوالہ ایضاً ص۱۲)۔

۳۷۔ مولانا محمود الحسن، قرآن شریف مترجم، (مدینہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۷۸ء) ص:۷۔

۳۸ ایضاً ص:۶۔

۳۹ مولانا محمود الحسن، قرآن شریف مترجم، ص:۱۷۔

۴۰۔ مولانا محمود الحسن، قرآن شریف مترجم، ص:۱۰۵۔

۴۱۔ حافظ صلاح الدین یوسف، ترجمہ قرآن

۴۲۔ کیلانی عبدالرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن، (مکتبۃ السلام وسن پورہ، لاہور)، مقدمہ از عتیق الرحمٰن کیلانی ص:۳

۴۳۔ کیلانی، تیسیر القرآن، الضحیٰ (۹۳):۳-۵

۴۴۔ ایضاً، المومن (۴۰):۳۲ ۴۵۔ ایضاً، المزمل (۷۳):۱۰

۴۶۔ ایضاً، البقرہ (۲):۷۲ ۴۷۔ ایضاً، النمل (۲۷):۶۶

۴۸۔ ایضاً، البقرہ (۲):۹۱ ۴۹۔ ایضاً، القلم (۶۸):۱۶

۵۰۔ مصباح اللغات، (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص:۱۹۸

۵۱۔ کیلانی، تیسیر القرآن، یونس (۱۰):۳۵

۵۲۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، مترادفات القرآن، (مکتبہ الاسلام وسن پورہ لاہور، ۲۰۰۴ء) ص:۱۰۰۴

۵۳۔ کیلانی، تیسیر القرآن، الانبیاء (۲۱):۶۵

۵۴۔ ایضاً، لبقرہ (۲)۳ ۵۵۔ ایضاً، البقرہ (۲):۱۱۰

۵۶۔ ایضاً ص (۳۸):۱۶

۵۷۔ بھٹوی، عبدالسلام، ترجمہ قرآن مجید، مقدمہ، (دارالاندلس، لاہور، ۲۰۰۷ء)، ص:۱۷

۵۸۔ ق (۵۰):۳۷ ۵۹۔ الحجر (۱۵):۱۱

۶۰۔ الواقعہ (۵۶):۳۰


Marfat.com

**فصل سوم:**

# برصغیر (ہندو پاکستان) میں تفسیر کا ارتقا

برصغیر ہندو پاکستان میں اسلام، ان عرب تاجروں کی وجہ سے پھیلا جو یہاں تجارت کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی ریاست کی حدود بلادِ عرب سے بہت دور تک پھیل گئی تھیں اور یوں متعدد ممالک اور اقوام اسلامی ریاست کے زیرِ نگین آ گئے تھے۔ اموی حکمران ولید بن عبدالملک (۸۶ھ/ ۷۰۵ء سے ۹۶ھ/۷۱۳ء) کے دور میں سندھ باقاعدہ طور پر اسلامی ریاست کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ ۹۴ ہجری (۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا۔ ۹۹ ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہندو بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جس کے نتیجے میں نہ صرف وہ بادشاہ بلکہ دیگر بہت بڑے بڑے زمیندار بھی مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس برصغیر میں داخلے کی بناء پر عربی، فارسی زبانوں کا چلن عام ہوا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے دین کی تبلیغ واشاعت کا آغاز کیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں منصورہ (سندھ) کے حاکم نے ایک عالم کو سندھ بھیجا کہ وہ ہندو آبادی میں اسلام کی دعوت کا کام کریں۔ تاریخ میں یہ بھی آتا ہے کہ اس دور میں سورہ یٰسین کی تشریح پر مشتمل تفسیر بھی لکھی گئی۔ ذیل میں ہم ان مفسرین اور عربی زبان میں لکھی گئی ان کی تصنیف کردہ تفاسیر کی تفصیل درج کر رہے ہیں جو ۲۴۹ھ سے لے کر ۹۸۲ھ تک لکھی گئیں۔

## (الف) تیسری صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کے اہم مفسرین:

(۱) حافظ ابو محمد عبد بن حمید بن نصر (۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء):

عبد بن حمید، ایک محدث اور مفسر تھے۔ ان کا تعلق برصغیر کے اس حصے سے ہے جو اس وقت پاکستان کا حصہ ہے۔ ان کی تفسیر کا نام "تفسیر عبد بن حمید" ہے۔

(۲) شیخ محمد بن احمد تھانیسری (۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء):

ان کی تفسیر کا نام "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" ہے۔ یہ عربی زبان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیر ہے جو سورہ فاتحہ سے لے کر والناس تک مکمل ہے۔

(۳) سید محمد حسن گیسو دراز (۸۲۸ھ/۱۴۲۴ء):

ان کا اصل نام سید محمد حسن تھا، تاہم "گیسو دراز" کے نام سے معروف ہیں۔ وہ دہلی میں ۷۲۴ھ/۱۳۲۴ء

Marfat.com

میں پیدا ہوئے اور ۸۲۸ھ/۱۴۲۴ء میں وفات پائی۔ ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر ملتقاط'' ہے۔ انھوں نے ۱۰۵ سے زائد کتب لکھیں۔ انھیں عربی، فارسی اور قدیم اردو زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔

(۴) شیخ جلال الدین علی بن احمد المہامی (۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء):

ان کی پیدائش گجرات میں ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء میں اور وفات ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''تبصیر الرحمٰن وتفسیر المنان بعد مایشیر الی اعجاز القرآن'' ہے۔

(۵) حاجی عبدالوہاب بخاری: (۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء):

ان کی پیدائش ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء میں اور وفات ۹۸۲ھ/ ۱۵۲۶ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن'' ہے۔

(۶) حسن محمد بن میانجو:

ان کی پیدائش ۱۰۰۱ھ/۱۵۲۶ء میں اور وفات ۱۵۷۴ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر ''تفسیر محمدی'' کے نام سے موسوم ہے۔

## (ب) ۱۰۰۰ صدی ہجری سے ۱۱۳۰ صدی ہجری تک کے عربی تفاسیر کے مفسرین:

(۱) شیخ مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء):

ان کی تفسیر ۵ جلدوں میں ہے اور ''منبع عیون المعانی ومطلع الشمس المثانی'' کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو یہ تفسیر املا کروائی تھی۔

(۲) ابوالفیض (م ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء):

فیضی، شہنشاہ اکبر کا نورتن تھا۔ اگر چہ وہ بطور ایک فارسی شاعر معروف ہے لیکن اس نے ''سواطع الالہام'' نامی تفسیر بھی لکھی۔ اس تفسیر کا محیر العقول پہلو یہ ہے کہ عربی زبان میں لکھی گئی اور اس تفسیر میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا جس میں نقطہ ہو۔ (یہ تفسیر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک سادات خاندان کے ہاں ایک گاؤں میں ان کی لائبریری میں موجود ہے)۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی شاید پہلی اور آخری غیر منقوط تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اڑھائی سال کی مدت میں لکھی گئی۔

(۳) شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی (م ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء):

ان کی پیدائش ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں اور وفات ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''انور الاسرار فی حقائق القرآن'' ہے۔

(۴) شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب گجراتی:

یہ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں قاضی تھے اور اپنے وقت کے متبحر عالم دین تھے۔ ان کا تعلق حنفی مکتب

Marfat.com

فکر سے تھا۔ ان کی تفسیر کا نام ''زبدۃ التفسیر للقدماء المشاہیر'' ہے۔

(۵) ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء):

ان کی پیدائش ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۸ء میں ہوئی اور وہ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں فوت ہوئے، وہ اورنگزیب عالمگیر کے استاد تھے۔ ان کی تفسیر کا نام ''التفسیر الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیۃ'' ہے۔ یہ اہل علم کے نزدیک بہت مستند اور قابل وثوق تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے۔ مغل حکومت کے دور میں یہ مدارس عربیہ و دینیہ میں بطور نصاب شامل تھی۔

## (ج) ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء تا ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں عربی تفاسیر کے مفسرین:

(۱) ملا علی اصغر بن عبداللہ قنوجی:

ان کی پیدائش ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء میں قنوج میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''ثواقب التنزیل فی انارۃ التاویل'' ہے۔

(۲) شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء):

ان کی پیدائش ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں اور وفات ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء میں ہوئی۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تفسیر کا نام ''قرآن القرآن بالبیان'' ہے۔

(۳) امیر عبداللہ محمد بن قنوجی (م ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء):

ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر صغیر'' ہے۔

(۴) قاضی ثناء اللہ پانی پتی:

ان کی پیدائش ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں پانی پت میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی تعلیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل کی۔ ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر مظہری'' ہے جو ۱۰ جلدوں میں ہے اور جس میں احادیث کے بہت سے حوالے مستند کتب حدیث سے دیے گئے ہیں۔

(۵) نواب صدیق حسن خان قنوجی (۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء):

ان کی ولادت روہیل کھنڈ میں ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام'' ہے، جو شائع شدہ ہے۔

(۶) مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء):

ان کی پیدائش ۱۲۸۷ھ (۱۸۶۸ء) میں امرتسر میں ہوئی اور وفات ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن بالکلام الرحمٰن'' ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ۱۳۱ کتب قرآن و حدیث کے مختلف موضوعات پر لکھیں۔

Marfat.com

# برصغیر ہندو پاکستان میں اردو تفاسیر

## (الف) بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے اہم مفسرین اور ان کی تفاسیر:

(۱) شاہ مراد اللہ سنبھلی (م ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۰ء):

ان کی تفسیر کا نام "تفسیر مرادیہ" ہے۔

(۲) شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء):

فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن اور الزہراوین (تفسیر سورہ بقرہ وآل عمران)۔

(۳) شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء):

آپ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۳ء اور وفات ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء ہے۔ ان کی تفسیر کا نام "تفسیر فتح العزیز" ہے۔ نہایت مفصل تفسیر ہے۔ جس کی اکثر جلدیں ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں ضائع ہوگئی تھیں۔ اور اب صرف سورہ بقرہ اور پارہ عم کی تفسیر موجود ہے۔

(۴) شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء):

آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء اور وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں ہوئی۔ ان کا ترجمہ "تحت اللفظ" ہے۔

(۵) شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء):

آپ کی پیدائش ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء میں اور وفات ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء میں ہوئی۔ ان کی تفسیر/ترجمہ کا نام "موضح القرآن" ہے جو نہ صرف شائع شدہ ہے بلکہ آج بھی مقبول عام ہے۔ وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے ایک عظیم سپوت تھے۔ ان کا ترجمہ بامحاورہ ہے۔

(۶) شاہ رؤف احمد رافت نقشبندی (م ۱۲۵۹ھ/۱۸۳۳ء):

ان کی تفسیر کا نام "تفسیر روفی" ہے۔ جسے عام طور پر "تفسیر مجددی" بھی کہتے ہیں۔

(۷) نواب قطب الدین خان بہادر دہلوی: (م ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء):

وہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے، ان کی تفسیر ۲ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے جس کا نام "جامع التفاسیر"

Marfat.com

ہے۔انھوں نے حدیث کی شہرہ آفاق کتاب مشکوٰۃ کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جس کا نام ''مظاہر حق'' ہے۔

(۸) قاضی صبغت اللہ بدر الدولہ (م ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء):

ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر فیض الکریم'' ہے یہ معروف محقق اور اسلامی سکالر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے دادا ہیں۔

(۹) مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی:

ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر قادری'' ہے جو دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

## (ب) چودھویں صدی ہجری کے نصف دور اول میں اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین:

(۱) سر سید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء):

ان کی پیدائش ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں بمقام دہلی ہوئی۔انھوں نے ایک تفسیر ''تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان'' لکھی جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر ''تفسیر احمدی'' کے نام سے بھی معروف ہے۔اس تفسیر کو اہل علم کے ہاں بہت پذیرائی نہیں ہوئی کہ اس میں بہت سی ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ تفسیر قرآن کے علاوہ بھی انھوں نے بہت سی کتب لکھیں۔وہ علی گڑھ کالج کے بانی ہیں جس نے بعد میں علی گڑھ یونیورسٹی کی شکل اختیار کی۔ان کا انتقال ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں ہوا۔

(۲) مولوی ڈپٹی نذیر احمد (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء):

ان کی پیدائش ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام ''غرائب القرآن'' ہے۔

(۳) مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء):

آپ کی پیدائش ۱۲۶۷ھ/۱۸۴۱ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ان کی تفسیر کا نام ''فتح المنان'' یا ''تفسیر حقانی'' ہے۔ یہ تفسیر ۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ قرآنی علوم کے ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور اہل علم میں بہت مقبول ہے۔

(۴) مولانا سید امیر علی ملیح آبادی (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۲ء):

ان کی پیدائش ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۵۸ء اور انتقال ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۲ء میں ہوا۔ان کی تفسیر ''مواھب الرحمٰن'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۵) مولانا فتح محمد تائب لکھنوی:

انھوں نے خلاصہ التفسیر کے نام سے تفسیر قرآن لکھی جو چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

(۶) مولانا وحید الزمان:

ان کی تفسیر ''تفسیر وحیدی'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

(۷) مولانا محمد احتشام الدین مرادآبادی:
ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر اکسیر اعظم'' ہے۔

(۸) حکیم سید محمد حسن امروہی:
ان کی تفسیر کا نام ''ترجمہ و تفسیر غایت البرہان'' ہے۔

(۹) مولوی محمد ان شاء اللہ (م۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء):
ان کی تفسیر ''تفسیر فرقان حمید'' کے نام سے معروف ہے۔

## (ج) چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین:

(۱) مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی (م۱۳۶۹ھ/۱۹۴۰ء):
ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ہے۔ یہ دو تراجم پر مشتمل ہے جس میں سے ایک انگریزی میں ہے اور دوسرا اردو زبان میں۔ اس لحاظ سے اس کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے کہ یہ انگریزی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ ہے جو کسی مسلمان نے کیا ہے۔

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی:
آپ کی پیدائش ۱۲۸۰ھ/۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے ہے۔

(۳) مولانا شبیر احمد عثمانی (م۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء):
ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر عثمانی'' ہے۔

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء):
آپ کی پیدائش مکہ معظمہ میں ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں ہندوستان میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''ترجمان القرآن'' ہے جو مکمل نہ ہو سکی۔ وہ عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار ہستی تھے جنھوں نے متعدد کتب بھی لکھیں۔

(۵) مولانا احمد سعید دہلوی (م۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء):
ان کی تفسیر کا نام ''کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن'' ہے۔

(۶) مولانا عبدالوہاب خان (م۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء):
ان کی پیدائش رام پور میں ۱۸۹۱ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں ان کی تفسیر کا نام ''تقریب القرآن'' ہے۔

(۷) مولانا مفتی محمد شفیع (م۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء):
ان کی پیدائش ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء) میں ہوئی۔ ان کی تفسیر کا نام ''معارف القرآن'' ہے جو انگریزی،

Marfat.com

اردو دونوں زبانوں میں ۸ جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ان کا انتقال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں ہوا۔

(۸) مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء):

پیدائش ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء اور وفات ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ان کی تفسیر کا نام ''تفسیر ماجدی' ہے جس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع شدہ ہے۔

## (د) پندرھویں صدی ہجری میں اردو تفاسیر اور ان کے مفسرین:

(۱) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء):

ان کی پیدائش ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں اور وفات ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں ہوئی۔ انھوں نے'' معارف القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر لکھی۔

(۲) مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی:

انھوں نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''معالم القرآن'' ہے جو بارہ پاروں پر مشتمل ہے۔

(۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء):

آپ حیدرآباد دکن میں ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء) میں پیدا ہوئے۔ان کی تفسیر کا نام تفہیم القرآن ہے جو انگریزی اور اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ شدہ ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے متعدد جدید مسائل پر بہت تفصیل کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ان کا انتقال ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں ہوا۔

(۴) مولانا امین احسن اصلاحی (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء):

وہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ان کی تفسیر کا نام ''تدبر قرآن'' ہے جو ۹ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۵) پیر محمد کرم شاہ الازہری (م ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء):

۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں پیدائش اور ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔آپ کی تفسیر کا نام ''ضیاء القرآن'' ہے جو پانچ جلدوں میں انگریزی اور اردو میں شائع شدہ ہے۔

(۶) مولانا غلام رسول سعیدی:

ان کی پیدائش ۱۳۵۸ھ/(۱۹۳۷ء) میں دہلی میں ہوئی۔تفسیر کا نام ''تفسیر تبیان القرآن'' ہے۔

(۷) حافظ صلاح الدین یوسف:

ان کی تفسیر کا نام ''احسن البیان'' ہے۔

(۸) عبدالرحمٰن کیلانی:

ان کی تفسیر ''تیسیر القرآن'' ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

## باب ہفتم :

# مستشرقین اور مطالعہ قرآن

## فصل اول :

# قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات و جوابات

(واضح رہے کہ راقم الحروف نے سند و متن حدیث کی مناسبت سے مستشرقین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ اپنی کتاب ''علوم الحدیث*'' میں پیش کیا ہے اور سیرت پر مستشرقین کے تمام اعتراضات کا جائزہ اپنی کتاب ''اسوہ کامل*'' میں تفصیلاً درج کیا ہے) (قرآن مجید وحی متلو ہے اس لیے اس پر وحی ہونے کے لحاظ سے اعتراضات اور جوابات اس فصل میں بیان کیے گئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کا جو سلسلہ شروع فرمایا اس کی تکمیل قرآن مجید کے ذریعے فرمائی۔ نزول قرآن کریم سے لے کر آج تک یہ کتاب مسلم اور غیر مسلم دونوں کے زیر مطالعہ رہی۔ مسلمان علمائے تفسیر نے قرآن کریم کی ترویج کے لیے کام کیا۔ مسلمان علماء نے اس کتاب کی حقیقت اور اس کے احکام کو واضح کرنے کے لیے کافی کوششیں کیں۔ اس کتاب کی تمام قوموں میں مقبولیت اور اس کے مقاصد وہ نہیں تھے جو مسلم مفسرین مدنظر رکھتے تھے۔ غیر مسلمین کے بالعموم اور مستشرقین کے بالخصوص مطالعہ قرآن کے اہداف کچھ اور تھے اور ان کے اس موضوع پر موجود لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اقوام عالم کے سامنے قرآن کریم کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس کے بارے میں تذبذب بلکہ تنفر کا شکار ہو جائیں۔

مستشرقین نے قرآن کریم پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ کوئی نئے نہیں اس قسم کے اعتراضات اس وقت بھی کیے گئے تھے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، خود قرآن کریم نے ان اعتراضات کو جا بجا نقل کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیے ہیں۔ قرآن کریم پر کیے جانے والے مختلف اعتراضات میں سے چند درج ذیل ہیں۔

---

* یہ دونوں کتب نشریات الحمد مارکیٹ اردو بازار سے شائع ہو چکی ہیں۔

Marfat.com

① قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراض
② قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔
③ حفاظت قرآن کریم پر اعتراضات
④ کتابت قرآن کریم پر اعتراضات
⑤ قرآن کریم میں جدت کا فقدان
⑥ قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔
⑦ قرآن اور ''الکتاب'' کو دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دینا:
⑧ تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض
⑨ آسمان وزمین کے سات طبق پر اعتراض
⑩ قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض
⑪ قرآنی قصص اور تاریخی واقعات پر اعتراض

## (۱) قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراض:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور عیسائیت سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ وجود خداوندی کے بھی قائل ہیں، فلاح انسانی کے لیے آسمانی راہنمائی کی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ اگر وہ قرآن کریم کو خدا کا کلام مان لیں تو دین اسلام کی مخالفت کا ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کلام خداوندی مان لینے کے بعد ان کے لیے حضور ﷺ کی رسالت کے انکار کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس صورت میں انھیں قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے ان کی جن ملی کوتاہیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ انھیں ان کا الزام بھی اپنے سر لینا پڑتا ہے۔ قرآن کریم کو کلام اللہ مان لینے کے بعد انھیں یہودیت اور نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر غلامی مصطفیٰ کا تمغہ اپنے گلے میں لٹکانا پڑتا ہے۔

## (الف) قرآن کریم کو حضور ﷺ کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش:

جارج سیل ایک مشہور مستشرق ہے۔ اس کا ترجمہ قرآن مستشرقین کے لیے ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں قرآن حکیم کو حضور ﷺ کی تصنیف ثابت کرنے کے لیے اپنے تخیل اور قلم کاری کی ساری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔

''کلام میں لفاظی حاضرین کے ذہنوں پر جو زبردست اثر ڈالتی ہے محمد ﷺ اس سے بے خبر نہ تھے۔ یہی

Marfat.com

وجہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے ان نام نہاد الہامات میں اسلوب بیان کے اس وقار اور رفعت کو قائم رکھنے کے لیے اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کی ہیں۔ جو اس ذات کی شان کے شایان ہو جس کی طرف وہ ان کو منسوب کرتے ہیں اور اس اسلوب کو اختیار کیا ہے جو عہد نامہ قدیم کے پیغمبرانہ اسلوب سے ہم آہنگ ہو سکے۔ بلکہ انھوں نے فن بلاغت کے دیگر اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس میں وہ اس حد تک کامیاب ہوئے اور انھوں نے اپنے مخاطبین کے اذہان کو یوں گرویدہ کیا کہ ان کے کئی مخالفین نے اسے جادو اور سحر کا اثر قرار دیا۔''(۱)

یہی جارج سیل اپنی اس کتاب میں ایک اور جگہ لکھتا ہے:

"That Muhammad was really the author and chief contriever of the koran is beyond dispute, though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others, as his country men failed not to object to him. However they differed so much give him such assistance that they were not able, it seems to prove the charge, Muhammad it is to be presumed having taken his measures too well to be discovered."

''اس حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمد ﷺ ہیں اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں اس نے دوسرے لوگوں سے مدد لی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے۔ یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ محمد ﷺ نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔''

## (ب) منٹگمری واٹ کی رائے میں قرآن کریم انسانی ذہن کا اختراع ہے:

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (Mantgomery Watt) قرآن حکیم کو انسانی ذہن کے اختراع ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور ﷺ پورے خلوص اور دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن خلوص اور دیانتداری کے باوجود ان کا یہ خیال غلط تھا۔

''مسلمانوں کی روایت کے مطابق قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد ﷺ نے خود بھی یہی سمجھا ہوگا۔ مزید

Marfat.com

برآں یہ بھی ممکن ہے کہ محمد ﷺ یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور اس وحی میں تمیز کر سکتے ہیں جو خارج سے ان پر نازل ہوتی ہے۔ محمد ﷺ کو مخلص کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں ٹھیک راستے پر تھے۔ ممکن ہے ایک آدمی مخلص ہو لیکن اس کے باوجود غلطی پر ہو۔ انسان جن خیالات کو خارج سے آتا ہوا محسوس کرتا ہے ممکن ہے کہ خیالات دراصل اس کے اپنے شعور سے ابھرے ہوں۔"(۲)

## (ج) آرتھر جیفری اور قرآن:

آرتھر جیفری قرآن کریم کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"قرآن اسلامی صحیفہ ہے۔ اسے قرآن عظیم اور قرآن مجید وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے لیکن اسے Holy Quran یعنی قرآن مقدس نہیں کہا جاتا۔ کچھ جدید دور کے مغرب کے تعلیم یافتہ مسلمان Holy bible کے لقب کی نقل کر کے قرآن کو بھی Holy Quran یعنی قرآن مقدس کہتے ہیں۔ یہ کتاب محمد ﷺ کے بیس سالہ دور نبوت کے بیانات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ یہ بات اظہر ہے کہ محمد ﷺ ایک ایسی کتاب کی تیاری میں مصروف تھے جو مسلمانوں کے لیے وہی حیثیت رکھے جو یہودیوں کے لیے عہد نامہ قدیم اور عیسائیوں کے لیے عہد نامہ جدید کی ہے لیکن اس کتاب کی تکمیل سے پہلے وہ فوت ہو گئے اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جو ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے جمع کیا اور اسے محمد ﷺ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔"(۳)

## (د) قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں:

اسلامی تعلیمات پر یہودی اور نصرانی تعیمات کی چھاپ ظاہر کرنے کی کوشش میں منٹگمری واٹ رقمطراز ہے:

"قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعث بعد الموت اور یوم حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظام توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے۔"(۴)

یہ بات بیان کرنے کے بعد مستشرق مذکور سوچتا ہے کہ مکہ کا ایک امی جس نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا تھا۔ اس نے کس طریقے سے بائبل کی تعلیمات حاصل کر کے ان کی بنیاد پر قرآن حکیم جیسا علوم و معارف کا بحر ذخار تیار کر لیا وہ خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کئی مفروضے مقرر کرتا ہے کہتا ہے:

"اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد ﷺ یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور ان کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا

Marfat.com

یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل ممکن ہے مکہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم قبائل آباد تھے۔ لہٰذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اور محمد ﷺ کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جاسکتا ہے۔''(۵)

## ان اعتراضات کا جائزہ:

مستشرقین کی ان تحریروں سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ قرآن کریم کلام خداوندی نہیں لیکن پھر یہ کیا ہے اس کا مصدر کیا ہے اس سوال کے جوابات کے لیے انھوں نے ظن وتخمین کے جو گھوڑے دوڑائے ہیں ان کو دیکھ کر ان کی ذہنیت سامنے آتی ہے جس کی نشان دہی قرآن کریم نے کئی مقامات پر "ان ھم الا یظنون" ( یہ لوگ محض ظن اور گمان سے کام لے رہے ہیں) اور "ان ھم الا یخرصون" (نہیں یہ لوگ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین اپنی تحریروں میں جو دعویٰ کر رہے ہیں۔ اپنے اس دعوے کی تردید بھی خود کرتے ہیں۔ جارج سیل قرآن حکیم کو حضور ﷺ کے ذہن کی اختراع قرار دیتا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے بڑی مہارت سے اس کتاب کو ادب کے اس بلند مقام پر رکھا ہے کہ قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے کے دعویٰ کا انکار کرنے والا ہی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کلام خدا کے شایان شان نہیں اور ساتھ ہی جارج سیل یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس کتاب کی قوت تاثیر اتنی زبردست ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے عرب جو اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز کیا کرتے تھے۔ وہ اس کتاب کے اسلوب بیان کو سحر یا جادو کا اثر کہنے پر مجبور ہو گئے۔

جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ مکہ کے کفار نے بھی یہ شور مچایا تھا کہ محمد ﷺ یہ معلومات کسی اور آدمی سے لے رہے ہیں۔ لیکن ساتھ جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ محمد ﷺ کے مخالفین اپنے اس اعتراض کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

منٹگمری واٹ قرآن حکیم کا منبع ومصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑتا ہے۔ جو کسی ایک مقام پر چند لمحے رکتا ہے اور پھر کسی دوسری طرف چل نکلتا ہے وہ کبھی مکہ کی طبقاتی کشمکش کو قرآن کا منبع قرار دیتا ہے اور کبھی حضور ﷺ کے تخلیقی تخیل کو۔ کبھی وہ قرآن کریم کے ڈانڈے ان اہل کتاب کے ساتھ ملاتا ہے جو اطراف واکناف سے مختلف مقاصد کے تحت مکہ آتے تھے اور کبھی وہ مکہ کے دینی ماحول کو قرآن کا مصدر قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار جن بنیادوں پر مکہ کے بت پرستوں نے کیا تھا۔ یورپ کے اہل کتاب اور مستشرقین کا رویہ اس سے مختلف نہیں۔ جن لوگوں نے قرآن حکیم کو بشری الاصل قرار دینے کی کوشش کی

Marfat.com

اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض کیا۔ ان کے اس اعتراض اور اس کے جواب کو خالق کائنات اور منزل قرآن نے کس عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ﴾(٦)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انھیں تو یہ قرآن کریم ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں۔ عجمی ہے اور قرآن کریم فصیح وبلیغ عربی میں ہے۔''

قرآن میں اتنی قوت ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے زبان دان اس کی عظمت کا اعتراف کر چکے تھے۔ قرآن حکیم قریش مکہ کو ان کے اعتراض کے کھوکھلے پن سے آگاہ کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا عقل کے ناخن لو کیا یہ ممکن ہے کہ جس عربی کلام کی عظمتوں کو تمھارا ولید بن مغیرہ اور عبید بن ربیعہ جیسے زبان دان دشمنی کے باوجود سلام کرتے ہیں۔ وہ کلام کسی عجمی کی تعلیم سے وجود میں آیا ہو۔ قرآن حکیم نے کفار مکہ کو جواب دیا تھا وہ ہر دور کے منکرین کے سامنے بطور چیلنج پیش کیا جا سکتا ہے۔

مستشرقین کبھی بحیرہ راہب کو کبھی شام اور یمن سے مکہ سے تجارت کے لیے آنے والے عیسائیوں کو اور کبھی مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی کی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضور ﷺ کا معلم قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے جو بات کفار مکہ سے کہی تھی ہم وہی بات مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علوم جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ بحیرہ راہب کو حاصل تھے؟ کیا مکہ یا مدینہ میں مقیم یا باہر سے آنے والا کوئی اہل کتاب ان علوم سے بہرہ ور تھا جو قرآن کریم کی برکت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئے ہیں؟ اگر بحیرہ راہب یا دوسرے کوئی عیسائی یا یہودی اتنا بڑا عالم تھا تو اسے خفیہ طور پر حضور ﷺ کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے اور اس کی بنیاد پر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ کر اپنے نام کو زندہ جاوید کر لیتا۔(۷)

## (۲) کیا قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں؟

اکثر مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں ان کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو بائبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ حضور ﷺ کو کس نے سکھائی تھیں؟ کیا مستشرقین فرمائیں گے کہ وہ تعلیمات آپ ﷺ نے غیر مستند انجیلوں اور ان غلط روایات سے حاصل کی تھیں جو اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں ہم گزارش کریں گے کہ ان غیر مستند انجیلوں کے مصنف کون تھے؟ انجیل برناباس کو تو عیسائی مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان

Marfat.com

چھڑا لیتے ہیں ذرا یہ تو بتائیں کہ وہ انجیلیں جن سے حضور ﷺ نے استفادہ کیا تھا۔ ان کے مصنف کون تھے؟ مسلمان تو ان انجیلوں کے مصنف ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں۔

ہم مستشرقین سے یہ بھی استفسار کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے کے عرب یہودیوں اور عیسائیوں میں جو غلط مذہبی روایات مروج تھیں ان کو رواج دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام تو ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب کچھ طلوع اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔

اس تمام بحث سے یہی واحد نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ انجیلیں جنھیں جارج سیل وغیرہ مستند کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کے ایک طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کے عقائد تھے۔ جارج سیل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر نصرانیت کے قصر رفیع کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت کئی طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ طویل عرصہ ان میں باہم چپقلش رہی۔ ہر طبقے کی اپنی انجیلیں تھیں جو دوسری انجیلوں سے مختلف تھیں۔ آخر کار سینٹ پال کا طبقہ غالب آ گیا۔ ان کے عقائد کو رواج حاصل ہوا اور ان کے مقابلے میں دوسرے فرقے دب گئے۔ جو انجیلیں سینٹ پال کے عقائد کے مطابق تھیں ان کو مستند قرار دے دیا گیا اور باقی انجیلیں اس کے عقائد سے متصادم تھیں۔ انھیں غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے اور جو انجیلیں ضائع اور تلف کی گئی ہیں وہ بھی کبھی ساری دنیائے عیسائیت کی نظروں میں متفقہ طور پر غیر مستند نہ تھیں بلکہ وہ انجیلیں تورات کی تعلیمات کے مطابق تھیں اور جن لوگوں کا حضرت عیسیٰ کے ساتھ قریبی تعلق تھا ان کے عقائد انھی انجیلوں کے مطابق تھے۔

## قرآن کریم کا دعویٰ:

قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انبیائے سابقین پر نازل ہونیوالے صحائف اور کتب کی مخالفت اور تردید کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ ان کی تصدیق کرنے والا محافظ بن کر نازل ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ﴾ (۸)

"اور (اے محمد ﷺ) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ۔ تصدیق کرنیوالی ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتاب ہے اور یہ قرآن محافظ ہے اس پر۔"

اگر یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف نہ کی ہوتی تو آج قرآن، تورات اور انجیل میں تضاد نظر نہ آتا بلکہ یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں۔ کلیسا کی مسترد کردہ انجیلوں میں سے ایک انجیل برنباس آج بھی دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ اس کتاب میں بار بار محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے کمالات نشانات کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس انجیل کی تعلیمات مروج عیسائیت کی تعلیمات سے بالکل متصادم اور مختلف ہیں اور قرآن کریم کی

Marfat.com

تعلیمات کے قریب تر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے عیسائیت اس کتاب کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتی ہے کہ اس کتاب کو کسی مسلمان نے تصنیف کیا ہے۔ جن ہزاروں انجیلوں کو کلیسا نے تلف کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان میں یقیناً ایسی تعلیمات ہوں گی جو مروج عیسائیت کی تعلیمات سے متصادم تھیں۔ اسی وجہ سے ان کو غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کا حکم دیا گیا۔

## (۳) حفاظت قرآن پر اعتراضات اور ان کا جواب:

قرآن کریم قیامت تک اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف و ترمیم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾(۹)

''ہم نے یہی (الذکر) قرآن کریم نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم ہمارے پاس اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی تھی اور اس میں آج تک کسی ایک نقطے یا شوشے کا بھی فرق نہیں ہو سکا۔ یہ بات صرف مسلمانوں ہی کا عقیدہ نہیں بلکہ منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کی۔ لیکن جن نگاہوں پر بغض اور تعصب کا پردہ پڑ جائے تو ایک شفاف چشمہ بھی گدلا نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ بعض غیر مسلم مصنفین نے قرآن کریم کی حفاظت کے معاملہ میں بھی کچھ شبہات ظاہر کیے ہیں جن کی حقیقت اہم اختصار کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔

## (الف) نزول قرآن کے ابتدائی زمانہ کی کچھ آیات محفوظ نہیں رہیں:

مشہور مستشرق ایف بہل (Bhul) نے دعویٰ کیا ہے کہ عہد رسالت کے ابتدا میں قرآن کریم کی آیات لکھی نہیں جاتی تھی بلکہ ان کی حفاظت کا سارا دارومدار رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے حافظہ پر تھا۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہی نہیں ہے کہ ابتدائی زمانہ کی قرآنی آیات محفوظ رہی ہوں۔ اس دعوے کی دلیل میں بہل نے قرآن کریم کی دو آیتیں پیش کی ہیں۔ (۱۰)

① ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓۙ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى﴾ (۱۱)

''اور ہم آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ بھولیں گے نہیں مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔''

② ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾(۱۲)

''ہم جس آیت کو منسوخ کریں گے یا بھلا دیں گے ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔''

Marfat.com

یہ ایک لغو قسم کا اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم کی منسوخ آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم کی کچھ آیات لے کر نازل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں بھول جانے کے خوف سے بار بار دہراتے رہتے تھے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید تعب ہوتا تھا اور اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کی مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو بھول نہیں سکیں گے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ قرآن کریم کی بعض آیات تو بعد میں منسوخ ہونے کے سبب حافظہ سے محو ہوگئیں۔ اس کا جواب دینے کے لیے "الا ما شاء اللہ" (مگر جو اللہ چاہے) کے الفاظ بڑھا دیے گئے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی آیت کو منسوخ کرے گا تو صرف اسی وقت وہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ سے محو ہوسکے گی۔ اس کے بغیر نہیں اس طرح دوسری آیت میں بھی زیادہ سے زیادہ اتنا بیان کیا گیا ہے کہ بعض آیات منسوخ ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اذہان سے محو ہوجائیں گی۔

لہٰذا ان دونوں آیتوں سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض آیات کو جب اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا تو ان کی کتابت کو مٹانے کا حکم تو دیا ہی گیا مگر ساتھ ساتھ انھیں لوگوں کے حافظے سے بھی محو کردیا گیا ورنہ جہاں تک غیر منسوخ آیتوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں تو صراحتاً کہا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کبھی بھی نہیں بھول سکیں گے۔ اس سے یہ بات آخر کیسے نکل آئی کہ جو آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ ان کے فراموش ہوجانے کا بھی امکان ہے۔

وہاں ان آیتوں سے اس بات پر استدلال کہ اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن کریم لکھا نہیں جاتا تھا تو یہ ایک قطعی بے بنیاد اور لغو استدلال ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے قرآن کریم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لکھا ہوا ہونا مستند روایات سے ثابت ہے لہٰذا پہلی آیت میں صرف ''نسیان'' (بھول جانے) کے ذکر پر اکتفا کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اس وقت قرآن کریم مکتوب شکل میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر ہی صرف ''نسیان'' کا چل رہا ہے۔ اس لیے اس مقام پر لکھی ہوئی آیتوں کو مٹانے کا ذکر کیا جاتا تو قطعی بے موقع اور بے محل بات ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری آیت میں چونکہ ''نسخ'' ہی موضوع گفتگو ہے اس لیے اس میں ''نسخ'' کے لغوی معنی زائل کرنے اور مٹانے کے آتے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود تھا اور اس کی بعض آیتوں کو منسوخ ہونے کی بناء پر مٹایا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ آیت جو صراحۃً قرآن کریم کے مکتوب ہونے پر دلالت کررہی ہے۔ اس کو بھل قرآن کے غیر مکتوب ہونے کی تائید میں پیش کررہا ہے۔ (۱۳)

Marfat.com

## (ب) رسول اللہ ﷺ کبھی قرآنی آیت کو بھول جاتے:

مستشرق ڈی ایس مارگولیتھ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کی بناء قرآن کریم کی حفاظت مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔(۱۴) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

رحمه الله لقد اذكرني آية كنت انسيتها (١٥)

''اللہ ان پر رحم کرے، انھوں نے مجھے ایک ایسی آیت یاد دلا دی جو مجھ سے بھول گئی تھی۔''

## (ج) مارگولیتھ کے اعتراض کا تنقیدی جائزہ:

اس روایت کو ذکر کرنے سے مارگولیتھ کا مقصد یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ایک آیت کسی وقت بھول سکتے ہیں تو (معاذ اللہ) دوسری آیات میں بھی یہ امکان ہے اور یہ بھی ثابت کر رہا ہے کہ قرآن کریم لکھا ہوا نہیں تھا۔ ورنہ آپ ﷺ یہ آیت نہ بھولتے۔ لیکن یہ اعتراض اتنا کمزور ہے کہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسے درست تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مذکورہ بالا واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بسا اوقات ایک بات انسان کو یاد تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرصہ دراز تک اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ نہ اس کی طرف خیال جاتا ہے اس لیے وہ ذہن میں متحضر نہیں رہتی۔ اور جب کوئی شخص اس کا ذکر چھیڑتا ہے تو وہ فوراً حافظے میں تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت میں بھولی نہیں ہوتی۔ بلکہ عارضی طور پر خیال سے نکل جانا ہوتا ہے۔ یہی صورت رسول اللہ ﷺ کو پیش آئی۔ اس لیے ایسے واقعے کو بنیاد بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف نسیان کی نسبت کرنا انتہا درجے کی بے انصافی ہے۔ جس کا منشاء تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ مسٹر مارگولیتھ اگر بصیرت اور انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ اس واقعے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اس غیر معمولی طریقے سے فرمائی ہے کہ اس کے کسی حصے کے گم ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اور یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت اتنے بیشمار افراد کو یاد کرادی گئی تھی کہ اگر کوئی آیت کسی وقت اتفاقاً رسول اللہ ﷺ کو عارضی طور پر متحضر نہ رہی تب بھی اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

رہی یہ بات کہ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود نہیں تھا۔ یہ بات پہلی بات سے زیادہ بے بنیاد ہے ہم عرض کر چکے ہیں کہ واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک آیت رسول اللہ ﷺ کو عارضی طور پر متحضر نہیں رہی تھی۔ جو ایک صحابی کی تلاوت سے فوراً ذہن میں تازہ ہوگئی۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود نہیں تھا۔ کیا مستشرق موصوف یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ایک مرتبہ لکھ لی گئی وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ذہن سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ پھر دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ امی تھے۔ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کے قرآن کریم کو یاد رکھنے کا کتابت سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ لہٰذا مذکورہ واقعے

Marfat.com

سے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر استدلال وہی شخص کرسکتا ہے جس نے اپنے اوپر انصاف اور بصیرت کے سارے دروازے بند کر لیے ہوں۔

## (۴) کتابت قرآن کریم پر اعتراضات:

پروفیسر مارگولیتھ نے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر ایک عجیب وغریب استدلال یہ کیا ہے کہ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾(۱۶)

''اور اللہ تعالیٰ تم پر قرآن کریم میں یہ اتار چکا ہے کہ جب تم (کسی مجلس میں) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزاء ہوتا ہوا سنو تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔''

یہ آیت مدنی ہے اور اس میں سورہ انعام کی جس کی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾(۱۷)

''اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔''

پہلی آیت میں دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مارگولیتھ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی نہیں تھیں۔ ورنہ اگر قرآن کریم لکھا ہوا ہوتا تو پہلی آیت میں بعینہ وہی الفاظ ذکر کیے جاتے جو دوسری آیت میں مذکور ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے نزول کے وقت دوسری آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے تھے۔ (۱۸)

### (الف) اس اعتراض کا جائزہ:

مارگولیتھ کا یہ استدلال اس قدر سطحی اور لغو ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے معترض کی کم علمی وفکری پستی کلی طور پر عیاں ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سورہ نساء کے نزول کے وقت سورہ انعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے تھے تو پھر بعد میں وہ کیسے قرآن کریم میں لکھے گئے؟ اگر سورہ انعام کے الفاظ محفوظ نہ ہوتے تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں لکھنے والے سورہ انعام میں بھی بعینہ وہ الفاظ لکھتے جو سورہ نساء میں مذکور

Marfat.com

ہیں۔ان دونوں آیتوں کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیتوں کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل تھے اور ان میں کسی کے قیاس وگمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔کیونکہ اگر قرآن کریم کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوئی ہوتی تو ان دو آیتوں کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اصل میں جب کسی سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔بعض مرتبہ سابقہ گفتگو کے بعینہ الفاظ دہرا دیئے جاتے ہیں (جسے انگریزی میں Direct Narration) اور بعض اوقات الفاظ بعینہ وہی نہیں ہوتے صرف سابقہ گفتگو کے بنیادی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے جسے انگریزی میں Indirect Narration کہا جاتا ہے۔ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔یعنی ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جس سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جا رہا ہو اس کے پورے پورے الفاظ دہرائے جائیں۔اس کے بجائے ادبی محاورات میں زیادہ تر دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے۔یعنی اس گفتگو کے مفہوم کو دوسرے الفاظ میں ادا کر دیا جاتا ہے۔سورہ نساء میں بھی یہی دوسری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کی ہر صورت بسا اوقات اپنے جملوں کی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب رکھتی ہے۔لہٰذا اگر ایک سورت کے جملوں کے درمیان کسی دوسری سورت کا جملہ بعینہ جوڑ دیا جائے تو آیتوں کے تسلسل Sequence میں فرق پڑ جاتا ہے اور جملوں کی وہ روانی برقرار نہیں رہتی جس کی اثر انگیزی سب کے نزدیک مسلّم ہے۔چنانچہ جس شخص کو بھی ادبی ذوق کا کچھ حصہ ملا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر سورۃ نساء کی مذکورہ آیت میں سورہ انعام کے بعینہٖ الفاظ نقل کر دیئے جائیں تو عبارت کا زور اور تسلسل ٹوٹ جائے گا۔(۱۹)

اس کے علاوہ سورہ انعام جس کی مذکورہ آیت کے بارے میں مارگولیوتھ کا دعویٰ ہے کہ وہ لکھی ہوئی نہیں تھی پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوئی ہے اور اس میں یہ آیت بھی موجود ہے۔

﴿وَهَـٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾(۲۰)

''اور یہ قرآن بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جو بڑی برکت والی ہے اور اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔''

اس میں قرآن کے لیے لفظ ''کتاب'' استعمال کیا گیا ہے اگر سورہ انعام کے نزول کے وقت قرآن کریم کو لکھنے کا معمول نہیں تھا تو اسے ''کتاب'' کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

## (ب) حفاظت قرآن کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ پر مارگولیوتھ کا بہتان:

مارگولیوتھ نے قرآن کریم کی حفاظت پر ایک اور اعتراض ان الفاظ میں کیا ہے ''بخاری کا کہنا ہے کہ ایک جملہ "الا ان تصلوا ما بيني وبينكم من القرابة" (مگر یہ کہ تم اس رشتہ داری کا پاس کرو جو میرے اور تمھارے درمیان موجود ہے) بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔لیکن شراح کا کہنا ہے کہ یہ جملہ قرآن کریم میں نہیں ملتا

Marfat.com

اس لیے وہ اس جملے کو سورہ ۴۲ آیت ۲۲ یعنی الا المودۃ فی القربیٰ کی تشریح قرار دیتے ہیں۔(۲۱)

یہ ایک شرمناک بہتان ہے امام بخاری رحمہ اللہ پر جو کہ تعصب اور بددیانتی پر مبنی ہے، اس عبارت سے مارگولیوتھ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک ایسے جملے کو قرآن کریم کا جزو مانتے تھے، جو اس وقت قرآن میں موجود نہیں ہے، حالانکہ ہر شخص صحیح بخاری رحمہ اللہ اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کے الفاظ بعینہ وہی نقل کیے ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں اور الا ان تصلوا (الخ) والا جملہ اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے(۲۲)، امام بخاری کی پوری عبارت یہ ہے:

"باب قوله "الا المودة في القربى" حدثنا محمد بن بشار--- عن ابن عباس انه سئل عن قوله الا المودة في القربىٰ فقال سعيد بن جبيرؒ قربىٰ آل محمدﷺ فقال ابن عباسؓ عجلت، ان النبيﷺ لم يكن بطن من قريش الا كان له فيهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بيني و بينكم من القرابة" (۲۳)۔

ملاحظہ ہو! یہاں امام بخاری نے باب کے عنوان میں آیت کا وہی جملہ نقل کیا ہے، جو قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت "الا المودة في القربىٰ" کی تفسیر پوچھی گئی تھی جس کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا" الا ان تصلوا ما بيني وبينكم من القرابة" لیکن مارگولیوتھ صاحب پوری ڈھٹائی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس جملے کو بذریعہ وحی نازل شدہ مانتے ہیں اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحقیق اور انصاف کا یہ دعویدار قرآن کریم کے خلاف تعصب کے کسی دائمی روگ میں مبتلا ہے۔

## (ج) قرآن مجید کی کچھ آیتیں گم ہوگئی تھیں:

مارگولیوتھ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ آیتیں گم ہوگئی تھیں۔(۲۴)

یہاں مارگولیوتھ نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

"عن عائشة زوج النبيﷺ قالت لقد انزلت اٰية الرجم ورضعات الكبير عشرا فكانت في ورقة تحت سرير في بيتي فلما اشتكى رسول اللهﷺ تشا غلنا بامره ودخلت دويبة لنا فاكلتها" (۲۵)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رجم کی آیت اور بڑے آدمی کے دس رضعات کی آیت نازل ہوئی تھیں۔ یہ آیتیں میرے گھر میں ایک تخت کے نیچے کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مرض وفات کی) تکلیف شروع ہوئی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئے۔ ہمارا ایک

Marfat.com

پالتو جانور تھا وہ آیا اور اس نے وہ کاغذ کھالیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیتوں کا ذکر فرمایا ہے یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔ خود عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان آیتوں کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں۔ لہٰذا اگر انھوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن کریم کا جزو ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں۔ وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں۔ لیکن انھوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی۔ اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض بے جا اور لغو ہے اور اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

## (۵) قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے؟

مستشرقین نے قرآن کریم کے متعلق یہ تاثر عام کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی چیز نئی نہیں جارج سیل کہتا ہے مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو محمد ﷺ نے ابتدا میں متعارف کرائی ہو۔ بلکہ قرآن کریم میں جو کچھ ہے اس کو قدیم مصادر میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ (۲۶)

مستشرقین میں یہ جملہ عام طور پر مشہور ہے " قرآن میں جو کچھ جدید ہے وہ صحیح نہیں اور جو صحیح ہے وہ جدید نہیں" اصل میں مستشرقین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی جو تعلیمات یہود و نصاریٰ سے اخذ کی ہیں وہ تو ٹھیک ہیں لیکن جو باتیں آپ نے اپنی طرف سے پیش کی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

اس سلسلہ میں علماء نے مستشرقین سے استفسار کیا ہے کہ ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے کہ سچ وہی ہوتا ہے جو نیا ہو یا دین وہی سچا ہوتا ہے جو اپنے سے پہلے انسانی معاشرے میں موجود تمام عقائد، احکام، روایات اور معمولات کو یکسر ملیامیٹ کردے اور پھر ان کے کھنڈرات پر عمارت نو تعمیر کرے؟

اسلام نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے جو حقائق پیش کیے ہیں وہ اس سے پہلے کسی نبی یا رسول نے پیش نہیں کیے؟ اسلام کا تو یہ دعویٰ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی پیغام کے علمبردار بن کر تشریف لاتے رہے۔ قرآن تو بار بار اعلان فرماتا ہے کہ وہ پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق اور مہیمن ہے۔ ہم مستشرقین سے سوال کرتے ہیں کہ اگر انا جیل کی کوئی بات تورات کے مطابق نظر آئے تو کیا وہ اس بناء پر انجیل کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کردیں گے اور اسے تورات سے نقل شدہ کتاب قرار دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل میں اگر ایسی باتیں موجود ہوں جو سابقہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں تو اس سے انجیل کے کلام خداوندی ہونے پر کوئی حرف نہ آئے اور اگر قرآن حکیم کی کوئی بات سابق

Marfat.com

صحف سماوی میں بھی نظر آ جائے تو اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اس کو سابقہ کتابوں کی نقل قرار دیا جائے؟ عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کے لیے جو اصول وضع کرتے ہیں ان اصولوں سے وہ ان کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۲۷) یہ دوغلی پالیسی نہ علم ہے اور نہ تحقیق۔

## (۶) قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے:

مغرب نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو ہر میدان میں دل کھول کر استعمال کیا۔ اگر کتاب کائنات کے صفحے صفحے پر قدرت خداوندی کے ایسے نشانات ثبت ہونے کے باوجود جنھیں ہر عالم اور جاہل، ذہین اور غبی دیکھ رہا ہے۔ سائنسدان نظریہ ارتقاء کے ذریعے خدا کے وجود کا انکار کر سکتے ہیں تو مستشرقین اس نظریے کے ذریعے قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیوں نہیں کر سکتے۔

## (الف) نظریہ ارتقا کو قرآن کریم کے خلاف کس طرح استعمال کیا گیا؟

مستشرقین نے نظریہ ارتقاء کو اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے ظن وتخمین کے زور سے قرآن کریم کی ترتیب نزولی گھڑی، مسلمان علماء قرآن حکیم کی نزول دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مکی دور اور مدنی دور۔ جب کہ مستشرقین مکی دور کو پھر تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس خود ساختہ تقسیم کی رو سے وہ اس قسم کے مفروضے گھڑتے ہیں کہ آج اسلامی عقائد وعبادات کا جو مجموعہ ہمارے سامنے ہے یہ مرور زمانہ کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا اپنی موجودہ شکل میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ورنہ قرآن کریم کی ابتدا میں نازل ہونے والی سورتوں میں بت پرستی کی مخالفت نہیں کی گئی۔ ان کے خیال میں حضور ﷺ نے قرآن کریم میں لفظ اللہ کم استعمال کیا۔ اس کی جگہ کبھی ضمیر استعمال کی۔ کبھی ''ربک'' کا لفظ استعمال کیا اور کبھی ''الرحمٰن'' کا لفظ استعمال کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے تھی کہ ''اللہ'' کا لفظ کفار مکہ کے ہاں بھی استعمال ہوتا تھا اور آپ اپنے دین کے حوالے سے اس کو زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی نظریے کے مطابق وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکی قرآن حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل نہیں ہوئے کیونکہ مکی قرآن میں ان کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔ وہ تو صرف مدنی قرآن لے کر نازل ہوئے کیونکہ مدنی سورتوں میں ان کا نام مذکور ہے۔ یہاں پر چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن میں مستشرقین نے قرآن کریم کی نزولی تاریخ کو اسلام کے خلاف استعمال کیا اور کس طرح وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآنی پیغام میں وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق رد و بدل ہوتا رہا اور رسول اللہ ﷺ کو جب کسی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے اس مشکل سے نکلنے کے لیے پہلے نازل ہونے والی آیات کے برعکس ایک نئی آیت پیش کر دی۔

Marfat.com

## (ب) جارج سیل کا اعتراض:

جارج سیل کہتا ہے:

''اس کے علاوہ قرآن کی کئی آیات عارضی ہیں اور کسی مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو محمد ﷺ کو الجھاؤ یا پریشانی میں مبتلا کر دیتا اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتی تو محمد ﷺ ہمیشہ نئی وحی کا سہارا لیتے جو اس قسم کی صورت حال سے نکلنے کا قابل اعتماد اور معصوم ذریعہ تھا اور انھوں نے دیکھا کہ اس طریقہ کار کی کامیابی ان کی توقعات کے مطابق ہے۔ یقیناً یہ محمد ﷺ کا قابل تعریف اور سیاسی اختراع تھا کہ آپ سارے قرآن کو بیک وقت صرف پہلے آسمان تک لائے لیکن زمین پر نہیں لائے جیسے کہ کوئی ناتجربہ کار پیغمبر ضرور کرتا۔ کیونکہ اگر سارا قرآن بیک وقت نازل ہوتا تو بہت سارے اعتراضات پیدا ہوتے جن کا جواب محمد ﷺ کے لیے ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا۔ لیکن انھوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان پر قرآن مختصر حصوں میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت کے مناسب سمجھتا ہے۔ اس طرح ان کے لیے تمام ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مشکلات سے نکلنے کا بہترین ذریعہ موجود تھا۔'' (۲۸)

مستشرق مذکور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ قرآن کے بیک وقت نازل نہ ہونے کا مقصد یہ تھا کہ اس صورت میں قرآن کو ہنگامی حالات سے نکلنے کے لیے استعمال نہ کیا جا سکتا تھا۔

حیرت کی بات ہے کہ جارج سیل اور اس کے ہم نوا ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قرآن حکیم کا علم یہود اور نصاریٰ سے حاصل کیا تھا اور یہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب صورت حال تقاضا کرتی تو آپ خود قرآن کی آیات بنا لیتے اور کہتے کہ یہ آسمان سے وحی آئی ہے۔ جارج سیل صاحب ذرا بتائیں کہ جب اس قسم کی صورت حال پیش آتی تھی تو کیا رسول اللہ ﷺ اس کا حل پوچھنے کے لیے کسی ایسے آدمی کے پاس تشریف لے جاتے تھے جو سابقہ الہامی کتب کا عالم ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو سب لوگوں کو اس کا علم ہوتا اور آپ ﷺ پیش آمدہ مشکل سے نکلنے کے بجائے زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے تمام مشکلات کے جواب یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے لوگوں سے پوچھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے کہ جب ایسی صورت حال پیش آئے، مختلف مصادر سے حاصل ہونے والی ان معلومات کو کسی کتاب کی شکل میں اپنے پاس جمع کر رکھا تھا اور حسب ضرورت وہاں سے آیت نکال کر لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ لیکن مستشرقین تو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے قرآن کتابی شکل میں موجود ہی نہیں تھا۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کتاب کی شکل میں قرآن حکیم کی موجودگی کا تصور کیسے کر سکتے ہیں اور قاری یہ بھی سمجھ لیں کہ جارج سیل نے ان آیات کی نشاندہی نہیں کی جن کو وہ عارضی اور وقتی ضرورتوں کا جواب قرار دیتے ہیں۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ مستشرقین کے یہ سارے وسوسے جھوٹے ہیں اور

Marfat.com

قرآن کریم کا یہ ارشاد سچا ہے۔

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾ (۲۹)

''بلکہ انھوں نے جھٹلایا اس چیز کو جسے وہ پوری طرح نہ جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام۔ اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انھوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ پھر دیکھ کیسا انجام ہوا ظالموں کا۔''

منٹگمری واٹ نے اپنے مخصوص انداز میں دوست بن کر اسلام پر حملہ کیا ہے۔ وہ آغاز وحی پر بحث کرتے ہوئے ان احادیث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن میں بتلایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آغاز وحی کے وقت سچے خواب دکھائی دیتے تھے۔ پھر اس نے حضور ﷺ کے جبریل امین کو دیکھنے کا ذکر کیا۔ پھر اس نے سورہ نجم اور سورہ تکویر کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا جن میں رؤیت کا ذکر ہے۔ پھر یہ مستشرق ان تمام آیات اور احادیث کے مفہوم کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اس کی دلیل یہ دیتا ہے کہ " فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ " (۳۰) میں عبد کا ذکر ہے اور یہ عبد جبرائیل کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ وہی ہو سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا جبرائیل کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے اکثر مفسرین بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں۔

بظاہر یہ مستشرق مسلمانوں کا بڑا ہمدرد نظر آ رہا ہے اور یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے لیے رؤیت باری ثابت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ ثابت یہ کر رہا ہے کہ نزول وحی کے سلسلے میں حضور ﷺ نے اپنی احادیث طیبہ میں جہاں جبرائیل کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے وہاں درحقیقت آپ ﷺ نے جبرائیل کو نہیں بلکہ خدا کو دیکھا تھا۔ ساتھ ہی وہ حضور ﷺ پر یہ بے بنیاد الزام بھی لگاتا ہے کہ آپ ابتدا میں یہی سمجھتے رہے کہ آپ خدا کو دیکھتے ہیں لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہودی رؤیت باری تعالیٰ کو ناممکن سمجھتے ہیں اور خود قرآن بھی کہتا ہے " لا تدرکه الابصار" (نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں) تو آپ نے اپنا موقف بدل لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ ﷺ نے خدا کو نہیں جبریل کو دیکھا تھا۔ منٹگمری واٹ کے الفاظ یہ ہیں۔

" Muhammad at least for a time believed he had seen the supreme deity and presumbly still believed this when sura 53 was revealed. Later, especially when he learnt that jews and christians held that God cannot be seen. He came to think that the vision had been not of God but of an angel in 6-103 it is asserted that sight reaches him (God) not. " (31)

Marfat.com

''محمد ﷺ کو کم از کم کچھ عرصہ یہ یقین رہا کہ انھوں نے اللہ کو دیکھا اور شاید ان کا یہ اعتقاد اس وقت تک قائم تھا جب سورہ نمبر ۵۳ (نجم) نازل ہوئی۔ بعد میں خصوصاً جب ان کو معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں تو انھوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ انھوں نے خدا کو نہیں بلکہ جبرائیل کو دیکھا تھا۔ سورہ نمبر ۶ کی آیت ۱۰۳ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نظریں اسے گھیر نہیں سکتیں۔''

مستشرق مذکور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مکی دور میں وحی حضرت جبریل امین کے ذریعے نہیں آتی تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ براہ راست اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کرتے تھے۔ مستشرق مذکور یہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ مفروضہ ثابت ہونے کے بعد مسلمانوں کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ سارا قرآن کریم جبرائیل امین کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے قلب پر اترا تھا۔ اس دعویٰ کے بطلان کے ساتھ رویت خداوندی کو محال ثابت کر کے وحی کے ساتھ سلسلے کو ہی نا قابل اعتبار ثابت کیا جا سکتا ہے۔ (۳۲)

جن احادیث طیبہ میں وحی لانے والے فرشتے جبرائیل کو دیکھنے کا ذکر ہے وہاں حضور ﷺ نے ہمیشہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ نے فرشتے کو دیکھا ہے خدا کو دیکھنا کسی روایت میں موجود نہیں اور یہ منٹگمری واٹ نے محض اپنے تخیل کے زور پر ایک مفروضہ گھڑا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

جہاں تک سورہ نجم کی آیات میں رویت کا تعلق ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا جبرائیل علیہ السلام کو یہ اختلاف بعد کے مفسرین میں پیدا نہیں ہوا بلکہ صحابہ کرام کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف تھا۔ اگر حضور ﷺ سورہ نجم نازل ہونے کے بعد تک یہ فرماتے رہے ہوتے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ جیسے کہ منٹگمری واٹ کہہ رہا ہے اور طویل عرصہ بعد یہ اعلان کرتے کہ نہیں میں نے جبریل کو دیکھا تھا تو اس کے ردعمل کے طور پر مسلمانوں کا آپس میں اجتہادی اختلاف ظاہر نہ ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں ایمان کا جو پودا لہلہا رہا تھا وہ جڑوں سے اکھڑ جاتا اور وہ بھی حضور ﷺ کے بارے میں وہی کچھ سوچنے لگتے جو منٹگمری واٹ سوچ رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ''واٹ'' صاحب نے سارے قرآن کریم کو امعان نظر سے دیکھا اور اس حقیقت کو دریافت کیا کہ جبریل کا لفظ ان سورتوں میں نہیں جو مکہ میں نازل ہیں۔ لیکن کیا اس نے یہ آیت کریمہ نہیں دیکھی۔

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ (۳۳)

''یہ قرآن ایک معزز قاصد کا لایا ہوا قول ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار وہاں کا امین ہے۔''

Marfat.com

اور کیا یہ آیت کریمہ منٹگمری واٹ صاحب کی نظر سے نہیں گزری:
﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾(۳۳)
''فرمایئے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔''
یا کیا منٹگمری واٹ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔
﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِيْنُ٥عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِيْنَ﴾(۳۴)
''اتارا ہے اسے روح الامین (یعنی جبریل) نے آپ کے قلب پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔''

سورہ تکویر، سورۃ النحل اور سورۃ الشعراء تینوں مکی سورتیں ہیں۔ ان سورتوں میں وحی لانے والے کو الرسول الکریم روح القدس اور روح الامین کہا گیا ہے اور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام حضرت جبریل امین کے القاب ہیں۔

## (ج) شرک کی نفی اور توحید کی اثبات اسلام کی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے:

شرک کی نفی اور توحید کا پرچار اسلام کا پہلا شعار ہے قرآن کریم شرک کی نفی اور توحید کے اعلانات سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن مستشرقین نے قرآن کریم کی ترتیب نزولی خود گھڑ رکھی ہے۔ اس کے پیش نظر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی ابتدا میں نازل ہونے والی آیات میں نہ تو خدا کے واحد ہونے کا تصور موجود ہے اور نہ ہی ان میں بت پرستی کی کہیں مخالف کی گئی ہے۔ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی تو ایسے تصورات ہیں جو اسلام نے اس وقت اپنائے جب وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر کمال تک پہنچ چکا تھا۔

مسٹر واٹ اسلام کے آغاز کے متعلق اپنے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''ہمارا اسلام کے بارے میں پہلے قائم کردہ تصور یہ ہے کہ خدا کی قدرت اور رحمت و رافت کے تصور کو نزول قرآن کی ابتدا ہی سے اہم حیثیت حاصل رہی ہے لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ تصور اسلام کے اس متاخر اور ترقی یافتہ اصول سے تشکیل پذیر ہوا ہے کہ اللہ ایک ہے اور بت کچھ بھی نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں محمد ﷺ کا ابتدائی پیغام بت پرستی کے خلاف نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلام کے مخاطب وہ لوگ تھے جس کے ہاں خدا کا مبہم سا تصور پہلے سے موجود تھا۔''(۳۵)
منٹگمری واٹ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی کتاب ''محمد ایٹ مکہ'' میں لکھتے ہیں: ''مزید برآں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن کی پہلے نازل ہونے والی آیات میں اس بات پر بالکل زور نہیں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ ممکن ہے کہ محمد ﷺ کا عقیدہ بھی کسی حد تک وہی ہو جو ان ہم عصروں کا تھا اور اللہ تعالیٰ بڑا خدا ہے۔ جس کے سامنے دوسری چیزیں شفاعت کر سکتی ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ محمد ﷺ اس قسم کی چیزوں کو چھوٹے خدا سمجھتے

Marfat.com

ہوں لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ ان چیزوں کو فرشتے سمجھتے ہوں۔ایک بڑی عجیب چیز جس کا یہاں ذکر مناسب ہوگا وہ یہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی آیات میں اللہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوا ہے۔اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ محمد ﷺ کے دینی تجربے میں مرکزی حیثیت ان خوابوں کو حاصل تھی جن کا ذکر سورہ نمبر ۵۳ (سورۃ النجم) میں ہے جن کے مطابق انھوں نے جس ذات کو دیکھا تھا وہ ''رب'' کی ذات تھی ''اللہ'' کی ذات نہیں تھی۔جس کا تصور عام مکہ والوں کے ذہنوں میں تھا۔مشرکین کا اللہ کا تسلیم کرنا موحدوں کے لیے مسائل پیدا کرسکتا تھا۔البتہ آہستہ آہستہ محمد ﷺ کو یقین ہوگیا کہ ''رب'' جس کا انھوں نے مشاہدہ کیا ہے۔وہ وہی اللہ ہے جس پر عیسائی یہود اور دوسرے ایمان رکھتے ہیں اور جو خدائے یکتا ہے۔(۳۶)

منٹگمری واٹ ''رب'' اور ''اللہ'' کو دو علیحدہ علیحدہ ذاتیں قرار دینے کے وسوسے کو فلسفیانہ انداز میں آگے بڑھاتا ہے اور کہتا ہے: ''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس اصولی بات کے بیان کے اصل الفاظ میں لفظ ''اللہ'' کے استعمال سے گریز کا رجحان نظر آتا ہے " متاخر کلمه شهادت " میں جو ترکیب استعمال ہوتی ہے (یعنی لا اله الا الله) وہ پورے قرآن میں صرف دو مرتبہ استعمال ہوئی ہے جبکہ اس کے برعکس " لا اله الا هو " کی ترکیب قرآن میں تیس مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔گویہ بات مسلم ہے کہ یہ ترکیب جن مقامات پر استعمال ہوئی ان مقامات میں سے اکثر کی ابتدا میں ''اللہ'' کا لفظ بھی موجود ہے یعنی " الله لا اله الا هو " کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔''(۳۷)

ایک اور حیران کن حقیقت جس کا ''اللہ'' کے لفظ کے استعمال سے گریز کے ساتھ گہرا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ''رحمٰن'' کا لفظ ''اللہ'' کے لفظ کی جگہ لے رہا تھا۔تسمیہ کے علاوہ ''الرحمٰن'' کا لفظ قرآن میں پچاس مرتبہ استعمال ہوا ہے جو'' مستشرق بلاشیر'' کی ترتیب سور کے مطابق مکی دور کے دوسرے حصے سے تعلق رکھتی ہیں۔کیا یہ رجحان ان مشکلات کا نتیجہ ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے ''اللہ'' کا نام استعمال کرنے سے پیدا ہورہی تھیں۔(۳۸)

## (د) اس اعتراض کا جائزہ:

منٹگمری واٹ یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے کہ خالق کائنات کا نام ''اللہ'' عربوں میں طلوع اسلام سے پہلے متعارف تھا لیکن ان کے ہاں توحید کا تصور نہ تھا۔عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بے شمار خدا ہیں جن میں سے ''اللہ'' سب سے بڑا ہے۔اسلام چونکہ توحید کا دین تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ اپنے دین توحید میں خدائے واحد کے لیے وہ نام استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے جو نام مشرکانہ ماحول میں متعارف تھا۔اس لیے آپ نے ''اللہ'' کی جگہ کبھی " ربك "، " ربكم " کبھی " ربه " اور کبھی " ربهم " وغیرہ استعمال کیے اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب ''اللہ'' کی جگہ ''الرحمٰن'' کا لفظ استعمال ہونے لگا۔اس ساری دسیسہ کاری کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ یہ محمد ﷺ کے ذہن کی اختراع ہے اور وہ اس اختراع میں اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوئے۔

Marfat.com

یہ مستشرقین کا کمال ہے کہ انھوں نے ایک ایسی کتاب جس کا مرکزی مضمون توحید اور نفی شرک ہے۔ اپنے تخیل کے زور سے توحید سے بے نیاز اور بت پرستی کے قریب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے قرآن حکیم کی ان بے شمار آیتوں کو نظر انداز کر دیا جو توحید کا اعلان اور بت پرستی اور شرک کا قلع قمع کر رہی ہیں انھیں ابتدائی قرآن میں نہ بتوں کی مخالفت نظر آتی ہے نہ انھیں وہاں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کا استعمال نظر آتا ہے۔ ''رب'' اور ''رحمٰن'' کے الفاظ کا استعمال انھیں کھٹکتا ہے اور انھیں ان الفاظ کے استعمال کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ حضور ﷺ بعض مشکلات کے پیش نظر لفظ ''اللہ'' کا عام استعمال خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔

منٹگمری واٹ کو ''رب'' اور ''الرحمٰن'' کے الفاظ کا استعمال بھی مشتبہ نظر آرہا ہے اور وہ ان الفاظ کے استعمال کو بھی لفظ ''اللہ'' کے استعمال سے بچنے کا وسیلہ قرار دے دیتے ہیں۔ اگر واٹ صاحب نے اپنی تحقیق کی بنیاد قرآن حکیم کو ہی بنایا ہوتا تو یقیناً انھیں قرآن کریم میں یہ آیات کریمات ضرور نظر آتیں:

﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (۳۹)۔

''اللہ (وہ ہے) کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لیے خوبصورت نام ہیں۔'' اور

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۴۰)

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے، سو پکارو اسے ان ناموں سے اور چھوڑ دو انھیں جو کج روی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ انھیں سزا دی جائیگی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

منٹگمری واٹ سے پہلے بھی ایک دشمن اسلام تھا جس کا نام ابوجہل تھا اس نے بھی ''اللہ'' اور ''الرحمٰن'' کو علیحدہ علیحدہ ذاتیں قرار دیا تھا۔ اس نے حضور ﷺ کے ''یا اللہ'' اور ''یا الرحمٰن'' کا ورد کرنے پر اعتراض کیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (۴۱)

''آپ فرمایئے! ''یا اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''یا رحمٰن'' کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں۔''

منٹگمری واٹ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے جو مکی ہے۔ ابوجہل نے بھی حضور ﷺ کو مکہ ہی میں ''یا اللہ'' اور ''یا رحمٰن'' کا ورد کرتے سنا ہوگا کیونکہ اسے مدینہ میں حضور ﷺ کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ جب ایک مکی سورۃ میں اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہا ہے کہ اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے جس کے ساتھ بھی اسے پکارو وہی صحیح ہے تو مکی دور کی اس آیت کے بعد انھیں اللہ، الرحمٰن، رب وغیرہ اسمائے حسنیٰ میں یہ فرق کیوں نظر آتا ہے؟ اگر منٹگمری واٹ کا مدعا تحقیق حق ہوتا تو یقیناً قرآن کریم کی یہ وضاحت اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتی۔ لیکن واٹ صاحب اور دیگر مستشرقین کا مقصد کچھ اور ہے اور جواب پوشیدہ نہیں رہا۔

Marfat.com

## (۷) قرآن اور ''الکتاب'' کو دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دینا:

منٹگمری واٹ قرآن اور ''الکتاب'' کو بھی علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دیتے ہیں اور رچرڈ بیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنی دعوت کے ابتدائی سالوں میں اپنے الہامات کو قرآن کی شکل میں ترتیب دینے کے متعلق سوچا تھا لیکن مدینہ میں قیام کے آخری سالوں میں انھوں نے ایک کتاب مرتب کرنے کے متعلق سوچا جیسے وہ اپنی قوم کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے واٹ صاحب لکھتے ہیں:

" One thing that is clear, however is that in his closing years at Medina Muhammad had moved far beyond thinking that his function was to be only a warner and now regarded it as including the production of the book which was to be the scripture of his community"(42)

''البتہ ایک بات واضح ہے کہ مدینہ میں اپنے آخری سالوں میں محمد ﷺ اپنے آپ کو صرف ''نذیر'' سمجھنے سے بہت آگے نکل گئے تھے اور اب وہ ایک ''الکتاب'' کی تیاری بھی اپنا فرض سمجھتے تھے جو ان کی امت کا صحیفہ قرار پا سکے۔''

پھر یہ لکھتا ہے کہ اپنی دعوت کی ابتدا میں صرف پانچ تصورات رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھے۔

① خدا کی قدرت اور رحمت
② قیامت کی جواب دہی کا تصور
③ شکر خدا اور عبادت کا تصور
④ راہ خدا میں انفاق
⑤ اور لوگوں کو ڈرانا۔

اس کے بعد لکھتا ہے:

" The other aspects of his vocation do not come into the earliest passages"(43)

''آپ کے منصب کے دیگر پہلوؤں کا ذکر قرآن کی ابتدائی سورتوں میں نہیں ملتا۔''

اور پھر آگے بڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی قرآن خدائی عبادت اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب کے علاوہ مہذب انسانی رویہ کے باقی اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ افسوس! دو پہر کے وقت نصف النہار پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب کی روشنی کو کس ڈھٹائی سے انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

" There is nothing about respect for life property, Parents and

Marfat.com

marriage or the avoiding of false witness". (44)

"قرآن کی ابتدائی سورتوں میں جان و مال کے احترام، والدین کے ادب، شادی اور جھوٹی گواہی دینے سے بچنے کے متعلق کچھ بھی نہیں ہے۔"

نماز پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے لیکن مستشرقین نماز کو حضور ﷺ کے بعد کی اختراع قرار دیتے ہیں۔

## اس اعتراض کا جائزہ:

مستشرقین حضرات کا انداز تحقیق نرالا ہے۔ وہ اسلامی تاریخ، قرآن اور حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کو تاریخ کی ایک کتاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اناجیل اربعہ میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی مذکور ہیں تو وہ قرآن کریم میں بھی وہی رنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن سوچتے نہیں کہ اناجیل اربعہ میں تاریخ کے سوا کچھ نہیں جبکہ قرآن کریم علوم و معارف کا ایک بحر بے کنار ہے۔ جس طرح زمانہ قدیم (قرون وسطیٰ) میں مستشرقین یا مغربی مصنفین تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) محمد ﷺ کی تصنیف اور آپ ﷺ (معاذ اللہ) دعوئے نبوت میں خود ساختہ تھے۔ دور حاضر کے مستشرقین کا رویہ ان سے مختلف نہیں۔ تبدیلی صرف اور صرف منہج اور الفاظ میں آتی ہے نتیجہ میں نہیں۔ مثلاً منٹگمری واٹ لکھتے ہیں: "قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہ تصور عام کیا گیا تھا محمد ﷺ ایک (معاذ اللہ) جھوٹے پیغمبر تھے۔ جو غلط طور پر دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ لیکن قرون وسطیٰ کے یہ تصورات جو دراصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اتر رہے ہیں۔" (۴۵)

پروفیسر منٹگمری واٹ نے بالکل درست کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ اس پروپیگنڈے کا ایک جزو تھا۔ جسے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ضروری سمجھا جا رہا تھا۔ انھوں نے خاصی تفصیل کے ساتھ ان قدیم اہل یورپ کی تردید کی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر معاذ اللہ جھوٹا دعویٰ جنون یا کسی بیماری کا الزام عائد کرتے تھے اور بتایا ہے کہ عہد حاضر کے مغربی اسکالر روشن دلائل کی وجہ سے الزامات کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

"لہٰذا محمد ﷺ کے بارے میں قرون وسطیٰ کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دے دینا چاہیے اور محمد ﷺ کو ایک ایسا انسان سمجھنا چاہیے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے وہ پیغامات سناتے تھے۔ جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ان کے پاس خدا کی طرف سے آتے ہیں۔" (۴۶)

اس اعتراف کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاف الفاظ میں سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار کر لیا جاتا۔ یا کم از کم رسول اللہ ﷺ پر بہتان طرازیاں بند کر دیتے اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے، لیکن

Marfat.com

صدیوں سے ذہنوں میں جمے ہوئے تصورات آسانی سے نہیں مٹتے۔ چنانچہ منٹگمری واٹ اور ان کی طرح کے عہد حاضر کے دوسرے مستشرقین ایک طرف تو یہ اعتراف کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے دعوئے نبوت میں مخلص تھے۔ دوسری طرف اپنے مذہب کو علی الاعلان چھوڑ کر اسلام کو اختیار کر لینا ان کے لیے مشکل ہے۔ لہٰذا انھوں نے بیچ کی راہ تلاش کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کی یہ توجیہہ پیش کی کہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی درحقیقت کوئی خارجی چیز نہیں۔ بلکہ (معاذ اللہ) یہ ایک اندرونی کیفیت تھی جو آپ ﷺ کے طویل غور و فکر اور مشاہدات کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔

## (۸) تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض:

تخلیق آدم علیہ السلام اور ان کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کر دینے کا واقعہ قرآن میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔ (۴۷) نیز احادیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ (۴۸) اس بارے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ تمام قصہ مارسیون Marcion کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ (۴۹)

اس طرح عرش، لوح محفوظ اور میزان کا عقیدہ ایمانیات میں داخل ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ۲۳ بار عرش کا ذکر آیا ہے۔ اس طرح مذکورہ دونوں چیزوں کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ مستشرقین نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سب قدیم مصری خرافات سے لی گئی ہیں اور یہی عقیدہ ان مسیحی خیالات کے ذریعے پہنچا ہے جو صحیفہ ابراہیمی میں درج ہے اور جو مصر میں پشتہا پشت سے رائج تھے۔ (۵۰)

غرض یہ کہ مستشرقین نے جملہ اسلامی عقائد پر اعتراضات کے تیر چلائے ہیں اور ان کو دوسری قوموں سے ماخوذ بتائے ہیں مثلاً واقعہ معراج کے بارے میں مستشرق ٹسڈل نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے ایجاد کی گئی تھی کہ محمد ﷺ کو بمقابلہ دیگر انبیاء کے خدا کے دربار میں بہت زیادہ رسائی حاصل تھی اور دیگر انبیاء کے مقابلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ محبوب تھے۔ (۵۱) اسی طرح فرشتوں، اعراف جہنم کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ سب دوسری قوموں کی روایتوں اور قصے کہانیوں سے لی گئی ہیں۔ (۵۲)

عرش، کرسی، تخلیق آدم، لوح محفوظ، فرشتے اور جنت و جہنم یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر ایمان لایا جا سکتا ہے ان کا مشاہدہ اس دنیا میں کرایا جا سکتا ہے نہ قرآن سے بڑھ کر ان کی حقانیت کی دلیل پیش کی جا سکتی ہے:

﴿فمن شاء فليومن ومن شاء فليكفر﴾

''پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔''

جہاں تک ان کا یہودی ذرائع سے ماخوذ ہونے کی بات ہے تو یہودی قوم میں آئے ہوئے نبیوں نے بھی ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ان کی روایتوں میں محفوظ ہیں یہ تو قرآن کی حقانیت کی مزید دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

﴿وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلاَئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُواْ لِيُؤْمِنُواْ إِلاَّ أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ (۵۳)

''اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کردیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کردیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے اور یہ کہ مشیت الٰہی یہی ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ نادان اور جاہل ہیں۔''

## (۹) آسمان وزمین کے سات طبق پر اعتراض:

قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے کہ آسمان وزمین کے سات طبق ہیں۔

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدَهِ وَلَـكِن لاَّ تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيماً غَفُوراً﴾(۵٤)

''ساتوں آسمانوں اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اس کی تسبیح کررہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾(۵۵)

''دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے۔''

سورۃ الطلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾(۵٦)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔''

احادیث نبویہ میں بھی زمین اور آسمانوں کے طبق در طبق ہونے کا تذکرہ آیا ہے۔(۵۷)۔ علماء اسلام کے نزدیک ان کی تفصیلات کا علم نہیں لیکن آسمان اور زمین کا سات طبق ہونا جزو عقیدہ ہے۔

مستشرقین نے ان تفصیلات کو یہودی روایات سے ماخوذ بتایا ہے۔ ڈاکٹر ٹسڈل لکھتے ہیں کہ:

''یہ امر قابل توجہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک بھی سطح زمین کے نیچے ہفت طبقات سفلی اور زمین کے اوپر ہفت طبقات علوی ہیں اور یہ سب طبقات ایک عظیم الجسامت سانپ کے سر پر قائم ہیں۔ جس کا نام شیش ناگ ہے۔''(۵۸)

Marfat.com

## اس اعتراض کا جائزہ:

ہم یہاں اس اعتراض کا جواب محمد جرجیس کریمی کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:
''آسمان وزمین کے سات طبق ہیں یہ قرآن کریم کا بیان ہے اس کا مطلب ہے کہ کائنات لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جدید فلکیاتی سائنس بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ کائنات کی وسعتیں لامحدود ہیں (لامحدود کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی حد پیائش کے اعتبار سے لامحدود ہیں ورنہ حقیقتاً کائنات لامحدود نہیں) ایک فلکیاتی سائنس دان، ایم مل مین پیٹر M. Milman Peter. لکھتے ہیں کہ اگر بڑی سے بڑی دوربین سے دیکھا جائے تو آسمان پر نظر آنے والے تاروں سے بھی زیادہ گیلکسیاں (کہکشائیں) نظر آئیں گے۔ مونتی ولسن، کیلفورنیا کی رصدگاہ میں نصب شدہ دوسوانچ کی دوربین سے تقریباً ایک ارب کہکشائیں وقت واحد میں ۳ کے بعد ۲۲ صفر میل کے فاصلے کے اندر دکھائی دیتی ہیں۔ جدھر بھی آپ دوربین کو موڑیں یہی حال ہوگا۔''
ان گیلکسیوں کا احاطہ بھی کچھ معمولی نہیں ان کے قطر دس ہزار نوری سال (نوری سال سے مراد روشنی کی رفتار ہے جو کہ فی سیکنڈ تین لاکھ ۸۷ ہزار کلومیٹر ہے) یا ۴ کے بعد ۱۶ صفر میل سے لے کر ایک لاکھ نوری سال یا چار کے بعد ۱۷ صفر میل ہے۔ دو گیلکسیوں کے درمیان فاصلہ بھی ہزاروں لاکھوں نوری سالوں کا ہوتا ہے۔
تاروں کے مجموعے اور دخانی مادوں کو گلیکسی کہا جاتا ہے۔ ایک گلیکسی میں منجملہ ایک کھرب یعنی ایک کے بعد گیارہ صفر سے بھی زائد تارے ہوتے ہیں۔ ان کا مجموعی مادہ تقریباً ایک کھرب سورجوں کے مادہ کے برابر ہے ہمارا سورج زمین سے چار لاکھ گنا بڑا ہے اور زمین کو اگر مٹی کا ڈھیر سمجھ لیا جائے اور روزانہ پانچ ارب انسان فی کس ایک ٹن مٹی دوسری جگہ منتقل کرنے لگیں تو تین ارب سال لگیں گے۔ جب گلیکسیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف دھوؤں اور تاروں کا ڈھیر ہی نہیں بلکہ ان میں رفتار بھی ہے جو لاکھوں سے لے کر کروڑوں کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے فضائے بسیط میں دوڑ رہی ہیں۔

ان ساری باتوں سے کائنات کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جب کہ قرآن کے مطابق یہ دنیاوی آسمان کے نیچے کی وسعت کا حال ہے جبکہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان اور دوسرے سے تیسرے آسمان تک علی ہذا القیاس ساتوں آسمانوں کے درمیان اتنی ہی دوریاں ہیں جتنی کہ زمین سے پہلے آسمان کی دوری نظر آتی ہے۔
سائنس اور سائنس دان کو جب یہ بات تسلیم ہے کہ کائنات لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کا آخری کنارا کہاں ہے اس کا علم اس کے پاس نہیں ہے تو سات آسمانوں کے قرآنی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ جہاں تک ہندوؤں میں ہفت طبقات سفلی اور علوی کا سوال ہے تو اس کی توضیح وتشریح ہندومت

Marfat.com

کے پیروکاروں سے پوچھی جاسکتی ہے کہ یہ ایک عظیم الجسامت سانپ (شیش ناگ) کے سر پر یہ طبقات قائم ہیں یا یہ کرہ ارض فضائے بسیط میں مانند اور سیاروں کے گردش کر رہی ہے۔(۵۹)

## (۱۰) قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض:

قرآن کریم اپنے اسلوب، ترکیب اور نظم عبارت میں فصاحت و بلاغت کے درجہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔ بعض مستشرقین نے قرآن میں فصاحت و بلاغت کی خود ساختہ کمیاں و خامیاں دکھا کر اس کو غیر خدائی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بکثرت تکرار ہے جو کہ بلاغت کے منافی ہے۔ بعض عبارتوں میں ضمائر کی غلطیاں ہیں۔ مثلاً: " ھذان خصمان اختصموا فی ربھم " میں ھذان خصمان اختصما فی ربھما ہونا چاہیے اسی طرح " سلام علی الیاسین " اور " طور سینین " کی جگہ " سلام علیٰ الیاس " اور " طور سینا " ہونا چاہیے غرض یہ کہ اس طرح کی اور بھی بہت سی خامیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے جیسے صرف ونحو کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بہت سی صرفی ونحوی غلطیاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر " وقطعناھم اثنتی عشرۃ اسباطا " میں عدد کو مونث اور معدود کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ از روئے قاعدہ عدد کو مذکر اور معدود کو مفرد لایا جاتا۔(۶۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں بلاشبہ تکرار ہے لیکن اس کی حکمت ہدایت سے بے نور اور محروم دل و دماغ میں نہیں آسکتی اس لیے اس کا بیان کرنا لاحاصل ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کی بعض عبارتوں یا آیات میں ضمائر کی غلطیوں کا سوال ہے تو وہ غلطیاں نہیں بلکہ مستشرقین کی عربی قواعد وضوابط سے ناواقفیت کی دلیل ہیں مثال کے طور پر " ھذان خصمان اختصموا فی ربھم " میں جو جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان ہوا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ "اختصام" میں جماعت کے امکان کا فائدہ باقی رہے۔ دوسری صورت میں یہ افادیت جاتی رہتی ہے جبکہ اس صورت میں بھی ذہن خود بخود تثنیہ حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ عربی قاعدہ کے مطابق ہے کہ ضمیر کا مرجع خواہ لفظاً بیان کیا جائے خواہ معنیً دونوں اعتبار سے صحیح ہے۔

اسی طرح الیاس اور طور سینا یہ دونوں اسم معرب ہیں اور ان کا دونوں صورتوں میں تلفظ جائز ہے۔

اسی طرح " وقطعنا ھم اثنتی عشرۃ اسباطا " میں اثنتی عشرہ کی تمیز اسباطا نہیں وہ مفہوم ہے جو " قطعناھم " کے اندر پایا جاتا ہے اور وہ " وقطعناھم اثنتی عشرہ " قطعۃً ہے۔ پس عدد بھی مونث ہے اور معدود بھی پھر تعارض کہاں رہا۔(۶۱)

## (۱۱) قرآنی قصص اور تاریخی واقعات پر اعتراض:

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے اقوام کے قصص بیان ہوئے ہیں ان کی صداقت اور واقعیت

Marfat.com

پر ایمان ضروری ہے جیسے کہ قرآن کریم کی دوسرے تفصیلات پر ایمان ضروری ہے ان واقعات اور تاریخی حقائق کے بارے مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ سب از خود گھڑ لیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ اخذ و استفادہ کا بھی الزام لگایا گیا ہے۔ کہ قرآن کے زیادہ تر قصے قدیم اقوام سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے واقعہ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہودی سنی سنائی روایتوں سے ماخوذ ہیں۔ (۶۲)

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کے واقعہ کے بارے میں مستشرقین نے لکھا کہ "قرآن میں یہ قصہ مسلسل طور پر ایک جگہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے منتشر اجزاء اور اس کی کڑیاں ملا کر ایک مفصل قصہ تیار کرلیا ہے جو اصلاً مرداش ربہ Mirdash Rabba سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح ملکہ سبا اور سلیمان، ہاروت ماروت، مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ سارے قصے یہودیوں کی پرانی کتابوں یا بائیبل کے نسخوں سے ماخوذ ہیں۔ (۶۳)

## اس اعتراض کا جائزہ:

قرآن کریم میں بلاشبہ قصص و تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ان کو من گھڑت قرار دینا اور ان کی صحت و واقعیت سے انکار کرنا دانشمندی نہیں گمراہی اور بدقسمتی ہے اور گویا یہ بات ایسی ہے کہ آدمی اپنے ماقبل انسانی تاریخ کی حقیقتوں اور واقعات سے انکار کردے۔ بائبل اور ماقبل صحیفوں میں بھی ان میں سے بعض واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن ان کی صحت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کتابوں میں تحریف اور اضافہ معلوم و مسلم ہے۔ ان واقعات کو صحیح رنگ اور پوری صحت کے ساتھ کوئی کتاب پیش کرتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔ اب ان کے بارے میں قرآن کریم کی صحت پر شبہ کرنا انسان کی بدقسمتی کی سب سے بڑی مثال ہوگی۔

بائبل وغیرہ میں بزرگ انبیاء کے واقعات مسخ شدہ حالات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے انبیائی کردار کو داغ داغ تو کیا ہی گیا ہے انسانی کردار بھی بھیانک صورت میں نظر آتا ہے۔ (متعلقہ قصوں کا قرآن اور بائبل سے موازنہ کیا جاسکتا ہے) جب کہ قرآن میں ان بزرگ پیغمبروں اور ہستیوں کی زندگیوں کو انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا ہے اس کے باوجود ان کو بائبل وغیرہ سے ماخوذ ماننا انصاف کی بات نہیں ہے۔ (۶۴)

Marfat.com

# حوالہ جات


1. Sale G: "The Koran" (New York, 1890) , page:48.

۲۔ منٹگمری واٹ، ''محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۱ء) ص: ۱۷۔

3. Arthur Jeffery "Islam, Muhammad and His Religion" (India, 1979), page 47.

۴۔ منٹگمری واٹ، ''محمد، پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، ص: ۱۷۔

۵۔ ایضاً۔ ۶۔ النحل (۱۶) ۱۰۳۔

۷۔ ازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور) ۳۷۱/۶۔

۸۔ المائدہ (۵) ۴۸۔ ۹۔ النحل (۱۶) ۹۔

10. F. Buhl, Encyclopaedia of Islam,3/1067.

۱۱۔ الاعلیٰ (۸۷) ۶، ۷۔ ۱۲۔ البقرہ (۲) ۱۰۶۔

۱۳۔ عثمانی، تقی، علوم القرآن (مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۲۰۱۴ء) ص: ۲۱۴۔

14. Margoliouth D.S., Encyclopaedia of Religion and ethics, 10 /543.

۱۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، ۲۰۰۰ء) رقم الحدیث: ۲۶۰۰۔

۱۶۔ النساء (۴) ۱۴۰۔ ۱۷۔ الانعام (۶) ۶۸۔

18. Margoliouth D.S., Encyclopaedia of Religion and Ethics,10/542.

۱۹۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، ص: ۲۱۸۔

۲۰۔ ابن کثیر، ابوالفداء، عماد الدین اسماعیل، تفسیر ابن کثیر، (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ۱۲۲/۲۔

۲۱۔ الانعام (۶) ۹۲۔

22. Margoliouth D.S., Encyclopaedia of Reglion and Ethics,10/543.

۲۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۱۰۵۷۔

24. Margoliouth D.S., Encyclopaedia of Reglion and Ethics,10/543.

۲۵۔ احمد بن حنبل، المسند، (دار صادر، بیروت) ۲۶۹/۶۔

26. Sale, G،The Koran, Page:49.

۲۷۔ ازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، ۳۸۶/۲۔

28. Sale, G., The Koran, Page:50


Marfat.com

۲۹۔ یونس(۱۰):۳۹۔ ۳۰۔ النجم(۵۳):۱۰۔

31. W. Montgomery Watt،Muhammad at Macca, Page: 56

۳۲۔ ازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی،۶/۳۹۳۔ ۳۳۔ التکویر(۸۱):۱۹،۲۱۔

۳۴۔ النحل(۱۶):۱۰۲،الشعراء(۲۶):۱۹۳،۱۹۴۔

۳۵۔ منٹگمری واٹ، محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین ص۲۰۔

36. W. Montgomery Watt، Muhammat at Macca, page:87.

37. Ibid page: 93

۳۸۔ ازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی،۶/۴۰۲۔ ۳۹۔ طٰہٰ(۲۰):۸۔

۴۰۔ الاعراف(۷):۱۸۰۔ ۴۱۔ بنی اسرائیل(۱۷):۱۱۰۔

42. W. Montgomery Watt، Muhammad at Mecca, page:80

43. Ibid page: 82 44. ibid page:33

45. Watt, Bell's Interoduction to the Quran, Ch:2, page 17

46. Ibid, page: 18

۴۷۔ الحجر(۱۵):۳۲،۴۰،الاعراف(۷):۱۱،۱۲۔

۴۸۔ خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، باب فی الوسوسہ۔ بحوالہ المسلم، الجامع الصحیح

۴۹۔ ڈاکٹر ٹسڈل، مآخذ قرآن (اردو ترجمہ ماہنامہ نگار، لکھنو، قرآن نمبر، جنوری ۱۹۴۵ء) ص:۸۴۔

۵۰۔ ایضاً۔ ۵۱۔ ایضاً۔

۵۲۔ محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین (ادارہ خدمت خلق (بہار) انڈیا، ۱۹۹۹ء) ص:۲۵۔

۵۳۔ الانعام(۶)۱۱۱۔ ۵۴۔ بنی اسرائیل(۱۷)۴۴۔

۵۵۔ المومنون(۲۳)۸۶۔ :۵۶ الطلاق(۶۵)۱۲۔

۵۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۳۱۹۵

۵۸۔ ڈاکٹر ٹسڈل، ماخذ قرآن، ص:۵۱-۵۳۔

۵۹۔ محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ص:۶۳-۶۴۔

۶۰۔ زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام، بحث الاستعمار والقرآن

۶۱۔ محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ص:۶۹۔

۶۲۔ ایضاً۔ ۶۳۔ ڈاکٹر ٹسڈل، ماخذ القرآن، ص:۵۱-۵۳۔

۶۴۔ محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ص:۶۶۔

Marfat.com

**فصل دوم:**

# علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۱)

مستشرقین نے علوم القرآن پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انھوں نے مختلف نوعیتوں اور جہتوں سے علوم القرآن پر اعتراضات کیے ہیں۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علوم القرآن کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر ان کے اوچھے اعتراضات نہ ہوں۔ مستشرقین کی ذہنیت کو سمجھنے کے لیے ہم کچھ اعتراضات بطور نمونہ بیان کر رہے ہیں۔

① عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد پر اعتراض اور اس کا جواب۔
② جمع قرآن کریم پر اعتراضات اور ان کے جوابات
③ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں کتابت قرآن کریم کی روایت پر اعتراض اور اس کا جواب
④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتابت قرآن کریم پر اعتراض اور اس کا جواب
⑤ قرآن کریم کی مختلف قراءتوں پر اعتراضات اور ان کے جوابات
⑥ مختلف قراءتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی کو پڑھنے کی بناء پر پیدا ہوئیں۔
⑦ معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات اور ان کے جوابات

ذیل میں ہم مستشرقین کے ان اعتراضات کا تنقیدی اور علمی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

## (۱) عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد پر اعتراض:

بعض مستشرقین حفاظت قرآن اور اس کے تواتر سے متعلق یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی روایت جو کہ صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"سالت انس بن مالكؓ من جمع القرآن علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم قال اربعة کلهم من الانصار، ابی بن کعبؓ و معاذ بن جبلؓ و زید بن ثابتؓ و ابو زیدؓ" (۱)

"میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کس نے

Marfat.com

جمع کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا چار افراد نے جن میں سے ہر ایک انصار میں سے تھا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ۔"

اس روایت سے بعض مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کریم کے حفاظ بس یہی چار مذکورہ حضرات ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت میں ان چار حضرات کے سوا کوئی اور قرآن کریم کا حافظ نہیں تھا، بلکہ مذکورہ بالا حدیث میں قرآن کریم کو جمع کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا صحیح مفہوم قرآن کریم کو لکھنا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ چار حضرات وہ ہیں جن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں قرآن کریم پورا پورا لکھا ہوا موجود تھا۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی ایک روایت کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا پورا قصہ یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں باہمی مفاخرت کا سلسلہ چلا، قبیلہ اوس کے حضرات نے اپنے قبیلے کے ان افراد کا نام شمار کرائے جنھیں اسلام میں خصوصی مقام حاصل ہوا، اس کے جواب میں قبیلہ خزرج کے حضرات (جن میں انس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے) یہ فرمایا کہ ہم میں سے چار حضرات ایسے ہیں جنھوں نے پورا قرآن کریم جمع کیا تھا، لہٰذا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں قرآن کریم کو جمع کرنے والے چار حضرات تھے۔ (۲)

## (۲) جمع قرآن کریم پر اعتراضات:

### الف: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا یا نہیں؟

مستشرقین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ چونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لغت قریش کے مطابق قرآن کریم کے نسخے تیار کروا کر مختلف علاقوں میں بھیجنے کی جو کوششیں ہوئیں، اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تحریر نہیں ہوا بلکہ اس کو بعد میں آپ کے جانشینوں نے تحریر کیا، یہاں پر ہم مستشرقین کے اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ ذکر کریں گے کہ جو قرآن کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا وہ محفوظ نہیں رہا بلکہ انسانی ہاتھوں نے اس میں ترامیم اور اضافے کر دیئے ہیں اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کتابی شکل میں موجود نہیں تھا۔

### ب: مستشرقین کے اعتراضات:

"بلاشیر" قرآن کریم کی حفاظت مشکوک بنانے کے لیے کہتا ہے:

Marfat.com

''وحی کی تدوین کا خیال محمد ﷺ کو مدینہ طیبہ میں مقیم ہونے کے بعد پیدا ہوا، نیز قرآن کریم کی تدوین جزوی تھی اور اس کا انحصار انفرادی کوششوں پر تھا جس کی وجہ سے اختلافات کا رونما ہونا قدرتی بات تھی۔'' (۳)

اس طرح آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) غلط تاثر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

" It is clear that he had been preparing a book for his community which would be for them what the old testment was for the Jews and the New Testment for the cristians, but he died before his book was ready, and what we have in the Quran is what his followers were able to gather after his death and issue as the corpus of his a revelations" (4)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنی امت کے لیے ایک کتاب تیار کر رہے تھے جس کی آپ کی امت کے نزدیک وہی حیثیت ہوگی جو یہودیوں کے نزدیک عہد نامہ قدیم کی اور عیسائیوں کے نزدیک عہد نامہ جدید کی ہے، لیکن کتاب کی تکمیل سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جس کو آپ کے پیروکار آپ کے انتقال کے بعد جمع کرنے میں کامیاب ہوئے اور انھیں آپ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔''

ایچ اے آر گب (H.A.R Gibb) نے بھی یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ تالیف قرآن کا کام حضور ﷺ کے زمانے میں مکمل نہیں ہوا، وہ لکھتا ہے:

"It seems possible that the work of compilation was begun in his life time, but it was completed only some years after his death"(5)

''یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ تالیف قرآن کا کام آپ کی زندگی میں شروع ہو گیا تھا، لیکن اس کی تکمیل آپ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہوئی۔''

## علمی وتنقیدی جائزہ:

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو قرآن کریم نازل ہوا وہ حرف بحرف محفوظ ہے اور آج قرآن کریم اسی طرح پڑھا جا رہا ہے جس طرح حضور ﷺ کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے زمانے میں کسی کلام کو محفوظ کرنے کے دو ذریعے تھے ایک حفظ فی الصدور اور دوسرا حفظ فی السطور، دوسرے طریقے کے لیے پتھر، کھجور کے درختوں کے پتے، ہڈیاں یا چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ حضور ﷺ

Marfat.com

نے قرآن کریم کی حفاظت کے لیے یہ دونوں طریقے بھرپور انداز میں استعمال کیے، ابتدا میں حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا جب جبرائیل علیہ السلام ایک چند آیتیں لے کر حضور ﷺ کے پاس تشریف لاتے تو رسول اللہ ﷺ جبرائیل امین علیہ السلام کی تلاوت کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی سے قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ آپ پر جو وحی نازل ہو رہی ہے وہ حفظ ہو جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو، اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء ہی سے رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کو محفوظ کرنے کے بارے کتنے سنجیدہ تھے اور اس عمل پر قرآن بھی شاہد ہے اور اس میں مستشرقین کے اس مفروضے کی تردید بھی ہے کہ تدوین قرآن اور حفاظت قرآن کا خیال رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کے بعد آیا تھا، ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً﴾ (٦)

''اور نہ عجلت کیجئے قرآن کریم کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف وحی اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔''

یہ حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ حفاظت قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا، پھر آیات اور سورتوں کے توقیفی ہونے کے سلسلہ میں ڈاکٹر شبلی لکھتے ہیں۔

" وكان جبريل كلما نزل بشيء ارشد الرسول الى مكانه ليقرأ القرآن مرتبا كما اراده الله وكما هو مدون فى اللوح المحفوظ لا كترتيبه حسب النزول ولهذا كان الرسول كلما نزلت عليه الآية أو لآيت يقول ضعوها فى السورة التى يذكر فيها كذا بين آية كذا وآية كذا" (٧)۔

''حضرت جبرائیل امین علیہ السلام جب بھی کچھ وحی لے کر نازل ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی بتاتے کہ ان آیات کی جگہ کون سی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت اس ترتیب سے کریں جو ارادہ خداوندی کے مطابق ہے اور جس ترتیب سے قرآن کریم لوح محفوظ میں مدون ہے نہ کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی کے مطابق۔''

اس کے بعد حضور ﷺ جبرائیل امین کے قرات ختم کرنے کا انتظار فرماتے پھر آپ اسی طرح خود پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھا ہوتا، جبرائیل علیہ السلام کے واپس چلے جانے کے بعد آپ نازل شدہ قرآن کریم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سناتے جو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو وہ ترتیل کے ساتھ پڑھتے پھر آپ کچھ کاتبین وحی کو طلب فرماتے تاکہ وہ نازل شدہ آیات کو لکھ لیں، اسی طرح جب قرآن کریم نازل ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے یاد کرتے اور انھیں لکھنے کے کام آنے والی جو بھی چیز مثلاً کھجور کے درخت کے پتے، پتھر کی سلیں، شانوں کی ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے جو بھی میسر آئے اس پر انھیں لکھ لیتے، پھر یہ مکتوب حضور ﷺ کے

Marfat.com

کاشانہ اقدس میں رکھ دیا جاتا۔ یہ کام اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ قرآن کریم مکمل طور پر نازل ہوا اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جبریل امین علیہ السلام سے وحی قبول کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا اور فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام کے قراءت سے فارغ ہونے تک آپ انتظار کریں۔

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ o إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ o فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ o ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (۸)

''اے محمد ﷺ آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تا کہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا، پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسے پڑھنے کا پھر ہمارے ذمے ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔''

اس ہدایت ربانی کے بعد حضور ﷺ اس کے مطابق وحی کو حضرت جبریل امین علیہ السلام سے قبول فرماتے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شلبی لکھتے ہیں:

"ثم ان جبريل كان ينزل فى ليالى رمضان من كل عام لعرض ما نزل من القرآن فكان يقرا اوّلا و رسول اللهﷺ يقرء كما قرء بترتيبه الىٰ ان كان العام الاخير الذى توفى فيه رسول اللهﷺفعرضه مرتين وبعد ذلك يقرء رسول اللهﷺعلى اصحابه حسبما عرضه جبريل ولم ينتقل رسول الله الى الرفيق الاعلىٰ۔ الا والقرآن كله محفوظ مرتب الآيات فى صدور اصحابه ومكتوب كله فى الصحف فى بيته غير انه لم يكن مجموعا فى مصحف واحد" (۹)

''پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام ہر سال رمضان کی راتوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نازل شدہ قرآن کریم کا دور کرنے کے لیے نازل ہوتے پہلے حضرت جبرائیل امین پڑھتے پھر حضور ﷺ اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے حضرت جبرائیل نے پڑھا ہوتا، یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس میں حضور ﷺ نے دارفانی سے کوچ فرمایا، اس سال جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ سے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کو اسی طرح پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل امین نے آپ ﷺ کے سامنے پڑھا تھا جب حضور ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس چلے گئے تو قرآن کریم مکمل طور پر محفوظ ہو چکا تھا یہ کلام پاک آیات الہامی ترتیب کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس کے تمام اجزاء صحف کی شکل میں کتابت شدہ آپ کے کاشانہ اقدس ﷺ میں محفوظ تھے البتہ اس وقت تک قرآن کریم کو ایک مصحف کی شکل میں ابھی جمع نہیں کیا گیا تھا۔''

Marfat.com

حاصل بحث یہ ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم مختلف صحف کی شکل میں ضبط تحریر میں آچکا تھا، اور بے شمار سینوں میں بھی محفوظ ہو چکا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کی تلاوت اسی ترتیب سے کرتے تھے جس ترتیب سے جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا دور کیا تھا اور جس ترتیب کے ساتھ وہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں پڑھتے تھے جہاں تک آیات کی ترتیب کا مسئلہ ہے امت کے علماء کا ہر زمانے میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے، قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کے لیے حفظ و کتابت اور ترتیل کی کوشش عمل میں آئیں، مستشرقین چونکہ اپنی ہر چیز کو معیار قرار دینے اور دوسری چیزوں کو اس خود ساختہ معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں، اس لیے حفظ و ترتیل کی شکل میں حفاظت قرآن کریم کی جو بے مثال کوششیں عمل میں آئیں وہ ان کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔

احادیث طیبہ میں متعدد ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام مذکور ہیں جن کو پورا قرآن کریم حفظ تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سالم بن معقلؓ مولی ابی حذیفہ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوزید بن السکنؓ اور ابو الدرداءؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کا مستند معلم قرار دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول خذوا القرآن من اربعة: من عبداللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی ابن کعب (۱۰)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا، قرآن حکیم چار اشخاص سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود، رضی اللہ عنہ، سالم رضی اللہ عنہ، معاذ رضی اللہ عنہ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ۔''

احادیث طیبہ میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وضاحت کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کو حفظاً اور کتابتاً جمع کر رکھا تھا:

عن قتادة قال: سألت انس ابن مالك: من جمع القرآن علىٰ عهد رسول الله ﷺ فقال اربعة كلهم من الانصار؛ ابى بن كعب و معاذ بن جبل وزيد بن ثابت و ابو زيد: قلت: من ابو زيد؟ قال: احد عمومتى (۱۱)

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کن لوگوں نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا؟ آپ نے فرمایا چار اشخاص نے جو تمام کے تمام انصار میں سے تھے، ابی بن کعب، معاذ جبل، زید بن ثابت اور ابوزید، قتادہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون ابوزید؟ تو آپ نے فرمایا میرے چچاؤں میں سے ایک۔''

ہم پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ اس روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت میں ان چار حضرات کے سوا کوئی اور قرآن کریم کا جمع کرنے والا نہیں تھا۔

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم کو پڑھنے اور حفظ کرنے کے اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں حفاظ قرآن کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ صرف بئیر معونہ کے واقعہ میں ستر حفاظ شہید ہوئے۔ اس طرح جنگ یمامہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوئی تقریباً ستر حفاظ کرام شہید ہوئے تھے۔ ابوعبیدہ نے 'کتاب القراءت' میں خلفائے اربعہ کے علاوہ متعدد مہاجرین وانصار کے نام لکھے ہیں جنھیں قرآن کریم یاد تھا، یہاں ایک سوال ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ اگر عہد رسالت میں حفاظ کرام کی تعداد اتنی زیادہ تھی تو پھر احادیث میں صرف چھ سات صحابہ کرام کو حفاظ کرام کے طور پر کیوں پیش کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب مناع القطان یوں دیتے ہیں:

"صحیح بخاری کی مذکورہ بالا تین روایات میں عہد رسالت کے حفاظ کی تعداد کے سات میں محصور ہونے کا جو تاثر ابھرتا ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خوش نصیب ہیں جنھوں نے سارے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر بھی سنایا اور ان سے متصل اسناد کے ساتھ ہم تک قرآن کریم پہنچا ان کے علاوہ حفاظ قرآن کریم کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان میں مذکورہ بالا تمام چیزیں جمع نہ تھیں، امت مسلمہ نے قرآن کریم کی حفاظت کے لیے حفظ وترتیل کا جو طریقہ اپنایا ہے، اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، حفظ وترتیل کے ساتھ ساتھ کتابت کا سلسلہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے چلتا آرہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی کتابت کے لیے کاتبین وحی کی باقاعدہ ایک جماعت تیار کر رکھی تھی، جو کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے لوگ شامل تھے۔" (۱۲)

کاتبین وحی کی یہ جماعت جس کے ارکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقاعدہ حکم کے تحت وحی کی کتابت کرتے تھے ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذاتی طور پر بھی قرآن حکیم کو لکھا کرتے تھے ان کو لکھنے کی جو بھی چیز میسر آجاتی وہ اس پر قرآنی آیات لکھ لیا کرتے تھے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

كنا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور مختلف ٹکڑوں کی مدد سے قرآن کریم کو جمع کر رہے تھے۔"

حاصل بحث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی سارا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا، کاتبین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو لکھا تھا وہ سارا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھا، بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے جن کے پاس پورا قرآن کریم کتابت کے شکل میں موجود تھا ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوزید رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱۳)

Marfat.com

## (۳) خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں کتابت قرآن کریم کی روایت پر اعتراض اور اس کا جواب

### کتابت قرآن عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں:

خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ تک قرآن کریم مختلف تحریروں کی شکل میں موجود تھا لیکن اس کو ایک صحیفہ کی شکل میں جمع نہ کیا گیا تھا، جب جنگوں میں کثرت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر حفاظ کرام کی شہادت کی رفتار یہی رہی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں قرآن کریم کے کچھ حصے سے محروم ہونا پڑے، اس صورت میں ضروری محسوس ہوا کہ حفظ کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی کتابت کو بھی ایسی شکل دی جائے کہ اس کے بعد اس کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کرلی ابتدا میں انھوں نے انکار کیا، لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر وہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اس کام پر مامور فرمایا، یہ لوگ وہی تھے جنھوں نے نہ صرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سن کر حفظ کیا تھا بلکہ یہ لوگ دور رسالت میں کتابت وحی کے فریضے پر بھی مامور تھے، جمع قرآن کا فریضہ ان لوگوں کے لیے جہاں ایک بہت بڑا اعزاز تھا وہاں یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی انھیں اس فریضے کی نزاکت اور اس کی مشکلات کا احساس تھا اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل مما امرنی بہ من جمع القرآن" (۱٤)

''خدا کی قسم جمع قرآن کی بجائے اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ کام مجھ پر اس سے زیادہ بوجھل اور مشکل نہ ہوتا۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا کام یہ تھا کہ وہ پہلے سے مرتب اور تحریر شدہ صحیفوں کو ایک صحیفے کی شکل میں جمع کریں اس کام کے لیے انھوں نے بہت عرق ریزی اور خلوص کا مظاہرہ کیا، اس جماعت نے اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے نہ تو اپنے حافظوں پر مکمل بھروسہ کیا اور نہ ہی انھوں نے اپنے پاس محفوظ مخطوطوں کی مدد سے مصحف مبارک تیار کرنے کا کام شروع کیا بلکہ انھوں نے اس کار خیر میں پوری امت مسلمہ کو شامل کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں اعلان کیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر قرآن کریم کا کچھ حصہ لکھ رکھا ہو، وہ لے آئے، اعلان کے مطابق جس شخص کے پاس قرآن کریم چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں یا کھجور کے پتوں میں سے کسی چیز پر لکھا ہوا موجود ہوتا، وہ اسے لے کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کر دیتا حضرت زید رضی اللہ عنہ اس تحریر کو قبول کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہ سمجھتے تھے کہ وہ لکھا ہوا موجود ہے بلکہ جو شخص قرآن کریم

Marfat.com

کا کوئی حصہ لے کر آتا اس سے اس بات پر دو گواہ طلب کرتے کہ یہ تحریر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں لکھی گئی تھی، جب کسی تحریر پر دو گواہ گواہی دے دیتے تو آپ اس کو مصحف میں درج فرما لیتے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اقعدا على باب المسجد فمن جاء كما بشاهدين علىٰ شيء من كتاب الله فاكتباه(۱۵)

''مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ جو شخص قرآن کریم کے کسی حصے کو لے کر آئے اور اس پر دو گواہ پیش کرے، اسے لکھ لو۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کار نے مندرجہ بالا ہدایات کے مطابق قرآن کریم کو جمع کرنا شروع کیا ان کا اعتماد نہ صرف حفظ پر تھا اور نہ صرف کتابت پر بلکہ وہ حفظ کتابت کے ساتھ دو گواہوں کی گواہی بھی حاصل کرتے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سینے میں پہلے سے محفوظ تھا اور جو آپ کے پاس کتابت شدہ شکل میں بھی موجود تھا، آپ نے اس کی ہدایت پر صحابہ کرام کی کم از کم دو شہادتیں حاصل کر کے اسے ایک مصحف میں جمع کر دیا، اس مصحف کی سورتوں اور آیات کی ترتیب وہی تھی جو آپ اور آپ کے رفقاء کار کے سینوں میں محفوظ تھی جس ترتیب کے ساتھ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم پڑھتے سنا تھا اور جس ترتیب سے رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل امین کے ساتھ قرآن کا دور کیا تھا، یہ بعینہ وہی ترتیب ہے جس ترتیب کے ساتھ قرآن کریم لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔

## مستشرقین کا اعتراض:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کو جمع کرنے کو بعض مستشرقین نے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سرکاری سطح پر قرآن کریم کی جمع و ترتیب کی کوشش نہیں ہوئی، بلکہ سرکاری طور پر اس نوعیت کا پہلا کارنامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انجام دیا تھا، انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے جس نسخے سے استفادہ کیا تھا وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی نسخہ تھا کوئی سرکاری طور پر تیار کیا ہوا نسخہ نہیں تھا۔

ان تمام اعتراضات کا خلاصہ پروفیسر منٹگمری واٹ نے بیان کیا ہے(۱۶) یہاں ان تمام اعتراضات کو بیان کر کے جواب دینا اس لیے غیر ضروری ہے کہ ان میں سے اکثر اعتراضات ایسے ہیں جن کا ایک معمولی واقفیت کا انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ البتہ ان میں سے چند اہم اعتراضات کا جواب یہاں پیش خدمت ہے۔

Marfat.com

## ایک اہم اعتراض:

صحیح بخاری کی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا محرک یہ تھا کہ یمامہ کی جنگ میں حفاظ وقراٗ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی تھی، حالانکہ تاریخی طور پر یہ محرک صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یمامہ کے شہداء کی فہرست میں ایسے لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، جو قرآن کے حافظ ہوں کیونکہ شہداء زیادہ تر نومسلم تھے۔

## اس اعتراض کا جواب:

حقیقت میں یہ اعتراض بے بنیاد ہے، یہ اعتراض سب سے پہلے فریڈرک شالے (Fredirch Sahwally) نے کیا تھا اس کے بعد مستشرقین آنکھیں بند کر کے اس کی تقلید کرتے چلے گئے اور کسی نے یہ زحمت نہیں کی کہ یمامہ کے شہداء کی فہرست دیکھ کر اس بات کی تحقیق کی جائے کہ یہ اعتراض صحیح ہے یا غلط؟ واقعہ یہ ہے کہ یمامہ کی جنگ میں مدینہ طیبہ کے رہنے والے مہاجرین شہداء کی تعداد تین سو ساٹھ (۳۶۰) اور مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسرے مقامات کے رہنے والے مہاجرین کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی۔(۱۷)

ظاہر ہے کہ ان چھ سو ساٹھ افراد کے پورے نام تو تاریخ میں محفوظ نہیں رہے، البتہ ان میں سے اٹھاون مہاجرین وانصار کے نام حافظ ابن کثیر نے نقل فرمائے ہیں۔(۱۸)۔ ان اٹھاون افراد میں ایک حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حافظ اور قاری ہونے کے اعتبار سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار حضرات سے بطور خاص قرآن کریم سیکھنے کا حکم دیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مسجد قباء میں امام یہی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، سفر میں بھی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی امامت یہی فرماتے تھے کیونکہ انھیں اقراٗ (قرآن کریم کا سب سے بڑا عالم) سمجھا جاتا تھا۔(۱۹)

دوسرے بزرگ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے اور تاریخ اسلام میں چوالیسویں مسلمان ہیں (۲۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت کے علاوہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے خصوصی تعلق کی بناء پر علم قرآن کریم کے معاملہ میں ان کے مقام بلند کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تیسرے صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الخطاب ہیں، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ہیں اور بالکل ابتدا میں اسلام لے آئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہوا کا جو بھی جھونکا چلتا ہے وہ مجھے زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتا ہے (۲۱)۔

چوتھے بزرگ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ ہیں وہ کاتبین وحی میں سے تھے (۲۲)۔ قرآن کریم سے ان کا خصوصی تعلق بالکل ظاہر ہے۔

Marfat.com

ایک اور بزرگ حضرت عباد رضی اللہ عنہ بن بشر ہیں جو کہ بدری صحابی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ انصاری صحابہ میں تین حضرات ایسے تھے جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے تمام دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر فائق تھے ان تین حضرات میں ایک حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(۲۳)

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ بھی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، جو مشہور صحابی ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم میں حضرت ابی بن کعبؓ جیسے قاری کے شاگرد ہیں (۲۴)۔حضرت زید بن ثابتؓ کے بھائی حضرت یزید بن ثابتؓ، حضرت براء بن عازبؓ کے چچا حضرت قیس بن الحارثؓ، حضرت معاذؓ کے بھائی عائذ بن ماعصؓ، حضرت زبیرؓ کے بھائی سائب بن عوامؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے صاحبزادے حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہم بھی اسی فہرست میں شامل ہیں۔

پھر مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اٹھارہ مہاجرین تھے اور انصار سے تقریباً بیس حضرات ایسے تھے جو غزوہ بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے علاوہ دس ایسے تھے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔(۲۵)

یہ تفصیل صرف ان شہداء کی ہے جن کے نام تاریخ میں محفوظ رہ چکے ہیں۔ باقی سیکڑوں نامعلوم افراد میں سے کتنے حافظ اور قاری ہوں گے؟ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

افسوس کا مقام ہے کہ فریڈرک شالے، بیل اور منٹگمری واٹ کو اس فہرست میں کوئی قاری اور حافظ نظر نہیں آ رہا اور ان سب کو ''نومسلم'' قرار دے رہے ہیں کیا یہ علمی تحقیق ہے؟

غور طلب بات یہ ہے کہ جس جنگ میں مہاجرین اور انصار کی اتنی بڑی جماعت شہید ہوگئی ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں سب نومسلم شہید ہوئے تھے اور پھر اسی بناء پر صحیح بخاری کی جمع قرآن والی روایت کو غلط قرار دینا علم و تحقیق پر کتنا بڑا ظلم و ستم ہے؟ اور انصاف و دیانت کے ساتھ کتنا بڑا فریب ہے؟

پھر بات یہ نہیں ہے کہ جنگ یمامہ میں تمام حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ جنگ یمامہ تو صرف ایک لڑائی تھی یہ زمانہ وہ تھا جبکہ اس طرح کی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کتنے جانباز ایسے تھے جو یمامہ سے کہیں زیادہ خون ریز معرکوں میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اس ماحول میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں قرآن کریم جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہو گیا تو اس میں کونسی ایسی غیر معقول بات ہے، جس کی بناء پر صحیح بخاری کی ایسی قوی روایت کو غلط قرار دیا جائے (۲۶)۔ اصل بات یہ ہے کہ مستشرقین کا مقصد ہی چونکہ تشکیک پیدا کرنا ہے اس لیے ایسے ویسے شوشے چھوڑنے سے باز نہیں آتے جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی۔

## دوسرا اعتراض:

منٹگمری واٹ نے اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سرکاری سطح پر کوئی

Marfat.com

نسخہ تیار کیا ہوتا تو اسے ایک حجت کی حیثیت حاصل ہوتی، حالانکہ اس زمانے کی روایتوں میں اس بات کا کوئی نشان نہیں ملتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس سرکاری نسخے کے حوالے دیئے جاتے ہوں۔ اس اعتراض کی لغویت بھی محتاج بیان نہیں۔

کیونکہ اس نسخے کو حجت قرار دینے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں قرآن کے نسخے نقل کرا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہی نسخہ طلب فرمایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تیار فرمایا تھا۔

## تیسرا اعتراض:

واٹ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اگر یہ کوئی سرکاری نسخہ تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسخہ خلیفہ وقت کے بجائے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس کیوں رہا؟ اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کوئی خلیفہ معین نہیں تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے سامان کے ساتھ یہ نسخہ بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا، کون ایسا صاحب عقل انسان ہو سکتا ہے جو محض اتنی سی بات کی وجہ سے ایسی مستند روایت ہی کو دریا برد کر ڈالے۔

## چوتھا اعتراض:

قرآن کریم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) ضروری ترامیم اور اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

مستشرقین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کریم کو غلط رنگ دینے کی کوشش بھی کی ہے، وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہے جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا اور اس میں ضروری ترامیم واضافے کیے۔

یہ قرآن کریم پر بھی الزام ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام کو یاد کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار صحابہ کرام نے بھی اسے حفظ کیا، ہر آیت کو نزول کے فوراً بعد لکھ لیا گیا۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پورا قرآن کریم لکھا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی گھروں میں موجود تھا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت حزم واحتیاط کے ساتھ اسے اس ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں جمع کر دیا جس ترتیب سے اسے پڑھا جاتا تھا۔ یہ مصحف مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، آپ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا اور ان کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔

Marfat.com

## (۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتابت قرآن کریم پر اعتراض اور اس کا جواب:

اسلام کے جزیرہ عرب سے باہر نکلنے میں زیادہ وقت نہیں لگا، وہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی ان کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ قرآن کریم کو پڑھ لیں یا زبانی یاد کر لیں، اور قرآن کریم سات قراءتوں پر نازل ہوا تھا اور سہولت کی خاطر تمام عربوں کو اپنے اپنے لہجوں میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، نومسلم مختلف اساتذہ سے قرآن کریم سیکھتے تھے، جب دو ایسے آدمی اکٹھے ہوتے جنھوں نے مختلف اساتذہ سے قرآن کریم پڑھا ہوتا تو ایسے اتفاقات پیش آ جاتے جب کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس سے مختلف لہجے میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنتا جو اس نے اپنے استاد سے پڑھا تھا عربی زبان کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ اس اختلاف کی نوعیت کو نہ سمجھ سکتے اور ہر شخص دوسرے شخص کی تغلیط کرنے لگتا۔

### حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ:

جو لوگ بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے ان کو بھی اسی صورت حال سے واسطہ پڑتا، لہجوں کا یہ اختلاف کبھی کبھی طویل بحثوں اور جھگڑوں کی شکل اختیار کر لیتا، یہ صورت حال ایسی تھی جو کسی بھی وقت ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر سکتی تھی اس لیے اس کا حل تلاش کرنا لازمی تھا، آرمینہ اور آذر بائیجان کی جنگوں میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس سنگین صورتحال کا مشاہدہ کیا وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

ادرك الامة قبل ان يختلفوا اختلاف اليهود والنصارىٰ (۲۷)

"اس امت کی دستگیری فرمائیے اس سے پہلے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح باہم اختلاف کرنے لگے۔"

اس صورتحال کا احساس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہوا تھا اس صورتحال کا واحد حل یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ کو قرآن کریم کی ایک لغت پر جمع کر دیا جائے، یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ ابتدائے اسلام سے لوگ مختلف لہجوں میں قرآن کریم پڑھتے آ رہے تھے، مختلف صحابہ کرام کے پاس قرآن کریم کے جو مخطوطے محفوظ تھے وہ بھی ان کے اپنے اپنے لہجوں کے مطابق تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کروایا تھا اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ حفاظ کرام کثرت سے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، اسے مرتب کرتے وقت یہ مقصد پیش نظر نہ تھا کہ تمام لہجوں کو چھوڑ کر خلاف لغت قریش پر قرآن کو لکھ لیں۔

### ان حالات سے نکلنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منصوبہ:

اس صورتحال سے نکلنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام کے مشورے سے، المصحف امام کا تصور پیش کیا، مطلب یہ تھا کہ لغت قریش جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا اس کے مطابق قرآن کریم کا ایک نسخہ

Marfat.com

تیار کیا جائے اور ساری امت مسلمہ اسی نسخے کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کریں، اسی منصوبے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ مصحف مبارک منگوایا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تیار ہوا تھا پھر آپ نے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو حکم دیا کہ وہ مصحف صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد سے قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کریں اور اگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور تین قریشی اصحاب کے درمیان کسی لفظ پر اختلاف ہو تو قریشی حضرات کی رائے کے مطابق لکھیں کیونکہ قرآن کریم ان ہی کی لغت کے مطابق نازل ہوا۔ ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل کی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ قریشی شبلی لکھتے ہیں:

فلم يختلفوا فی شیء الا فی کلمة التابوت، فقال زيد تكتب بالهآء وقالو: تكتب بالتآء فعرضوا الأمر علی عثمان فامر هم بكتابته بالتآء (۲۸)

"کلمہ تابوت کے سوا ان کا کسی لفظ پر اختلاف نہیں ہوا، اس لفظ کے بارے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ اسے (ۃ) سے یعنی (تابوۃ) لکھا جائے جبکہ قریشی حضرات اس لفظ کو (ت) سے ہی تابوت لکھنے کے قائل تھے، معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے (ت) سے یعنی تابوت لکھنے کا حکم دیا۔"

## اس مصحف کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کردی گئیں:

ان حضرات نے اس کمال احتیاط سے قرآن کریم کا جو نسخہ تیار کیا اس کو "المصحف الامام" کا نام دیا گیا اور پھر اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کردی گئیں، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں میں صرف "المصحف الامام" کی نقلیں ہی نہیں بھیجیں بلکہ ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی روانہ فرمایا، جو لوگوں کو وجوہ قراءت سکھاتا۔(۲۹)

یہ مصاحف نقطوں اور اعراب کے بغیر تھے اس لیے ان میں تمام قراءت متواترہ کا احتمال تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی تھیں، بعد میں جب قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگائے گئے تو ساری امت ایک ہی قراءت پر جمع ہوگئی اور آج ساری دنیا میں قرآن کریم کی کتابت اور ترتیل میں کسی ایک لفظ کے اختلاف کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں رہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اطراف میں صحیفے اور قاری روانہ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ حکم نامہ بھی جاری فرمایا:

انی قد صنعت كذا وكذا ومحموت ما عندی فامحوا ما عند كم" (۳۰)۔

Marfat.com

''میں نے امت مسلمہ کو ایک مصحف پر جمع کرنے کے لیے لغت قریش کے مطابق ایک نسخہ تیار کروایا ہے، اس کے علاوہ میرے پاس جو کچھ تھا اسے میں نے تلف کر دیا ہے لہٰذا تم بھی اس کے سوا جو کچھ تمھارے پاس ہو اس کو تلف کر دو۔''

وتلقت الامة ذلك بالطاعة" (۳۱)

''ساری امت نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔''

جمع قرآن کریم کی تین مرحلوں میں سے جو کوششیں ہوئیں تینوں مراحل میں ایک ہی شخص یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس عظیم منصوبے کے روح رواں تھے، ایک ہی آدمی نے مختلف ادوار میں جو کام کیا اس میں اختلاف کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔

مستشرقین اکثر ان کوششوں کو باہم متضاد ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم جمع نہیں ہوا تھا۔ اس کو عہد صدیقی رضی اللہ عنہ اور عہد عثمان میں جمع کیا گیا اور جامعین قرآن نے اس میں ضروری ترامیم اور اضافے کیے اور یہ بھی تاثر دینے کی کوشش میں ہوتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم غیر مرتب تھا اس کو بعد کے لوگوں نے ترتیب دیا، حالانکہ معمولی عقل و سمجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن کریم حفظ تھا اور وہ قرآن کریم کی اول سے آخر تک تلاوت بھی کرتے تھے، ظاہر ہے یہ دونوں کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن کریم مرتب نہ ہو، ہم نے گزشتہ صفحات میں جمع قرآن کے سلسلے میں علماء کا جو نکتہ نگاہ پیش کیا، ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب اور ہم مسلک مستشرقین کے رویے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی مدون و مرتب ہو چکا تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

## قرآن کریم کی مختلف قراءتوں پر اعتراضات اور ان کے جوابات

### قرآن کریم کی مختلف قراءات کو غلط رنگ میں پیش کرنا:

عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کی کتابیں تضادات سے پر ہیں ان کے مختلف فرقوں کے نزدیک بائبل کی کتابوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ تاریخی بیانات اور اعداد و شمار کے اختلافات جا بجا نظر آتے ہیں۔ ''مسٹر ہارن'' نے عہد نامہ جدید و قدیم میں اس قسم کے اختلافات کے اسباب یہ بتائے ہیں۔

① نقل کرنے والوں کی غلطی

② جس دستاویز سے نقل کی جا رہی ہے اس میں غلطیوں کا موجود ہونا۔

③ کاتبوں کا کسی سند اور ثبوت کے بغیر متن کی عبارت میں اصلاح کی کوشش کرنا۔

④ مختلف مذہبی فریقوں کا اپنے موقف اور مدعا کو ثابت کرنے کے لیے قصداً تحریف کرنا۔ (۳۲)

Marfat.com

مسٹر ہارن نے جو کچھ لکھا ہے اس کا عملی ثبوت ہمیں بائبل کے مختلف (Version) کے مطالعے سے جا بجا ملتا ہے، ایک زبان کی انجیل کچھ کہتی اور اس کا دوسری زبان میں ترجمہ کچھ اور کہتا ہے۔

مستشرقین قرآن کریم میں بھی اسی صورتحال کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں جن میں سے ایک حربہ قرآن کریم کی قرأت مختلفہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کا ہے، وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح بائبل کے مختلف (Version) ہیں اسی طرح یہ قراءتیں بھی قرآن کریم کے مختلف ورژن ہیں، جارج سیل کہتا ہے:

"Having mentioned the different editions of the Quran, it may not be a miss here to acquaint the reader, that there are seven principal aditions, if I may so call them or ancient copies of the book, two of which were published and used at Madina, a third at Macca, a fourth at Cufa, a fifth at Basra, a sixth at Syria and seventh called the common or vulgar edition" (33)

''قرآن کریم کے ایڈیشنوں کا ذکر کرنے کے بعد قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ قرآن کریم کے ابتدائی ایڈیشن سات ہیں اگر ان کو ایڈیشن کہنا مناسب نہ ہو، ہم ان کو اس کتاب کی سات نقلیں کہہ سکتے ہیں۔ جن میں سے دو مدینہ میں شائع ہوئیں اور وہیں استعمال ہوتی تھیں، تیسری مکہ میں چوتھی کوفہ میں، پانچویں بصرہ میں، چھٹی شام میں اور ساتویں نقل کو عام ایڈیشن کہہ سکتے ہیں۔''

## اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ:

جارج سیل نے قرآن کریم کی یہ تاریخ کہاں سے اخذ کی ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، اس نے جن شہروں کے ساتھ قرآن کریم کے ایڈیشنوں کو منسوب کرنے کی کوشش کی ہے دور رسالت میں تو ان میں سے اکثر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

غالباً جارج سیل نے قرآن کریم کی سات قراءتوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں قرآن کریم کی نقلیں بھیجنے کے مختلف مضامین کو اکٹھا کر کے اپنے تخیل کے زور پر یہ افسانہ گھڑا ہے اور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ جس طرح رومن کیتھوک عیسائیوں کی بائبل اور ہے اور پروٹیسٹنٹ عیسائیوں کی اسی طرح مدینہ کے مسلمانوں کا قرآن اور تھا مکہ کے مسلمانوں کا اور، بصرہ اور شام والوں کا کچھ اور، اور ایک قرآن ایسا بھی تھا جو عام تھا جو کسی کی تخصیص نہ تھی، اگر بالفرض محال دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ملت اسلامیہ میں اتنے مختلف قرآن مروج ہوتے تو آج تو ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، لیکن ہم جارج سیل صاحب کے پسماندگان کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ساری دنیا

Marfat.com

کا چکر لگائیں دنیا کے تمام براعظموں کا سروے کریں۔ دنیا میں انھیں قرآن کریم کے کروڑوں نسخے ملیں گے، وہ ان نسخوں میں باہم اختلاف ثابت کریں۔ اگر آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد قرآن کریم ایک ہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کے ساتھ مختلف اصلی ایڈیشن موجود ہوں۔ (۳۴)

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھیں اور آج بھی وہ موجود ہیں، لیکن ان کی نوعیت وہ نہیں جو مستشرقین ظاہر کرنے کی کوشش ہیں۔

## مختلف قراءتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کی بناء پر پیدا ہوئیں:

مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے قراءات کے معاملے میں ایک دوسرا گمراہ کن نظریہ پیش کیا ہے، نولدیکی، گولڈزیہر اور آرتھر جیفری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ''قراءتوں کا اختلاف درحقیقت سماعی نہیں تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے تیار کرائے تھے ان پر نقطے اور حرکات نہیں تھے، اس لیے اسے مختلف طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا، چنانچہ جس شخص نے جس طرح چاہا اپنے اجتہاد سے پڑھ لیا اور وہ اس کی قرأت بن گئی۔'' (۳۵)

مستشرقین کے اس دعوے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو مختلف قراءتیں معروف ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی کو پڑھنے میں لوگوں کا جو اختلاف ہوا اس کی بناء پر پیدا ہوئی ہیں۔

یہ دعویٰ صراحۃً بے بنیاد اور بالکل غلط ہے واقعہ یہ ہے کہ مصاحف عثمانی کا نقطوں اور حرکات سے خالی ہونا قراءتوں کے وجود میں آنے کا سبب نہیں بنا، بلکہ ان مصاحف عثمانی کو نقطوں اور حرکات سے جان بوجھ کر اس لیے خالی رکھا گیا تھا کہ قرآن کریم کی جتنی قراءتیں حضور ﷺ سے ثابت ہیں وہ سب اس رسم الخط میں سما سکیں۔

اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہر دور میں قرآن کریم کی کسی قراءت کو قبول کرنے کے لیے تین شرائط کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

① ایک یہ کہ مصاحف عثمانی رضی اللہ عنہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

② عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہو

③ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔

اگر قراءتوں کے وجود میں آنے کا سبب محض عثمانی رسم الخط ہوتا تو ہر اس قراءت کو درست مان لیا جاتا جو رسم الخط میں سما جاتی اور اسے قبول کرنے کے لیے یہ تیسری شرط عائد نہ کی جاتی، چنانچہ جو شخص بھی قرآن کریم کی مختلف قراءتوں پر غور کر چکا اسے کھلی آنکھوں نظر آ جائے گا کہ رسم الخط میں ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش موجود تھی لیکن چونکہ وہ طریقے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تھے اس لیے انھیں اختیار نہیں کیا گیا، یہ بات

Marfat.com

دو مثالوں سے واضح ہوگی۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ و لا یقبل منھا شفاعة و لا یؤخذ منھا عدل و لا ھم ینصرون﴾

یہاں ایک قراءت میں و لا تقبل (یاء کے ساتھ) اور ایک قراءت میں لا تقبل (تاء کے ساتھ) لیکن اس قسم کی ایک آیت سورۃ بقرہ میں دوسری جگہ ان الفاظ کے ساتھ آتی ہے۔" و لا تنفعھا شفاعة و لا ھم ینصرون" یہاں لا تنفعھا صرف تاء کے ساتھ آیا ہے، لا ینفعھا (یاء کے ساتھ) کوئی قراءت نہیں ہے، حالانکہ رسم الخط عثمانی میں لا ینفعھا کی بھی گنجائش ہے کیونکہ عثمانی مصاحف میں یہ جملہ اس طرح لکھا ہوا تھا لا تـنـفـعـھـا اور عربی زبان کے قواعد میں بھی یاء اور تاء دونوں کی گنجائش موجود تھی، لیکن چونکہ یہ قراءت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تھی، اس لیے اس کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا اسی طرح سورۃ یاسین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:" انـمـا امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون" یہاں ایک قراءت میں فیکون (نون پر پیش کے ساتھ) آیا ہے اور دوسری قراءت میں فیکون (نون پر زبر کیساتھ) لیکن اسی طرح کی ایک آیت سورۃ آل عمران میں ہے:" اذا قـضـیٰ امـرا فـانما یقول له کن فیکون" یہاں صرف ایک ہی قراءت ہے (یعنی نون پر پیش) دوسری قراءت رسم الخط کی گنجائش کے باوجود کسی نے اختیار نہیں کیا۔(۳۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قراءت رسم الخط سے وجود میں نہیں آئیں، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو محفوظ رکھنے کے لیے مصاحف کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا تھا۔

لہٰذا مستشرقین کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور غلط ہے کہ قراءت مصاحف عثمانی میں نقطوں اور حرکات کی غیر موجودگی سے پیدا ہوئیں ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قراءت رسول اللہ ﷺ سے متواتر طریقے پر ثابت ہیں اور ان کی محفوظ کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مصاحف کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا تھا تا کہ یہ تمام قراءات ان کے رسم الخط میں سما سکیں۔

## قرآن کریم کی شاذ قراءتیں اور ان کی حقیقت:

گولڈ زیہر اور آرتھر جیفری اور دوسرے مستشرقین نے شاذ قراءتوں کی بہت سی مثالیں پیش کر کے ان سے من مانے نتائج نکالے ہیں۔(۳۷)۔اور ان قراءتوں کو بنیاد بنا کر غلط مفروضات اخذ کیے ہیں، یہاں پر ان تمام مثالوں کو پیش کر کے ان کی حقیقتوں کو واضح کرنا تو مشکل ہے اس لیے کہ اس کام کے لیے پوری کتاب درکار ہوگی لیکن یہاں پر ہم شاذ قراءتوں کے بارے چند اصول ذکر کرتے ہیں۔وہ اصول ہم نے مولانا تقی عثمانی کی کتاب ''علوم القرآن'' سے لیے ہیں جن کو مدنظر رکھنے کے بعد مستشرقین کے ان تمام باطل نظریات کی تردید اچھی طرح سمجھ میں آسکے گی، جو انھوں نے شاذ قراءتوں کی بنیاد پر قائم کی ہیں۔

Marfat.com

## معتبر قراءتیں:

وہ قراءتیں معتبر ہیں جن میں تین شرائط پائی جائیں۔

① وہ قراءت جو مصاحف عثمانی میں سما سکیں۔

② عربی قواعد کے مطابق ہوں

③ رسول اللہ ﷺ سے اس کا پڑھنا متواتر طریقے سے ثابت ہو، یا کم از کم علماء قراءت میں مشہور معروف ہو۔

جس قراءت میں ان تین شرائط میں سے کوئی ایک مفقود ہو وہ شاذ قراءت کہلاتی ہے اور پوری امت میں سے کسی نے اسے معتبر نہیں مانا، ان شاذ قراءتوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جاتی ہے۔

① بعض اوقات وہ قراءت بالکل موضوع ہوتی ہے، جیسے کہ محمد بن جعفر خزاعی کی قراءتیں جن کو انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے امام دار قطنی رحمہ اللہ اور تمام علماء نے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ تمام قراءتیں موضوع ہیں۔(۳۸)

② بعض اوقات ان کی سند ضعیف ہوتی ہے جیسے ابن اسبغ اور ابوالسمال کی قراءتیں (۳۹) یا بہت سی قراءتیں جو ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے منسوب کی ہیں۔

③ بعض اوقات سند صحیح ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ قرآن کریم کی قراءت نہیں ہوتی بلکہ کوئی صحابی یا تابعی عام گفتگو میں قرآن کریم کے کسی لفظ کی تشریح کے لیے اس کے ساتھ دو ایک لفظ بڑھا دیتے ہیں قرآن کریم چونکہ پورے کا پورا متواتر تھا اور ہر دور میں اس کے ہزاروں حفاظ موجود تھے اس لیے ان الفاظ کے اضافہ سے قرآن کریم کے متن میں اضافے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، لہٰذا اس قسم کی تشریحات میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔(۴۰)

مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے " ولـــه اخ او اخـت مـن ام" پڑھا، اس میں "من ام" کا لفظ تفسیری اضافہ تھا۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آیت اس طرح پڑھی:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون (٤١)

اس میں " يستعينون الله علىٰ ما اصابهم " بلاشبہ تفسیری اضافہ ہے کیونکہ اگر یہ جملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت میں واقعتاً قرآن کا جز ہوتا تو ان کے مرتب کردہ مصحف میں ضرور رہوتا، حالانکہ ان کے مرتب فرماتے ہوئے سات مصاحف میں کسی میں یہ جملہ نہیں، شاذ قراءتوں میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قرآن کریم کی بعض قراءتیں آخر میں منسوخ ہو گئیں، لیکن کسی صحابی کو ان

Marfat.com

کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوسکا، اس لیے وہ قدیم قراءت کے مطابق پڑھتے رہے۔(۴۲)۔لیکن چونکہ دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ قراءت منسوخ ہو چکی ہے اس لیے وہ نہ اسے پڑھتے تھے اور نہ قرآن کریم کی صحیح قراءتوں میں شمار کرتے تھے۔

⑤ بعض شاذ قراءتوں کو دیکھ کر ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ کسی وقت کسی تابعی رحمۃ اللہ وغیرہ سے قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی بھول چوک ہوگئی جیسا اکثر بڑے بڑے حافظوں سے ہوتی ہے اس وقت کسی سننے والے نے سن کر اسے روایت کر دیا۔"(۴۳)

قرآن کریم کی جتنی شاذ قراءتیں منقول ہیں وہ زیادہ تر انہی پانچ صورتوں میں دائر ہیں ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں ان قراءتوں کو معتبر قرار دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ امت نے کسی بھی دور میں انھیں قابل اعتبار نہیں سمجھا اور اسی لیے یہ قراءتیں متواتر تو کیا ہوتیں مشہور بھی نہ ہوسکیں۔

لہٰذا ان کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے جو یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن کے متن میں کچھ اختلافات پائے جاتے تھے یہ ایسا بے بنیاد اور لغو خیال ہے جو علم و تحقیق کے اعتبار سے قابل غور بھی نہیں ہے۔

## معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اکثر مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن کریم کی زبان اور اسلوب انسانی اسلوب سے ممتاز ہیں اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کی مثل ایک یا چند سورتیں بنا کر پیش کر سکے، وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآن کریم کی زبان کو عربی ادب کی عام زبان سے ممتاز نہیں سمجھتے تھے اپنے اس دعویٰ کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین (سورہ الفلق اور سورہ الناس) کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔(۴۴)

مستشرقین کو اس اعتراض کا موقع بعض کتب تفسیر اور کتب حدیث سے مل گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے، وہ ان سورتوں کو قرآن سے کھرچ دیتے تھے، سیوطی الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔

"اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویة من طرق صحیحة عن ابن عباس وابن مسعود انه کان یحك المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منه انهما لیستا من کتاب الله انما امر النبی ﷺ ان یتعوذ بهما وکان ابن مسعود لا یقرء بهما" (٤٥)۔

"احمد بزار، طبرانی اور ابن مردویہ نے صحیح طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو مصحف مبارک سے محو کر دیا کرتے تھے اور

Marfat.com

فرماتے تھے قرآن کریم کو ان چیزوں سے خلط ملط نہ کرو جو قرآن کا حصہ نہیں ہیں، یہ قرآن کا حصہ نہیں، رسول اللہ ﷺ نے تو محض یہ حکم دیا ہے کہ ان کے ذریعے پناہ مانگی جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سورتوں کی قراءت نماز میں نہیں کرتے تھے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت صحیحہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ان سورتوں کو قرآن کریم کا جز نہیں سمجھتے تھے، امام نووی شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

اجمع المسلمون علی ان المعوذتين والفاتحة من القرآن وان من جحد منها شيا كفر وما نقل عن ابن مسعود باطل ليس بصحيح (٤٦)

"مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو ان میں سے کسی کی قرآنیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اس سلسلے میں جو باتیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ باطل ہیں، صحیح نہیں ہیں۔"

حدیث ملاحظہ فرمائیں:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال لقد انزل علی آيات لم ينزل علی مثلهن المعوذتين (٤٧)

"طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل آیات مجھ پر (پہلے) نازل نہیں ہوئیں اور وہ آیات معوذتین ہیں۔"

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ ﷺ سے ایسی احادیث روایت کر رہے ہیں تو پھر اس شبہ کی گنجائش کیا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پوری امت کی طرح معوذتین کو قرآن کریم کا جزو قرار دیتے تھے اور جن روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان دوسورتوں کو قرآن کریم کے جز ہونے کے قائل نہ تھے وہ درست نہیں۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں قراءت عشرہ سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی قراءت حضرت ابو عبدالرحمان سلمی رحمہ اللہ حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ اور حضرت ابو عمرو الشیبانی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور یہ تینوں حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (۴۸)

Marfat.com

اسی طرح حضرت حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت علقمہ رحمہ اللہ، اسود رحمہ اللہ، ابن وہب رحمہ اللہ، مسروق رحمہ اللہ، عاصم بن حمزہ رحمہ اللہ اور حارث رحمہ اللہ سے منقول ہے اور یہ تمام حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔(۴۹)

اس کے علاوہ قراءات عشرہ میں سے کسائی رحمہ اللہ، اور خلف رحمہ اللہ کی قراءتیں بھی بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتی ہیں، کیونکہ کسائی رحمہ اللہ حمزہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور خلف رحمہ اللہ ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ قراءت عشرہ کی ساری اسانید دنیا میں سب سے زیادہ قوی اور صحیح اسانید ہیں اور نسلاً بعد نسل تواتر سے نقل چلی آرہی ہیں اس لیے اگر کوئی خبر واحد ان متواتر قراءتوں کے خلاف ہو تو وہ یقیناً واجب الرد ہے اور اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اسی بناء پر محقق علماء کی اکثریت نے ان روایتوں کو ضعیف اور موضوع یا کم از کم ناقابل قبول بتایا ہے، جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں، ان علماء میں شیخ الاسلام، علامہ نووی رحمہ اللہ، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ، علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ شامل ہیں۔(۵۰)

## یہ اعتراض کہ بعض علماء نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی معوذتین کی قرآنیت کی انکار والی روایت کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ نورالدین الہیثمی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ان روایتوں کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ پھر ان روایتوں کو غیر صحیح کیسے کہا جا سکتا ہے؟

## اس اعتراض کا جواب:

جو حضرات علم حدیث سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا کسی روایت کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کوئی علت یا شذوذ نہ پائے جائے۔

## صحیح حدیث کی تعریف:

تمام محدثین نے حدیث صحیح کی تعریف میں یہ بات لکھی ہے کہ وہ روایت ہر قسم کی علت اور شذوذ سے خالی ہو، چنانچہ اگر کسی روایت میں کوئی علت یا شذوذ پایا جائے تو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اس کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''پس حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت معلوم ہوتی ہو جو اس حدیث کی صحت کو مجروح کرتی ہو اور یہ ''علت'' اس سند میں بھی واقع ہو جاتی ہے جس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں، اور جس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں، اور اس علت کا ادراک علم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، کبھی راوی کو منفرد دیکھ کر اور کبھی یہ دیکھ کر کہ وہ راوی کسی دوسرے راوی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ کبھی دوسرے قرائن بھی مل جاتے ہیں۔'' (۵۱)

اسی طرح حدیث کی ایک قسم شاذ ہے اس کے راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے ان کی حدیث قبول نہیں کی جاتی، لہٰذا جن روایتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کا جز نہیں مانتے تھے علامہ نووی رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود مندرجہ ذیل تین وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔

① یہ روایتیں معلول ہیں اور ان کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ان قراءتوں کے خلاف ہیں جو ان سے بطریق تواتر منقول ہیں۔

② مسند احمد کی وہ روایت جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ صریح قول نقل کیا گیا ہے '' انهما ليستا من كتاب الله'' (معوذتین اللہ تعالیٰ کی کتاب کا جز نہیں ہیں) صرف عبدالرحمان بن یزید نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور کسی نے صراحۃً ان کا یہ جملہ نقل نہیں کیا (۵۲)۔ اور متواترات کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جملہ یقیناً شاذ ہے اور محدثین کے اصول کے مطابق ''حدیث شاذ'' مقبول نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی صحت قطعی ہے، لہٰذا ان کے مقابلے میں یہ اخبار احاد یقیناً واجب الرد ہیں۔

## یہ اعتراض کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو ان ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیوں روایت کر دی؟

مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے: ''ان روایتوں کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کا جز مانتے تھے، لیکن کسی وجہ سے انھوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا، اس واقعہ کو روایت کرتے ہوئے کسی راوی کو وہم ہوا، اور اس نے اسے اس طرح روایت کر دیا، گویا وہ انھیں سرے سے جز قرآن ہی نہ مانتے تھے حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہ معوذتین کو جز قرآن کریم ماننے کے باوجود انھوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا اور نہ لکھنے کی وجوہ بہت سی ہو سکتی ہیں، مثلاً معوذتین کو اس لیے نہیں لکھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ یہ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں۔'' (۵۳) اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن

Marfat.com

مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی اور امام ابوبکر الانباری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا، اگر میں سورہ فاتحہ لکھتا تو اسے ہر سورۃ کے ساتھ لکھتا، امام ابوبکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ہر سورۃ سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اس لیے میں نے اسے نہ لکھ کر اختصار سے کام لیا اور مسلمانوں کے حافظے پر اعتماد کیا۔'' (۵۴) ان جوابات کے بعد مستشرقین کے اس اعتراض میں کوئی جان باقی نہیں رہتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کریم کا جزء نہیں مانتے تھے۔

---

نوٹ: ''مذکورہ مضمون کا مواد زیادہ تر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن والتفسیر) کوڈ: 4576 کے کورس میں شامل ''قرآن حکیم اور مستشرقین از ڈاکٹر ثناء اللہ حسین'' سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (دار السلام الریاض، ۲۰۰۰ء) باب المناقب الصحابۃ
۲۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری (دار المعرفہ، بیروت)، ۹/۴۱-۴۲۔
۳۔ ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری (القاہرہ، ۱۹۸۹ء)، ص: ۱۱۰۔
4: Arthur jeffery "Islam, Muhammad and His Religion"[india,1979] Page: 47
۵۔ ایچ اے آر گب ''اسلام'' دی انسائیکلو پیڈیا آف لونگ فیتھ، ایڈیٹ بائی آر سی: رائز (ہاچنسن گروپ ساؤتھ افریقہ) ص: ۱۶۸۔
۶۔ طہٰ (۲۰): ۱۱۴۔
۷۔ شلبی، الدکتور محمد مصطفیٰ، اصول الفقہ الاسلامی (دار الفکر، بیروت) ۱/۹۳۔
۸۔ القیامۃ (۷۵): ۱۶۔۱۹
۹۔ شلبی، الدکتور محمد مصطفیٰ، اصول الفقہ الاسلامی، ۱/۹۳۔
۱۰۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، (بیروت)، ص: ۱۱۹۔
۱۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹/۴۱۔
۱۲۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۲۱۔
۱۳۔ ایضاً۔ ۱۴۔ ایضاً۔ ص: ۱۲۶۔ ۱۵۔ ایضاً۔
16: Watt: Bell's, Introduction to the Quran,[ edinburgh 1970], Page: 40-42
۱۷۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الطبری، ۲/۵۱۶۔
۱۸۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶/۳۴۰۔
۱۹۔ ابن عبد البر، الاستیعاب (الاصابہ کے حاشیہ پر) ۲/۲۸-۲۹۔
۲۰۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ۶/۴۳۔
۲۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶/۳۳۶۔
۲۲۔ ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، (مصر) ۱/۳۰۔
۲۳۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ۲/۲۵۵۔ ۲۴۔ ایضاً۔
۲۵۔ ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ۲/۱۴۰۔


Marfat.com

۲۶۔ مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، (مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۲۰۱۴ء) ص: ۲۲۹۔
۲۷۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۲۹۔
۲۸۔ الدکتور محمد مصطفیٰ الشلبی، اصول الفقہ الاسلامی، ۹۶/۱۔ ۲۹۔ ایضاً۔
۳۰۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۳۰۔
۳۱۔ ایضاً۔ ۳۲۔ سر سید احمد خان، سیرت محمدی ﷺ، (مقبول اکیڈمی، لاہور) ص: ۳۸۴۔
33. Sale G:The Koran "New York,1890" Page: 45
۳۴۔ از ہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی ﷺ، (ضیاالقرآن پبلیکیشنز، لاہور)، ۴۵۷/۶۔
۳۵۔ گولڈزیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی، (ترجمہ عربی ڈاکٹر عبدالحلیم النجار، مکتبہ الخانجی القاہرہ) ص: ۸۔
۳۶۔ علامہ طاہر کردی، تاریخ القرآن، ص: ۱۴۸، بحوالہ تقی عثمانی علوم القرآن
۳۷۔ گولڈزیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۔ ۹۔
Arthur Jeffery, Marterial for the History of the Text of the Quran, (Leiden 1939), page 6
۳۸۔ ابن الجزری رحمہ اللہ، محمد بن محمد، النشر فی القراءات العشر (دار الکتاب العلمیہ، بیروت)، ۱۶/۱۔
۳۹۔ ایضاً ۴۰۔ ایضاً۔ ۴۱۔ ہندی، علی المتقی، کنز العمال، ۲۸۶/۱۔
۴۲۔ طحاوی، احمد بن محمد، مشکل الآثار، ۱۹۶/۲ تا ۲۰۲۔
۴۳۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ۱۶/۱۔
44. Watt, W. Montgomery: Bell's, Introduction to the Quran page:4
۴۵۔ سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور"، ۴۱۶/۶۔
۴۶۔ ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، ص: ۱۱۳۔
۴۷۔ سیوطی، الدر المنثور، ۴۱۶/۶۔
۴۸۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ۱۵۶/۱۔
۴۹۔ کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری، ۲۶۲/۱۔
۵۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۸۱/۲۔
۵۱۔ نووی، مقدمہ فتح الملہم، ۵۴/۱۔
۵۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۴۹/۷۔
۵۳۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، ص: ۲۲۶۔
۵۴۔ قرطبی، محمد بن احمد، تفسیر القرطبی، ۱۱۴/۱-115۔

Marfat.com

# علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی و تنقیدی جائزہ (۲)

## علوم القرآن پر مستشرقین کے مزید اعتراضات:

## اعجاز قرآن کریم پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

تمام انبیائے کرام کو معجزات عطا فرمائے گئے ان کی تعلق ان میدانوں سے تھا جن میں ان کی قوموں کو کمال حاصل تھا، دیگر انبیاء کے برعکس رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والی ساری قوموں کے لیے بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے، اپنی نبوت اور رسالت کے ثبوت کے لیے حضور ﷺ کو ایسی نشانی کی ضرورت ہے جو ہر زمانے کے انسانوں کو یقین دلا سکے کہ جو کام آپ کے دست اقدس پر ظاہر ہو رہا ہے وہ کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک نشانی عطا فرمائی جو قیامت تک اپنی عظمت کے جھنڈے کو عرش کی بلندیوں پر لہراتی رہے گی، رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا گیا یہ معجزہ قرآن ہے۔

مستشرقین عموماً یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ محمد ﷺ نے دیگر انبیائے کرام کی طرح معجزہ نہیں دکھایا، وہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے طور پر وہ آیات پیش کرتے ہیں، جن میں کفار کی طرف سے معجزات کے مطالبے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ نشانیاں دکھانا میرا کام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے میرا کام تمھیں حق کی طرف دعوت دینا ہے۔

حضور ﷺ کے حسی معجزات کسی دوسرے نبی کے معجزات سے کم نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی ذات سے نت نئے معجزات کے ظہور کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور یقیناً ان کا ایمان جو چٹان سے زیادہ مضبوط تھا، اس کو ان معجزات سے قوت عطا ہوتی تھی، حضور ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کیا، بے شیر بکری نے آپ کے دست مبارک کی برکت سے دودھ دیا، درخت چل کر قدموں میں حاضر ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آشوب چشم لعاب دہن رسول سے دور ہوا، انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے، چند آدمیوں کا کھانا سیکڑوں آدمیوں نے کھایا، یہ فہرست بڑی طویل ہے اور حضور ﷺ کی ذات اقدس سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا لیکن آپ نے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر ہمیشہ قرآن کریم کو پیش فرمایا۔

اسی لیے جب کفار نے آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور قرآن کریم کو انسانی دماغ کی اختراع قرار دینے کی کوشش تو ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوا:

Marfat.com

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾(۱)

''اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو، لے آؤ ایک سورۃ اور بلا لو اپنے حمایتوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔''

قرآن کریم کا یہ چیلنج جس طرح لبید بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ جیسے فصیح اللسان عربوں کے لیے تھا، اسی طرح وہ بیسویں صدی عیسوی کے یورپی مستشرقین اور سائنسدانوں کے لیے بھی ہے، اگر قرآن کریم کا اعجاز صرف اس کی فصاحت و بلاغت تک محدود ہوتا تو جارج سیل اور تھامس کارلائل جیسے غلط ترجموں کی مدد سے قرآن کریم پڑھنے والے مستشرقین کے سامنے اس کو بطور چیلنج پیش کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہوتا، لیکن یہ پیغام یقیناً ایک عالمگیر پیغام ہے اس کے اعجاز کے کئی شاخیں ہیں کسی انسان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، قرآن کریم اس کو اسی شعبہ زندگی کے متعلق ایسے حقائق سے آگاہ کرتا ہے، جو انسانی عقل و خرد کی رسائی سے ماورا ہیں، ہم قرآن کریم کے بے شمار وجوہ اعجاز میں سے صرف مندرجہ ذیل کا ذکر کر رہے ہیں۔

## ترکیب کا اعجاز:

ترکیب کے لحاظ سے قرآن کریم کا اعجاز بے مثل ہے اور اس کے جملوں میں وہ شوکت سلاست اور شرینی ہے کہ جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً قاتل سے قصاص لینا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لیے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے، مثلاً:

القتل احياء للجميع

''قتل اجتماعی زندگی ہے۔''

اور

القتل انفى للقتل

''قتل سے قاتل کی روک تھام ہوتی ہے۔''

اكثروا القتل ليقل القتل

''قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائے۔''

ان جملوں کو اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ یہ زبان عام تھے اور فصیح سمجھے جاتے تھے قرآن کریم نے بھی اس مفہوم کو ادا فرمایا لیکن کس شان سے ارشاد ہے:

ولكم فى القصاص حياة

''اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

Marfat.com

اس جملے کے اختصار جامعیت، سلاست، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھئے بلاغت کا معجز شاہکار معلوم ہوتا ہے اور پہلے تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

## اسلوب کا اعجاز:

ولید بن مغیرہ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا فصاحت اور بلاغت میں پورے عرب میں مشہور تھا، ابو جہل چاہتا تھا کہ اس کی زبان سے قرآن کریم کے خلاف کچھ کلمات نکلوائے، ولید بن مغیرہ اسلام کا دشمن تو تھا لیکن قرآن کریم کی عظمت نے اسے سرنگوں رکھا تھا، ابو جہل کے اصرار پر اس نے کہا، تم جانتے ہو کہ میں تمام اصناف سخن کا تم سے زیادہ شناسا ہوں لیکن خدا کی قسم محمد ﷺ کا کلام ان اصناف سخن میں سے کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں رکھتا اس موقع پر اس نے کہا: ''خدا کی قسم اس کلام میں ایک عجیب قسم کی مٹھاس ہے حسن و جمال اس پر سایہ کناں ہے اس کا اوپر والا حصہ ضیا بار اور اس کا نیچے والا حصہ تجلی ریز ہے، یہ غالب آتا ہے، مغلوب نہیں آسکتا، جو اس کے نیچے آتا ہے، یہ اسے پیس کر رکھ دیتا ہے۔'' (۲)

ولید بن مغیرہ جیسے لوگ تو دشمنی کے باوجود اعلانیہ قرآن کریم کی عظمت کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے، لیکن لوگ اٹھتے بیٹھتے قرآن اور قرآن لانے والے پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف تھے اور جن کی زندگی کا مقصد اس شمع حق کو بجھانے کے سوا کچھ نہ تھا، وہ جب آپس میں ملتے تو قرآن نہ سننے کی قسمیں کھاتے لیکن جب رات ہوتی تو وہ بے اختیار اٹھتے، کاشانہ حبیب خدا کا رخ کرتے، چھپ چھپ کر خدا کے حبیب ﷺ کی زبان سے خدا کا کلام سنتے اور اس پر ایمان لائے بغیر اس کی ناقابل بیان تاثیر سے محظوظ ہوتے، یہ رویہ غیر معروف کافروں کا نہ تھا بلکہ ابو جہل، ابو سفیان اور اخنس بن شریق جیسے لوگ، جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے، ان کی راتیں چھپ چھپ کر قرآن سننے میں گزرتی تھیں۔ (۳)

جزیرہ عرب کے لوگوں کی قلبی قساوت کو رحمت و رافت میں بدل دینا صرف اسی کلام سے ممکن تھا جو پروردگار عالم نے ھدی للعالمین بنا کر نازل فرمایا، قرآن کریم نے جزیرۃ عرب کے مکینوں، مکہ کے مشرکوں اور ہدایت قرآنی کے دامن میں پناہ لینے والی دیگر قوموں کے دلوں پر جو حیران کن اثرات مرتب کیے تھے، تاریخ انسانی ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، ایک اصلی عرب کی زبان سے ایسے معجزانہ کلام کا نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کلام کا مصنف کوئی انسان نہیں بلکہ وہ ہستی ہے جو مقلب القلوب ہے۔

## نظم کا اعجاز:

نظم کلام میں کچھ خاص حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو اس وقت سمجھ میں آسکتی ہیں جب ایک بات پر اس کے نظم کی روشنی میں غور کیا جائے، اس نظم کا اہتمام ترک کر دیا جائے تو وہ باتیں لازماً نظر انداز ہو جاتی ہیں جو خاص

Marfat.com

طور پر نظم سے نکلتی ہیں اور نظم ہی کی رعایت سے سمجھ میں آسکتی ہیں جس طرح ایک سپہ سالار اپنی افواج کو مختلف ڈھنگ سے ترتیب دیتا ہے اسی طرح قرآن کریم میں ایک ہی بات مختلف طریقوں سے کہی جاتی ہے، قرآن کریم میں ایک چیز کبھی عمودی حیثیت (مرکزی) سے آتی ہے تو کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک چیز مؤخر ہوتی ہے کبھی ایک مقدم، کبھی تنہا ہوتی ہے کبھی اپنے مقابل کے ساتھ، کبھی کبھی کسی چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے ساتھ بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف ترتیبوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب ایک ہی چیز اپنے مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچان لینے میں دقت نہ ہوگی الغرض قرآن کریم کے سور وآیات کا ارتباط کا پہلو قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک ہے۔

قرآن کریم کی آیات کے درمیان نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے اس ربط کو اتنا دقیق اور غامض رکھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر آیت کی ایک مستقل حیثیت باقی رہے اور اس کے الفاظ کا عموم ختم نہ ہونے پائے تا کہ العبرۃ بعموم اللفظ پر عمل آسان ہو، اس کے علاوہ اس زمانے میں اہل عرب کے خطبات وقصائد کا اسلوب بھی عموماً یہی ہوتا تھا کہ ان کے مضامین مرتب اور مربوط ہونے کے بجائے مستقل حیثیت رکھتے تھے، لہٰذا یہ طریقہ اس دور کے ادبی ذوق کے عین مطابق تھا، چنانچہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے، قرآن کریم کی ہر آیت مستقل معلوم ہوگی، لیکن جب آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پورا کلام مسلسل اور مربوط ہے۔

اس طرح قرآن کریم نے اپنے نظم میں جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اس کا دقیق ترین اعجاز ہے، اور اس کی تقلید بشری طاقت سے بالکل باہر ہے۔

بہت سے علماء نے قرآن کریم کے نظم و ربط کی توضیح کے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں کے ضمن میں اسے بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے اس ضمن میں تفسیر کبیر امام فخر الدین الرازی شاید سب سے زیادہ قابل تعریف کاوش ہے، انھیں اللہ تعالیٰ نے نظم قرآن کی تشریح کا خاص سلیقہ اور خاص توفیق عطا فرمائی ہے، اس کے بعد قاضی ابوالسعود رحمۃ اللہ نے بھی نظم قرآن کریم کا خاص اہتمام فرمایا ہے، بعد کے اکثر علماء نے ان دونوں سے اس ضمن میں استفادہ کیا ہے، نظم قرآن کریم کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھی جاسکتی ہے، سورۃ حجر میں ایک جگہ ارشاد ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الأَلِيْمُ (٤)

''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں غفور اور رحیم ہوں، اور میرا عذاب (بھی) بڑا دردناک ہے۔''

اس کے فوراً بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيْمَ'' (٥)

''اور انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دے دو۔''

Marfat.com

اور اس کے بعد فرشتوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے کا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے، بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، لیکن ذرا غور سے دیکھیے تو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پہلے جملے کی تائید ہے، اس لیے کہ جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے انھوں نے دو کام کیے، ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق جیسے صالح بیٹے کی خوشخبری دی، دوسرے انہی فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی پر جا کر عذاب نازل کیا، پہلا کام "انا الغفور الرحیم" کا مظاہرہ تھا اور دوسرا کام "ان عذابی ھوا العذاب الالیم" کا اس طرح یہ دونوں جملے باہم نہایت گہرا تعلق رکھتے لیکن الگ الگ دیکھئے تو ان کی مستقل حیثیت بھی ہے۔

آج کل جو آدمی کچھ کتابیں پڑھ کر چند سطریں لکھ لے اسے مفکر، مدبر، محقق اور دانشور جیسے بھاری بھرکم القاب سے یاد کیا جاتا ہے، بدقسمتی سے مستشرقین سب ہی دانشور ہوتے ہیں ان کو جس میدان میں معمولی سی شد بد ہو اس میدان کا بھی ان کو ماہر شمار کیا جاتا ہے، خصوصاً علوم اسلامیہ میں وہ سب ہی ماہر تصور کیے جاتے ہیں جو لوگ غلط ترجموں کی مدد سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو قرآن کریم کا مستند نقاد سمجھتے ہیں وہ لوگ جس اسلوب میں خود کتابیں لکھتے ہیں اسی کو معیار قرار دیتے اور پھر اس خود ساختہ معیار پر قرآن کریم کے اسلوب کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک ہر فن کی کتاب صرف اسی فن پر بحث کرتی ہے، ہر کتاب ایک موضوع پر مشتمل ہوتی ہے، وہ انہی اصولوں کو قرآن کریم پر لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم مستشرقین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اگر قرآن کریم کا اسلوب وہ ہوتا جس کی وہ سفارش کر رہے ہیں تو یقیناً اس کی تاثیر وہ نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کیا، آج کا اسلوب یہ ہے کہ قانون کی کتاب میں صرف قانونی مسائل ہوں گے، ماہر معاشیات کی کتاب صرف معاشی مسائل پر مبنی ہوتی ہے، اس کے برعکس قرآن کریم کسی ایک علم کی کتاب نہیں اس نے کائنات کے ہر موضوع کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے، کیونکہ یہ صرف معلومات مہیا کرنے والی کتاب نہیں بلکہ یہ رشد ہدایت والی کتاب ہے، یہ اس حکیم کا کلام ہے، جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

## بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات:

بعض مستشرقین نے قرآن کریم کے بیان کیے ہوئے واقعات پر اعتراضات کیے ہیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ (معاذ اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعات اہل کتاب کے کسی عالم سے زبانی سنے تھے جنھیں بیان کرنے میں اس سے مغالطہ ہو گیا۔

### حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام:

مستشرقین اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کی والدہ کا بھی، اول الذکر بنت عمران تھیں، قرآن میں (معاذ اللہ) مغالطے کی بناء پر موخر الذکر کو بھی ''بنت عمران'' قرار دے دیا گیا(۶)۔ مقام افسوس ہے کہ یہ بے سروپا اعتراض انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی عالمی شہرت کی کتاب میں درج کرتے ہوئے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی گئی، اگر ''برٹانیکا'' کا مقالہ نگار کسی یقینی دلیل سے یہ بھی ثابت کر دیتا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ''عمران'' نہیں تھا، تب تو یہ اعتراض کسی درجے میں قابل لحاظ ہوسکتا تھا، لیکن یہ ہے کہ اگر خود انھیں سے پلٹ کر یہ پوچھ لیا جائے کہ پھر حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، انتہا یہ ہے کہ بائبل میں بھی ان کے والد کا کوئی نام مذکور نہیں اور خود برٹانیکا کے مقالہ ''مریم'' میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔''(۷)۔

## فرعون مصر کا وزیر ہامان اور مستشرقین کا اعتراض:

مستشرقین یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے فرعون کے ایک وزیر کا نام ہامان ذکر کیا ہے، حالانکہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا، بلکہ ہامان شاہ اسویرس کا وزیر تھا، جس کا ذکر بائبل میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے چونکہ یہ واقعات زبانی سیکھے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے (معاذ اللہ) مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کی طرف منسوب کردیا۔(۸)

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی انتہائی بے سروپا بات ہے اور اسی طفلانہ مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دو انسان نہیں پائے جاسکتے، پھر واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر برٹانیکا کے مقالہ نگار نے کیا ہے اس کا قصہ صرف بائبل کی ایک مشتبہ کتاب( opocry phal Book) آستر میں مذکور ہے، اس کتاب کو پروٹسٹنٹ فرقہ معتبر نہیں مانتا، چنانچہ مروجہ پروٹسٹنٹ انجیلوں میں یہ کتاب موجود نہیں ہے، البتہ کیتھولک فرقہ اسے مستند مانتا ہے، اس مشکوک کتاب میں جس ہامان یا آمان کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ شاہ اسویرس کا وزیر نہیں بلکہ صدر دربار تھا۔(۹)

اور اس کا جو قصہ اس کتاب میں مذکور ہے اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں ہے، قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لیے ایک اونچا محل تعمیر کرائے، تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے، قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت تک فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا اور بالآخر اسی کے ساتھ غرق ہوا، اس کے برعکس کتاب آستر میں ہامان (یا آمان) کی طرف اس نوعیت کا کوئی قصہ منسوب نہیں کیا گیا، کتاب آستر کا ہامان بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے، اور اس کا قصہ صرف اتنا ہے کہ ایک اتفاقی واقعہ کی بناء پر صرف مختصر عرصہ کے لیے بادشاہ اسویرس کا تقرب حاصل کرتا ہے، لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروا دیتا ہے جس پر بادشاہ کی یہودی ملکہ آستر اس کی دشمن

Marfat.com

ہو جاتی ہے اور انجام کار بادشاہ اسے سولی پر لٹکا کر اس کی جگہ ایک یہودی مرد کے کو نامزد کر دیتا ہے۔(۱۰)

جس شخص نے آستر کی کتاب کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آستر کے اس قصے کو ہامان کے قرآنی واقعے سے دور دراز کا بھی تعلق نہیں، اگر واقعۃً ہامان کے تذکرے میں آستر والے ہامان سے اشتباہ لگا ہوتا تو دونوں قصوں میں کہیں تو کوئی اتفاق ہونا چاہیے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں مطابقت کی کوئی ادنیٰ جھلک بھی نہیں پائی جاتی ہامان کا جو واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہ آستر یا بائبل کی کتاب میں موجود نہیں ہے اور آستر میں جو قصہ منقول ہے وہ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ لاکھوں احادیث کے ذخیرے میں بھی کہیں نہیں ملتا، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کبھی آپ ﷺ کے علم میں آیا تھا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ دو ہم نام شخصوں کو دیکھ کر اشتباہ لگنے کا یہ فلسفہ عہد حاضر کے عیسائی اور یہودی مستشرقین کو ہمیشہ صرف قرآن اور اسلام ہی کے معاملات میں یاد آتا ہے، بائبل میں جو سیکڑوں ہم نام انسانوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں انھیں کبھی اس قسم کے خیالات نہیں ستاتے۔(۱۱)

---

نوٹ: ''مذکورہ مضمون کا مواد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن والتفسیر) کوڈ: 4576 کے کورس میں شامل ''قرآن حکیم اور مستشرقین از ثناء اللہ حسین'' سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


1. Sale G:The Koran "(New York,1890)" page:52

۳۔ تقی عثمانی، علوم القرآن (مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۲۰۱۴ء) ص:۱۵۹۔

۱۔ البقرہ (۲):۲۳۔

۲۔ محمد رشید رضا، الوحی المحمدی، (دار المنار، مصر) ص:۱۰۸

۳۔ ایضاً، ص:۱۳۸۔

۴۔ الحجر (۱۵):۴۹-۵۰۔

۵۔ الحجر (۱۵):۵۱۔

۶۔ انسائیکلو پیڈیا، برٹانیکا، ۱۳/ ۴۸۳۔ مقالہ قرآن، ۱۹۵۰ء۔

۷۔ ایضاً مقالہ مریم، ۱۴/۹۹۹۔

۸۔ انسائیکلو پیڈیا، برٹانیکا، ۱۳/ ۴۸۳،

۹۔ آستر (ناکس ورژن مطبوعہ میکملن ۱۹۶۳ء)، ۱/۳۔

۱۰۔ آستر، ۳/۱۸ اور ۶، ۷، ۱۰، اور ۲:۸

۱۱۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، ص:۲۹۰۔


Quran

Marfat.com

فصل سوم :

# مستشرقین کا تصورِ نسخ

علوم القرآن میں دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ مستشرقین نے نسخ کو بھی موضوع تحقیق بنایا ہے، لیکن اس موضوع پر مستشرقین اور مسلمان علماء کی آراء ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ مستشرقین نسخ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔ کیونکہ مستشرقین نسخ کو "بدا" کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ "نسخ فی القرآن" کے حوالے سے مستشرقین کے نقطہ نظر کے تحقیقی مطالعہ سے قبل ان کے نزدیک اصطلاح نسخ کے مختلف معانی کو بیان کیا جائے گا۔

## نسخ کا لغوی مفہوم:

نسخ کا انگریزی مترادف Abrogation بیان کیا جاتا ہے۔ جو کہ Repeal /Annulment کے معنوں میں ہے۔ جبکہ علمائے اسلام کی اصطلاح میں نسخ بمعنی Replacement,Cancellation اور Amendment کے آیا ہے۔ اس سلسلے میں Khalifa Muhammad لکھتے ہیں:

The view points of both parties are basically different. The contrast beween them is perhaps as striking as the word abrogation and quranic context of the corresponding Arabic word ` Naskh`.(1)

مستشرقین نسخ کے دیگر معنوں میں Withdraw اور Omission کو بھی بیان کرتے ہیں۔

Encyclopedia of islam میں نسخ کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے۔

The Principal component of the general concept of naskh is change, replacement, to this was joined the notion of withdraw, Omission .(2)

اسی انسائیکلو پیڈیا میں نسخ کے لیے Alternation کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ Encyclopedia of Quran میں اصطلاح نسخ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

"The cancellation of a legal enactment as an adequate translation of the Arabic term naskh which include when applied to the Quran reference to ` omission` although it more commonly signifies substitution"(3)

J.Burton نے قرآن کی دو مختلف حیثیتوں کا تعین کرتے ہوئے نسخ کی دو جہتوں کو بیان کیا ہے۔
J.Burton نے قرآن مجید کی ایک حیثیت ایک دستاویز کی اور دوسری مصدر شریعت بیان کی ہے ۔

"The term naskh is defined now as to supress as to replace depending upon whether one is discussing the Quran document or the Quran source."(4)

قرآن کی محض دستاویزی حیثیت پر Supress جبکہ اس کی تشریحی حیثیت پر replacement کا اطلاق کیا گیا ہے۔

## تصورِ نسخ کا ارتقاء، مستشرقین کا نقطۂ نظر:

مستشرقین کے مطابق نسخ فی القرآن کے تصور کا ارتقاء پہلی صدی ہجری کے بعد ہوا ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ فقہ اور قرآن میں قائم ہونے والے اختلافات کو کوئی مضبوط بنیاد فراہم کی جا سکے۔
J. Burton نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

Abrogation is a prominent concept in the field of the Quranic commentary and islamic law, which allowed the harmonization of apparent contradiction in legal ruling.`` (5)

D.S.Powers کے مطابق تصور نسخ کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہوا تا کہ قرآن اور احکام شرعیہ کو ہم آہنگ کیا جا سکے۔

``During the course of 1st century AH Naskh could have emerged as an important hermeneutical device designed, first and for most to reconcile discrepencies that had arisen between the Quran and Fiqh``.(6)

D.S.Powers کے مطابق اس ایک صدی پر مشتمل عرصہ میں چالیس ناسخ و منسوخ آیات کا تعین کیا گیا اور ان کو ترتیب زمانی کے دائرے میں داخل کیا گیا۔ جس کے مطابق پہلے والی آیت منسوخ قرار پائی۔ اور پھر

Marfat.com

انھیں قرآن میں اس طرح رکھا گیا کہ منسوخ پہلے اور ناسخ بعد میں آئے صرف دو مثالیں اس پر پوری نہ اتر سکیں۔
پھر دوسری اور تیسری صدی کے دوران نسخ کو مزید وسعت دی گئی۔

J.Burton نے اقسام نسخ پر بہت تحقیق کی ہے۔ اس حوالے سے اس کی رائے یہ ہے کہ مسلمان نسخ کے بیان میں Omission کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ نسخ الحکم والتلاوۃ کی اصطلاح کی بجائے Omission کی اصطلاح زیادہ موزوں ہے۔

Burton نے اقسام نسخ پر مفصل بحث کے بعد یہ اخذ کیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۶ میں: ''من آیۃ'' سے مراد حکم ہے، جو کہ تورات کے احکام اور سابقہ شرائع سے متعلق ہوسکتا ہے کیونکہ آیت کا سیاق وسباق اسی معنی کو اختیار کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کے بعد کے احکامات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے یہی معنی اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتے ہیں (۷)۔

## (۲) نسخ کو نبی ﷺ کی طرف سے ذاتی تبدیلی قرار دینا:

مستشرقین نسخ کو نبی ﷺ کی ذاتی تبدیلی قرار دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کئی آیات کو خود ہی منسوخ کر دیتے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں NOLDEKE بیان کرتا ہے۔

``Another difficulty presented by Quran is the fact that Muhammad sometime revoked whole verses and declared them to be abrogated.`` (8)

نولڈیکے NOLDEKE نے ناسخ ومنسوخ کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ آپ ﷺ نے آیات کے تناقض کی بناء پر نسخوں میں اختلاف سامنے آنے پر یہ چاہا ہے کہ مختلف متصادم نسخوں کی بجائے صرف ایک ہی مستند نسخہ سامنے لایا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے خود کو زیادہ مشکلات میں نہ ڈالا اور کبھی آیات کی ایک پوری فصل ہی کو ختم کر دیا اور متبعین کو اسے بھلانے اور مٹانے کا حکم دے دیا اور حصہ کو ہی منسوخ قرار دیا۔

نولڈیکے NOLDEKE نے منسوخ التلاوۃ، کے ساتھ ساتھ منسوخ الحکم کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ اس طرح منسوخ حصوں کو قرآن سے نکالنے پر کسی نے بھی اظہارِ تشویش نہیں کیا نہ ہی اس پہلو کو مدِ نظر رکھا گیا کہ آئندہ لوگ اس سے مشکلات میں پڑ جائیں گے کیونکہ ناسخ ومنسوخ دونوں کی موجودگی نا قابلِ فہم ہے۔

نولڈیکے NOLDEKE لکھتا ہے کہ

``That later generations might not so easily distinguish the abrogated from the abrogation did not occure to Muhammad whose vision naturally enough seldom extended to the future of

Marfat.com

his religions community,`` (9)

Richerd Bell نے بھی نسخ کو اسی حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ جو حکم آپ ﷺ کو مناسب لگتا آپ ﷺ دے دیتے اور بعد میں اسی سے منع فرما دیتے:

``He seems to adopt what suits his own purposes at the moments and to pass by what does not suit them; when he has attained some immediate object he drops what he had proviously adopted,`` (10)

R.Bell نے نسخ کو اسلام کے لیے ایک مشکل قرار دیا۔(11)

مستشرقین کے اس اعتراض کو اس بنیاد پر رد کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسخ کو بالتصریح اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اسلام کا تصور نسخ کے حساب میں نسخ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

مانسخ من آية او ننسهانات بخير منها

نبی ﷺ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرمان کو منسوخ کر کے اپنی مرضی سے اس میں ترمیم کر دے۔ یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمودات سے قرآن کی تشریح و توضیح ہوتی ہے نسخ واقع نہیں ہوئی۔

## (۳) نسخ اور ارادہ الٰہی میں تبدیلی۔ ''بداء'':

نسخ کے ذریعے اچھے کو برا اور برے کو اچھا قرار دیا جاتا ہے۔

``A second objection arose from the view that what is good is commanded and what is evil is forbidden. In prohibiting what had been permitted or permitting what had been forbidden `` Naskh`` would be to declare good evil and evil good. Naskh can not , therefore be posited as a divine activity.``(12)

اسی مناسبت سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کا علم بعد میں ہوتا ہے، جس پر اس فیصلہ کو بدل لیا جاتا ہے، اسے Basanta Coomar Boose نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

Why this abrogation , man changes his mind but God in unchangeable why should He think it better to alter the text , was

Marfat.com

the previous verse wrong or in any way incomplete...... why did He not write a correct book instead of altering the verses as accasion arose,``(13)

نسخ کے حوالے سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رائے کی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ نسخ رائے کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ ہر زمانے میں اس کے مطابق احکام دینا ہے۔تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانہ کے لحاظ سے تو وہی مناسب تھا لیکن اب حالات کی تبدیلی کی بناء پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔ ناسخ حکم منسوخ کو غلط قرار نہیں دیتا بلکہ حکمت الٰہی پر مبنی تبدیلی کو لازم کرتا ہے۔

حالات واحکام میں موافقت پر مبنی تبدیلی احکام شرعیہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ پوری کائنات کا نظام اسی اصول پر چل رہا ہے جس کی مثال موسموں کے بدلنے سے لی جا سکتی ہے۔ایک کے بعد دوسرے موسم کا آنا ارادے کی تبدیلی کی بناء پر نہیں ہیں بلکہ اس کا سبب حکمت ومنشاء الٰہی ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ کائنات میں واقع ہونے والی تبدیلیاں منتظم اعلیٰ کی رائے میں تبدیلی کے سبب سے ہیں تو یہ اس کی کج فہمی ہوگی۔یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال پر بندوں کے افعال کو قیاس کرنا اور یہ کہہ دینا کہ پہلے اللہ تعالی نے ایک حکم دیا مگر بعد میں اپنا ارادہ بدل لیا، یہ کم علمی کا ثبوت ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انسانی صفات کا اطلاق اللہ تعالی کی ذات پر کیا جائے۔انسان کسی فائدہ یا سبب کی بنا پر کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا علم پہلے نہیں تھا بعد میں اس میں علم نہ ہونے کی بنا پر دوسرا فعل اختیار کر لیا۔اس انسانی علم کے برعکس اللہ تعالی کو تمام موجودات کا واقع کے مطابق علم ہوتا ہے۔اللہ تعالی کی طرف سے نظم کائنات میں تبدیلیوں کو ارادہ کی تبدیلی قرار نہیں دیا جا سکتا نہ ہی یہ متصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک موسم کے بعد دوسرے موسم کے آنے کا سبب پہلے اس کی شدت کا علم نہ ہونا ہے۔اس نکتہ کو زندگی کے بعد موت، بیماری کے بعد صحت یا رزق کی فراوانی کے بعد تنگی کرنے سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کی علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون علیٰ جوازه وانكره اليهود ظناء منهم انه بداء كالذى يراى الراى ثم يبدوله وهو باطل لانه بيان مدة الحكم كالاحياء بعد الاماتة وعكسه والمرض بعد الصحة و عكسه ، والفقر بعد الغنى و عكسه وذلك لا يكون بدا فكذا الا مر نهى؛؛(١٤)

”مارنے کے بعد زندہ کرنا ہے یا اس کے برعکس صحت کے بعد بیماری دینا یا اس کے برعکس اور مالدار ہونے کے بعد مفلس کرنا یا اس کے برعکس ان امور کو ارادہ کی تبدیلی قرار نہیں دیا جا سکتا۔“

جب ان امور میں تبدیلی کو ارادہ کی تبدیلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا تو ایک حکم کی بجائے دوسرے حکم کو نافذ

Marfat.com

کرنے کو ارادہ کی تبدیلی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے پر متعدد آیات قرآنی شاہد ہیں۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾(۱۵)

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾(۱۶)

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾(۱۷)

﴿مَاأَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِيْ أَلا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ﴾(۱۸)

نسخ کو ارادہ کی تبدیلی قرار دینا گمراہی اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے امور واشیاء سے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم وخبیر ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ما ظهر له امر كان خافياً عليه، وما نشاء له راى جديد من قبل ان يخلق الخلق وان الاحكام و حكمها، والعباده و مصالحهم، والنواسخ والمنسوخات كانت كليها معلومة لله من، ظاهرة لديه لم يخف شيء منها عليه، والجديد فى النسخ انما هو اظهاره تعالىٰ ما علم لعباده لا ظهور ذالك له(۱۹)

”کوئی امر ایسا نہیں جو بعد میں اللہ پر ظاہر ہوا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ناسخ ومنسوخ کو ازل سے ہی جانتے ہیں۔ اسے بندوں کے لیے شرع بنانے سے پہلے وہ اس سے آگاہ ہے۔ احکام کی حکمتوں، بندوں کے مصالح اور ناسخ ومنسوخ سب اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہیں۔ نسخ میں نیاپن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اظہار بندوں پر بعد میں کیا نہ یہ کہ اس کا اظہار خود اللہ پر بعد میں ہوا۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم، اس بنا پر نہیں دیا جاتا کہ اس کی حقیقت (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر بعد میں ظاہر ہوئی۔ خواہ اس حکم کا تعلق نظم کائنات سے ہو یا امور شرعیہ سے نسخ معلوم ہوتا ہے اس میں نئی بات صرف یہ ہوتی ہے کہ جو بات اللہ کو ہمیشہ سے معلوم تھی اللہ نے اسے بندوں پر ظاہر کر دیا۔

مولانا گوہر رحمان کے مطابق

تکوینی اور تشریعی دونوں دائروں میں اشیاء واحکام کی شرائط اور موانع سب کا علم اسے ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں یکساں حاصل رہتا ہے۔ ہم کو جو تغیرات وتبدلات نظر آتے ہیں۔ یہ اشیاء واحکام میں ہوتے ہیں اور اللہ کے علم میں ہوتے ہیں۔ اسے تو شرط ومشروط، سبب ومسبب، تاثر وتاثیر اور ان کے تفصیلی اوقات کا علم پہلے سے حاصل ہوتا ہے(۲۰)

Marfat.com

احکام الٰہی میں واقع ہونے والی اس تبدیلی پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک حکم جسے اچھا قرار دیا گیا تھا بعد میں اسے برا یا غلط کہہ کر اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیا جاتا ہے۔
اسے پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ ناسخ کا کام منسوخ کو برا یا غلط قرار دینا نہیں بلکہ حالات کے مطابق حکم کو سامنے لانا ہے۔ مختلف احکامات دینے کا ایک مقصد لوگوں کی اطاعت گزاری کا امتحان لینا بھی ہے۔ Encyclopedia of Islam میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہیں۔

The function of divine command is test human obeidence. That explains why regulations may differ from religion to religion or from period to period Since men will either be rewarded for obedience or punished for disobedience. God may command what He pleased . Depented solely upon the divine will, regulation becomes only wholly arbitrary and so may change at any moment. Only what God cammands is good ; only what He forbides is evil, and as regulation is linked to the divine will and not to the divine knowledge objections based on the inconceiveability of change of the divine mind or development of the divine knowledge, know as "baba" inevitably fail(21)

الغرض نسخ کسی لحاظ سے بھی رائے کی تبدیلی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ حالات کے تقاضوں کے مطابق احکامات کا واقع ہونا ہے۔ حالات واحکام میں موافقت منشائے ایزدی / رضائے الٰہی کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اس حوالہ سے اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ دین کی اساس اللہ کا حکم ہے اور اچھائی یا برائی کا تعین اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جاتا ہے۔ احکام میں تبدیلی کو اللہ کے علم میں تبدیلی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا ممکن نہیں کہ اللہ کو کسی حکم کے صحیح یا غلط ہونے کا علم اس حکم پر عمل کے بعد نتیجہ ظاہر ہونے پر حاصل ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو کسی امر کے فوائد ونقصان اور نتائج وغیرہ کا علم ماضی، حال اور مستقبل ہر لحاظ سے پہلے سے ہوتا ہے۔ تغیر وتبدل اشیاء میں واقع ہوتا ہے اللہ کے حکم میں نہیں۔ لہٰذا اس بنیاد پر کیا جانے والا اعتراض مستشرقین کی کم فہمی کا عکاس ہے۔

## کیا قرآن کے احکامات عارضی ہیں؟

مستشرقین نسخ کو ان معنوں میں واضح کرتے ہیں کہ نسخ میں عارضی طور پر دیے جانے والے احکامات کو یا تو باقاعدہ کیا جاتا ہے یا ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ بنیادی عقائد کے علاوہ تمام

Marfat.com

احکامات عارضی ہیں۔

"Naskh involves only command which on first institution could have been declared temporary and are such as are indiffirently capable of being regulated or of being irregulated. Excluded therefore, are the central tenets of the faith, but also all regulation of the Quran expressly stated to be temporary,"(22)

اس نقطہ نظر کے جواز میں سورۃ نساء کی آیت: ۱۵ کے نسخ کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

"In the wording of 4.15 or God appoint a way, God had marked the penatly for married women as temporary. It is an example of .......... NASAKH...... the postponment of a revelation until a later time with the revelation of an interim regulation in the meantime"(23)

''نسخ فی القرآن کے حوالہ سے مستشرقین کے نقطہ نظر کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے احکامات کو عارضی بنا کو پیش کرتے ہیں صرف عقائد کو اس سے مستثنٰی کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مستشرقین نے سورۃ نساء کی آیت: ۱۵ کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ قرآن میں پہلے عارضی حکم دیا جاتا پھر اسے مستقل کیا جاتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس حوالے سے بطور دلیل پیش کردہ آیت (النساء) کو درج ذیل بنیادوں پر واضح کیا جائے۔''

① آیت کا مفہوم
② سیاق و سباق
③ آیت مذکورہ کے نسخ کی حقیقت

ا۔ مفہوم:

﴿وَاللاَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىَ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً﴾(۲۴)

''تمھاری عورتوں میں سے جو بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہیے کہ اپنے آدمیوں میں چار آدمی ان پر گواہ لاؤ اگر وہ گواہی دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کے ان پر موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی دوسری راہ پیدا کردے۔''

Marfat.com

سورۃ النساء کی اس آیت کو زنا کی ابتدائی سزا متصور کیا جاتا ہے۔ جسے کہ سورۃ نور یا بعض کے مطابق حدیث نبوی ﷺ سے منسوخ ٹھہرایا جاتا ہے۔ بعض مسلمان علماء کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ حکم زنا کی ابتدائی سزا کے طور پر دیا گیا اور اس میں کسی حتمی حکم کے نزول کا وعدہ: او یجعل الله لهن سبیلا: کے الفاظ میں ملتا ہے۔ جسے سورۃ نور کی آیت: ۲ الزانیة والزانی سے پورا کیا گیا ہے۔ (۲۵)

مستشرقین نے اس توجیہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ عارضی حکم کو سورۃ نور کے حکم سے مستقل کیا گیا ہے۔

متقدمین میں سے مفسر قرآن مجاہد نے اس آیت سے زنا کی عارضی سزا مراد نہیں لی بلکہ ان کی رائے میں یہ حکم ہم جنس پرستوں کے لیے ہے۔ (۲۶)

یعنی سورۃ النساء کی آیت ۱۵ اور ۱۶ میں عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ تثنیہ کے صیغے آئے ہیں اگر ایک عورت اور ایک مرد کی بدکرداری کی سزا کا تعین مقصود ہوتا تو الگ الگ تثنیہ لانے کی بجائے تثنیہ مذکر کا استعمال دونوں کے لیے کیا جاتا جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ آیت ۱۵ دو عورتوں کی باہم بدکاری اور آیت ۱۶ دو مردوں کی آپس میں بدکاری سے متعلق ہے، کیونکہ الاتی، التی سے تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہے۔ اور الذان، الذی سے تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے۔

القول الثانی هو اختیار ابی مسلم الاصفهانی ان المراد بقو له( واللاتی یاتین الفاحشة)، السحاقات، وحدهن الجس الی الموت و بقول(اللذان یاتینها منکم) اهل الواط وحدهما الاذی بالقول والفعل، ان قوله(والاتی یاتین الفاحشة من نساء کم) مخصوص بالنسوان وقولة ( واللذن یاتیا نها منکم) مخصوص بالرجال لان قوله والذان لتثنیة الذکور(۲۷)

(ابومسلم اصفہانی کے مطابق ( والاتی یاتین الفاحشة ) سے مراد 'سحاقات' یعنی آپس میں بد کاری کرنے والی عورتیں ہیں۔ جن کی سزا گھروں میں بند رکھ کر برائی کو روکنا ہے۔ (والذان، یاتیانها) سے مراد لواطت ہے جس کی سزا زبان اور ہاتھ سے اذیت دینا ہے)۔

پہلا فرمان عورتوں کے لیے خاص ہے اور دوسرا مردوں کے لیے خاص مذکر کا صیغہ ہے۔

ان آیات کو حد زنا میں اس لیے شامل کیا جاتا ہے ایک ہی مقام پر ایک ہی بات کی تکرار قرآن مجید کی فصاحت کے خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں 'لهن سبیلا' کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللذان کی ہدایت کے لیے کوئی سبیل نکال دیں۔ تو وہ اس فعل پر شرمندہ ہو کر تائب ہو جائیں۔ اور اگر اس سے باز نہ آئیں تو موت تک ان کو قید میں ہی رکھا جائے۔ یعنی اس سے ان کی اصلاح مقصود ہے۔ 'لهن سبیلا' کو حد زنا 'مائة جلدة' سے منسوب کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام رازی نے اس سے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ یہاں 'علیهن' نہیں کہا گیا، کیونکہ لغت عرب میں لها اور علیها کا استعمال الگ موزوں میں ہوتو ہے۔ جیسا کہ فرمانِ اللہ تعالیٰ ہے کہ ( لها ما

Marfat.com

کسبت و علیھا ما اکتسبت) سے ظاہر ہے۔لھا تحفظ اور یسر کے لیے ہے جبکہ علیھا عقوبت کے لیے ہے۔اس آیت مذکورہ میں اصلاح اور یسر کے معنی مراد لیے جائیں گے نہ کہ عقوبت کے۔

مفتی عبدہ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم مراد لیتے ہوئے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے۔اور واضح کیا ہے کہ قرآن میں تین طرح کی مختلف فواحش پر الگ الگ سزا بیان کی گئی ہے یہ نہیں کہ تینوں فواحش کو ایک ہی جرم قرار دے کر ایک سنگین سزا کا حکم دیا گیا ہو۔

وھو کون القرآن علینا طبقا بعقوبة الفواحش الثلاث و کون ھاتین الایتین محکمتین والاحکام اولی من النسخ؛(۲۸)

"قرآن بھی اس پر ناطق ہے کہ تین اقسام کی فواحش کی سزا (الگ) ہے یہ دونوں آیتیں محکم ہیں نسخ سے بہتر وحی کا محکم ہونا ہے۔"

سرسید احمد خان اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی آیۃ زیر بحث کا یہی مفہوم بیان کیا (۲۹) ہے اور اس حکم کو عارضی نہیں بلکہ مستقل کے طور پر واضح کیا ہے۔رحمت اللہ طارق نے آیۃ النساء کے آخر میں بیان کردہ صفات الٰہی تواب اور رحیما سے قابل اصلاح پذیر نظر بندی کو بیان کیا ہے کہ اگر ایسا مقصود نہ ہوتا تو یہ صفات یہاں بیان نہ کی جاتیں (۳۰)

آیۃ مذکورہ کے مفہوم پر تفصیلی بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت کا حکم مختلف بیان کردہ فواحش میں سے ایک سزا سے متعلق ہے۔اسے زنا کی عارضی سزا متصور نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس آیت کا النور:۲ کی آیت سے نسخ واضح ہوتا ہے۔جب آیت زیر بحث کا نسخ ہی واقع نہیں ہوتا تو مستشرقین کی طرف سے اسے بطور عارضی حکم کے لینے کا جواز بھی باقی نہیں رہتا۔

"The disrepency between the two sets of verses indicate that different situationscall for different regulations. This is an instance of naskh in the Quran. Chronology is the key to the resolution of the difference since a divine book cannot contain contradiction."(31)

## ۵ احکامات میں تعارض:

قرآن میں نسخ کا ایک پہلو یہ ہے کہ مختلف احکام کی مناسبت سے مختلف احکام دیے گئے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔حالانکہ اسلامی کتاب میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔G.Sale کے مطابق الہامی کتاب میں تضاد سے انکار کیا جاتا ہے اور اسے نسخ کا نام دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

"There being some passages in the koran which are contradictory, the Mohammadan doctors obviate any objection from thence, by the doctrine of abrogation"(32)

## منٹگمری واٹ کا اعتراض:

''محمد ﷺ کا یہ عقیدہ کہ ان کے پاس وحی خدا کی طرف سے آتی ہے ان کو مواد کو ترتیب نو دینے اور با الفاظ دیگر حذف و اضافے کے ذریعے اس میں ترمیم کرنے سے باز نہیں رکھتا تھا، قرآن کریم میں کچھ حوالے ایسے ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا محمد ﷺ کو کچھ آیات بھلوا دیتا تھا، متن کے بغور مطالعہ سے یہ بات تقریبا یقینی ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے کچھ الفاظ اور آیات کا بعد میں اضافہ کیا گیا، البتہ اس قسم کے اضافوں کو محمد ﷺ کی تالیف نہیں کہا جائے گا، یہاں بات فرض کی جا سکتی ہے کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود تھا کہ جب ان کو قرآن کے کسی حصے میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ وحی کے الفاظ سن لیتے تھے لیکن وہ وحی کے بغیر ترمیم نہیں کرتے تھے، روایت پسند مسلمانوں نے اس بات کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم کی کچھ آیات جن میں مسلمانوں کے لیے کچھ قوانین بیان ہوئے تھے وہ بعد کی آیات کے ذریعے منسوخ ہو گئے۔''(۳۳)

منٹگمری واٹ کے اس اقتباس سے تاثر ملتا ہے کہ آپ ﷺ قرآن کریم میں ترمیم و اضافہ یا نظر ثانی کرتے تھے، لیکن لوگوں کو آپ ﷺ یہ تاثر دیتے تھے کہ یہ ترمیمات اپنی طرف سے نہیں بلکہ جب آپ کسی مقام پر ترمیم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ منبع وحی سے رابطہ کر لیتے ہیں اور وحی کے ذریعے قرآن میں ترمیم کر دیتے ہیں۔

منٹگمری واٹ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر حقیقت یہی ہو تو پھر قرآن کریم کو کلام خداوندی ماننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی منٹگمری واٹ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس پر قرآن خود بھی شاہد ہے اور مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ غلط ہے، قرآن کریم نہ تو حضور ﷺ کو قرآن کریم کا مصنف قرار دیتا ہے اور نہ ہی اس کی ترتیب اور اس میں نسخ کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے اور روایت پسند مسلمان اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں جس کا قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے نسخ کو حضور ﷺ کی طرف سے نظر ثانی قرار دینا نہ قرآن کریم کا بیان ہے اور نہ ہی مسلمانوں نے کبھی اس بات کو تسلیم کیا ہے، منٹگمری واٹ نے اپنے مزعومات کو قرآن کریم اور مسلمانوں کے سر تھوپ کر اپنی روایتی علمی بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے۔

نسخ قرآن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور نسخ علوم دینیہ کی ایک مستقل اصطلاح جس کی اپنی ایک مخصوص تعریف اور شرائط ہیں۔

Marfat.com

نسخ کوئی قانونی چھری نہیں، جو جس عقیدے کو چاہے باطل کردے، جس قانون کو چاہے کالعدم قرار دے، اور جس اخلاقی ضابطے کو چاہیے ملیامیٹ کردے، نہ اس کے لیے زمانے کی پابندی ہو، نہ مسئلے کی نوعیت اس قانون پر اثر انداز ہوتی ہو بلکہ جس بات کو جب بھی خلاف مصلحت سمجھا کالعدم قرار دے دیا، نسخ کے متعلق اس قسم کا تصور صحیح نہیں۔

نسخ ایک شرعی اصطلاح ہے جو اپنے دائرے اور پابندیوں کے اندر نافذ العمل ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے حکمت خداوندی کے عین مطابق ہے۔

مستشرقین کا خیال ہے کہ نسخ کو ایک Remedy کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ تا کہ جہاں کہیں عدم توازن ہو وہاں نسخ سے کام چلایا جا سکے۔ جیسا کہ تحویلِ قبلہ سے متعلق حکم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

"The statement as to the freedom given concerning the direction toward which prayer may be offered is inconsistant with the verse" turn thy face to the mosque"139/4 Here again is a case of abrogation made in order to avoid inconsistency, and no such freedom of direction s now allowable,"(34)

تحویلِ قبلہ سے متعلق G.L.Berry نے لکھا ہے کہ ابتدا میں محمد ﷺ نے اس امید پر کہ یہودی مسلمان ہو جائیں گے ان کے ساتھ سازگاری کی پالیسی اپنائی لیکن جب دیکھا کہ وہ تو قریب نہیں آ رہے تو آپ ﷺ نے فوراً اپنی پالیسی بدل لی اور لوگوں سے کہہ دیا کہ قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ ہوگا۔(۳۵)

Encyclopedia of Islam میں تعارض کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ آیات کا آیات سے اور آیات کا احادیث سے موازنہ کریں تو ان میں شدید نوعیت کی کشمکش سامنے آتی ہے۔

"Since a comparison of verse with verse, Hadith with hadith, hadith with verse and both Quran and hadith the Fikh suggested serious frequent conflict,"(36)

اس ضمن میں جن آیات کو تعارض پر دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ان میں تحویلِ قبلہ کا حکم، آیت صبر و جہاد اور آیت وصیت و وراثت شامل ہیں۔

مستشرقین کی طرف سے تعارض احکامات کے حوالہ سے جن آیات کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں تحویلِ قبلہ کا حکم بھی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے یہود کو خوش کرنے کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنایا لیکن جب دیکھا وہ آپ ﷺ کی پیروی اختیار نہیں کر رہے تو آپ ﷺ نے اپنا قبلہ بدل لیا اس سے منسلک ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ پہلے حکم دیا گیا۔

Marfat.com

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۳۷)

جبکہ بعد میں اس حکم کو بدل کر صرف مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا۔

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (۳۸)

## پس منظر:

تحویلِ قبلہ کا پس منظر یہ ہے کہ آپ قیام مکہ کے دوران خانہ کعبہ میں اس رخ سے نماز ادا کرتے رہے کہ دونوں قبلوں کا اجتماع شامل رہتا۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو سمت کے بدلنے سے صورت حال بدل گئی یہاں آ کر آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے سولہ ماہ تک نماز ادا کی اس دوران آپ ﷺ کی شدید خواہش رہی کہ تعینِ قبلہ سے متعلق کوئی واضح حکم اللہ کی طرف سے نازل ہو جائے۔ آپ ﷺ چونکہ دین ابراہیمی کے شعائر کا احیاء فرما رہے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ کے جدامجد کے ہاتھوں تعمیر ہونے والا گھر جو ملت ابراہیمی میں قبلہ رہا ہے آپ ﷺ کے لیے بھی وہی قبلہ متعین ہو جائے۔ آپ ﷺ کی اس خواہش اور بارگاہ الٰہی سے اس کی بجا آوری پر آپ ﷺ کے انتظار کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (۳۹)

تحویلِ قبلہ کے حکم کو ناسخ بیان کیا جاتا ہے یہ حکم کس حکم کا ناسخ ہے؟ یقیناً قرآن اور حدیث میں ایسی کوئی واضح نص موجود نہیں ہے جو بیت المقدس کو قبلہ قرار دیے جانے سے متعلق ہو۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت وہی ہے کہ آپ ایسے معاملات جن میں وحی متلو یا غیر متلو کسی بھی ذریعے سے کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا اہلِ کتاب کے موافق عمل فرماتے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی واضح حکم نازل ہو جائے۔ بیت المقدس کو قبلہ بنایا جانا بھی ایسا ہی ہے۔ تحویلِ قبلہ سے متعلق آیات پر ناسخ و منسوخ کا اطلاق ہی نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک مستشرقین کی طرف سے پیش کردہ اس نکتہ کا تعلق ہے کہ مشرق و مغرب اللہ کے لیے ہیں تو جدھر چاہو رخ کرو۔ اور اس کے متعارض یہ حکم بھی آیا ہے کہ ''اپنے رخ کعبہ کی طرف کر لو'' تو اس کی حقیقت یہ بھی ہے کہ اس بنیاد پر اعتراض کرنے والے مستشرقین محض غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیونکہ (وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ) کی آیت ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کے بعد کی ہے۔ جو کہ یہود و منافقین کے تحویل قبلہ کے حکم کی ناسخ ہے اور منسوخ بلکہ جو کوئی بھی حالت سفر میں ہو اور اسے سمت قبلہ کا علم نہ ہو سکے تو وہ جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی اس طرح اس آیت پر عمل ہوگا۔

Marfat.com

تحویلِ قبلہ اور اس جیسے دوسرے احکامات بندوں کی اطاعت کا امتحان ہیں۔ منافقین جو مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ ان احکامات سے ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوگیا۔ اس حوالہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل چیز اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ فی نفسہ کوئی حکم یا اس کا نسخ نہیں۔ یہی چیز احکامات اسلام کی اساس ہیں اس سے یہود اعراض برتتے ہیں ان کے لیے اللہ کا حکم اہم نہیں بلکہ اہمیت تورات کے ان احکامات کی ہے جن میں وہ تغیر یا تحریف کرتے ہیں۔

احکامات قرآنیہ میں ظاہری تعارض کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مستشرقین قرآن مجید میں آیت صبر اور آیت جہاد کو باہم متضاد بیان کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں ایک طرف صبر کا حکم ہے اور دوسری طرف لڑنے کا حکم ہے جو کہ آیات کے متعارض ہونے کا ثبوت ہے۔ مستشرقین کے اس دعوی کی حقیقت کو منکشف کرنے کے لیے آیت صبر و آیت جہاد کا تقابل پیش کرنا ضروری ہے۔

## آیت صبر:

﴿فَاعْفُواْ وَاصْفَحُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ﴾ (۴۰)

اس آیت میں کفار کی جانب سے ایذاء پہنچائے جانے پر مسلمانوں کو صبر کی ہدایت کی گئی ہے جبکہ اس کے برعکس ایسی واضح آیات بھی موجود ہیں جن میں طاقت وقوت کے ساتھ کفار سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾(۴۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ قَاتِلُواْ الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً﴾(۴۲)

ان احکامات کو آیت صبر سے متصادم قرار دے کر آیت صبر کو جہاد سے منسوخ تصور کیا جاتا ہے۔ اس بناء پر مستشرقین قرآن مجید کو متضاد احکام کا مجموعہ گردانتے ہیں۔

ان احکامات میں تعارض اور اس بناء پر ان کے ناسخ و منسوخ ہونے کی حیثیت یہ ہے کہ صبر کرنے کا حکم اس زمانے میں تھا جبکہ مسلمان کمزور تھے اور وہ کفار کو جواب دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اس عالم میں جہاد کا حکم کیوں کر دیا جاتا۔ جب مسلمان پہلے ہی حد سے زیادہ مظالم سہہ رہے تھے۔ مگر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سیاسی، معاشی اور دفاعی ریاست مہیا آگئی اور وہ کفار کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے تو اس وقت ان کو جہاد کا حکم دے دیا گیا۔

یہ دو آیتیں دو طرح کے احکامات پر مبنی ہیں نہ یہ کہ ایک آیت کے حکم کو قطعاً باطل کر دیا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کے حکم کو بالکل زائل کر دیا ہے۔ مولانا سعید اکبر آبادی نے ان آیات سے یہ احکام مستنبط کیے ہیں۔

Marfat.com

اگر مسلمان کمزور ہوں تو انھیں کفار کے مصائب پر صبر کرنا چاہیے اور اندرونی طور پر کوشش کرنی چاہیے کہ وہ قوی ہو جائیں۔ پھر جب مسلمان قوی ہو جائیں تو انھیں جہاد کرنا چاہیے اب خاموش بیٹھے رہنا اور کفار کے مصائب برداشت کرنا ان کے لیے ناجائز ہے (۴۳)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے دونوں آیتوں سے مختلف حالات کے مناسب دو مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں دونوں احکامات میں کسی طور پر بھی تعارض نہیں پایا جاتا۔

مسلمانوں میں سے نسخ فی القرآن کے قائلین بھی آیت صبر و جہاد کے نسخ کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام رازی رحمہ اللہ کے مطابق آیت صبر و جہاد کا تعلق اخلاقی تعلیمات سے ہے جنگ یا دفاع سے نہیں۔ اور امام رازی کی اس توجیہہ سے بھی ان آیات کا نسخ واقع نہیں ہوتا۔ (۴۴)

جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ آیت صبر و جہاد کو 'نساء' کی قسم سے تعبیر کرتے ہیں اسے منسوخ شمار نہیں کرتے۔

"الثالث ما امربه لسبب ثم يزول السبب كالامر حين الضعف والقلة بالصبر الصفح ثم نسخ بايجاب القتال وهذا في الحقيقة ليس نسخابل هو من قسم لنساء"(٤٥)

بعض اوقات کسی ایک سبب کی بنا پر اس کے مطابق حکم دیا جاتا ہے لیکن بعد میں وہ سبب زائل ہو جاتا ہے جیسے دفاعی اور افرادی قوت کی کمی کے باعث عفو اور صبر کا حکم تھا۔ پھر قتال کا حکم واجب ہو گیا تو حقیقت میں یہ نسخ نہیں ہے بلکہ 'نساء' ہے (مؤخر کرنا) اس کو علامہ سیوطی نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ

"وبهذا لضعف ما لهج به كثيرون من ان الاية في ذالك منسوخة باية السيف وليس كذلك بل هي من النساء"(٤٦)

اس طرح بہت سے ان لوگوں کے دلائل کا ضعف واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ نہیں بلکہ یہ نساء سے ہے۔

قرآن ہی کی آیت اس امر پر شاہد ہیں کہ اس کتاب میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں پایا جاتا، کیونکہ قرآن اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ ہے کسی انسان کی تصنیف نہیں ہے۔ کہ اس میں کوئی نقص رہ جائے اس نکتہ کی تصدیق قرآن کی یہ آیت کرتی ہے۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفاً كَثِيراً﴾(٤٧)

جب یہ غیر اللہ کا کلام ہی نہیں تو کیسے ممکن ہے کہ اس میں کوئی تعارض ہو۔ اس لحاظ سے یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ نہ اس کے مضامین میں کوئی تضاد ہے نہ ہی اس کے اسلوب میں اور نہ ہی اس کی آیات متعارض ہیں۔ احکامات قرآنی میں حالات و احکامات میں مطابقت اور موافقت کا اصول تو کارفرما ہے مگر نزول قرآن کی تئیس سالہ تاریخ میں ایک بھی مثال عدم مطابقت یا تضاد کی نہیں ملتی۔ تعارض آیات کی نفی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی

Marfat.com

ہوتی ہے۔

عن عمروبن شعیب عن ابیه عن جده قال سمع النبیﷺ قوما یتدارون فی القرآن، فقال: انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما انزلنا كتاب الله یصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علم منه قولوا او ما جهلتم فوكلوه الی عالمه(٤٨)

رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو قرآن میں جھگڑا کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے لڑایا (یعنی رد کیا) اور اللہ کی کتاب تو اس کے لیے اتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو بعض سے بعض کی تکذیب نہ کرو۔ اس میں سے جو جانو وہ کہو اور جو نہ جانو اس کے واقف کار پر چھوڑ دو۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں تعارض نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد پر بحث و مباحثہ کرنا ہی نامناسب فعل ہے۔ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

Ahmad Shallabi اور ان کے رفقاء نے بیان کیا ہے کہ

" Despite the length of th Holy Quran and the length of the time when it was releaved to Muhammad (SAW)(Twenty three years), a close study will show that there was no contradiction between its parts. The extreme precision in the choice of words and expression shows clearly that it is beyond human capability,(49)

آیت وصیت اور وراثت کے حوالہ سے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ آیت وصیت، وراثت کے حکم سے منسوخ ہے۔ اس طرح یہ دونوں آیتیں باہم متضاد ہیں۔ حدیث "لا وصیة لوارث" کو بھی ان احکامات کے متعارض بیان کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے مستشرقین آیات اور احادیث کے عدم مطابقت پر اعتراض کرتے ہیں۔

بیان کردہ آیات اور حدیث میں کس قدر تعارض ہے؟ وصیت کا حکم سورۃ بقرہ کی اس آیت میں دیا گیا ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ﴾(٥٠)

جبکہ سورۃ نساء کی آیت: میں وراثت کے تفصیلی مفصل احکامات موجود ہیں۔ ان آیات میں بیان کردہ احکامات کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دے کر ان پر تعارض کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلی آیت میں والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ آیت وراثت میں والدین اور اولاد کے حصوں کے تعین نے اس وجوب کو معطل کر دیا۔ اسی وصیت کو حدیث (لا وصیة لوارث) سے

Marfat.com

منسوخ قرار دے کر آیت اور حدیث کے متعارض ہونے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ وصیت اور وراثت کے احکام پر مبنی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ احکام باہم متضاد نہیں بلکہ آیت وراثت میں وصیت کے حکم کی مزید تائید کی گئی ہے جس سے سابقہ حکم کی توثیق ہوتی ہے۔ آیت وراثت کے آخری حصہ کے الفاظ حکمِ وصیت کی تائید کرتے ہیں۔

﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾(۵۱)

یہ توجیہ ابو مسلم اصفہانی کی ہے جسے زمخشری، امام رازی اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے اس توجیہہ کو مولانا غلام اللہ خان نے اپنے استاد شیخ حسین علی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔(۵۲)

یہاں وصیت والدین یا اقربین کے لیے نہیں بلکہ والدین اور اقربین کو ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں۔

آیت وصیت اور وراثت پر بحث کے حوالے سے یہ نکات سامنے آئے ہیں کہ

وصیت کا حکم آج بھی قابلِ عمل ہے آیت وراثت نے اس حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کی تخصیص کی ہے۔ کیونکہ غیر وارث کے لیے وصیت کا حکم اب بھی ہے۔ اصطلاح نسخ کا اطلاق صرف ایسے حکم پر ہوگا جس پر عمل قطعاً واجب نہ ہو۔ مولانا غلام اللہ خان نے اس نکتہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ

اگر وصیت کو استحباب پر محمول کیا جائے تو اس آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ حکم استحبابی اب بھی باقی ہے۔(۵۳)

## (۶) قرآن اور مصحف میں فرق:

نسخ فی القرآن کے حوالے سے مستشرقین نے مشترکہ لائحہ عمل اپنا رکھا ہے۔ مستشرقین کی تحقیقات کی حکمت عملی کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی تحقیقات میں ذاتی کاوش کو بہت کم دخل حاصل ہے۔ وہ زیادہ تر انحصار پہلے سے فراہم کردہ غیر مصدقہ معلومات پر کرتے ہیں، بظاہر مختلف شواہد سے استدلال کرتے ہیں مگر نتیجہ بالاتفاق ایک ہی نکالتے ہیں کہ

نسخ کی وجہ سے وحی کے کئی حصے محفوظ نہیں رہ سکتے اور اس وجہ سے مصحف نامکمل ہے۔

اس نتیجہ کو اخذ کرنے میں وہ مختلف طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ یہ دلائل کئی اہداف کو حاصل کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک: صحت قرآن پر شکوک ظاہر کرنا۔

اس ہدف کے حصول کے لیے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن اور مصحف میں فرق ہے اور اس فرق کے لحاظ سے قرآن تو وہ وحی ہے جو نازل ہوتی رہی جبکہ مصحف اس وحی کا نامکمل ریکارڈ ہے۔ جان برٹن کے مطابق

Marfat.com

مصحف متواتر روایات اور اجماع سے مرتب شدہ ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اس حوالہ سے اصولین اور مفسرین دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ مصحف نامکمل ہے۔

Both classes of scholars subscribe in common to the view that present text of the Quran, that is,the Mushaf, must be incomplete. The Muslim exegetes concluded,on the basis of their reading of Q.87-6-7 that they must distinguish between the Quran and the mushaf, Relative to the first the second is incompete.(54)

مستشرقین نسخ کی بناء پر قرآن اور مصحف میں فرق کرتے ہوئے اعتراضات کا ایک لمبا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور ایک کے بعد ایک دوسرے اعتراض کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

"The distinction between Quran and Mushaf lead first to the third mode of naskh, naskh altilawa dunul hukm, and then is to the Quran collection hadiths.(55)

اقسام نسخ پر علماء کے اختلاف کو جاننے کے باوجود مستشرقین، نسخ الحکم والتلاوۃ کی بنیاد پر قرآن اور مصحف میں اختلاف پیش کرتے ہیں۔اس قسم کی بیان کردہ روایات پر تحقیق کرنے کی بجائے وہ اس سے نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ مصحف قرآن کے مقابل نامکمل ہے۔کیونکہ اس میں وحی قرآن کے طور پر نازل شدہ منسوخ الحکم والتلاوۃ قسم کا حصہ موجود نہیں ہے۔اس بناء پر قرآن اور مصحف کے متن میں عدم مطابقت کو بیان کرتے ہیں۔

"The Mushaf did not coincide with the Quran. (56) Quran and mushaf are two distinct and separate entities." (57)

اس سلسلہ میں Fransics Buhl نے یہ نقطہ پیش کیا ہے کہ وحی قرآن کی تحریری صورت کے لیے 'القرآن' کا استعمال عہدِ عثمانی کے بعد شروع ہوا۔آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جب تک وحی کا سلسلہ جاری رہا اسے قرآن کہا ہی نہیں گیا۔

" At last until active revelation ceased with Muhammad 's death.......... there could have been no use of Quran to refer to the complete body of collected revelations in written form." (58)

اس حوالے سے 'Burton' نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن کے مکمل طور پر جمع نہ ہو سکنے کا ایک سبب اخبار احاد کو قبول نہ کرنا تھا۔کیونکہ خبر واحد میں کئی ایسی روایات ملتی ہیں جو متن قرآنی سے متعلق ہیں جبکہ مصحف کے جمع ہو جانے کی وجہ اجماع اور تواتر ہے۔

Marfat.com

"The text of that document (Quran) was not determind on the basis of stray reports the text of the mushaf was determined by ijma."(59)

قرآن، اقراء سے ماخوذ ہے جس کا مادہ ق۔ر۔ی ہے عربی لغت میں بکثرت پڑھی جانے والی چیز کو قرآن کہتے ہیں۔ جبکہ القرآن وحی کے ذریعے نازل شدہ آخری کتاب ہے۔ جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ William Graham, نے اپنے مضمون The Quran a spoken word میں قرآن، کتاب اور مصحف کے فرق بہت جامع اور مسلسل انداز سے واضح کیے ہیں۔ قرآن الفاظ وحی کی تلاوت کا نام ہے۔ جبکہ مصحف ان الفاظ پر مشتمل کتاب کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کے لیے کتاب کی بجائے مصحف کی اصطلاح کے استعمال کی وجہ سے William Graham نے یہ بیان کیا ہے کہ

"A book used in liturgy and detions would not have been the silently read document that we today understand a "book" to be, rather it would have been a sacred, divine word that was meant to be receited or read viva voice listened to with reverence",(60)

الغرض قرآن مجید کے مختلف اسماء قرآن ہی میں مذکور ہیں ان میں مصحف، کتاب اور قرآن بھی شامل ہیں لیکن ان میں کسی لحاظ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرآن اسی مکمل جمع شدہ وحی کو کہا جاتا ہے جسے کی وقتاً فوقتاً آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا رہا۔ قرآن وسنت میں اس کے لیے کوئی الگ اصطلاح بیان نہیں کی گئی نہ ہی اس دعوی پر مستشرقین کی جانب سے کوئی ٹھوس دلیل پیش کی گئی ہے بلکہ یہ ان کا مفروضہ ہی ہے جیسا کہ J.Burton نے اعتراف کیا ہے۔

"Since we "know" but only accepting at face value Muslim assertions to thiseffect ,that the Quran was not first collected until after the Prophet's death,we on that account supposed that the likehood is that it will be incomplete,"(61)

## لفظ مصحف کی لغوی توضیح:

مصحف کا مادہ ص ح ف ہے۔ مصحف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں متعدد رسائل اور اوراق جمع ہوں۔ مصحف کی جمع مصاحف ہے اور صحیفہ کی جمع صحائف ہے۔ باعتبار لغت مصحف، اصحاف کا اسم مفعول ہے اسی سے لفظ صحیفہ ہے۔ صحیفہ منتشر اوراق کو کہا جاتا ہے۔ (۶۲)

Marfat.com

اس اعتبار سے قرآن مجید پر اس لفظ کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ یہ تمام منتشر اوراق کو جمع کرنے سے معرض وجود میں آیا جن پر عہد نبوی میں آیات قرآنیہ لکھی گئی تھیں۔

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے متعدد اسماء بیان کیے ہیں جو کی تقریباً ۵۶ ہیں۔ بحیثیت مجموعی 'قرآن' ہی کہا گیا ہے یا 'الکتاب' کا نام بھی آیا ہے۔

② وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (٦٣)

② الرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (٦٤)

③ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً (٦٥)

سابقہ الہامی کتابوں کے لیے: صحف: کا لفظ بھی آیا ہے۔

إِنَّ هَذَا لَفِيْ الصُّحُفِ الْأُوْلَى ○ صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى (٦٦)

قرآن مجید میں حضرت داؤد کو دی گئی کتاب کا نام زبور ہے اس سے زبر بھی سابقہ کتب کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَإِنَّهُ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ﴾ (٦٧)

زبور وہ خاص کتاب ہے جو حضرت داؤد کو دی گئی مگر زبر کا اطلاق دیگر کتب پر ہوا ہے ایک کتاب کو جو نام دیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق دیگر کتب پر بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی قرآن کی اصطلاح میں کتاب مصحف زبر الگ الگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ قرآن کے مختلف اجزاء یا سورتوں کے لیے قرآن میں مصحف کا لفظ بھی آیا ہے۔

﴿يَتْلُو صُحُفاً مُّطَهَّرَةً ○ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (٦٨)

اس آیت میں صحیفوں کی صراحت موجود ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی مختلف نازل ہونی والی سورتوں کی صحابہ اکرام صحیفوں میں لکھ لیتے۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر جیسے ہی وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبان وحی میں جو صحابی دستیاب ہوتے ان کو بلا بھیجتے اور انھیں لکھوا دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے مختلف سورتیں اور آیتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب کوئی سورت مکمل ہو جاتی تو رسول ﷺ اس امر کی نشاندہی فرما دیتے کہ اب فلاں سورت مکمل ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر محمود غازی کے مطابق ان صحیفوں میں مکمل سورتیں ہی لکھی جاتی ہوں گی۔ (٦٩)

قرآن مجید کے لیے مصحف کا استعمال عہد صدیقی سے شروع ہوا جب اسے ایک جگہ جمع کر لیا گیا تو پھر صحابہ کے مشورہ سے باقاعدہ طور پر اس نام سے موسوم کیا گیا۔ علامہ سیوطی نے کتاب المصاحف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں جب قرآن مجید کا باقاعدہ سرکاری نسخہ مرتب کیا تو اس نسخہ کے نام کے تعین میں مختلف آراء پیش کی گئیں کسی نے کہا کہ اس کا نام سفر رکھا جائے لیکن یہ نام چونکہ یہود تورات کے بعض حصوں کے لیے استعمال کرتے تھے اس لیے اس اشتباہ کی وجہ سے یہ نام اختیار نہیں کیا گیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود یا سالم مولی ابی حذیفہ نے اہل حبشہ کے حوالے سے بتایا کہ وہ اس طرح کی کتاب کو مصحف کہتے ہیں اس لیے اس تجویز کی بناء پر

Marfat.com

مصحف کو اتفاق رائے سے اختیار کر لیا گیا۔(۷۰)
نسخ صرف شریعت محمدی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی موجود ہے، مستشرقین نے تو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نسخ کا قانون مسلمانوں کی اختراع ہے لیکن ایسا نہیں۔

چنانچہ ''نسخ'' صرف امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت نہیں، بلکہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ جاری رہا ہے جس کی بہت سی مثالیں موجودہ بائبل میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً:

① حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا، اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں لیاہ اور راحیل آپس میں بہنیں تھیں۔(۷۱)

② حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہنوں سے نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ وہ بہن صرف ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے یا ماں باپ دونوں کی طرف سے۔(۷۲)

بہن سے نکاح جس کی حرمت کو شریعت موسویہ نے زور وشور سے بیان کیا ہے، بائبل کے اپنے بیان کے مطابق پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھائی بہنوں سے نکاح کرتے تھے، بائبل کے بیان کے مطابق حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں وہ باپ کی طرف سے آپ کی بہن بھی ہیں، بائبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضرت سارہ کے متعلق یہ الفاظ کہلوا رہی ہے:

"And besides, she my sister sirker, the daughter of my father, only not the daughter of my mother and she became my wife" (73)

''علاوہ ازیں وہ میری بہن ہے، وہ صرف میرے باپ کی بیٹی ہے اور میری ماں کی بیٹی نہیں اور وہ میری بیوی بن گئی ہے۔''

بائبل کے ان بیانات سے صرف یہی نتیجہ نکالنا ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعتوں میں بہن سے نکاح جائز تھا۔ شریعت موسویہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور بہن سے نکاح حرام قرار دے دیا۔

نوٹ: اوپر جو ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے، بائبل کے بعض ترجموں میں باپ کی بیٹی کے الفاظ میں تبدیلی کر کے باپ کی طرف سے رشتہ دار کے الفاظ لکھے گئے ہیں لیکن یہ اعتراض سے بچنے کے لیے یہود ونصاریٰ کی تحریفی کوششوں کے سوا کچھ نہیں۔(۷۴)

③ حضرت نوح علیہ السلام کے شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا(۷۵) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریعت میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے۔(۷۶)

④ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی(۷۷)۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زناکار ہونے کے سوا اسے طلاق دینے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی گئی(۷۸)۔

Marfat.com

⑤ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کی دو بیٹیوں ''لیاہ'' اور ''راحیل'' کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھا(۷۹)، لیکن شریعت موسویہ میں دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے(۸۰)۔

اسلام نے تو نسخ کے قانون کو شریعت کے عملی احکام تک محدود رکھا ہے اور وہ بھی ایسے عملی احکام جس کے ابدی ہونے کی صلاحیت نہ ہو، اسلام کا یہ قانون نسخ جو محدود اور مشروط ہے وہ تو مستشرقین کو کھٹکتا ہے لیکن نسخ کی جو بے رحم چھری عہد نامہ قدیم و جدید میں چلتی نظر آتی ہے اس کی طرف ان کی توجہ مبذول نہیں ہوتی، اگر عیسوی شریعت میں موسوی شریعت کے بے شمار احکام کو منسوخ کر سکتی ہے اور موسوی شریعت سابقہ شریعتوں کے احکام منسوخ کر سکتی ہے تو پھر اسلامی شریعت عیسوی شریعت کے احکام کو کیوں منسوخ نہیں کر سکتی؟

## (۳) ایک ہی شریعت کے احکام کے ناسخ اور منسوخ ہونے کی مثالیں:

بائبل میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شریعت کے احکام اسی شریعت کے دوسرے احکام کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

① کتاب گنتی کے چوتھے باب میں خیمہ عبادت کے خادمین کی عمریں تیس اور پچاس سال کے درمیان مقرر کی گئیں، جب کہ اسی کتاب کے آٹھویں باب چوبیں آیت میں خدام کی عمروں کی حد ۲۵ سال سے پچاس سال تک مقرر کی گئی ہے، ظاہر ہے ان میں سے ایک حکم ناسخ اور دوسرا منسوخ ہے۔

② کتاب الاحبار کے چوتھے باب میں جماعت کی غلطی کا کفارہ ایک بیل قرار دیا گیا ہے، لیکن کتاب گنتی کے پندرہویں باب میں جماعت کی غلطی کا کفارہ ایک بیل کے علاوہ غلے، مشروبات اور بکری کے ایک بچے کی قربانی کو قرار دیا گیا ہے، گویا دوسرے حکم نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔

③ انجیل متی میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے ہجوم اور اپنے حواریوں سے یوں گویا ہوئے کاتبوں اور فریسیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جگہ لے لی ہے، لہٰذا وہ جو باتیں تم سے کہتے ہیں ان کا خیال رکھو اور ان پر عمل کرو(۸۱)۔ ظاہر ہے کاتب اور فریسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت میں احکام تورات کی پابندی کا ہی حکم دیتے تھے، اس لیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو ان کا کہا ماننے کا حکم دے رہے ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار کہلانے والوں نے تورات کے احکام کو اپنی شریعت سے خارج کر دیا ہے، اسے وہ نسخ نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔

④ انجیل متی میں ہے: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ (حواریوں) کو ان احکام کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ''قوموں کے راستے پر مت جانا، سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہو، بلکہ تسلسل کے ساتھ اسرائیلی گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔''

اسی کتاب کے پندرہویں باب کی آیت نمبر ۲۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ وضاحت مذکور ہے، ''میں

Marfat.com

اسرائیلی گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے علاوہ کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا پر واضح فرما رہے ہیں کہ آپ کا حلقہ تبلیغ بنو اسرائیل تک محدود ہے اور آپ کا پیغام اسی قوم کے لیے خاص ہے، لیکن مرقس کی انجیل میں یہ بھی الفاظ ہیں: ''اور آپ نے ان (حواریوں) سے فرمایا، ساری دنیا میں جاؤ اور تمام دنیا کو انجیل کی تبلیغ کرو۔'' (۸۲)

وہی پیغام جو انجیل متی کے مطابق ایک قوم تک محدود تھا، اسی پیغام کو انجیل مرقس میں عالمی قرار دیا جا رہا ہے، عیسائی حضرات کے لیے اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو دونوں انجیلوں میں تضاد کو تسلیم کر لیں اور یا پھر یہ کہیں کہ مرقس کی انجیل کے ذریعے متی کی انجیل کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (۸۳)

## نتیجہ بحث:

نسخ فی القرآن کے حوالے سے مستشرقین کا بنیادی نقطہ نظر ان کی طرف سے تعصب اور علوم قرآنی میں بے بصیرتی کا غماض ہے کیونکہ وہ ان کے نقطہ نظر کی بنیاد نسخ کو نبی اکرم ﷺ کی ذاتی تبدیلی قرار دینے پر ہے۔ جبکہ نسخ کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیا نسخ اللہ کا فعل ہے؟ بحث میں واضح کیا گیا ہے کہ نسخ کا فاعل اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اسی طرح نسخ القرآن بالسنۃ کے عدم جواز نسخ کو نبی کی ذاتی تبدیلی قرار دیے جانے کے تصور کی نفی ہوتی ہے۔

مستشرقین نسخ کو ارادہ الٰہی میں تبدیلی قرار دیتے ہیں جو کہ صفاتِ الٰہی کے عدم ادراک کے سبب سے ہے۔ احکام میں نسخ احکام کی تدریجی ترقی کی اہم ضرورت اور اس کی ایک وجہ ہے نہ کہ ارادہ الٰہی میں تبدیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم اس لیے نہیں دیا جاتا کہ اس کی حقیقت (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر بعد میں ظاہر ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام تفصیلات کا علم ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں یکساں حاصل رہتا ہے۔ ہمیں نظر آنے والی تبدیلیاں احکام میں ہمارے لیے نئی ہوتی ہیں اللہ کے علم اور ارادہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ نسخ میں نیا صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پہلے سے موجود ارادہ کو ہم پر ظاہر کر دیتا ہے۔

تعارض کے حوالے سے بیان کردہ آیات میں سے کسی میں بھی تعارض ثابت نہیں ہوا بلکہ مختلف حالات کے مطابق مختلف احکام پر مبنی آیات کو متعارض بنا کر پیش کیا گیا۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ باہم متعارض نہیں بلکہ ایک دوسری کے لیے مفسر و مبین ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قرآن مجید اس سلسلہ ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ جو قیامت تک رشد و ہدایت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کے کسی حکم کو عارضی قرار دے کر یہ تصور کرنا کہ اس کے بعد کوئی اور مستقل حکم نازل ہوا بالکل غلط اور باطل تصور ہے۔ اس کے تمام احکامات مستقل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو، عبادات سے یا معاملات سے۔ نماز،

Marfat.com

روزہ، حج، جہاد، مداینت، وصیت، وراثت اور پردہ وغیرہ پر مبنی احکامات اسی طرح مستقل ہیں جس طرح عقائد سے متعلق واضح آیات سے متصادم ہے، تکمیل وحی کا اعلان قرآن مجید کی اس آخری نازل ہونے والی آیت میں کیا گیا۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾(۸٤)

جبکہ مستشرقین اس نعمت تمام اور تکمیل دین کے مجموعے کو نامکمل ثابت کرنے پر مصر ہیں۔ بقول شاعر

جس دین کو اکملت لکم حق نے کہا تھا
اس دین پہ ہے معدومی تکمیل کا بہتان

(اس مقالہ میں پنجاب یونیورسٹی کی ایم فل کی ایک طالبہ جس کا امتحان میں نے لیا) کے مقالہ سے مدد لی گئی ہے۔

Marfat.com

# حوالہ جات


1. Muhammad Khalifa,The sublime Quran and Orientalism. P:167.
2. John.Burton, Naskh , Encylopedia of Islam, 5/1005
3. John.Burton, The collection of the Quran, P:66
4. John.Burton Abrogation, Encyclopedia of the Quran, 1/16
5. J.Burton Abrogation, Encyclopedia of the Quran , 1/16
6. The exegectical Genre of the Quran , Al. Naskh wal Mansukh, 130, The collection,65
7. John.Burton, The collection of the Quran,P:65
8. Koran ,Encyclopedia Britannicca.
9. NOLDEKE
10. The origin of islam in its christian environment,( Mcmillian and co limites, london ,1926),P:101
11. Introdction to the Quran,(Edinburg University Press)P:99
12. j. Burton Naskh,Encyclopedia of Islam,1009
13. Muhammadanism,125 The book co-Ltd, College Square, Calcutta, 1931

۱۴۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲: ۲٦ ۱۵۔ البقرہ (۲): ۲۵۵

۱٦۔ الحدید (۵۷): ۲۲ ۱۷۔ الرعد (۱۳): ۹

۱۸۔ الحدید (۵۷): ۴۲ ۱۹۔ مناع القطان، مناہل العرفان، ۲: ۸٦

۲۰۔ گوہر رحمان، علوم القرآن، (ادارہ تفہیم القرآن، مردان)، ص: ۳۱۱۔


Marfat.com

21. j. Burton, Encyclopedia of Islam, 5/1009

22. J.Burton,Naskh,Encyclopedia of Islam 5/1011

23. John.Burton, The collection of the Quran, P: 73

۲۴۔ النساء(۴):۱۵
۲۵۔ شاہ ولی اللہ،الفوز الکبیر،ص:۱۷
۲۶۔ رازی،التفسیر الکبیر۱۴:۱۸۲
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ رشید رضا،تفسیر المنار،۴:۴۳۸
۲۹۔ تفسیر القرآن،۱:۱۳۲؛ ترجمان القرآن،۱:۳۶۳
۳۰۔ علامہ رحمت اللہ طارق،تفسیر منسوخ القرآن،۳۳۷

31. J.Burton,Naskh,Emcyclopedia of Islam,5/1009

32. Translation of koran,87

۳۳۔ منٹگمری واٹ،محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین،(آکسفورڈ یونیورسٹی پریس،۱۹۷۱ء)ص:۱۸۔

34. Sell,Reve,Canon, al-Quran 42,The Christian Literary society for india, Mardas,1910

35. Religions of the world,61 Encyclopedia of Islam

36. Encyclopedia of islam,5/1009

۳۷۔ البقرہ (۲):۱۱۵
۳۸۔ البقرہ (۲):۱۴۹
۳۹۔ البقرہ (۲)۱۵۰
۴۰۔ البقرہ (۲):۱۰۹
۴۱۔ التحریم (۶۶):۹
۴۲۔ التوبۃ (۹):۱۲۳
۴۳۔ فہم القرآن،۵۵
۴۴۔ رازی،التفسیر الکبیر،۳:۲۷۲
۴۵۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۲:۲۱
۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ النساء (۴):۸۲
۴۸۔ احمد،ابوعبداللہ بن محمد،المسند (المکتب الاسلامی،بیروت،۱۴۰۱ھ)۲/۱۹۲۔

49 .Ahmad Shallabi,Quran between truth and false allegations,33,Publication ISESCO-1999

۵۰۔ البقرہ (۲):۱۸۰
۵۱۔ النساء (۴)۱۱
۵۲۔ غلام اللہ خان،تفسیر جواہر القرآن۔۱:۱۱۶
۵۳۔ ایضاً

Marfat.com

54. John.Burton, The collection of the Quran, P: 82

55. Ibid

56. Ibid,70

57. Ibid

58. F.Buhl,koran, Encyclopedia of Islam,4/1007

59. The collection,ibid

60. William A,Graham,Quran a spoken word,Approaches to Islam in religious studies Edt.R.C.Martin,One world Oxford,2001

61. Ibid

۶۲۔ ابن منظور،لسان العرب،۹:۱۸۲

۶۳۔ الفرقان(۲۵):۳۲

۶۴۔ الرحمٰن(۵۵):۶۳

۶۵۔ الحشر(۵۹):۲۱

۶۶۔ الاعلیٰ(۸۷):۱۹۔۱۸

۶۷۔ الشعراء(۲۶):۱۹۲

۶۸۔ البینۃ (۹۸):۳۔۲

۶۹۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی،محاضرات قرآنی،۱۹۷

۷۰۔ سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،۱:۶۲

۷۱۔ بائبل،پیدائش،۲۹۔۳۰۔

۷۲۔ عہد نامہ قدیم،الاحبار،باب:۲۰،آیت:۱۷۔

۷۳۔ بائبل،پیدائش،باب:۲۰،آیت۱۲۔

۷۴۔ کیرانوی،علامہ شیخ رحمت اللہ کیرانوالی،اظہار الحق (بیروت)،۱/۵۱۵۔

۷۵۔ بائبل،پیدائش،باب۹،آیت:۳

۷۶۔ بائبل،احبار،باب:۷،آیت:۱۸۔

۷۷۔ بائبل،پیدائش،باب:۱۹۔

۷۸۔ بائبل،انجیل متی:۱۵،۱۹

۸۹۔ بائبل،کتاب پیدائش:۱۹۔

۸۰۔ بائبل،الاحبار،باب:۱۸،آیت:۱۸۔

۸۱۔ بائبل،انجیل متی،باب:۲۳۔

۸۲۔ بائبل،انجیل مرقس،باب۱۶،آیت:۱۵۔

۸۳۔ ازہری،پیر محمد کرم شاہ،ضیاء النبی ﷺ،۶/۴۴۲۔

۸۴۔ المائدہ (۵):۳

Marfat.com

## فصل چہارم

# قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف

قرآن کریم سے متعلق مستشرقین کی کیا اور کتنی کوششیں ہیں، یہ معلوم کرنا ایک دشوار کام ہے۔ کم از کم اردو میں اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر مواد نہیں ملتا۔ مستشرقین کے ناموں کے صحیح تلفظ کے لیے ساتھ ہی انگریزی نام بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

### (ا) پادری مستشرقین:

قرآن کریم کے افکار و نظریات اور اس کی تعلیمات سے مغربی دنیا کے نہ صرف سکالرز، مصنفین و محققین نے رہنمائی حاصل کی بلکہ مغربی دنیا کے پادریوں نے بھی اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ ذیل میں چند پادری مستشرقین کے ناموں کی فہرست ہے جنھوں نے قرآن کریم کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔

| نام | ولادت/وفات | کیفیت |
|---|---|---|
| ۱: جیمس پی جے<br>Jamies P.J | ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء | قرآن سے متعلق متعدد مقالات لکھے۔<br>۱: قرآن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ طبع دوم<br>۲: ''مصر کے معمولات زندگی میں قرآنی تعلیمات کی جھلکیاں'' تیونس ۱۹۵۲ء<br>۳: ''مجلّہ المنار'' کا قرآنی تعلیقات پر ایک نظر'' پیرس ۱۹۵۴ء |
| ۲: پادری ڈاکٹر ٹسڈل<br>Dr. Tisdil | س۔ن | ''مآخذ القرآن'' کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جسے اردو ترجمہ ماہنامہ نگار لکھنو جنوری ۱۹۴۵ء میں شائع کیا گیا۔ |
| ۳: پادری لامنس<br>Lammens P.H | ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء تا ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء | ۱: ''قرآن وحدیث'' مقالہ مباحث العلوم الدینیہ ۱۹۱۰ء<br>۲: ''خصائص محمدؐ'' ایضاً ۱۹۳۰ء |
| ۴: پادری لاتور<br>Lator P.e.T | س۔ن | قرآن کریم کا دو (۲) زبانوں میں ترجمہ کیا ۱۹۴۵ء اور دیگر مقالات لکھے ۱۹۴۵ء |

Marfat.com

## (۲) جرمن مستشرقین:

جرمن وسطی یورپ کی سب سے بڑی قوم ہیں۔ انھوں نے یورپ کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ قرون وسطی کی مقدس سلطنت کی اصل قوت جرمن تھے۔ ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے جریدے کے مطابق ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء میں وفاقی جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ لاکھ تھی۔ جب کہ مسیحی مسلمان تعلقات کے ادارے نے ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد سترہ لاکھ بتائی ہے۔ ذیل میں کچھ جرمن مستشرقین کا ذکر ہو رہا ہے جنھوں نے قرآن اور قرآنی علوم پر کام کیا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: فلوگیل جی<br>Flugel G | ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۲ء تا<br>۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء | قرآن کریم کا انڈکس تیار کیا بعض خامیوں کی وجہ سے مقبول عام نہ ہو سکا۔ |
| ۲: فلاشیر ایچ ایل<br>H.L Fleischer | ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء تا<br>۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء | تفسیر بیضاوی ''انوار التنزیل فی اسرار التاویل'' کا ترجمہ کیا۔ |
| ۳: سیمون فائل<br>S Weil | ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء تا<br>۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء | ''قرآن میں توریت کا تذکرہ'' تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۵ء |
| ۴: فرانکیل ایس<br>Freankel S | ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء تا<br>۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء | '' قرآن میں غیر عربی الفاظ'' مقالہ برائے ڈاکٹریٹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء |
| ۵: بارتھ جے<br>Barth J | ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء تا<br>۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء | ''قرآن کا ایک تعارف'' مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۱۸ء |
| ۶: ویل ہاؤزن جے<br>Well Hausen | ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء تا<br>۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء | ''قرآن کیا ہے'' مقالہ مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ ۱۹۱۳ء |
| ۷: ایف شوالی<br>F. Schwally | ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء تا<br>۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء | '' قرآن کا ایک مطالعہ'' مقالہ مطبوعہ تکریم زاخاؤ 1915ء تولدیکی کی کتاب ''نصوص قرآن کی تاریخ'' پر تحقیقی نظر ڈالی اور اس کو شائع کیا۔ |
| ۸: سیبولڈ سی ایف<br>Seyblod C.F. | ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء تا<br>۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء | ''کتب تفاسیر قرآن'' مقالہ مطبوعہ تکریم زخاؤ ۱۹۱۵ء |
| ۹: نولدیکی ٹی ایچ<br>Noldeke T.H. | ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء تا<br>۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء | ''نصوص قرآن کی تاریخ'' تصنیف مطبوعہ ۱۸۶۰ء و دیگر مقالات |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰: سچاؤ ای<br>Szchau e | ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء تا<br>۱۳۴۶ھ/۱۹۳۰ء | قرآن کی سورتوں کی اپنے طور سے ترتیب قائم کی، مطبوعہ ۱۹۲۸ء |
| ۱۱: جوزف ہوروویٹز<br>J. Horovitz | ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء تا<br>۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء | "قرآن کے اشتقاقات" مقالہ کے قرآن کا تعارف مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۲۳ء |
| ۱۲: کارل ہنری بیکر<br>C. H Backer | ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء تا<br>۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء | نولدیکی کی تحقیقات میں لغت قرآن کے قواعد، مقالہ مطبوعہ ۱۹۱۰ء |
| ۱۳: برجسٹرا سرجی<br>Bergstrasser G | ۱۲۸۳ھ/۱۸۸۶ء تا<br>۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء | "قرآن میں حرف نفی کا استعمال مقالہ برائے ڈاکٹریٹ مطبوعہ ۱۹۱۱ طبع ثامن ۱۹۱۴ء "قرآن کے مشہور قراء اوران کی سوانح" مقالہ ۱۹۱۲ء، "علم قراءت کی تاریخ" مقالہ |
| ۱۴: ایچ ہرشبفلڈ<br>H Hirschefeld | ۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۴ء | قرآن کی ترتیب کے بارے میں جدید تحقیقات، مقالہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۲ء۔ |
| ۱۵: اسپیسر ایچ<br>Speyer H | ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء تا<br>۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء | "قرآن میں کتابیوں کے قصے" تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۹ء |
| ۱۶: پول سوارز<br>P Schwarz | ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء تا<br>۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء | "غریب القرآن" مقالہ، مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ |
| ۱۷: بومسٹارک اے<br>Baumstark A | ولادت ۱۲۸۸ھ/<br>۱۸۷۱ء | "قرآن میں عیسائی عقائد کی تشریح" مقالہ قرآن میں یہودیت اور نصرانیت مقالہ مطبوعہ مجلّہ الاسلام ۱۹۲۷ء |
| ۱۸: ای ایزین<br>E Eisen | س۔ن | ابو عبید القاسم بن سلام کی کتاب "فضائل القرآن و آداب" کی نشرواشاعت میں حصہ لیا |
| ۱۹: پریٹسل او<br>Pretzl O | ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء تا<br>۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء | "قرآنی علوم اوران کے مراجع" تصنیف "علم قراءت کی تاریخ" مقالہ نولدیکی کی کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا، دیگر بہت سے مقالات لکھے۔ |
| ۲۰: اریزکے<br>Ahrens K | س۔ن | "قرآن میں نصرانی تعلیمات کے اثرات" مقالہ مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ ۱۹۳۹ء |
| ۲۱: گریم<br>Grimme | ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء تا<br>۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ بادربون ۱۹۲۳ء |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲: میٹوچ اینگ Mittwocheng | ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء تا ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء | امہری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲۳: ای ریچلین E Revchlin | س۔ن | عبرانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور جرمن میں ''شریعت کا قرآنی مفہوم'' لکھا۔ |
| ۲۴: مالیبر ایڈ Mahler Ed | ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء تا ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء | ''دلیل القرآن'' تصنیف مطبوعہ لینبرگ ۱۸۸۱ء طبع ثانی، پیرس ۱۹۲۴ء |
| ۲۵: فیش ایگ Fischer Aug | ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء تا ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء | سورۃ القارعہ، التکاثر اور النجم پر مقالات لکھے، مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ |
| ۲۶: ازولف جروہمان A Jerhuman | س۔ن | ''قرآن میں حضرت عیسیٰ کا تذکرہ'' مقالہ مطبوعہ الصحیفہ الشرقیہ لفینیا ۱۹۱۴ء |
| ۲۷: پی ای کیل P.E Kahle | س۔ن | ''قرآن اور عربی زبان'' مطبوعہ ذکری گولڈزیہر ۱۹۴۱ء |
| ۲۸: ہرٹمن آر Hartmann R | س۔ن | قرآن کی تفسیر مقالہ مطبوعہ مجلّہ الآداب الشرقیہ ۱۹۲۴ء |
| ۲۹: ریٹر ایچ Ritter H | س۔ن | استنبول کی لائبریری میں قرآن و احادیث کی مطبوعات مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۲۸ء و دیگر مقالات |
| ۳۰: جوہان فوک J Fuck | س۔ن | قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۴۴ء ''قرآن کا تعارف'' مقالہ، الآداب الشرقیہ ۱۹۳۳ء |
| ۳۱: کوبیرٹ آر اے Kobert R.A | س۔ن | قرآن کی تفسیر مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۴۸ء |
| ۳۲: اے سپٹلر Spitaler A | س۔ن | قرآن کا تعارف مقالہ مطبوعہ موتمر المستشرقین ۱۹۳۸ء |
| ۳۳: جویٹین ایس ڈی Goitein S.D | س۔ن | ''قرآن میں نماز کا ذکر'' مقالہ |
| ۳۴: مارٹن لوتھر Martin Lother | س۔ن | جرمنی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵: ایس شویگر S. Scheweigger | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا مطبوعہ نور ہمبرگ ۱۶۱۶ء، ۱۶۴۲ء |
| ۳۶: جوہان لینگر Johun Langer | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا ہیمبرگ ۱۶۸۸ء |
| ۳۷: ڈیوڈ نارٹر David Narreter | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا مطبوعہ ہمبرگ ۱۶۸۸ء۔ |
| ۳۸: آرنلڈ Arnold | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ ہمبرگ ۱۶۸۸ء |
| ۳۹: مگ لین Magglein | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ فرانکفورٹ ۱۷۷۲ء |
| ۴۰: اوکرٹ Owkart | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۸۳ء |
| ۴۱: المان Alman | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۸۳ء |
| ۴۲: ہننگ مگ Heuning Mag | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہمبرگ ۱۹۰۱ء |
| ۴۳: گریگول ایف Grigcol F | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہال ۱۹۰۱ء |
| ۴۴: ایم کلیمبروتھ M. Klamroth | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہمبرگ ۱۹۱۰ء |
| ۴۵: گولڈ اسمتھ ایل Gold Schmith L. | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ برلن ۱۹۱۶ء |
| ۴۶: روڈی باریٹ Rodi Barcat | س۔ن | جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بون ۱۹۶۵ء |

Marfat.com

## (۴) اٹالوی مستشرقین:

اٹلی کا رقبہ ایک لاکھ سولہ ہزار مربع میل اور دار الحکومت رومہ ہے جس کو روم بھی لکھا جاتا ہے۔ رومیوں کی عظیم سلطنت جو زمانہ قبل مسیح کی ابتدائی صدیوں میں قائم ہوئی تھی اور پانچویں صدی عیسوی میں ختم ہوئی۔اس کا گہوارہ یہی شہر اور یہی ملک تھا۔جس زمانے میں صقلیہ مسلمانوں کے پاس تھا اسی زمانے میں جنوبی اٹلی پر بھی مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء کے بعد مسلمانوں کی آمد میں اضافہ ہوا۔۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء مسیحی مسلمان تعلقات کے ادارے کے مطابق اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی گئی ہے۔ترکی کے محکمہ امور مذہبی کے پرچہ دیانت گزٹ میں ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء میں اٹلی کے مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی گئی ہے۔اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین جنھوں نے قرآنیات پر کام کیا درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: پادری دوبینک جرمانوس<br>Germanus P.D | ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء تا<br>۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ماراتش کے ترجمہ قرآن کے بعد سب سے پہلا لاطینی ترجمہ ہے۔ |
| ۲: پادری ماراتشی<br>Marracci P.L | ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ تا<br>۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء | اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۳: کارلونللینو<br>Mallino Carlo | ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء تا<br>۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء | ''قرآن سے ایک انتخاب'' کے نام سے کتاب لکھی،قرآن سے متعلق جاحظ اور اپنے خیالات کو جمع کیا۔ |
| ۴: میکانجلو جویدی<br>Guidi Michelan Gelo | ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء تا<br>۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء | ''قرآن کے معتزلی تفسیر'' مقالہ مطبوعہ ۱۹۲۵ء (روما) اٹالوی انسائیکلوپیڈیا میں قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔ |
| ۵: بونللی<br>Bonelli Luig | ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء تا<br>۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء | اٹالوی میں قرآن کا حرفی ترجمہ کیا، ۱۹۲۹ء |
| ۶: برانکی<br>Branchi | | براہ راست عربی سے قرآن کا ترجمہ کیا،مطبوعہ روم ۱۹۱۳ء |
| ۷: فراکاسی اے<br>Fracassi A | | قرآن کا اٹالوی ترجمہ کیا،مطبوعہ میلان ۱۹۱۴ء |
| ۸: ایم مرینو<br>M. Moreno | ولادت ۱۳۱۰ھ/<br>۱۸۹۲ء | ''مسلمانوں کے تراجم قرآن'' تصنیف مطبوعہ اشرف الحدیث ۱۹۲۵ء |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۹: بوزانی<br>Bousani A | س۔ن | قرآن کا ترجمہ کیا اور قرآن کی تفسیر لکھی۔ |
| ۱۰: بونیچی<br>Boneschi P | س۔ن | ''قرآن میں کسب واکتساب کے اعجازی معنی'' مقالہ مطبوعہ مجلّہ الدراسات الشرقیہ ۱۹۵۵ء |
| ۱۱: شیر<br>Gerleella G | س۔ن | ''لیبیا میں قرآنی درسگاہیں'' مقالہ مطبوعہ حولیات المعہد الشرقی ۱۹۴۳ء |
| ۱۲: ورجینیاواکا<br>Vacca Virginia | س۔ن | قرآن کی بعض آیتیں۔مقالہ |
| ۱۳: رچرڈبل<br>Bell R. | س۔ن | قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا نیز قرآن سے متعلق متعدد مقالے لکھے۔ |
| ۱۴: سی اے سٹوری<br>Storex C.A | س۔ن | ''قرآن کا ادب اور اس کی تاریخ'' تصنیف مطبوعہ لندن ۱۹۲۷ء |
| ۱۵: بوکھارٹ ٹی<br>Burrekhart T. | س۔ن | ''تورات انجیل اور قرآن، ایک تقابلی مطالعہ'' تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۸ء |
| ۱۶: جیمس روبسون<br>Robson J. | س۔ن | ''اعجاز کے قرآنی مفہوم'' مقالہ مطبوعہ صحیفہ جمیعہ جلاسجوالشرقیہ ۱۹۳۹ء |
| ۱۷: اے جے اربری<br>Arbercy A.J | س۔ن | قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۵ء طبع ثانی لندن ۱۹۵۹ء |
| ۱۸: اے آریوابین<br>Arrivaben A. | س۔ن | لاطینی ترجمہ سے اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۵۴۷ء |
| ۱۹: کلزہ Colza | س۔ن | اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲۰: پنزیری<br>Vinc Panzeri | س۔ن | اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ ۱۸۸۲ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء |
| ۲۱: ولینٹی ڈی<br>Violanti D. | س۔ن | اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۱۲ء |
| ۲۲: فروجو Frojo | س۔ن | اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا مطبوعہ ۱۹۲۸ء |

Marfat.com

## (۴) فرانسیسی مستشرقین:

فرانس عہد قدیم میں گال کہلاتا تھا سن عیسوی کے آغاز سے ذرا قبل مشہور فاتح جولیس سیزر نے اس کو رومی سلطنت کا ایک حصہ بنایا تھا فرانس نے حقیقی عروج سترہویں صدی میں لوئی چہار دہم کے دور میں حاصل کی، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں فرانس میں انقلاب جو کہ بادشاہی نظام کے زوال اور جمہوریت کا پیش خیمہ ثابت ہوا، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں صرف الجزائر کے سات لاکھ باشندے فرانس میں موجود تھے،۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں مسلمانوں کی تعداد تقریبا دس بیس لاکھ پہنچ گئی تھی، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین کے نام جس نے قرآنیات پر کام کیا درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱: پوسٹل<br>Postel | ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء تا<br>۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء | ''قرآن اور انجیل کی یکسانیت'' تصنیف ۱۵۴۳ء قرآن کا فرنچ میں ترجمہ کیا مطبوعہ ۱۸۴۰ء ۱۸۷۸ء |
| ۲: ہوڈاس او<br>Houdas O. | ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء تا<br>۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء | قرآن مجید کے آخری ۶ سورتوں کا ترجمہ کیا۔ |
| ۳: جوزف ہالیوی<br>Halevy J | ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء تا<br>۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء | ''قرآن میں سامری کا ذکر'' مقالہ ۱۹۰۸ء |
| ۴: جریو آر<br>Griveau R. | | ''قرآن کی ایک آیت کا مطالعہ'' مقالہ ۱۹۱۴ء |
| ۵: مونتہ ای مانٹر<br>Monter ed | ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء تا<br>۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا ۱۹۲۹ء |
| ۶: ہیورٹ سی ایل<br>Hurat C.L | ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء تا<br>۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء | '' قرآن اور امیہ بن ابی صلت کے اشعار کے درمیان مناسبت کی وجوہ'' تصنیف ۱۹۰۴ء، قرآن کی تفسیر لکھی، ۱۹۲۱ء |
| ۷: آرتھر جیو<br>Guy Arthur | ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء تا<br>۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء | قرآن کی آخری سورت کا ترجمہ کیا ۱۸۶۴ء |
| ۸: پادری نو<br>Nav P.F | ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء تا<br>۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء | ''قرآن میں نبی کا تصور'' مقالہ ۱۹۲۷ء |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۹: سیدرسکی<br>Sideriski | س۔ن | ’’قرآن میں قصے کہانیاں‘‘ انبیاء کی سیرتیں اور ان کاماٰ خذ‘‘ تصنیف ۱۹۲۳ء |
| ۱۰: البارون کارادی فو<br>Carra D Yan Bon | س۔ن | قرآن کی اشاعت میں حصہ لیا۔ ۱۹۹۸ء |
| ۱۱: ڈاکٹر مارڈورس<br>Dr. Mardrus J. | ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء تا ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا ۱۹۲۶ء |
| ۱۲: لیوی پرونسل<br>Levi Provencal | ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء تا ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء | ’’ چودھویں صدی ہجری میں قرآن کی تفسیر‘‘ تصنیف ۱۹۲۱ء |
| ۱۳: جان کینٹینو<br>Cantineau J. | ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء تا ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء | ’’دمشق اور جزائر میں قرآن کا مطالعہ‘‘ مقالات حولیات معہد الدراسات الشرقیہ، ۱۹۴۶ء |
| ۱۴: لوئیس مرسیو.جی<br>Marsi G. | ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء تا ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء | ’’اصحاب کہف کون تھے؟‘‘ مقالہ ۱۹۴۰ء |
| ۱۵: ڈریڈون.جی<br>Deredun G. | س۔ن | ’’خلیفہ مرتضیٰ کے دور کے قرآن کے دو نسخے‘‘ مقالہ ۱۹۵۴ء |
| ۱۶: کارنرڈ ایم<br>Conard M. | س۔ن | ’’قرآن کے بارے میں‘‘ مقالہ ۱۹۵۲ء |
| ۱۷: بلاشیر ریٹری<br>Blachere R. | س۔ن | قرآن کا ترجمہ کیا، پیرس ۱۹۴۷ء |
| ۱۸: کلرمون جانو<br>K!armon J. | س۔ن | ’’قرآن میں نفس کا تصور‘‘ مقالہ ۱۹۳۸ء |
| ۱۹: بنٹورسیو<br>Rusue Nebto | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا جزوی ترجمہ کیا نایاب |
| ۲۰: ڈورائر<br>Dorayer | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہوا طبع چہارم ۱۷۱۶ء (اس ترجمہ سے متعدد مستشرقین نے استفادہ کیا ہے) |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱: ایم سیراری M. Sarary | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ کم از کم بیس ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔ |
| ۲۲: رینوڈ Reinaud | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا جزوی ترجمہ کیا۔ |
| ۲۳: جی پوتھر G. Pautheir | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پیرس ۱۸۵۲ء |
| ۲۴: گیلٹنٹ Galtant | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، غیر مطبوعہ |
| ۲۵: جے جے مارسل J. J. Marcel | س۔ن | قرآن کا ترجمہ کیا، غیر مطبوعہ |
| ۲۶: میڈرنس Madrans | س۔ن | ترجمہ قرآن مطبوعہ از پیرس ۱۹۲۶ء |
| ۲۷: ایڈورڈ مونٹیٹ Ed. Montet | س۔ن | فرانسیسی ترجمہ قرآن، ۱۹۲۵ء |
| ۲۸: ہنری مریسی Henri Mercies | س۔ن | ترجمہ منتخبات قرآن، مراکش ۱۹۵۶ء |
| ۲۹: مارسل کیٹون Citoyn Marcel | س۔ن | فرانسیسی ترجمہ قرآن (جزوی طور پر) |
| ۳۰: بوناونتورادسیب Bonnaventuradeseve | س۔ن | فرانسیسی ترجمہ کیا۔ |
| ۳۱: لی لیبوس Le Leboies | س۔ن | "قرآن اور عبرانی بائبل" تصنیف، اس میں سورۃ الواقعہ اور الحدید کا بھی ترجمہ ہے۔ |
| ۳۲: سینٹ ہیلئیر St. Hilaire | س۔ن | فرانسیسی میں قرآن کے اقتباسات شائع کیے۔ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳: گرلوٹ سی ایچ C.H. Gillotte | س۔ن | قرآن کے اقتباسات شائع کیے۔ |
| ۳۴: پیسل او O. Pesle | س۔ن | فرانسیسی میں ترجمہ قرآن ۱۹۴۶ء |
| ۳۵: ہیری پیریس Heri Peres | س۔ن | فرانسیسی میں سورۃ فاتحہ و بقرہ کا ترجمہ کیا، الجزائر ۱۹۵۱ء |

## (۵) برطانوی انگریز مستشرقین:

برطانیہ کا دارالحکومت لندن ہے، رقبہ ۹۴ ہزار مربع میل ہے، رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے برطانیہ کا سب سے بڑا اور اہم حصہ انگلستان ہے، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء میں دیانت گزٹ انقرہ نے مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ بتائی تھی، جس میں پاکستانیوں کی تعداد ۵ لاکھ سے کم بتائی گئی ہے، مسلمانوں کی اکثریت ان ملکوں سے آئی ہے جو دولت مشترکہ میں شامل ہیں یا کبھی شامل تھے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین جس نے قرآنی علوم پر کام کیا کے نام درجہ ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ولیم بڈویل V. Bedwell | ۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء تا ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء | ترکی زبان میں تفاسیر کی فہرست تیار کی، ۱۶۱۵ء |
| ۲: جارج سیل Goerge Sale | ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء تا ۱۱۴۹ھ/۱۷۳۶ء | قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا، لندن ۱۷۴۳ء۔ اب تک اس کے بہت سارے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ |
| ۳: جان جانیئر Gangnier J. | ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء تا ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء | قرآن کی روشنی میں حیات محمد ﷺ پر کتاب لکھی۔ |
| ۴: ایڈوارڈ لین ڈبلیو Lane ed W. | س۔ن | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا لیکن رومن کیتھولک چرچ کے حکم سے ضائع کر دیا گیا۔ |
| ۵: پنریس جان Penrice John | س۔ن | ''مسلک البیان فی مناقب القرآن'' کے نام سے عربی میں کتاب لکھی۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ کیا، لندن ۱۸۷۳ء |
| ۶: جے ایم روڈویل Roadwel J.M | س۔ن | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہوا۔ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۷: ایڈورڈ ہنری پالمر Palmer e.H | ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء تا ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، لندن آکسفورڈ اور امریکہ سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ |
| ۸: ولیم ناسولیس Lees W.N | ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء تا ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء | زمخشری کی تفسیر ''الکشاف'' کی اشاعت میں حصہ لیا، ۱۸۵۶ء |
| ۹: سر جیمس ولیم ریڈ ہاؤس W. Redhouse Sir | ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء تا ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء | ''اسماء حسنیٰ پر چند ملاحظات'' تصنیف |
| ۱۰: ایڈوارڈ سیل Ed. Sell | س۔ن | ''قرآن کا تاریخی ارتقاء'' تصنیف مطبوعہ مدراس، ۱۸۹۸ء |
| ۱۱: اسٹانٹون ایچ ڈبلیو Stanton H.U.W | س۔ن | ''قرآن کی تفسیر وتشریح'' تصنیف |
| ۱۲: سر اڈوین آرنلڈ Sir Edwin Arnold | ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء تا ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء | ''قرآن کے بعض اجزاء کا متن'' مقالہ |
| ۱۳: اے منگنا Mingana A | ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء تا ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء | ''خلق قرآن کا مسئلہ اور مسلمان'' مقالہ، عربی اور انگریزی میں قرآن کریم پر دیگر مقالات بھی لکھے۔ |
| ۱۴: ڈی ایس مارگولیتھ Margolieuth D.S | ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء تا ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء | سورۃ آل عمران کا ترجمہ کیا، دیگر مضامین بھی لکھے۔ |
| ۱۵: وہیری Wherry | س۔ن | قرآن کی تفسیر لکھی۔ |
| ۱۶: مارمارڈیوک پکتھال M. M. Picktall | س۔ن | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، طرابلس نے بھی شائع کیا۔ (پکتھال نے اسلام قبول کرلیا تھا) |
| ۱۷: ٹی ایف مائیکل T. F. Maickel | س۔ن | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۶۴ء میں کینیڈا سے شائع ہوا۔ |
| ۱۸: ڈاکٹر مارکولن Dr. Marckoln | س۔ن | انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہل یونیورسٹی برطانیہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۱۹: رابرٹ Robart | س۔ن | انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ میکسکو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ |
| ۲۰: روبرٹس آر Robertus R. | س۔ن | روبرٹس آر اور ہرمانس نے مل کر لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲۱: ہرمانس Harmans | س۔ن | |

## (۶) امریکی مستشرقین:

ریاست متحدہ ہائے امریکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چوتھا سب سے بڑا ملک ہے اور صنعتی ترقی اور خوشحالی میں سب سے آگے ہیں، امریکہ کی آبادی مخلوط النسل ہے یہاں دنیا کی تقریباً ہر قوم او نسل کے لوگ موجود ہیں نئی تحقیقات کے مطابق اب یہ بات تقریباً ثابت ہوگئی ہے کہ عرب افریقہ کے سیاہ فام مسلمان کولمبس سے بہت پہلے امریکہ پہنچ چکے تھے، جن امریکی مستشرقین نے قرآنیات پر کام کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ریفستال آر ایم Riefstahl R.M | ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء تا ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء | ''عہد سلجوقی کا قرآن'' تصنیف ۱۹۳۳ء |
| ۲: گوتھیل آر جے ایچ Goltheil R.J.H | ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء تا ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء | ''قرآن کے طلائی نسخے'' مقالہ مجلہ الدراسات الاسلامیہ ۱۹۳۱ء |
| ۳: فنکل جے Finkel J. | | ''قرآن میں اسرائیلیات'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۲ء |
| ۴: دنکان، بلاک میکڈونلڈ Mac DonalD D.B | ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء تا ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء | قرآن میں عقائد سے متعلق بحثوں کو مرتب کیا، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲ |
| ۵: کومارازوامی Coomas Wamy | ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء تا ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء | ''قرآن کے صحیفے'' مقالہ مطبوعہ المنتخب الفنی، واشنگٹن ۱۹۲۰ء |
| ۶: تشارلز توراى Torrye C.B.C | ولادت ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء | ''قرآن کریم'' مقالہ تکریم براون ۱۹۲۲ء، ''مفردات قرآن'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۹ء ودیگر مقالات |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۷: سموئیل ذویمر Zewemer S. | س۔ن | ''تفسیر سورۃ الاخلاص'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۹ء، قرآن کے ترجمے، ایضاً ۱۹۱۵ء |
| ۸: تھومسون Thomson W | س۔ن | ''قرآن کا تعارف'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۴۲ء |
| ۹: نبیھ عبوٹ Abbot N. | س۔ن | ''قرآن کا ایک مغربی نسخہ'' مقالہ امریکہ ۱۹۳۸ء |
| ۱۰: اڈوین کالولری Calverley e. | س۔ن | ''قرآن کا تعارف'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۲ء |
| ۱۱: ارر جیفری Jeffery A. | س۔ن | قرآن کی قراءت سے متعلق متعدد مقالات لکھے۔ مطبوعہ عالم الاسلام ۱۹۲۴ء، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۳۹ء، مجلہ الادراسات الشرقیہ ۱۹۳۷ء، ۱۹۴۰ء وغیرہ (انھوں نے قرآن کا قلمی نسخہ بھی تیار کیا) |
| ۱۲: نیکل اے آر Mykl A.R | س۔ن | قرآن کے بارے میں پالمر کی تحقیقات مقالہ امریکہ ۱۹۲۶ء |
| ۱۳: ایف روزنتھال Rosenthal F. | س۔ن | ''قرآن کا تعارف'' مقالہ ذکری زادہ ۱۹۵۲ء |
| ۱۴: آر اینگھوزن Ettinghausen R. | س۔ن | ''عہد سلجوقی میں قرآن'' مقالہ امریکہ ۱۹۳۵ء |
| ۱۵: اوستاس ہائیڈون Oostas higdon | س۔ن | ''قرآن میں حدیث کا تصور'' مقالہ |

## (۷) روسی مستشرقین:

روس یا روسیہ (Russia) اس نام کا اطلاق یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ریپبلکس'' پر کیا جاتا تھا لیکن اب ان کی بیشتر ریاستیں آزاد ہو چکی ہیں اور روس صرف روسیہ تک محدود ہو چکا ہے روس سے تعلق رکھنے والے کچھ مستشرقین جنھوں نے قرآنی موضوعات پر کام کیا درج ذیل ہیں:

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۱: کوفالفیسکی Kowalowiski | ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء تا ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء | قرآن کا براہ راست لاطینی میں ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ |
| ۲: سابلوکوف Sabloukov | ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء تا ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء | روسی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ کیا۔ متعدد بار شائع ہوا، ۱۸۷۹ء |
| ۳: گوتفالڈ Gottwadt J.M | ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء تا ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء | روسی زبان میں انڈکس تیار کیا جس میں قرآنی آیات اور جاہلی اشعار کو جمع کیا۔ |
| ۴: بارتھولڈ Barthod V.V | ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء تا ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء | روسی میں قرآن میں سمندر کا تصور' مقالہ ۱۹۲۵ء، ''قرآنی اصطلاحات جدید نقطہ نظر سے ۱۹۲۸ء مطبوعہ حولیات المتحف الآسیوی۔ |
| ۵: کاشتالیوا Kashlalera | ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء تا ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء | ''حنفیت کا قرآنی تصور'' مقالہ ۱۹۲۷ء سورۃ الحج کا جزوی ترجمہ و دیگر مقالات |
| ۶: یوچمانون Youchmanmovn | ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء تا ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء | ''لاطینی میں قرآن ایک جائزہ، مقالہ مطبوعہ الصحافۃ الثورۃ ۱۹۳۲ء |
| ۷: کراتجوسکی Kratchovski | ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء تا ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء | قرآن کا روسی میں ترجمہ کیا، '' مجموعہ مخطوطات قرآنی، ۱۹۱۷ء ''قرآن میں نجم کے معنی'' مقالہ |
| ۸: اوس پنزکی ایف Uspensky F. | س-ن | قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔ مجمع العلوم ۱۹۱۷ء |
| ۹: اے اے سمینوف Semenov A.A | ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء تا ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء | '' قرآن اسماعیلیوں کی نظر میں'' مقالہ المجلہ ایران ۱۹۲۷ء |
| ۱۰: فیرا کراتشکوفسکایا Krachkovskayavera | س-ن | '' سولہویں صدی عیسوی کے مخطوطات قرآنی کے نوادرات'' ۱۹۶۰ء |
| ۱۱: ڈیمٹریوسن کانیٹر Demetrivskntemu | | روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا از پیٹر برگ ۱۷۱۹ء |
| ۱۲: وربکین Verbkin | س-ن | روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۷۹۰ء |

Marfat.com

## (۸) پولینڈی مستشرقین:

پولینڈ کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل ہے، پولینڈ کا پہلا واسطہ جن مسلمانوں سے پڑا وہ منگول اور تا تاری تھے، سترہویں صدی کے آخر میں پولینڈ کے جنوبی صوبے پوڈولیا پر ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء میں عثمانی ترکوں نے قبضہ کرلیا جو ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء تک قائم رہا، ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء سے یہاں اشتراکی حکومت قائم ہوئی، اس ملک سے تعلق رکھنے والے چند مستشرقین جنھوں نے قرآن اور قرآنی علوم پر کام کیا درجہ ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱: بل بوجوفسکی<br>Bobowski B. | ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء تا<br>۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء | ترجمہ قرآن کریم |
| ۲: اندرالی کوتھس<br>A. Rcoluthus | ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء تا<br>۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء | قرآن کا ترکی وفارسی میں ترجمہ کیا۔ بعد میں اس کو نصوص القرآن کے نام سے شائع کیا گیا، ۱۷۰۱ |
| ۳: میثیل اوتیخ<br>Mishil Otaikhe | وفات ۱۱۴۲ھ/<br>۱۷۲۹ء | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا (نامکمل) بولونی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ (نایاب) |
| ۴: اے کازیمیرسکی<br>Griveau R. | ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء تا<br>۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء | فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بائیسواں ایڈیشن ۱۹۳۲ء کا ہے۔ |
| ۵: انانیاس زاجاتشکوفسکی<br>Ananiasz Zajaczkowski | ولادت ۱۳۲۱ھ/<br>۱۹۰۳ء | قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۶: ای لیہمان<br>E. Lehman | س۔ن | قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔ مطبوعہ الاسلام ۱۹۱۴ء |
| ۷: بوہل ایف<br>Buhl F. | ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء تا<br>۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء | قرآن کے مختلف حصوں کا ڈنمارکی زبان میں ترجمہ کیا، دیگر مقالات لکھے۔ دراسات ہوبن ۱۹۲۶ء |
| ۸: کرسٹینسن<br>Christensen A. | س۔ن | قرآنی آیات کی جادوگری تصنیف ۱۹۲۰ء |
| ۹: پیڈرسن<br>Pedersen J. | س۔ن | ڈنمارکی میں قرآن کا ترجمہ کیا، اسٹاک ہوم۔ ۱۹۱۷ء بعض سورتوں کا اسپینی زبان میں ترجمہ کیا، دیگر مقالات لکھے۔ |
| ۱۰: ڈاکٹر بول ٹیکسن<br>Dr. Boul Tuxen | س۔ن | ڈنمارکی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، کوپن ہیگن ۱۹۲۱ء |

Marfat.com

## (۹) سویڈش مستشرقین:

قرون وسطیٰ میں سویڈن کے باشندوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کر لی تھی جو بحیرہ بالٹک کی شمالی ریاستوں پر مشتمل تھی، سویڈن کا رقبہ ایک لاکھ ۷۳ ہزار مربع میل ہے سویڈن کی اپنی زبان ہے اور باشندوں کی اکثریت پروٹسٹنٹ عقائد رکھتی ہے، فن لینڈ کی طرح یہاں بھی سب سے پہلے روس سے تاتاری مسلمان آئے جو تجارت پیشہ تھے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مستشرقین جنھوں نے قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ا: ٹورنبرگ<br>Tornberg K.J | ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء تا<br>۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء | سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ لونڈ ۱۸۷۴ء |
| ۲: زٹرٹیم<br>Zetter Steam | س۔ن | سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا، اسٹاد ہوم ۱۹۱۷ء ''قرآن، محمد کی انجیل'' تصنیف اسٹاد ہوم ۱۹۰۶ء متعدد بار شائع ہوئی۔ |
| ۳: بیرکیلانڈ<br>Birkeland H. | س۔ن | ''سورۃ التین'' پر مضمون لکھا۔ |
| ۴: کروسٹولپ<br>Kronstolyp | س۔ن | سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ اسٹاڈک ہوم ۱۸۴۳ء |
| ۵: بیرنات ہیلر<br>Heller B. | ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء<br>تا ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء | قرآن پر یہودی تعلیمات کے اثرات مقالہ مطبوعہ الفصول الیہودیہ ۱۹۲۸ء، قصص قرآنی، مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۴ء |
| ۶: سالمون اوسٹرن<br>Hurat C.L | س۔ن | '' شرعی احکام اور جہاد'' مقالہ مطبوعہ ۱۹۱۹ء، ''قرآن میں اخلاق کا تصور'' ۱۹۲۰ء |

## (۱۰) اسپینی مستشرقین:

سپین میں مسلمان ۹۲ ہجری ۱۷۱۱ء میں داخل ہوئے اور ۹۵ھ ۱۴۷ء تک انھوں نے سارا ملک جس میں پرتگال بھی شامل تھا۔ فتح کرلیا ۸۹۸ھ ۱۴۹۲ء میں اسپین میں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوگیا، کم وبیش آٹھ سو سال کی اس مدت میں مسلمان ملک کے مختلف حصوں پر مختلف مدتوں میں قابض رہے، اسلامی دور میں اندلس تہذیب وتمدن اور

Marfat.com

علوم وفنون کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں آگیا تھا، یہاں کے مشہور مستشرقین جنھوں نے قرآن اور قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ویرینٹ جینس<br>Verent Gines J. | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲: پادری کابانیلاس<br>P. Cabanelas | ولادت ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء | ''قرآن اور یوحنا شقوبی'' مقالہ مجلّہ الاندلس ۱۹۴۹ء |
| ۳: ڈی رولز<br>Deroles | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۴: اورٹزڈی<br>D. Vinceteortiz | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، بارسلونہ ۱۸۷۲ء |
| ۵: مرگیونڈو<br>Marguinday | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، میڈرڈ ۱۸۷۵ء |
| ۶: ڈاکٹر بریگو انڈرس<br>Dr. Andrss Borrego | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بارسلونہ ۱۹۰۷ء |
| ۷: کیٹو<br>Cato | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ میڈرڈ ۱۹۱۳ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۶ء |
| ۸: ڈاکٹر اینڈرسن<br>Dr. Andarson | س۔ن | اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ |

## (۱۱) پرتگالی مستشرقین:

مسلمانوں کے عروج میں پرتگال اسلامی اندلس کا ایک حصہ تھا دارالحکومت از بن کو عرب بشونہ اوراشبونہ کہتے تھے، یہ شہر ۹۶ھ/۱۴ے۷ء سے ۵۴۶ھ/ ۱۱۴۷ء تک اندلس کے مسلمانوں کے پاس رہا، پرتگال پہلے اسپین کا ایک حصہ تھا لیکن بارہویں صدی میں ایک الگ ملک کی حیثیت اختیار کرلی، پرتگال کا رقبہ ۳۵ ہزار مربع میل ہے، مسلمانوں کے زوال کے بعد اسپین کی طرح یہاں سے مسلمان نکال دیے گئے یا جبراً عیسائی بنالیے گئے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مستشرقین جنھوں نے قرآن اور قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں:

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۱: پادری یوہان Yohan P. | ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء تا ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء | ''معجم عربی لاطینی'' کتاب میں قرآن کی بعض سورتوں کو درج کیا۔ |
| ۲: اسپرنجر اے Sprenger A. | ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء تا ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۳ء | ''الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی'' پر مقالہ لکھا۔ |
| ۳: کارل ولیرس Vollers K. | ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء تا ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء | ''قرآن مکی اور قدیم لہجے میں'' مقالہ |
| ۴: جائیر آر Jeyer R. | ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء تا ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء | ''قرآن کا اسلوب'' مقالہ مطبوعہ الصحیفہ المشرقیہ فینا |
| ۵: الکوراگواہ O. Alcoragao | س۔ن | پرتگالی زبان میں فرانسیسی سے قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۶: بکاراویگو Bucara Viegao | س۔ن | پرتگالی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۳۶ء |
| ۷: جوزیڈرومیگاڈو Jose Ydromaaha | س۔ن | پرتگالی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۴۶ء |
| ۸: کےہتی K. Hotti | س۔ن | پرتگالی زبان میں قرآن کی لغت تیار کی۔ |

## (۱۲) ہالینڈی مستشرقین:

ہالینڈ کو انگریزی میں نیدر لینڈ لکھا جاتا ہے یہ شمالی یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے رقبہ چودہ ہزار مربع میل ہے، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء میں یہاں مسجدوں کی تعداد تقریباً ایک سوسترہ تھی، یہاں کے مشہور مستشرقین جنھوں نے قرآنیات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ارپانیوس Erpennius Tb. | ۹۵۵ھ/۱۵۴۸ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء | قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲: وتھ پی جے Veth P.J | ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء تا ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء | ''قرآن اور محمد'' کے موضوع پر پانچ مقالات لکھے، قرآن کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ |
| ۳: سنوک ہرجرونجہ Snouck Hurgrnje | ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء تا ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء | ''قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ'' مقالہ العالم الاسلام ۱۹۱۲ء |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۴: فنسک اے جے Wensinck A.J. | ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء تا ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء | ''اشخاص اور مقالات اور قرآن استشہادات'' تصنیف مطبوعہ از لیدن (حدیث کا انڈکس انہی کی سرکردگی میں تیار کیا گیا) |
| ۵: کرامرز Kramers | ۱۳۰۶ھ/۱۸۹۱ء تا ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء | براہ راست قرآن کا ترجمہ کیا۔ ایمسٹرڈم بروکسل ۱۹۵۹ء |
| ۶: ایتماڈی ایس Attema D.S | س۔ن | ''اسلام میں قرآن کا تصور'' مقالہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء |

## (۱۳) لاطینی مستشرقین:

لاطینی قدیم رومی قوم کی زبان ہے، ابتداء میں صرف ایک قبیلے کی زبان تھی جو دریائے ٹائبر کے دہانے پر یشیئم (Latium) میں آباد تھا، مگر جب لاطینی رومی سلطنت کی توسیع ہوئی اس کے ساتھ ساتھ لاطینی بھی بیرونی ملکوں میں پھیل گئی چنانچہ اطالوی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی تمام اسی سے ماخوذ ہیں، رومی سلطنت کے زوال کے بعد قرون وسطی سے لاطینی ایک علمی زبان کے لحاظ سے بدستور رائج رہی اور سیکروں علمی کتابیں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئیں اور یورپ کی ترقی میں ممد و مددگار ثابت ہوئیں، لاطینی اب بھی رومن کیتھولک چرچ کی سرکاری زبان ہے۔ جن مستشرقین نے اس زبان میں کام کیا ان کے نام درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: تھیوڈورس بلبیانڈر Baelboyander Theadoras | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ سوئٹزرلینڈ (نامکمل) |
| ۲: لوڈوویکو مراچیو Ludovico Maraccio | س۔ن | قرآن کا متن بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، جس میں چالیس سال لگے۔ |
| ۳: پی ڈی کلونی P. Declvny | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۴: ڈومی نیکس Dominkus | س۔ن | لاطینی قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۵: جے ایف فروریپ J.F. Fooriep | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۷۶۸ء۔ |
| ۶: پارو Pareav | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ |
| ۷: شرڈر Schroeder | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۸: لیڈرلین Lederlin | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۹: سائیکس Sikes | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۱۰: آگسٹن فائفر A. Ffiffer | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۶۷۸ء |
| ۱۱: سموئیل گاٹ والڈ S.G wald | س۔ن | لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |

## (۱۴) کچھ دوسرے مستشرقین:

ذیل میں ماضی قریب کے کچھ مستشرقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس کے تاریخ پیدائش اور وفات کا ہمیں پتہ نہیں چل سکا۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ٹولینٹ ایل اے جے<br>L.A.J Tollent | س۔ن | ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۲: کئی زرایس<br>Keiyzer S. | س۔ن | ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ روڈ ڈیم ۱۹۰۵ء، ۱۹۱۶ء |
| ۳: ہرمینس وال ڈرہارٹ<br>Hermannus Yonoer | س۔ن | یونانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۱۶ء |
| ۴: پنٹاکی<br>Pentakie | س۔ن | یونانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ایتھنز ۱۹۲۸ء |
| ۵: ڈبلیو ایم ڈونسلاور<br>W.M Donsuls | س۔ن | قرآن کے منتخب حصوں کا مکاسرین میں ترجمہ کیا، مطبوعہ رائیٹرڈم ۱۸۶۱ء |
| ۶: بی ایف میتھس<br>B.F. Mathes | س۔ن | مکاسرین میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۷: ٹوموف وسکولوف<br>Tomovet Shater | س۔ن | بلغارین میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ صوفیہ ۱۹۳۳ء |
| ۸: بوشکیوفو<br>Boshkifow | س۔ن | پولینڈی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ وارسا ۱۸۵۸ء |
| ۹: جیکب زنکوک<br>Jacob Azimkiewic | س۔ن | پولینڈی زبان میں قرآن کو شائع کیا۔ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰: مکولوبیبراٹک Mikolobibrtic | س۔ن | سربین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۸۵۴ء مطبوعہ بلغراد ۱۸۹۸ء |
| ۱۱: زیڈ ماربیراٹک Mikolobibbartic | س۔ن | ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۸۵۴ء |
| ۱۲: جرزان Jarazen | س۔ن | ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۱۳: لورنز Lorenz | س۔ن | آرمینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۱۴: کوری ٹین Kovrbation | س۔ن | آرمینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ۱۹۱۲ء |
| ۱۵: ایسوپیسکل Eusve Paeskile | س۔ن | رومانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۱۲ء |
| ۱۶: زومایردگدیون Szend Mayeretgeden | س۔ن | آسٹرین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۱۷: گیرسون Ghirson | س۔ن | آسٹرین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ |
| ۱۸: ویزلی Wizly | س۔ن | بوہیما زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پراگ ۱۹۲۵ء |
| ۱۹: نائیکی Naiki | س۔ن | بوہیما زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پراگ ۱۹۳۳ء |

## (۱۵) عہد حاضر کے مستشرقین:

یہاں کچھ عہد حاضر کے مستشرقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے مکان پیدائش اور تاریخ پیدائش کے معلومات میسر نہ ہو سکے۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱: ایلفرڈٹ ویلش Alfard T. Wallash | س۔ن | ''قرآن کے اپنے متعلق بیانات کے تفسیری مضمرات'' مقالہ |

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۲: اے ایچ ماتھیاسن<br>A.H. Mathesaen | س۔ن | ''کلمۃ اللہ اور نبوت عیسیٰ اور سورۃ آل عمران کی آیات ۳۳-۶۲ کی بیانیہ تحلیل'' مقالہ |
| ۳: رووِن فائرسٹون<br>R. Fair Ston | س۔ن | '' قرآن اور تفسیری ادب میں حضرت ابراہیم کے حج اور روحانی سفر کا تذکرہ'' مقالہ |
| ۴: بی ٹاڈلاسن<br>B. Tadelason | س۔ن | '' اخباری تفسیر'' مقالہ '' اخباری شیعی طریقہ تفسیر'' مقالہ |
| ۵: انتھونی جان<br>Anthone John | س۔ن | ''قرآن فطری یا رسمی زبان'' مقالہ |
| ۶: جے ای وانسبورو<br>J. E . Wansborve | س۔ن | ''قرآن بطور الہامی کتاب'' مقالہ |
| ۷: اینڈریو رپن<br>Endrrurepan | س۔ن | ''قرآن کے ذریعے بائبل کی تفسیر'' مقالہ |
| ۸: اوری روبن<br>Aory Toben | س۔ن | ''مثانی کی اصطلاح کے مسائل'' مقالہ |
| ۹: نارمن کالڈر<br>Narman Kalare | س۔ن | ''تفسیر طبری سے ابن کثیر تک'' مقالہ |
| ۱۰: ولفرڈ ماڈلنگ<br>W. Modlenge | س۔ن | ''تسبیح کی قرآنی بنیادیں'' مقالہ |
| ۱۱: ایل کونراڈ<br>L. Konerad | س۔ن | ''طب اسلامی کی ابتدا میں قرآن کا حصہ'' مقالہ |
| ۱۲: آروِن زیسو Arven Zeuso | س۔ن | ''ابتدائی ظاہری تفاسیر'' مقالہ |

نوٹ: ''مذکورہ مضمون کا مواد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن والتفسیر) کوڈ: 4576 کے کورس میں شامل کتاب '' قرآن حکیم اور مستشرقین از ڈاکٹر ثناء اللہ حسین'' سے لیا گیا ہے۔
عیسوی سالوں کا حساب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی کتاب ''الشمس والقمر بحسبان'' مکتبہ السلام، وسن پورہ لاہور ۲۰۰۶ء سے لے کر لکھا گیا۔

Marfat.com

# حوالہ جات

(۱) خیر الدین الزرکلی، الاعلام، (مطبوعہ مصر ۱۹۴۹ء)۔
(۲) محمد سالم قاسمی، سید عبد الرؤف عالی، جائزہ تراجم قرآنی،۔
(۳) ڈاکٹر خالد مسعود، سہ ماہی فکر و نظر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، "مغرب میں اسلام کا مطالعہ" ۱۹۹۰-۱۹۸۹ء، جلد نمبر ۲۸، شمارہ ۳، جنوری-مارچ ۱۹۹۱ء۔
(۴) محمد جرجیس کریم، قرآن اور مستشرقین، دمکا، (بہار) بھارت۔
(۵) نجیب العقیقی، المستشرقون، دار المعارف قاہری ۶۵-۱۹۶۴ء م۔
(۶) علی المنتصر الکتانی، المسلمون فی اوربا و امریکہ، ۱۹۷۶ء۔

Marfat.com

# منتخب مصادر و مراجع

## ﴿آ﴾


- آسترناکش ورزن، مطبوعہ میکملن، ۱۹۶۳ء۔
- آرتھر جیفری، مقدمتان فی علوم القرآن، مکتبہ الخانجی، مصر ۱۹۵۴ء۔
- آلوسی محمود، شہاب الدین، تفسیر روح المعانی، دار الکتب العربیہ، بیروت۔

﴿ا﴾

- ابن الاثیر، عز الدین ابوالحسن علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، المکتبۃ الاسلامیہ، القاہرہ۔
- ایضاً، اللباب فی تہذیب الانساب، المکتبہ القدسی القاہرۃ، ۱۳۵۷ھ۔
- ایضاً، ایضاً صادر بیروت ۱۹۸۰ء۔
- ایضاً، النہایۃ فی غریب الحدیث، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور۔
- ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی، الریاض، ۱۳۸۱ھ۔
- ایضاً، مقدمۃ فی اصول التفسیر، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ۱۳۸۸ھ۔
- ابن تیمیہ، کتاب النبوات، المکتبۃ الاسلامیہ، بیروت
- ابن الجوزی، ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن، نواسخ القران، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۵ء۔
- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، المطبعۃ البھیۃ، ۱۳۴۸ھ۔
- ابن حجر، لسان المیزان، القاہرۃ، ۱۳۷۲ھ
- ابن حجر عسقلانی، الدرر الکامنۃ فی اعیان لمانیۃ الثامنہ، دار الکتب الحدیث، القاہرہ۔
- ایضاً۔ فتح الباری شرح الجامع الصحیح، الریاض۔
- اخلاق بریلوی، مولانا، ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ، ادارہ رحمت عالم، دہلی۔
- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، المقدمہ موٴسستہ الاعلمی، بیروت۔
- ابن خلکان، ابوالعباس احمد، وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۸ء۔
- ابن ابی شیبہ، المصنف، مطبعۃ العلوم اشرفیہ دکن، ۱۳۸۷ھ۔
- ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان، علوم الحدیث المعروف مقدمہ، المطبعہ العلمیہ، حلب طبع اول، ۱۹۳۱ء۔
- ایضاً، ایضاً۔ دار الفکر القاہرہ۔
- ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد ۱۳۳۶ھ۔
- ابن العماد، ابوالفلاح عبدالحی الحنبلی، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، دار الافاق الجدیدہ، بیروت۔
- ابن فارس، احمد، مجمل اللغۃ، دار احیاء التراث، القاہرہ
- ابن فرحون، برھان الدین ابراھیم بن علی، الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب، المکتبۃ


Marfat.com

السعادۃ، القاہرہ، ۱۳۵۱ھ۔

- ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ، تفسیر غریب القرآن، تحقیق احمد صقر، مکتبہ التوحید والسنۃ، پشاور، ۱۹۷۸ء۔
- ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، مدارج السالکین، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۷۵ھ۔
- ابن القیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، المطبعۃ المیمنیہ، مصر۔
- ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، المطبعۃ السعادۃ، القاہرہ۔
- ایضاً۔ایضاً۔مکتبہ المعارف، بیروت، طبع ثانی، ۱۹۷۱ء۔
- ایضاً تفسیر القرآن العظیم، القاہرہ۔
- ایضاً سہیل اکیڈمی لاہور، طبع ثانی۔
- ایضاً تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ، لاہور۔
- ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن مع شرح مفتاح الحاجہ احیاء السنۃ النبویۃ، سرگودھا، ۱۳۹۴ھ۔
- ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن المکرّم، لسان العرب، دار الصادر، بیروت۔
- ابن نقطہ ابو بکر محمد بن عبدالغنی، التقیید لمعرفۃ روایۃ السنن والمسانید، دائرہ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد، طبع اول، ۱۹۸۳ء۔
- ابو بکر احمد بن الحسین النیشاپوری، الغایۃ فی القراءات العشر، شرک العیان، الریاض، طبع اول، ۱۹۸۵ء۔
- ابو بکر ھدایۃ اللہ الحسینی، الطبقات الشافعیۃ، دار الفکر الجدیدہ القاہرہ۔
- ابو حیان، اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف، البحر المحیط، مکتبہ النصر الحدیثیۃ، الریاض۔
- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، القاہرہ۔
- ایضاً۔السنن مع عون المعبود، دار الکتاب العربی، بیروت۔
- ابن ابی داؤد، المصاحف، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۵ء
- ابو السعود، محمد بن محمد العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم محمد علی الصبیح واولادہ القاہرہ۔
- ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامۃ، الناسخ والمنسوخ (علی حاشیۃ نواسخ القران ابن جوزی) دار المعرفۃ، بیروت۔
- ابو محمد، تاج الدین احمد بن عبدالقادر، کتاب الدر اللقیط من بحر المحیط، القاہرہ۔
- ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر الاصفھانی، المجموع المغیث فی غریبی القران والحدیث، جامعۃ ام القریٰ، مکۃ المکرّمۃ، طبع اول، ۱۹۸۶ء۔
- ابو القاسم خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، تھران
- ابو ہشام، قرآن کریم اور اس کے چند مباحث، الھدیٰ پبلیکیشنز، اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۹ء
- احمد امین مصری، فجر الاسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، ثانی، ۱۹۶۷ء۔
- احمد ابن حنبل، فضائل الصحابۃ،، جامعۃ ام القریٰ، مکۃ المکرّمۃ، طبع اول، ۱۹۸۳ء۔

Marfat.com

- ایضاً، المسند، تحقیق احمد محمد شاکر، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی، ۱۹۸۴ء۔
- ایضاً، ایضاً، المکتبۃ المیمنیۃ، القاہرہ، ۱۳۱۳ھ۔
- احمدون ڈنفر، علوم القران (انگریزی) اسلامک فاؤنڈیشن، لیسٹر، برطانیہ، ۱۹۸۳ء۔
- احمد بن عبدالرحمٰن البناء، الفتح الربانی شرح مسند احمد، قاہرہ، ۱۳۷۵ھ۔
- اختر الواسع، پروفیسر، مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن، البلاغ پبلیکیشنز دہلی، 2015۔
- ڈاکٹر احمد خاں، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔
- اسماعیل پاشا البغدادی، ھدیۃ العارفین فی اسماء المولفین وآثار المصنفین، المطبعۃ البھیۃ، استنبول، ۱۹۵۵ء۔
- الاسنوی، جمال الدین عبدالرحیم، الطبعات الشافعیۃ، مطبعہ الارشاد، بغداد، ۱۹۷۰ء۔
- اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، نور محمد کتب خانہ کراچی۔
- افغانی، شمس الحق، علوم القرآن، المیزان، ناشران کتب لاہور، ۲۰۱۵ء۔
- الالبانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء۔
- الواحدی، اسباب النزول، مصطفیٰ البابی، مصر۔
- امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مکتبۂ انجمن خدام القرآن، لاہور، بطبع ثالث، ۱۹۷۶ء۔
- امرتسری، مولانا ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، سرگودھا۔
- الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔
- ابن جزری، محمد بن محمد النشر فی القرات العشر، دار الکتاب العلمیہ، بیروت۔

﴿ب﴾

- باقلانی، محمد بن طیب، مقدمہ اعجاز القرآن، دار المعارف مصر، القاہرہ،
- بھٹوی، عبدالسلام، ترجمہ قرآن مجید، مقدمہ، دار الاندلس، لاہور۔
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، نور محمد اصح المطابع، کراچی، طبع ثانی، ۱۹۶۱ء۔
- بخاری، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء۔
- البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی، ۱۹۸۳ء۔
- ایضاً۔ معالم التنزیل (علی حاشیۃ الخازن) دار الفکر، القاہرہ، ۱۹۷۹ء۔
- بدر الدین العینی رحمہ اللہ، عمدۃ القاری لشرح صحیح البخاری، دار الطباعۃ العامرۃ، استنبول، ۱۳۰۸ھ۔
- البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، السنن الکبری، نشر السنۃ، ملتان۔

﴿ت﴾

- ترمذی، محمد بن عیسی، السنن، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء۔


Marfat.com

- ترمذی، ابوعیسیٰ محمد، السنن، کتب خانۃ رشیدیۃ، دہلی۔
- تھانوی، مولانا اشرف علی، بیان القرآن، تالیفات اشرفیہ، ملتان

﴿ج﴾

- الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، ۲۰ جلد، دار العلم للملایین، بیروت، طبع ثانی، ۱۹۷۹ء۔
- جارج پوسٹ، ڈاکٹر، قرآن کریم کی ڈکشنری، بیروت، ۱۹۹۴ء۔
- جمیل نقوی، اردو تفاسیر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اوّل، فروری ۱۹۹۲ء۔
- الجرجانی، التعریفات، مکتبۃ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، القاہرہ،

﴿ح﴾

- حاجی خلیفۃ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون، مکتبۃ المثنی، بیروت، ۱۳۸۰ھ۔
- حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، دائرۃ المعارف، دکن، ۱۳۴۰ھ۔
- حقانی، عبدالحق، تفسیر حقانی، مکتبہ الحسن، لاہور۔

﴿خ﴾

- الخازن، علاؤالدین علی بن محمد، لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن، (مع حاشیہ تفسیر معالم التنزیل)، دار الفکر القاہرہ، ۱۹۷۹ء۔
- الخزرجی، صفی الدین احمد بن عبداللہ، خلاصہ تہذیب الکمال، المطبعہ الخیریہ، مصر۔
- الخطیب البغدادی، احمد بن علی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف، الریاض، ۱۹۸۳ء۔
- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، طبع بیروت۔
- خطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، اصح المطابع، کراچی۔
- ڈاکٹر خالد مسعود، سہ ماہی فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

﴿د﴾

- داؤدی، شمس الدین محمد بن علی، طبقات المفسرین مکتبۃ وھبۃ القاہرہ، ۱۹۷۲ء۔
- دارمی، ابومحمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن، دار الفکر، بیروت۔
- ایضاً، ایضاً۔ نشر السنۃ، ملتان۔
- دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، لاہور، ۱۹۷۵ء۔

﴿ذ﴾

- ذہبی، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، تذکرۃ الحفاظ، مکتبۃ احیاء التراث العربی القاہرہ۔
- ذہبی، میزان الاعتدال، دار الکتب العلمیہ بیروت۔


Marfat.com

﴿ر﴾

- رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر، مکتبۃ الجامع الازہر، القاہرہ۔
- رازی، محمد بن ابی بکر عبد القادر، مختار الصحاح، مکتبۃ لبنان، بیروت، ۱۹۸۵ء۔
- راغب الاصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمود، معجم مفردات لالفاظ القرآن، المکتبۃ المرتضویۃ، تہران۔
- رشید رضا، الوحی المحمدی، مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۵۴ھ۔
- رشید رضا، تفسیر المنار، مطبعۃ المنار، مصر
- الرافعی، تاریخ آداب العرب، بیروت

﴿ز﴾

- زبیدی، سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، مکتبہ عیسی الحلبی، قاہرہ۔
- زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیۃ، القاہرہ، ۱۳۷۷ھ۔
- ایضاً، ایضاً۔ مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، طبع ۱۲، ۱۹۸۳ء۔
- زمخشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، مصطفیٰ البابی، القاہرہ، ۱۹۴۸ء۔
- زمخشری، اساس البلاغۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- زرکلی، خیر الدین، الاعلام، مطبوعہ مصر ۱۹۴۹ء۔
- زرقانی، محمد عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ۔
- زکریا ہاشم، المستشرقون، الاسلام، بحث الاستعمار والقرآن۔

﴿س﴾

- السبکی، ابو نصر تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین، الطبقات الشافعیۃ، المطبعۃ الحسینیۃ القاہرہ، ۱۹۵۶ء۔
- سخاوی، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن، الضوء اللامع لاہل القرآن التاسع، مکتبۃ الحیاۃ، بیروت۔
- سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن، المطبعہ الازہریۃ، القاہرہ، ۱۹۲۵ء۔
- سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۷۴ء
- سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، دار الکتاب العربی، بیروت
- سیوطی، تفسیر جلالین، کارخانہ تجارت کتب، کراچی۔
- سیوطی، التحبیر فی علم التفسیر، نشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور، ۱۴۰۲ھ
- سیوطی، طبقات المفسرین، مکتبۃ وھبۃ، القاہرہ، ۱۹۷۶ء
- ایضاً، المحلی، جلال الدین محمد بن احمد، تفسیر الجلالین، سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۳۹۸ھ۔
- سیّد سابق العقائد الاسلامیہ، دار الکتاب العربی، بیروت۔

Marfat.com

- سر سید احمد خاں، سیرت محمدی ﷺ، مقبول اکیڈمی، لاہور۔
- سید احمد حسن، احسن التفاسیر، اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی۔
- سیارہ ڈائجسٹ، لاہور۔

﴿ش﴾

- شافعی محمد بن ادریس، الرسالۃ، مکتبہ دار التراث العربی، القاہرۃ طبع ثانی، ۱۹۷۹ء۔
- شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین، ایچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۷۶۔
- شاہ ولی اللہ احمد، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ۱۹۷۰ء۔
- ایضاً، ایضاً (مع اردو ترجمہ) نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۳ھ۔
- الشاطبی، ابراہیم بن موسی، الاعتصام، مطبعۃ المنار، مصر، ۱۳۳۱ھ۔
- شمس الحق افغانی، علوم القرآن، امجد اکیڈمی، لاہور۔
- الشوکانی محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دار المعرفۃ، بیروت۔
- ایضاً، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرآن السابع مطبع السعادہ، القاہرہ، ۱۳۴۸ھ۔
- ایضاً، فتح القدیر بین فن الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت۔
- الشلبی، الدکتور محمد مصطفیٰ، اصول الفقہ الاسلامی، دار الفکر بیروت۔

﴿ص﴾

- الصابونی محمد بن علی، التبیان فی علوم القرآن، مکتبۃ الغزالی، دمشق۔
- صارم، عبدالصمد، تاریخ القرآن، لاہور
- صالح عبدالحکیم، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم،
- صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، مترجم: غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۷۔
- صدیق بن حسن، السید، ابجد العلوم ۳ جلد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت طبع ثانی، ۱۹۷۸ء۔
- الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، الوافی بالوفیات، مرکز الطباعۃ الحدیثۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء۔

﴿ط﴾

- الطبری محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، مکتبۃ مصطفیٰ البابی واولادہ، القاہرہ طبع ثالث، ۱۹۶۸ء۔
- طبرانی، سلیمان بن محمد، المعجم الاوسط، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۸۶ء۔
- طحاوی، احمد بن محمد، مشکل الآثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۹ھ۔

﴿ع﴾

- عبدالعزیز، تفسیر ابن عباس ومرویات فی التفسیر من کتب السنۃ، جامعۃ ام القریٰ، مکۃ المکرمۃ۔
- عبدالعظیم المعانی، احمد الغندور، احکام من القرآن والسنۃ، دار المعارف القاہرہ، طبع ثانی، ۱۹۶۷ء۔


Marfat.com

- عبدالوھاب خلاف، علم اصول فقۃ، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، القاھرہ، طبع ثانی، ۱۹۵۶ء۔
- عثمانی، مولانا تقی، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۱۴ء۔
- علی متقی الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، موئسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۱ء۔
- عبدالعلی، التمہید فی بیان التوحید، مطبع فاروقی دہلی، ۱۳۰۹ء۔
- عہدنامہ قدیم، الاحبار۔
- علی المنتصر الکتانی، المسلمون فی اور باوا امریکہ، ۱۹۷۶ء۔
- ملاعلی قاری، المنح الفکریہ، شرح المقدمۃ الجزریہ؛ مطبوعہ ابناء غلام رسول۔
- عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، مرکز دعوہ والارشاد، الریاض

﴿غ﴾

- غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، ملک سنز، فیصل آباد، طبع رابع۔ ۱۹۸۹ء۔
- غازی، محمود احمد، ڈاکٹر محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۴ء۔
- غلام رسول، چیمہ، جواہر القرآن، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۳ء۔

﴿ف﴾

- فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیریہ فصل فی مقدار القرآ دفی التراویح۔
- الفراء، معانی القرآن، طبع انتشارات ناصر خسرو، طہران۔
- فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دارالفکر، بیروت۔
- الفلاح، محمد عبدہ، تاریخ القرآن، مکتبہ دارالحدیث، راجووال، اوکاڑہ۔

﴿ق﴾

- قاضی فضل اللہ تورپشتی، المعتمد فی المعتقد، مطبع مظہر العجائب، مدارس، ۱۲۸۸ھ۔
- القسطلانی، احمد بن محمد، ارشاد الساری، بولاق مصر ۱۳۲۳ھ۔
- قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء۔
- القلشقندی، صبح الاعشیٰ، مطبعہ امیریہ، قاہرہ ر۱۳۳۲ھ۔

﴿ک﴾

- الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، دارالفکر، دمشق طبع ثانی، ۱۹۶۴ء۔
- کحالۃ عمر رضا، معجم المؤلفین، جلد، المطبعۃ البھیۃ استنبول، ۱۹۵۵ء۔
- ایضاً، ایضاً، مطبعۃ الترقی، دمشق، ۱۹۶۱ء۔
- کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری شرح صحیح بخاری، قاہرہ، ۱۳۵۷ھ۔
- کیرانوی، علامہ شیخ رحمت اللہ، اظہار الحق، مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۹۷۰ء۔


Marfat.com

- کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، مترادفات القرآن، مکتبہ الاسلام لاہور۔
- کیلانی، عبدالرحمان، مولانا تیسیر القرآن، مقدمہ از عتیق الرحمٰن کیلانی، مکتبہ اسلام وسن پورہ، لاہور۔
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور۔

﴿گ﴾

- گولڈزیہر، اگناز، مذاہب التفسیر الاسلامی (ترجمہ عربی عبدالحلیم نجار)، مکتبہ المثنی، بغداد، ۱۹۵۵ء۔

﴿ل﴾

- لکھنوی، عبدالحی، الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۹۳ھ۔

﴿م﴾

- مالک بن انس، المؤطا، دار النقاش، بیروت، طبع رابع، ۱۹۸۰ء۔
- محمد احمد عیسوی، تفسیر ابن مسعود، مؤسسۃ الملک فیصل، الریاض، طبع اول، ۱۹۸۵ء۔
- محمد ادیب الصالح، تفسیر النصوص فی الفقۃ الاسلامی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۴ء۔
- محمد بن عبدالمنعم الحمیری، الروض المعطار فی خبر القطار، تحقیق احسان عباس، مکتبہ لبنان، بیروت، طبع ثانی، ۱۹۸۴ء۔
- محمد حسن، الامام الشوکانی مفسراء دارالشروق، جدۃ، الطبع اول۔ ۱۹۸۱ء
- محمد حسین الذھبی، التفسیر والمفسرون، القاہرہ، ۱۹۶۱ء
- محمد حنیف الندوی، مطالعہ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع ثانی، ۱۹۸۵ء۔
- محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن۔ ۲ جلد، داراحیاء الکتب العربیۃ، القاہرہ، طبع ثانی، ۱۳۷۲ھ۔
- محمد سالم قاسمی، سید عبدالرؤف عالی، جائزہ تراجم قرآنی
- محمد مالک، التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل، کراچی، ۱۳۸۲ھ
- محمد نصر المکی، نھایۃ القول المفید فی علوم التجوید، القاہرہ، ۱۳۴۹ھ۔
- محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ادارہ خلافت خلق، بہار، انڈیا ۱۹۹۹ء۔
- محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی۔
- مولانا محمود الحسن، قرآن شریف مترجم مدینہ بک ڈپو، دہلی۔
- روح المعانی، داراحیاء التراث الاسلامی بیروت۔
- محمود بن احمد الفارسی اسماء رجال المصابیح، مخطوط (راقم الحروف کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ، گلاسکو یونیورسٹی، گلاسکو برطانیہ ۱۹۸۸ء۔
- مسلم بن حجاج القشیری، مسلم الجامع الصحیح، دارالسلام الریاض، ۲۰۰۰ء۔
- مسلم، بن حجاج، الجامع الصحیح، سراج دین اینڈ سنز لاہور۔
- معین الدین ندوی تاریخ اسلام، ۴ جلد، مطبوعہ اعظم گڑھ ندوہ۔


Marfat.com

- مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء
- منظور احمد، تاریخ تفسیر واصول تفسیر، علمی کتب خانہ، لاہور
- موریس بکائے، بائیبل قرآن اور سائنس (اردو ترجمہ ثناء الحق صدیقی) دار العلوم الاسلامیۃ، کراچی، ۱۹۸۱ء۔
- ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاری، القاهرة
- منٹگمری واٹ، محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹمین، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۷۱ء۔
- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی۔
- مزی، تہذیب الکمال، موئسسہ الرسالہ، بیروت،
- مودودی، ابوالاعلی، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔
- مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء۔
- مولانا مودودی کی خودنوشت یادداشتیں وثائق مودودی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور
- مصطفیٰ صادق رافعی، اعجاز القرآن،
- مولوی محبوب عالم، انسائیکلوپیڈیا،
- محمد علی، قاری، قرآن مجید مع خلاصۃ التفاسیر، مطبع اثناعشری دہلی۔
- مولانا محمد نعیم، تفسیر انوار القرآن، مکتبہ انوار القرآن، دیوبند۔
- محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، تہران

﴿ن﴾

- النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد، مدارک التنزیل المعروف تفسیر نسفی، دار احیاء الکتب العربیۃ، القاہرہ۔
- نظام الدین الحسن بن محمد النیشاپوری، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ، طبع اول ۱۹۶۲ء۔
- نووی، یحیٰ بن شرف الدین، مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ
- نجیب العقیقی، المستشرقون، دار المعارف قاہرہ، ۱۹۶۴ء۔

﴿و﴾

- الواحدی، ابوالحسن علی بن احمد، اسباب النزول (مع حاشیۃ الناسخ والمنسوخ لابی القاسم ھبۃ اللہ بن سلامۃ) دار المعرفۃ، بیروت۔
- ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکاۃ المصابیح، دہلی، ۱۹۷۷ء۔

﴿ھ﴾

- الھیثمی، نورالدین علی بن بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مؤسسۃ المارف، بیروت، ۱۹۸۶ء۔
- ہاشمی، ڈاکٹر ازکیہ ہاشمی، تعارف وحی، علوم القرآن، کوڈ نمبر: ۲۵۵۱، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

Marfat.com

﴿ی﴾

- یاقوت الحموی، شہابت الدین ابوعبداللہ، معجم الادباء المعروف بارشاد الاریب، مطبعۃ الھندیۃ القاہرہ، ۱۹۸۴ء۔
- یاقوت الحموی، معجم البلدان، دار التراث العربی، بیروت۔
- یعقوب حسن، کشاف الھدی، دفتر اشاعر مدارس، ۱۳۲۳ء۔
- Arthor Jeffery "Islam, Muhammad and His Religion,India 1979
- Arthorjeffery, Marterial for the History of the Text of the Quran, Leiden 1939
- A.R.Nykl, Note On Palmer's the Quran, Journal of the American Oriential society,1936
- Abdul Hameed Sadique, The Holy Quran, Trust building, urdu Bazar Lahore,1975
- AbdulMajid DryaAbadi, Holy Quran,Taj company,1957,preface
- AbdullahYousafAli,TheHolyQuran.RibonPrintedPressbullRoad,1934
- Ahmad Ali, The holy Quran with tanslation, New Jersy, Oxford University Press,1964
- Ali, Muhammad Moher, A word for word Meaning of the Quran, Jamiyat AhyaaMinhaj al-Sunnah,Oxford,2003,
- Auther John Arbery, the koran Interpreted, London, George Allen, and unwin,1955
- Bellamy, James A, some purposed emendation to the text of Quran. The journalof Americanorientalsociety,oct-Dce,1993
- Bewely,AbdulHaqand Aysha,thenoble Quran, London,2005
- George Sale, The karan Comanly called the Alkoran of Muhammad, London j.wilcon.edition:160,P:,vol،1856
- Ghulam Serer.Areviewofthetranslation oftheHolyQuran,Karachi, Pakistan,book foundation,1937,xi,xii
- Ghali,Towardsunderstanding thegloriousQuran,Dar-an-Nasharuljamiat Qahra, 2008,preface
- JihnMeadoes Rodwell, The Koran, London,wilcon and Nargative
- Kidwai. A.R. Translation the untransable, sarup publisher s pvt, Ltd, New delhi,2011

Marfat.com

- M.MaherAli,TheQuranandtheorientalist,Norwich,UK,2004-
- Malik Muhammad Farooq -azam, english translation of the meaning of Al-Quran ,the guidance for mankind, Institute for Islamic Knowledge, houston,Tonas,2009,perface
- Muhammad Asad, The meaning of the Quran, Translated and anplained Gibalar Dar-ul-Andalus,1980
- Muhammad Khalifa, The sublime Quran and Ornientalism, Longman London and Newyork,1983
- Morril, Dr Bell's Critical Anaylsis of the Quran , the journal of Oriental societyotc- Dec,1992
- Pickhtal,Muhammad Marmaduke,ThemeaningofgloriousQuran,Taj compaylahore
- RossAlenender,TheAlkoranofMuhomet,London,AnnoDom,1649
- Shorter Encyclopaedia of islam. Karachi.1891
- Encyclopaedia of islam. Leiden & London. 1960
- The World Family Encyclopaedia 1957
- Margoliouth D.S Encyclopaedia of Religion and Anthics
- W. Montgomary Watt, Mohammad at Macca
- Montgomary Watt, Muhammad Prophet and Statesman, Oxford Univdrsity,1971.
- Watt, Bell Introduction to the Quran, Islamic Survey Services & Edinbury, 1970.
- Noldeke, Theodor, Geschichte qoraus, Gottingen 1860.
- Muir, William, The life of Mohammad
- Rodwell, J.M, The Koran Translated London, 1953
- Roadwell J.M The Koran, Translated London 1953
- Hirchfold, Hartwig, Coran Taduction Selan unessari de reclassement des sourats paris 1947-51
- Bell Richard Translation of the Quran 1937-39


Marfat.com